نظام الملک طوسی

یعنی الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر کبیر ابو علی حسن بن علی بن اسحاق طوسی

المخاطب بہ

خواجہ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، رضی امیر المومنین کی

مفصّل سوانح عمری

پہلا اور دُوسرا حصّہ مکمل

مؤلفہ

مولوی محمد عبدالرزّاق صاحب کانپوری مصنف البرامکہ

شائع کردہ

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ، کراچی (پاکستان)

بار اوّل: ـــــ ۱۹۱۲ء ـــــ نامی پریس کانپور (ہندوستان)

بار دوم: ـــــ نومبر ۱۹۶۱ء ـــــ نفیس اکیڈیمی، کراچی (پاکستان)

طباعت: ـــــ انٹرنیشنل پریس، کراچی

فہرست

صفحہ

صفحہ

دوسرا حصہ

حسن صباح بانی دولت اسمٰعیلیہ شرقیہ ۴۱۹

قاہرہ کا ایوان الکبیر ۴۳۳

مجالس الدعوۃ ۴۳۴

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم و فنون کی اشاعت

ضمیمہ

عالمِ اسلام کا پہلا آئین ساز وزیرِ اعظم

خواجہ نظام الملک طوسی

از: محمد اقبال سلیم گاھندری

عباسیوں کے وزراء آل برمک کے بعد سب سے زیادہ جس وزیر نے حسنِ تدبیر، فکر رسا، اور ذہن بے مثال میں عالمگیر شہرت حاصل کی وہ نظام الملک طوسی تھا، یہ ادیب، ادب پرور، عالم، عالموں کا قدردان، عقل نکتہ پرور کا مالک اور فکر رسا کا حامل تھا، اس کا زمانہ باطنی فرقوں، خصوصاً نزاریوں کے مشہور داعی شیخ الجبال حسن بن صباح کی مساعی سے بڑا نازک زمانہ تھا، حسن بن صباح جس کی ساحرانہ قوت اور قلعہ التموت کی جنت ارضی ضرب المثل ہو گئی ہے۔ نظام الملک کا اسی ساحر الموت نے بالآخر خاتمہ بھی کرادیا۔ صرف نظام الملک پر کیا منحصر ہے۔ اس عہد کا ہر صاحب علم، صاحب تدبیر اور صاحب ایمان حسن بن صباح کے فدائیوں کے خوف سے کانپ رہا تھا، اور کئی درجن ایسے ارباب علم و فضل نے جن کی مقدس زندگیوں کا ہر ہر لمحہ اوروں کی پوری پوری حیات سے زیادہ قیمتی تھا۔ ان باطنیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ حضرت نجم الدین کبریٰ جیسے سیکڑوں ہی بزرگوں کے چراغِ حیات کو ان ظالموں نے گُل کر دیا۔

یہی زمانہ ریاضی اور دیگر عقلی علوم کی پختگی کا تھا، امام غزالی جیسا فلسفی، عمر خیام جیسا بے مثال ریاضی داں اور امام الحرمین جوینی جیسا علامۂ زمان سب اسی زمانہ میں تھے، اور ان سب کے نظام الملک طوسی سے گہرے مراسم تھے۔ غرض یہ کہ آل برمک کے بعد نظام الملک سے زیادہ نامی و گرامی وزیر کوئی نہ ہوا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری المتوفی ۱۳۰۲ھ البرامکہ جیسی عالمانہ اور مورخانہ کتاب اُردو میں لکھنے کے بعد نظام الملک طوسی کی تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ تحقیق و تدقیق، مورخانہ ژرف نگاہی، اور عالمانہ کارنامے کے طور پر یہ دونوں کتابیں اُردو زبان کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں اور رہتی دنیا تک قابل فخر سرمایہ ہی رہیں گی۔

مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ایک مورخ کی حیثیت سے

ان کی شہرت اُردو داں طبقہ تک ہی محدود نہیں ۔ بلکہ دنیا بھر کے علمی حلقے ان کی تاریخ دانی کے معترف ہیں۔ مشہور و معروف مستشرق ڈیمبرے نے اپنی کتاب دویسٹرن کلچر ان ایسٹرن لینڈ) میں لکھا ہے۔ کہ انگریزی حکومت کے عہد میں ہندوستان میں تین ایسے ادیب پیدا ہوئے ہیں۔ جنھوں نے مغرب کے علمی تحقیق کے طریقے کو بہترین انداز سے اپنایا ہے۔

یہ تین ادیب

سید امیر علی جسٹس ۔ علامہ شبلی اور مولانا عبدالرزاق کانپوری ہیں۔

یہ رائے بالکل بے لاگ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے علمی تحقیق کا نہایت بلند معیار قائم کیا۔

زیر نظر کتاب جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا۔ آپ کے سامنے ہے۔ اور آپ بذات خود اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ **نظام الملک** طوسی کے پایہ کی علمی کتابیں اُردو زبان میں ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی بہت کم ہیں۔ مولانا موصوف نے اگرچہ ایک فرد کی سوانح عمری لکھی ہے۔ لیکن درحقیقت انھوں نے ایک مکمل عہد کو از سرِ نو زندہ کر دکھایا ہے۔ اور نظام الملک طوسی کے عہد کی تمام باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے۔ ان مشاہیر میں علما بھی ہیں شعرا بھی، محدث بھی، فقیہ بھی، عمر خیام اور حسن بن صباح کے بارے میں تو تفصیل سے لکھا ہے۔ اور یہ تھا بھی ضروری، ایک تو اس لئے کہ اس عہد کی کوئی تاریخ یا تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے نظام الملک سے ان دونوں کا گہرا تعلق تھا۔ تینوں ہم مکتب تھے۔ اور زمانہ طالب علمی میں انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ تینوں میں سے جو بھی مستقبل میں صاحبِ جاہ و ثروت ہو، وہ باقی دو دوستوں کی مدد کرے۔

یہ واقعہ ان تینوں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

عمر خیام سے جو روایات عام طور پر منسوب کی جاتی ہیں۔ ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ محض ایک شاعر رند مشرب تھا۔ لیکن مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری نے پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے۔ کہ کچھ شاعری ہی اس کے لئے ذریعہ عزت نہ تھی بلکہ وہ فلسفہ، منطق، ریاضی تفسیر، علمِ قرأت اور علمِ نجوم وغیرہ میں بھی کمال رکھتا تھا۔ ریاضی داں تو وہ ایسا تھا کہ دنیائے

دفعہ مولانا موصوف نے ہی پیش کئے۔ الغرض زیر نظر کتاب معلومات کا ایک خزینہ ہے۔ اور اس کے لئے ساری اردو دنیا مولف مرحوم کی ممنون ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ "نفیس اکیڈیمی" کی طرف سے یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک ہم اپنے ماضی سے پوری طرح واقف نہ ہوں گے اُس وقت تک نہ تو ہم اپنے حال کو روشن کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مستقبل کے خاکے میں رنگ آمیزی کے لائق ہو سکتے ہیں۔

ہم عنقریب چند ایک ایسے تاریخی جواہر ریزے پیش کر رہے ہیں۔ جن کی ہمیں جہاں آج ضرورت ہے۔ وہاں کل کا مورخ بھی اس داستان پارینہ سے استفادہ کرے گا حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کی زندگی کا انحصار ہی ماضی پر ہے۔ اور ماضی کی تاریخ کو محفوظ کرنا ایک اہم قومی خدمت ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ کتابیں اہلِ علم کے نزدیک انشاء اللہ حسنِ قبول حاصل کریں گی۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ علم و فن کی خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

دیباچہ

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمینَ والصَّلٰوۃ علیٰ سیّدِ المرسلین وعلیٰ آلہِ الطیّبین واصحابہٖ اجمعینؕ

اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا — قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا

بندے سے مگر ہو گا حق کیونکر ادا تیرا — گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا

اسلاف پرستی کا اثر اخلاف پر

اب سے بیس برس پہلے آنریبل سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر مرحوم نے المامون (مصنّفہ علّامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجۂ ذیل مقولہ سے شروع کیا تھا۔ "یہ نہایت سچّا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو، جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بُھلا دے، یا اُن کو نہ جانے بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا، دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شیخی کیا کریں، تو استخوان حبد فروش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا چسکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔"

مقولہ مذکورۂ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے۔ "ہم مسلمانوں میں آج کل ایک نیا مرض شائع ہو گیا ہے، جس کو اسلاف پرستی کہتے ہیں اکثر انگریزی داں نوجوان ہمارے خصوصًا علی گڑھ کے طلبہ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ اور اس مرض کی اشاعت کے بانی اول در چار یوروپین مورخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار . . . . ان حضرات نے آفت برپا کر دی ہے۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہے، کوئی تمدنی خوبیاں گناتا ہے کوئی

---

[1] رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چہارم۔ مقام رام پور ۱۸۹۰ء صفحہ ۴۸، ۴۶، اڈریس نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست تیار کرتا ہے۔ کوئی ہماری یونانی کتابوں کے ترجموں کا حساب دیتا ہے، کوئی اندلس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے، کوئی ہارون اور مامون کی شان بیان کرتا ہے۔

اس محسن قوم کے نزدیک یہ سب مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جب ناصح مشفق دیکھتا ہے کہ قوم میں یہ مرض بڑھ رہا ہے، اور کسی کے روکے نہیں رُکتا ہے، تو خود ہی مہربان طبیب بن کر ازالہ امراض کے لئے یہ نسخہ تجویز کرتا ہے: اس میں شک نہیں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے، مگر اسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں، اور اُن کی عزت کریں، اور اصل طریقہ اُن کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہے کہ ہم اُن کے قدم پر قدم رکھیں اور اُن کی محنت، اُن کی یک رنگی، اُن کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور اُن کا سا صبر و استقلال، اُن کا سا انہماک طلب علم میں پیدا کریں، اور جس فن کو اختیار کریں، اُس میں اُن کی سی نظر تحقیق حاصل کریں۔ نہ یہ کہ ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اُس پر غرہ کریں اور مثل زن بیوہ کے اُن کے نام پہ بیٹھے رہیں، اور اُن کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سُن کر زمانہ حال کی دولت علمی کو حقیر سمجھیں۔ اور اُس کے دریافت سے اغماض کریں۔ مختصر یہ کہ اسلاف پرستی کو اپنی جہالت یا کاہلی یا نفس پروری کا بہانہ گردانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بزرگیوں کو یاد کر کے ہم اپنے عیوب سے غافل ہو جائیں۔ اُس شخص نے تاریخ پر بالکل کورانہ نظر ڈالی ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات ہم میں اس وقت کسی قدر مبالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔ اور ہماری ناکامی کا تخم بو رہے تھے۔ "من عرف نفسه فقد عرف ربه" خدا شناسی کے واسطے اوّل خود شناسی ضرور ہے، جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہ ہوں اور اُن کو صداقت کے ساتھ تسلیم نہ کر لیں کبھی ہماری حالت میں اصلاح نہیں ہو سکتی مگر بے شک یہ "اٰخر العلاج الکی" کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے اذیت بہت ہوتی ہے۔ نفس انسانی جو بالطبع خوشامد پسند ہے۔ اپنے عیب چینی کے گزند سے چیخ اٹھتا ہے۔ اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے۔ عین الرضا

ہر فرد بشر کو پسندیدہ ہے، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ[1]

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ　　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے دوسرا ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہے وہ دراصل ہمارا دشمن ہے۔

والعاقل تکفیہ الاشارۃ:۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہے کہ ہم اسلاف کے کارنامے مزا لینے اور اظہار فخر کے لئے پڑھا کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی کے اسباب اور کامیابی کے راز کیا تھے، اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے یا نہیں؟

تاریخ و سیرت میں اعلیٰ تصنیفات کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کے حل ہونے کے بعد اب ایک سوال یہ ہے کہ ایسی کتابیں یہ کہاں مل سکتی ہیں جو اسلاف کے صحیح حالات کا مرقع ہوں؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ علمائے مشرق اور مغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ مشرقی علماء میں ایسے مصنفین کا قحط ہے، جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ لکھیں اور صحیح ماخذ سے لکھیں! اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال رکھتے ہیں، مگر اس کا کیا علاج ہے کہ تاریخ اسلام لکھتے ہوئے نہایت بیدردی، مگر کمال دور اندیشی سے، مہذب تصرف کرتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ، مغربی مذاق میں تصنیف کریں یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر دقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں میں باستثنا بعض عربی زبان دانی کا عنصر نہیں ہے، اور ان کی نظر صرف انگریزی علم ادب تک محدود ہے، لہٰذا یہ تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو۔ ہمارے عزیز عربی کی تکمیل کر کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ مگر بقول غالب مرحوم ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

---

[1] خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہے جس کو برائی ہی برائی سوجھتی ہے۔

معنی، بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ، پیٹ بھرلینا، یا چند گھنٹے فکر معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پلنگ کرسو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرۂ انسانیت سے خارج ہیں۔ اور اُن کی مثال حشرات الارض اور برسات کے سبزۂ خودرو سے زیادہ نہیں ہے۔ حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمال حسنہ اور خصائل حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظام الملک طوسی بھی انھیں ناموران اسلام کے طبقہ میں ہے۔ جس کے مساعی جمیلہ سے صفحات تاریخ گرانبار احسان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرائے اسلام میں برامکہ کے بعد دوسرے درجہ پر یہی ممتاز وزیر تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اُردو علم ادب میں آج کل پچاس فی صدی عاشقانہ نظمیں، ناول، افسانے، اور قصص وحکایات شائع ہوتی ہیں اور بقیہ نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب، ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں۔ اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف اور تالیف سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم وفنون کی کتابیں تھیں۔ قصص وحکایات میں کلیلہ دمنہ جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں۔ لیکن ہمارے زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے رینالڈز کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سلسلۂ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے، جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم وفنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں۔ اور ہنوز سینکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی ابتدائی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو آسانی ہو جائے۔ لہٰذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزرائے اسلام فائدہ سے خالی نہیں ہے جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوتی ہے۔

اُردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آیندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جائے۔ لیکن عرض مطلب سے پہلے اُردو کی ابتدائی

ی بات ہے وہ تو اردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں
کا یہ نتیجہ ہے کہ کسی موقعہ پر اگر قومی شجاعت، ہمت، غیرت، یا کسی اہل علم کا ذکر
ی اسلام کے بجائے مشاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلماء کے
ی العلماء شبلی نعمانی نے نوجوانان قوم کو مخاطب کرکے حسب ذیل اشعار پڑھے
رنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

یورپ ار گپ زنداں نیز مسلم باشد	رع با فسانہ برابر نبہی
شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد	سئلہ فقہ ز یوروپ طلبی
گرمی بزم تو از سیزر اعظم باشد	و عمرؓ ہیچ بیادت ناید
ہرچہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد	ردار سیرت شان نبوی

یالات کا یہ سبب نہیں ہے کہ نوجوانانِ قوم سے خدانخواستہ قومی حمیت اور
ہ سلب ہو چکا ہے۔ بلکہ اُس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیم جدیدہ میں اوّل سے آخر
ہی نہیں ملتا ہے کہ تاریخ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ ایسی
ی زبان سے جو لفظ نکلے گا وہ مغربی ٹکسال کا ہوگا لیکن انشاء اللہ اُمید ہے کہ
ائم ہونے پر یہ شکایت باقی نہ رہے گی۔

ب نظام الملک طوسی

تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق، جو مشکلات ہیں،
وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود اُن اسباب
ں سے جسارت کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہوکر ہندی (اردو) علم ادب
ت نہ کرنا، داخل کفرانِ نعمت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام
فرض ہونا چاہیئے کہ اُن اسلاف کو جو صفات خاص سے اپنے زمانہ میں ضرب المثل
کی زندگی سے محروم نہ رکھیں۔ اور یہ زندگی اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہے
حیات مستعار میں جو معرکۃ الآرا کام کئے ہیں ہم اُن کو منظر عام پر لادیں۔ اور
فحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ کیونکہ معمولی مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن
ں کے کارنامے ہماری غفلت سے مٹ جائیں گے۔ جو لوگ حیاتِ انسانی کے

معنی بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ پیٹ بھر لینا
ے پکڑ کر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرۂ انسا
اور برسات کے سبزۂ خودرو سے زیادہ نہیں۔
اپنے اعمال حسنہ اور خصائل حمیدہ سے قیا
طوسی بھی اُنھیں ناموران اسلام کے طبقہ
احسان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرائے ا
تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔
تیسرا سبب یہ ہے کہ اُردو علم ادب
افسانے اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہ
ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ اور سیر کی کتا
بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ
ہندے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنو
جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں لیکن
ے رینالڈز کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ ا
ے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے جس
کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ
ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں
طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل
کو آسانی ہو جائے۔ لہٰذا غیر مفید کتابوں کے م
جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی
اُردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف
زبان میں ترقی ہو۔ ا
اضافہ ہو اور آئندہ ترقی کے وسائل پر بھی

تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں مہاراجہ بکرماجیت (۵۶ھ برس قبل مسیح علیہ السلام) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیوبانی یا زبان الٰہی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی غیر مہذب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کالیداس کا ناٹک شکنتلا ہے۔ بعدازاں بدھ مذہب کی ترقی سے مگدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا۔ اور یہ حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ لیکن ۵۸۷ھ و ۱۱۹۱ء (عہد شہاب الدین غوری) میں جب ہندوستان پر ہلال اسلام پرتوفگن ہوا تو ملک کی تقریری زبان پراکرت کے درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہے)، مگر جب ترکی، افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی، الفاظ دخیل ہو گئے۔ جس کی نظیر چند کوی شاعر کی کتاب "پرتھی راج راسا" ہے۔ بعدازاں خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء) نے پہیلیاں، مکرنیاں، نسبتیں، غزلیں اور خالق باری، لکھ کر اس مذاق کو اور ترقی دی۔ ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء میں (عہد حکومت بہلول لودھی)، کالستھوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہو کر شاہی دفتر میں داخل ہوتے۔ اب تمام ملک پر عربی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم میں بھی یہی رنگ غالب تھا (کبیر داس بنارسی کے دُہرے، گرو نانک صاحب کی تصنیفات اور بابا تلسی داس کی راماین دیکھو)، سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے۔ لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اکبر اعظم کے عہد زریں میں جب قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت اور بھاشا میں نمایاں ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خانخاناں کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔ اور ملک محمد جائسی کی پدماوت تورلائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اُس کی بازاروں میں مانگ ہے جہانگیر نے بھاشا کی اعلےٰ نظموں پر انعام دے کر شاعروں کے حوصلے بڑھائے۔ اس قدر دانی کا بھی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غواصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جیسے نامور شاعر ہوئے۔ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تو بھاشا معراج کمال پر پہنچ گئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے سلاطین اسلام کے آغوش تربیت میں

پرورش پائی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں رجب کہ ۱۰۸۵ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں دلی آباد ہوئی ترقی کر کے "اردوئے معلیٰ" کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبالی ہے کہ اردو کا سکہ آج تک اُس کے نام سے چل رہا ہے۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری تھے۔ عالمگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ دکھنی (ولی تخلص)، اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں شاہ صاحب نے سب سے اول ریختہ (اسی زبان کا دوسرا نام ہے) میں دیوان مرتب کیا اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک شاہراہ قائم کر گئے۔ ولی کے بعد میر، سودا اور انشار کا دور آیا، جنھوں نے شاہان اودھ کی سرپرستی میں اُردو کو اُردوئے معلےٰ بنا دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ ولی کے بعد زبان دانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد طبقہ متاخرین میں مومن، ذوق، غالب دہلوی اور ناسخ و آتش لکھنوی پر نظم اُردو کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن علمی زبان کا درجہ نثر نگاروں کی بدولت حاصل ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد گردش فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک دولت برطانیہ کو بنا دیا تو سکہ کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی۔ جس کو برٹش حکام کی دست گیری نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے مسٹر فرگسن[1]، اور جنرل ولیم پیاٹرک کے لغات اُردو، اور میر[2] محمد عطا حسین خاں تحسین کی کتاب نوطرز مرصع کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں۔ لیکن اُنیسویں صدی کا شروع ہونا تھا کہ اُردو کی قسمت جاگ اُٹھی۔ اور دارالسلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا۔ یعنی فورٹ ولیم میں اُردو کا بیت الحکمت قائم ہوا۔ جس کے ناظم (سکرٹری)، ڈاکٹر جان گلگرسٹ صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور

---

[1] مسٹر فرگسن کا اردو لغت ۱۷۷۳ء میں اور جنرل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی وہ لغت جو عربی فارسی سے ہندی میں آئے) ۱۷۸۵ء میں بمقام لندن شائع ہوا۔

[2] میر صاحب اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں امیر خسرو کی کتاب چہار درویش کا ترجمہ کیا تھا۔

لکھنؤ کے حسبِ ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کئے۔ اور اشاعت کتب کے لئے ایک عمدہ نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد کیا۔

(۱) میر شیر علی افسوس لکھنوی (۲) سید محمد حیدر بخش حیدری
(۳) میر امّن دہلوی (میر صاحب کی نثر میر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)
(۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔
(۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوجی پنڈت گجراتی۔
(۸) نہال چند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی ولا

گورنمنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں تیار ہوں جو ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز معاشرت سے واقف ہو جائیں۔ چنانچہ حسب منشا سرکار تصنیف و تالیف اور ترجمہ سے مفید کتابیں تیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصاً اور تمام ملک میں عموماً مقبول ہوئیں۔ ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء میں میر انشاء اللہ خاں انشاؔ نے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زبان دانی کا پورا حق ادا کیا ہے اور عجیب و غریب نکتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اور اُردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ، جان شکسپیر، اور ڈاکٹر فیلن صاحبان نے

لے ان بزرگوں کی تصنیفات نمبروار حسب ذیل ہیں۔

(۱) آرائش محفل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات)، باغ اُردو ترجمہ گلستاں (۲)، توتا کہانی۔ آرائش محفل (قصہ حاتم طائی)، وہ مجلس، گلزار دانش۔ ترجمہ بہار دانش، تاریخ نادری (۳)، باغ و بہار یعنی قصہ چہار درویش دلّی کی زبان میں، گنج خوبی (۴) نثر بے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحرالبیان کا قصہ نثر میں)، اخلاق ہندی (۵) خرد افروز ترجمہ عیار دانش ابوالفضل (۶) شکنتلا، دستور ہند (بارہ ماسہ)، (۷)، پریم ساگر، وغیرہ ترجمہ (۸) مذہب عشق (گل بکاولی کا قصہ، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا (۹) مناظرہ انسان و حیوان (اخوان الصفا کے ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے)، (۱۰) بتیال پچیسی بطرز سنگھاسن بتیسی۔

اُردو ہندوستانی لغت شائع کیے۔ ۱۸۳۵ء میں شاہی دفتر فارسی سے اُردو ہو گیا۔ اور یہ زبان تعلیمی قرار پائی۔ ۱۸۳۷ء میں لیتھوگراف پریس دلّی میں جاری ہوا۔ یہ اسباب تھے جنھوں نے اُردو کو علمی درجہ پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی محبت سے اُردو زبان۔ "ہندی" کہلاتی تھی۔ (اُس زمانے کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو) چنانچہ وہی ہندی ہے، جو آج تک اُردو کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور جس کو بعض نا عاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندوؤں، مسلمانوں، اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار ہے۔ مگر انشاء اللہ جب تک برٹش راج قائم ہے اس کا مٹانا محال ہے کیونکہ مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصہ لیا تھا۔ اور ہندوؤں پر تو اُردو کا سب سے زیادہ حق ہے۔ کیونکہ اس کی نبیاد سنسکرت وبھاشا پر قائم ہوئی ہے۔ اور مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ماں اپنے بچہ پر باپ سے زیادہ مہربان ہو۔

زبان اُردو کی موجودہ حالت اور آئندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ تو عہد گذشتہ کی تاریخ تھی لیکن اُردو نے اُنیسویں صدی میں جس قدر ترقی کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور نہایت قابل قدر ہے، اور تصنیفات وتراجم کے ذخائر سے اُردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ مشرقیہ سے مقابلہ کیا جائے تو اُردو ہنوز ابتدائی حالت میں ہے مثالاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے۔

۱۔ ترکی۔ یہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب مغربی علوم وفنون کے سرمایہ سے معمور ہے۔ اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ عربی۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے۔ صوبہ یمن اور حجاز میں اگرچہ کمی تعلیم سے جمود کی حالت میں ہے۔ لیکن مصر، بیروت، شام اور ممالک بربر میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ علمی رسائل اور اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے۔

۳۔ فارسی، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے شہنشاہ ناصرالدین شہید کے زمانے میں ترجمہ کے لئے بیت الحکمۃ قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے ذریعہ سے تیار ہوتیں۔

۴۔ بنگلہ، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے، اور نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالا مال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی کا قدم آگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اُردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ پر نظر کی جائے تو عیش و طرب کی داستانوں اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی جس قدر سرمایہ ہے وہ زمانہ انگریزی کی پیداوار ہے۔ دوسری زبانوں سے اُردو میں جو ترجمہ ہوا ہے ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے انجمن تعلیم مسلمانان (ایجوکیشنل کانفرنس) اور انجمن اُردو (کانفرنس اُردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور کر کے عملی کام شروع کر دینا چاہیے۔

۱۔ مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں، اور ہر تعلیم یافتہ کسی علم و فن کی ایک مفید کتاب ترجمہ کرے۔ اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا اُمرائے دولت سے اُمیدوار نہ ہو، بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اُصول پر نفع اُٹھایا جائے۔

۲۔ انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں عملی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کے لئے نستعلیق ٹائپ کو ترقی دی جائے اور فی الحال بیروت کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵۔ ہر صوبہ سے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں۔ اور علمی رسائل کو ترقی دی جائے۔

۶۔ ہر ضلع اور قصبات میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی رہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اُردو کمزور حالت میں ہے۔ مثلاً بنگالہ، بمبئی، مدراس ممالک متوسط، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اردو کی عام اشاعت کی جائے۔

نظام الملک کے اُصول حکومت اور آئین وزارت پر ایک سرسری نظر

بنی اُمیہ کے نامور تاجدار، سلیمان بن عبدالملک (متوفی ۹۹ھ ۷۱۷ء) کا مقولہ ہے "عجبت لھولاء الاعاجم ملکوا الف سنة فلم یحتاجوا الینا ساعة وملکنا مائة سنة لم نستغن عنھم ساعة (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۵۴) یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لئے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے" ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہے۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت وجلادت سے اطراف وجوانب کے ممالک کو فتح کر لیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال، اور ملک کو خاکِ سیاہ کر دیتے۔ مگر نہیں، اُنھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ ارسلاں کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل مدبر وزیر مل گیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عاقلانہ حکمت عملی، اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو مسخر کر لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوج داری، دیوانی عدالتوں میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) سُنتا تھا۔ اور صیغہ مال، خزانہ تعمیرات، سررشتہ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزراء کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیرداری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اُس زمانے کے مطابق اعلےٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بنا پر یہ فخریہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہے

تصاویر کا ماخذ

خواجہ نظام الملک، حکیم عمر خیام، اور حسن صباح کی شبیہ ایک قدیم مرقع کا عکس ہیں۔ جس کے لئے ہم مولانا سید محمد حاذق مرحوم کابلی کے

شکر گذار ہیں۔ اور ملک شاہ کی تصویر، علامہ شبلی نعمانی کے سفر روم و شام کا ہدیہ ہے اور ان سب کو ہمارے مکرم مخدوم منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے۔ جس کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں اور دلی کا عظیم الشان دربار

دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے۔ مگر بزم تیموری کے برہم ہونے کے بعد ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ جہاں پناہ نے رعایا کو اپنے درشن کرائے۔ اور دلی کو دارالسلطنت ہونے کا دوبارہ اعزاز نصیب ہوا۔ لہٰذا دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے "نظام الملک" کا دیباچہ اعلیٰ حضرت ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم جارج پنجم (بالقابہ) خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و علیا حضرت حضور ملکہ معظمہ میری دامت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کرے کہ شاہانہ اقبال کی روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکے۔ آمین۔ خاتمہ اس دعا پر ہے۔

دولت ترا متابع و اقبال یار باد
ذاتِ تو در حمایتِ پروردگار باد

حصہ اوّل

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا نہ صرف اس وجہ سے موزوں ہے کہ دنیائے اسلام کے جغرافیہ میں طوس کا نام داخل ہے۔ بلکہ اس خاک سے ایسے مشاہیر اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوتے ہیں، جن کے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں۔ اور جس نامور کا یہ تذکرہ ہے اُس کے نشو و نما اور جاہ و جلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے۔

بنائے طوس مورخین عجم کا قول ہے کہ جس نے شہر طوس کی بنیا ڈالی، وہ سلطنت عجم کا نامور شہنشاہ جمشید پیش دادی[1] ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیانیوں کے عہد حکومت

---

[1] طبقۂ پیش دادیاں میں جمشید چوتھا تاج دار ہے۔ یہ طہورث کا بھتیجا تھا اور اُس کے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد حکومت عدل و انصاف اور تمدن و معاشرت کی اعلیٰ ترقیوں کی وجہ سے ضرب المثل ہے حکمرانی میں طہورث اور ہوشنگ کے آئین پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ میں تخت جمشید (پرسی پولیس) آج تک موجود ہے۔ (مفصل تاریخ کے لئے دیکھو فائل معارف ۱۹۰۸ء و کتاب قدیم نقش ایران، و سفر نامۂ مرزا فرصت شیرازی) جمشید کے اولیات حسب ذیل ہیں (۱) جشن نوروز (۱) انگور سے شراب بنائی گئی اور "شاہ دارو" نام رکھا گیا (۳) لوہا گلا کر آلاتِ حرب تیار کرائے (۴) روئی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور شناوری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ لگا کر سمندر سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوئی۔ (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد دواؤں سے مرکبات تیار ہوتے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال کیا گیا (۱۱) حمام تیار ہوا (۱۲) جنگل کے اندر سے شہروں کے جانے کو سڑکیں نکالی گئیں (۱۳) ملک کی آبادی مثل اربع عناصر کے چار حصوں پر تقسیم کی گئی۔ (۱) ارباب دانش (علما) (۲) ارباب فوج (۳) ارباب زراعت۔

(بقیہ در صفحۂ آئندہ)

تک یہ شہر برباد ہو چکا تھا جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ آئی اور پہلی مرتبہ توران پر فوج کشی ہوئی تو کیخسرو کے نامور سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے ازسرِ نو اس شہر کو آباد کیا اور طوس[۱] نام رکھا۔

اگرچہ شاہنامہ میں فردوسی نے اس لڑائی کے ذیل میں بنائے طوس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن سب سے پہلے، جب فردوسی سلطان محمود[۲] غزنوی کے دربار میں پیش ہوا ہے۔ اُس وقت سلطان کے استفسار پر فردوسی نے بیان کیا تھا کہ "شہر طوس[۳] کا بانی طوس ابن نوذر ہے۔" اور اُس کے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ "جب کیخسرو[۴] نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ

بقیہ صفحہ ۲۹۔(۴) ارباب صنعت و حرفت جمشید نے آخر میں خدائی کا دعویٰ کیا اور ضحاک کے ہاتھ سے اُس کا خاتمہ ہوا۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی زمانہ میں تھے۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد اول، نامۂ خسروان، المعجم۔ شاہنامہ حالات جمشید۔ [۱] نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر طوس صفحہ ۲۹۸ [۲] دیباچہ شاہنامہ فردوسی طوسی صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۵ھ [۳] فردوسی نے جن الفاظ میں یہ واقعہ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دگر گفت با طوس کاے نامدار ۔۔۔ یکے پند گویم زمن یاد دار

گزر بر کلات ایچ گونہ مکن ۔۔۔ گر آں رہ روی خام گردد سخن

درانجا فرود است با ما دراست ۔۔۔ یکے لشکرکش کند اوراست

روان سیاوش چو خورشید باد ۔۔۔ بدان گیتیش جائے امید باد

پسر بودش از دخت پیراں یکے ۔۔۔ کہ پید ا نبود از پدر اندکے

برادر بمن نیز مانندہ بود ۔۔۔ جواں بود وہمسال و فرخندہ بود

کنوں در کلات ست و با مادرست ۔۔۔ جہاں دار و با فرد بالشکرست

ہم او مرد جنگ ست و گرد و سوار ۔۔۔ بگو ہر بزرگ و بہ تن نامدار

براہ بیاباں بباید شدن ۔۔۔ نہ نیکو بود جنگ شیران زدن

فرستادن کیخسرو طوس را بجنگ تورانیان صفحہ ۱۵۲ شاہنامہ مذکور۔

[۴] سلسلہ کیانی میں کیخسرو بن سیاوش تیسرا تاجدار ہے۔ افراسیاب سے جو معرکے ہوئے ہیں اس کی تفصیل شاہنامہ اور معجم میں درج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کرکے لہراسپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہو گیا۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

راستے میں فرودؔ سے جو میرا بھائی ہے لڑائی ہو جانے کا خدشہ ہے" لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہنچ گیا تو اُس نے کلات ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخرکار بڑی خونریزی کے بعد فرود قتل ہوا اور واپسی کے وقت کلاتؔ وجرم کے متصل طوس کی بنیاد ڈالی۔

قدیم تاریخ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ صوبۂ خراسان میں قدامت کے لحاظ سے طوس "شیخ البلاد" کے خطاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ یزدگرد کے زوالِ سلطنت تک اُس کی عمر ۲۴۸۰ سال کی ہو چکی تھیؔ۔

سلاطین عجم کے وقت میں طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحاتِ اسلام تک اس پر کیا انقلاب آتے؟ ہم اس افسانہ کو چھیڑنا نہیں چاہتے ہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۹ھ / ۶۴۹ء میں فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی عَلَم کے زیر سایہ ہے۔ مگر جو شان و شوکت خلفائے عباسیہ کے عہد میں تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور شاہان سامانیہ، سلجوقیہ، غزنویہ وغیرہ کے باہمی جنگ وجدال سے روز بروز طوس کی حالت بگڑتی گئی۔ تاہم امیر تیمور کی فتوحات تک ہندوستان اور یورپ کے سیّاحوں نے اس کو عمدہ حالت میں پایا تھا لیکن آج تو ہندوستان کے ایک معمولی موضع کے برابر ہے۔

اپنے عروج کے زمانہ میں طوسؔ دو حصوں پر تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طابرانؔ اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ اور ہر حصہ میں بہ حیثیت ایک چھوٹے ضلع یا پرگنہ کے ایک ایک ہزار مواضعات

بقیہ صفحہ ۲۲ - ۵ بلہراسپ داد افسری خسروی، ولیعہدی وتاج کیخسروی" نامۂ خسروان دانجم ۱؎ "کلات وجرم" نمبر ایک قلعہ کا نام ہے جو اپنے استحکام میں ضرب المثل تھا۔ اور نمبر ۲ قصبہ کا نام ہے جس کے نیچے یہ قلعہ واقع تھا۔ نزہت القلوب صفحہ ۲۹۹۔ ۲؎ یزدگرد ساسانیوں کا سب سے اخیر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۲۲ھ / ۶۴۳ء میں ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

۳؎ گنج دانش ذکر طوس صفحہ ۳۳۸

۴؎ امام غزالی علیہ الرحمہ ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں اسی جگہ پیدا ہوئے۔

تھے - اور ہر دو حصوں کا درمیانی فاصلہ اٹھارہ میل تھا - اور آمد و رفت کے لئے تمام شہر میں نو دروازے تھے -

ابو عبداللہ[1] یاقوت الحموی اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ طوس چار شہروں کے مجموعہ

---

[1] شیخ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی' اپنے زمانہ کا نہایت نامور تاجر' سیاح اور جغرافی ہے - ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں بمقام بغداد پیدا ہوا - اور بروز یک شنبہ بیسویں رمضان المبارک ۶۲۶ھ (۲۸ ۱۲ ۶ء) میں بمقام حلب انتقال کیا - یاقوت کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ بچپن میں اپنے والدین اور وطن سے جدا ہو کر لٹیروں کے ہاتھ میں پڑ گیا اور انہوں نے بطور ایک غلام کے بغداد میں لا کر بیچ ڈالا - عسکر بن ابو نصر ابراہیم حموی نے جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس گوہر گرانمایہ کو خرید کر لیا - اور یاقوت کو بقدر ضرورت تعلیم دلوائی - پھر اپنے ساتھ لے کر سفر میں چلا گیا - ایک عرصہ دراز کے بعد جب عسکر سفر سے واپس آیا تو اس نے یاقوت کو آزاد کر دیا - یہ واقعہ ۵۹۱ھ (۱۱۹۴ء) کا ہے - اس زمانہ میں یاقوت کتابت کرتا تھا - اور یہی ذریعہ معاش تھا - مگر آمدنی گذر اوقات کے لئے کافی نہ تھی اور یہ پیشہ اس کے حسب حال بھی نہ تھا بلکہ وہ تجارت کے ساتھ سیر و سفر کو بہت پسند کرتا تھا - اس لئے عسکر تاجر نے اپنے پاس سے تجارت کے لئے یاقوت کو روپیہ دیا - اور یاقوت دوبارہ سفر کو روانہ ہوا چنانچہ ایک تاجر کی حیثیت سے یاقوت نے مغربی ایشیا، ماوراء النہر، موصل وغیرہ کا سفر کیا اور علم و دولت کے ذخیرے لے کر حلب میں واپس آیا اور اپنے نامور دوست ابو الحسن علی بن یوسف بن القفطی مصنف تاریخ الحکماء کی وجہ سے حلب میں سکونت اختیار کر لی - اور کتب جغرافیہ کی تصنیف میں مشغول ہوا - چنانچہ اس فن میں یاقوت کی سب سے لاجواب کتاب "معجم البلدان" ہے - عربی میں جس قدر جغرافیہ لکھے گئے ہیں کوئی اس سے بہتر اور مکمل نہیں ہیں یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک مکمل لغت ہے - ہر شہر کا حال بہ ترتیب حروف تہجی لکھا ہے - علامہ ووستنفلد جرمنی کے اہتمام سے ۶ جلدوں میں بمقام لپزگ (۱۸۶۶ء لغایت ۱۸۷۳ء) چھپ کر شائع ہوئی ہے - اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جس کا نام "مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع" تھا - مگر افسوس ہے کہ وہ خلاصہ ناتمام رہ گیا - دوسری کتاب یاقوت کی "المشترک فی البلدان" ہے یعنی ایک نام کے جس قدر شہر و مقامات ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں ۱۸۴۶ء میں بمقام گاٹنگن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور تیسری کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع ہے - یہ معجم کا خلاصہ خود یاقوت نے مرتب کیا تھا - یہ کتاب مصر، بیروت، لیڈن - اصفہان میں چھپ گئی ہے - ان کتابوں کے علاوہ "ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء" (۴ جلد میں) اخبار الشعراء القدماء والمتاخرین کتاب معجم الشعر و کتاب معجم الادباء - کتاب المبدا والمآل فی التاریخ - کتاب الدول، ہیں - یہ کتابیں مصر، ایران، یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں - اور یقین ہے (بقیہ در صفحہ آئندہ)

نام نہیں لکھے فتوحات اسلام تک شاہان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس میں باقی نہ تھی ۔ مورخین اور جغرافیہ نویسوں کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے ۔ حمید[۱] بن قحطبہ کا وہ عالی شان محل (جو ایک میل مربع میں تھا) جس کے پائیں باغ میں امام علی رضا رضی اللہ عنہ، اور ہارون الرشید کے مزار ہیں، اسی طوس میں تھا۔

ابو عبد[۲] اللہ شریف ادریسی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق"

بقیہ صفحہ ۲۲ ۔ کہ علمائے مصر و یورپ کی توجہ سے چھپ کر شائع ہوں گی ۔ انتخاب از اکتفاء القنوع ۔ کشف الظنون۔ دیباچہ مراصد الاطلاع ، تمدن عرب۔

[۱] مراصد الاطلاع فی معرفۃ الامکنۃ والبقاع مصنفہ یاقوت حموی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۶۷ ۔ [۲] یہ وزارت کا مشہور خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی [۳] ابو عبداللہ شریف محمد بن محمد ادریس ۔ عرب کا سب سے مشہور جغرافی ہے ۔ مغربی افریقہ میں ادریس بن عبداللہ علوی جس نے حکومت ادریسیہ قائم کی تھی شریف کا مورث اعلیٰ ہے ۔ اور اسی نسبت سے ادریسی کہلاتا ہے ۔ ۴۹۴ھ/۱۱۰۰ء میں شریف بمقام سبتہ پیدا ہوا اور عالم شباب میں وطن سے قرطبہ چلا آیا ۔ یہاں سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک تمام اندلس، شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک میں پھرتا رہا لیکن جب مسلمانوں سے عیسائیوں نے جزیرہ صقلیہ (سسلی) چھین لیا اس وقت شریف صقلیہ میں وارد ہوا اور راجر دوم (بادشاہ صقلیہ) کی ملازمت اختیار کرلی ۔ اور اسی کے حکم سے وہ مشہور و معروف جغرافیہ لکھا جس کا نام "نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق" ہے یہ کتاب ۵۴۹ھ/۱۱۵۴ء میں ختم ہوئی اس کتاب کی ترتیب اقالیم سبعہ کے لحاظ سے کی گئی ہے ۔ ہر شہر کی حالت لکھنے کے بعد میل و فرسخ کے حساب سے اس کی مسافت بھی لکھی ہے ۔ مصنف تمدن عرب لکھتا ہے کہ "ادریسی کی تصنیفات سے جو لاطینی میں ترجمہ ہوئیں، جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمنہ متوسطہ میں پھیلا ۔ اس کتاب میں متعدد نقشے تھے ۔ اور تین صدیوں سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر قناعت کی ۔ شریف ادریسی پہلا شخص ہے جس نے دریائے نیل کا منبع دریافت کیا (خط استوا کی بڑی جھیلیں) جس کو اہل یورپ نے بہت ہی قریب زمانہ میں معلوم کیا ہے ۔" افسوس ہے کہ اس کتاب کا پورا اصل نسخہ نایاب ہے ۔ افریقہ، اندلس، اطالیا، فلسطین، کے حالات میں جو ابواب ہیں وہ بمقام لیڈن (۱۸۶۶ء میں معہ ترجمہ فرنچ) و روما ۱۸۸۲ء میں معہ ترجمہ ایطالین) و بون (۱۸۸۵ء) چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ کشف الظنون، تمدن عرب، اکتفاء القنوع۔

میں طوس کے حالات میں لکھا ہے کہ "طوس ایک بڑا شہر ہے، اس کی عمارتیں عمدہ ہیں، متعدد بازار ہیں، جن میں تمام چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ اور آبادی بھی اچھی ہے۔ اور طوس کے اطراف میں رادکان، طبران، بردغور، دودان، مہرجان تواده، موقان، واقع ہیں۔ یہ سب شہر آباد ہیں، اور ان میں خوب تجارت ہوتی ہے۔"

قریب قریب اسی قسم کی تحریر ابوالفدا[1] اور ابن[2] حوقل کی ہے۔ اور ابن خرداد بہ[3] کی روایت کے

---

[1] پورا نام معہ شجرۂ نسب اس نامور عالم کا یہ ہے "سلطان ملک المؤید عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن ملک الافضل نورالدین علی بن جمال الدین محمود بن محمد بن عمر بن شاہنشاہ بن ایوب صاحب حماۃ" ابوالفدا ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) میں بمقام دمشق پیدا ہوا اور ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) میں فوت ہوا۔ فقہ، اصول، عربیت، ادب، تاریخ میں کامل تھا۔ علمی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ باوجود بار سلطنت تصنیف میں مشغول رہتا تھا۔ تاریخ ابوالفدا (مصر اور یورپ میں کئی بار چھپ چکی ہے) کے علاوہ "تقویم البلدان" جغرافیہ میں مشہور کتاب ہے۔ ابوالفدا سے قبل عرب میں ساٹھ[6] جغرافیین گذر چکے تھے اور اُن کی کی تصانیف ابوالفدا کے سامنے موجود تھیں۔ لہٰذا اس کتاب میں جغرافیہ کی بہت سی ضروری فروگذاشتوں کی اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد اور عرض البلد بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ ابوالفدا نے یہ طرز ترتیب ابن جزلہ کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے ۱۸۴۰ء میں معہ ترجمہ فرنچ ۲ جلدوں میں بمقام پیرس یہ جغرافیہ چھپ گیا ہے تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابوالفدا نے لکھا ہے جو ۱۷۷۶ء میں بمقام گاٹنگس چھپا ہے "کشف الظنون، تمدن عرب۔ اکتفاء القنوع" [2] ابوالقاسم ابن حوقل مشہور تاجر اور سیاح ہے۔ ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) میں بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۵۹ھ (۹۷۰ء) میں واپس آیا۔ بلاد بربر، اندلس، عراق، فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اُس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس کا نام "المسالک والممالک والمفاوز والمہالک" ہے اس سفرنامہ کا ماخذ کتاب الاقالیم (مصنفہ ابواسحاق اصطخری) ہے اور قدامہ وغیرہ کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ممالک یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزوں کو اپنے سفرنامہ میں درج کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں۔ تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیئے جس میں اس سفرنامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفرنامہ کے بعض ٹکڑے معہ ترجمہ انگریزی ۱۸۰۱ء میں بمقام لیڈن اور لون چھپ گئے ہیں اور فارسی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے المسالک والممالک کے نام سے متقدمین اور متاخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفرنامے لکھے ہیں جس کی تفصیل کشف الظنون میں ہے ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہوسکی لیکن ۳۶۷ھ (۹۷۷ء) کے قریب انتقال کیا ہے۔ اکتفاء القنوع وغیرہ

بقیہ در صفحہ آئندہ

قدیم طوس کی عظمت وشان سے انکار نہیں ہو سکتا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ٹوٹے پھوٹے قلعے، پرانے محل، پلوں کے آثار، یا شہر پناہ کی دیواروں کے سوا، اور کچھ باقی نہیں ہے اور ان ہی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا ایک محل باقی ہے جس کی عمارت بشکل مربع متساوی الاضلاع ہے۔ جس کا ہر ضلع ۱۲ گز ہے۔ اور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۱۸ گز ہے پھر زمین سے ۵ گز کی بلندی تک بشکل مربع ہے اِس کے بعد صناعوں نے اس کو مثمن (ہشت پہلو) کر دیا ہے اور پھر ہر گوشہ میں عجیب وغریب صنعت سے طاق بنائے ہیں۔ علاوہ اس کے فن عمارت کی جو صناعیاں ہیں وہ بغیر فوٹو کے قلم سے ادا نہیں ہو سکتی ہیں اور چند مقامات پر بخط نسخ ورقاع تحریر ہے کہ " اَلدُّنیا سَاعَۃٌ " موجودہ زمانہ میں اس جملہ سے اُس عہد کے مسلمانوں کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہیں (یہ قلعہ بشکل مربع متساوی الاضلاع تھا اور اس کا محیط ۸۰۰ گز تھا) اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جس کا عرض ۱۵ گز ہے۔ اور باوجود امتداد زمانہ کے منجملہ بارہ برجوں کے بعض برج بھی اب تک قائم ہیں۔ شہر پناہ کی دیوار بھی موجود ہے جس کا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے۔ اور منجملہ ۱۵۶ بروج کے بعض آج تک برقرار ہیں۔

تمام عمارتوں میں پتھر، اینٹ، اور چونہ سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم آبادی کے دو مزرعے ہنوز باقی ہیں اور طوس کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر مجموعی آبادی پچاس خاندانوں سے زیادہ نہیں ہے۔

معجم البلدان یاقوت حموی میں طوس کا طول البلد ۸۰ درجہ اور عرض البلد ۳۷ درجہ درج ہے

بقیہ صفحہ ۲۴۔ [۲] ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن خرداذبہ خراسانی (حاکم طبرستان)، مشہور مورخ اور جغرافی ہے اس کے جغرافیہ کا نام "المسالک والممالک" ہے اس کا طرز تقسیم اور اصول ترتیب نزہۃ المشتاق ادریسی کے مطابق ہے۔ ۳۰۰ ہجری کے قریب ابن خرداذبہ کا انتقال ہوا۔ اکتفاء القنوع۔

[۱] مذکورہ بالا جغرافیوں کے پورے خلاصے گنج دانش میں درج ہیں بشرط ضرورت شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

اور نیشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے۔

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُن چیزوں کا تذکرہ تھا جو مٹنے والی ہیں۔ لیکن حقیقت میں طوس کی شہرت عام اور بقائے دوام کے باعث خود اُس کے نامور بیٹے ہیں۔ جن کا فضل و کمال قیامت تک اُس کو زندہ رکھے گا۔

طوس کے جن نامور لوگوں کے مفصل حالات، تذکرہ، طبقات، انساب، رجال، اور کتب تواریخ میں تحریر ہیں۔ ان کی مجمل سوانح عمری کے لئے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے۔ لیکن ناظرین کی اطلاع کے لئے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے۔ جس سے برای العین معلوم ہوگا کہ بقائے دوام کے دربار میں کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہیں۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ ائمہ	۱۔ امام محمد غزالی۔ امام احمد غزالی۔

ل؎ امام محمد غزالی۔ محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام غزالی۔ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء میں بمقام طابران انتقال کیا۔ امام الحرمین کے شاگرد تھے۔ ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس میں مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہوگئے اور تصوف کا رنگ غالب ہوا۔ شیخ ابو علی فارمذی کے مرید ہوئے۔ بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون میں ۸۰ ،۷ کتابیں متعدد جلدوں میں تصنیف کیں جن میں سے صرف یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلدوں میں ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں علوم و فنون کی مصر وغیرہ میں چھپ گئی ہیں۔ مفصل سوانح عمری کے لئے دیکھو الغزالی شمس العلما شبلی نعمانی

ٹ؎ ملک الابدال مجد الدین ابو الفتوح امام احمد غزالی۔ مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جامع العلوم تھے مگر فقہ میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ کچھ دنوں نظامیہ کے مدرس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر وعظ میں مصروف ہوئے۔ کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء میں بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ محمد شاہ قاچار متوفی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کے عہد سلطنت میں ایک نامور مجتہد کے فتوے سے مزار پر انوار برباد کردیا گیا اور ضریح کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ افسوس!! تصنیفات میں سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جس کے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات لکھی ہے ابوبکر نساج سے بیعت تھی۔ نظم میں یہ قطعہ مشہور ہے۔

ے چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد، با فقر اگر بود ہوس تاج سنجرم، یافت جان من خبر از ملک نیم شب دباقی دہنجا آمدند

محدثین	۲۔ نعیم بن محمد صنعانی ابوعبدالرحمن ۔ شیخ الطائفہ ابوجعفر ۔ عماد الدین ابوجعفر ...
صوفیائے کرام	۳۔ طاوس الفقرا ابونصر سراج[۴] ۔ شیخ محمد بن اسلم[۵] ۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق[۶] معشوق[۷] ۔ شیخ ابوعلی فارمذی[۸] ۔ شیخ ابوبکر بن عبداللہ لنساج[۹] ۔ محمد بن منصور[۱۰] ۔ بابا محمود[۱۱] وغیرہ

بقیہ صفحہ ۳۶ ۔ صدملک نیمروز بیک جونی خرم، گنج دانش صفحہ ۳۴۹ مطبوعہ اصفہان ۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۴۸ ۔

[۱] صاحب مسند الکبیر، محدثی موثق بودہ و کثیر الحدیث مدتی بسفر و سیاحت اشتغال داشت ومولفات جلیلیہ بیادگار گذاشتہ ۔ گنج دانش تذکرہ طوس [۲] ابوجعفر طوسی طبقہ امامیہ کے نہایت جلیل القدر عظیم المرتبہ فقیہ اور محدث ہیں ۔ ابوجعفر ثالث مشہور ہیں کیونکہ علامہ کلینی اور شیخ صدوق کی بھی یہی کنیت ہے اور نام بھی ہر سہ بزرگوں کا "محمد" ہے ۔ شیخ مذکور حسن بن علی طوسی کے نامور بیٹے ہیں ۔ رمضان ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء میں بمقام طوس ولادت ہوئی ۔ اور محرم ۴۶۰ھ / ۱۰۶۷ء میں بمقام نجف اشرف انتقال فرمایا تصنیفات میں استبصار، تہذیب، نہایہ، مبسوط، اور تفسیر قرآن دس جلدیں مشہور ہیں ۔ مزید حالات کے لئے تاریخ اور تذکرہ دیکھو ۔ گنج دانش صفحہ ۳۴۱ [۳] عماد الدین، ابوجعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے ۔ ابوجعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے ۔ ابوجعفر عماد الدین محمد بن علی بن حمزہ بن محمد بن علی طوسی المشہدی .... مذہب جعفری کے کتب استدلالیہ میں مختلف عنوان سے شیخ کا نام آتا ہے ۔ یعنی ابن حمزہ، ابوجعفر ثانی، ابوجعفر، عماد طوسی، شیخ طوسی، صاحب الوسیلہ، تصنیفات میں سے فقہ میں کتاب الوسیلہ الی نیل الفضیلہ مشہور ہے ۔ ولادت اور موت کی تاریخ کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔ لیکن یا تو ابوجعفر ثالث کے ہم عصر تھے یا قریب العصر تھے ۔ گنج دانش صفحہ ۳۵۲ [۴] ابونصر سراج، عالم، عارف، اور شیخ وقت تھے ۔ کتاب لمعہ تصوف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے ۔ طوس میں عموماً جنازوں کی نماز آپ کے مزار کے سامنے پڑھائی جاتی ہے ۔ ابومحمد مرتعش کے مرید تھے ۔ [۵] محمد بن اسلم ۔ یہ اپنے زمانہ کے قطب تھے "لسان الرسول اور شحنہ خراسان" کے نام سے مشہور تھے ۔ تمام عمر کوئی امر خلاف شریعت سرزد نہیں ہوا ۔ امام علی رضاؑ کے ہم عصر تھے ۔ آپ کے وعظ سے ۵۰ ہزار آدمی پابند شریعت ہو گئے ۔ ۲ برس قید رہے مگر قرآن کو مخلوق نہیں کہا [۶] احمد مسروق ۔ مشہور ابرار ہیں ۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے ۔ آپ کا مجاہدہ اور تقویٰ مشہور ہے حارث محاسبی اور سری سقطی سے صحبت رہتی تھی ۔ [۷] معشوق ۔ محمد نام تھا ۔ اور معشوق کے لقب سے ممتاز تھے ۔ مولانا جامی لکھتے ہیں " از عقلائے مجانین بودہ و بس بزرگوار و صاحب حالتی بکمال " شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور کو جا رہے تھے جب طوس کے دروازے پر پہنچے تو اول خادم بھیج کر حضرت سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو شہر میں داخل ہوں ۔ چنانچہ اجازت ہوئی ۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

شعرا | ۴۔ فردوسیؔ۔ اسدی خواجہ منصور۔ سلطان علی۔ مولانا عبدالصمد۔ ملا نامی۔ محمد میرک صالحی۔ ملا غزالی۔ شیخ رباعی۔ سنجانی۔ اقدسی۔ قاسم ارسلان۔ محمد رضا۔ غرمی تبنیتی۔ بدیعی۔ الفتی۔ نادری۔ قدسی۔ شیدا۔

بقیہ صفحہ ۳۰۔ اور آپ آتے۔" جن کو شیخ ابو سعید کا درجہ معلوم ہے وہ اس واقعہ سے معشوق طوسی کی عظمت سمجھ سکتے ہیں ــــــ ۸ ابو علی فارمدی فضل بن محمد بن علی المشہور بشیخ ابو علی فارمدی' یہ حقیقت میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے۔ علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے شاہان سلاجقہ اور وزرا شیخ کے واسطے اپنی مسند خالی کر دیتے تھے۔ ۹ ابو بکر نساج شیخ ابوالقاسم گرگانی کے سلسلہ میں نہایت نامور عارف ہیں ۱۲۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ ذریعہ معاش کپڑا بننا تھا۔ اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کی معاش مریدوں کے نذرانہ پر ہے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ ۱۰ محمد بن منصور۔ مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے۔ بغداد میں اکثر قیام رہتا تھا۔ بڑے مشہور عارف ہیں عثمان بن سعید الدارمی' ابوالعباس مسروق' ابو جعفر حداد صین' ابو سعید خراز' اور جنید آپ کے شاگردوں میں ہیں" ۱۱ بابا محمود شیخ عبداللہ کے مرید ہیں حلقہ تعلیم سے بھاگ نکلے تھے۔ لہٰذا مجذوب ہو کر رہ گئے۔

انتخاب از نفحات الانس جامی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء و تذکرہ فریدالدین عطارؒ مطبوعہ لاہور و گنج دانش تذکرہ طوس مطبوعہ اصفہان۔ ۱ شاید ہی کوئی ہو جو حسان العجم حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ نے دونوں کو حیات جاویدبخشی ہے۔ اور فردوسی کی مدح میں ذیل کے اشعار کافی ہیں ۱

سکۂ اندر سخن فردوسی طوسی نشاند	کافرم گر ہیچ کس از جملۂ فرسی نشاند
اول از بالائے کرسی برزمیں آمد سخن	او وگر دستش گرفت و باز برکرسی نشاند
۲۔ در شعر سہ تن پیمبرانند	ہر چند کہ لا نبی بعدی
اوصاف و قصیدہ و غزل را	فردوسی و انوری و سعدی

۳۔ اب حکیم انوری کا قول سنئے ؎

آفریں بر رواں فردوسی	آں ہمایوں نہاد فرخندہ
او نہ استاد بود و ما شاگرد	او خداوند بود و ما بندہ

فردوسی کی سوانح عمری اردو میں چھپ گئی ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ میں موجود ہے ۱۸۲۹ء میں کپتان ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ بمقام کلکتہ شائع کیا اور ۱۸۳۲ء میں ٹی اٹکنسن نے دوبارہ

(باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ صفحہ ۲۰۸۔ شایع کیا۔ اور ۱۸۷۳ء میں مورخ ترجمہ، جلدوں میں زیر نگرانی نہل صاحب شائع ہوا ہے جلد ۵ صفحہ ۵۸ نیو پاپولر انسائیکلوپیڈیا۔ اور بقیہ شعرا کے حالات تذکروں میں موجود ہیں۔ البتہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں ہے طوس کو چھوڑ کر اصفہان میں سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ خوار تھا اس کے بعد شاہنشاہ ہندوستان جلال الدین اکبر کے دربار میں حاضر ہوا کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

مرا گویند بے دردان بزن دستی بدامانش	مرا دستے اگر بودے گریبان پارہ می کردم
اسباب ہلاک این ہمہ وزندہ ام ای ہجر	شرمندہ خود کرد مدارا ے تو ما را
درد دل گفتم تغافل کرد خواری را ببین	گریہ کردم خندہ زد بے اعتباری را ببین
بدست اوست مرگم صالحی خاطر نشانم شد	کہ شاہین اجل ہم مرغ دست آموز دی بودست
نہ دیدہ قطرۂ خون از جگر بر آوردہ	بدیدن تو دل از دیدہ سر بر آوردہ

آئین اکبری صفحہ ۲۰۰ مرتبہ آنریبل سر سید احمد خاں بہادر مرحوم مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ و آتشکدہ آذر صفحہ ۳۱۶۔

۵ نظام الملک کی سوانح عمری ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ اور عبد الرزاق شہاب الاسلام نظام الملک کا بھتیجا تھا جو سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر تھا۔ پورا نام یہ ہے "شہاب الاسلام عبد الدوام ابن الفقیہ عبد اللہ بن علی بن اسحٰق طوسی" مزید حالات کے لیے دیکھو تاریخ "آل سلجوق" ۶ (خواجہ نصیر الدین) سلطان الحکما خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد طوسی، محمد بن حسن طوسی کے بیٹے تھے۔ بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاول ۵۹۷ھ قریب طلوع آفتاب مشہد مقدس میں پیدا ہوتے۔ گو بزرگوں کا وطن جہرود (مضافات قم) ہے مگر چونکہ خواجہ کا مولد و منشا طوس تھا اس وجہ سے طوسی مشہور ہوئے۔ خواجہ نے ابتدائی کتابیں اپنے باپ سے پڑھیں اور معقولات اپنے ماموں سے لیکن فرید الدین داماد نیشاپوری، قطب الدین مصری، کمال الدین بن یونس مصری، معین الدین سالم بن بدران معتزلی، سید علی بن طاؤس حسینی حلی۔ شیخ میثم۔ بن علی بحرانی جیسے نامور علما سے تکمیل علوم فنون کی تھی۔ اور مراتب حکمت میں خواجہ کا سلسلۂ شاگردی (پانچ واسطوں سے) بوعلی سینا تک پہنچتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ فرید الدین داماد۔ صدر الدین۔ افضل الدین غیلانی ابو العباس ریوگری بہمن یار۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا بلخی۔ اگرچہ خواجہ جامع علوم تھا مگر ریاضی میں فرد اکمل تھا۔ فوات الوفیات کا مصنف لکھتا ہے "کان راساً فی علم الارصاد ولا سیما فی الارصاد والمجسطی" تصنیفات میں متوسطات

(باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ صفحہ ۳۹ - بین الہندسہ والہیاۃ، نقد المحصل، تجرید الکلام، اوصاف الاشراف، جام گیتی نما۔ قواعد العقائد، التخلیص، اداب المتعلمین، العروض، تحریر اقلیدس و تحریر المجسطی، جامع الحساب، تعدیل المعیار، تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ مشہور ہیں علاوہ اس کے کرہ، اصطرلاب، اور زیچ کے متعلق متعدد تصنیفات ہیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب خواجہ کے فضل وکمال کا بلاد ایران میں شہرہ ہوا تو رئیس ناصرالدین عبدالرحیم ابی منصور محتشم حاکم قہستان (گورنر منجانب شاہان اسمٰعیلیہ) نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار بمنت سماجت اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ) کا خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر مذکور کے نام پر بطور تہدیہ (ڈیڈیکیشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچہ ناصری) اور اسی جگہ سے خواجہ نے موید الدین محمد بن العلقمی وزیر مستعصم باللہ خلیفہ بغداد سے خط وکتابت شروع کی۔ اور خلیفہ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ لکھا لیکن ابن العلقمی چونکہ خواجہ کے فضل وکمال سے واقف تھا لہذا اُسے یہ گوارا نہیں ہوا کہ دربار خلافت میں کوئی میرا سہیم وشریک پیدا ہو۔ اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہذا اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت لکھکر امیر ناصرالدین کے ملاحظہ کے لئے بھیج دیا "نصیرالدین طوسی رادوری درگاہ تودرخاطر خلیدہ ومدحی درحق خلیفۂ عصر سرودہ، ونامہ بمن رقم نمودہ تا منظور اورا درپیش گاہ خلافت پناہ متمشی سازم وازانجا کہ انجام این معنی منافی مقام یکجہتی و دوست داری بود لازم شد کہ اعلام نمایم تا غافل نباشی" امیر مذکور یہ خط پڑھکر مشتعل ہوگیا اور خواجہ کو قید کر دیا۔ اور پھر قہستان سے دارالسلطنت قزوین میں علاؤالدین محمد بادشاہ اسمٰعیلیہ کے حضور میں بھیج دیا خواجہ قلعہ الموت میں رہا کرتا تھا۔ اور اپنی زندگی تصنیفات میں لبسر کرتا تھا۔ چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی تحریک پر جب منکو قاآن نے اپنے بھائی ہولاکو خاں کو ملاحدہ اسمعیلیہ پر تعینات کیا ہے اُس وقت خواجہ رکن الدین خورشاہ کی خدمت میں حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمٰعیلیہ کا تھا گو یہ بادشاہ کم سن تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا لیکن قید سے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امرائے دربار نے ہولاکو خان سے سازش شروع کی۔ اور درپردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کر لیا۔ اور بالآخر خواجہ نے متعدد سفارتوں کے آمد ورفت کے بعد خورشاہ کو ہولاکو خاں کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے ؎

سال عرب چو ششصد و پنجاہ چار شد ۶۵۴ یک شنبہ روز اول ذیقعدہ بامدا

خورشاہ بادشاہ سماعیلیان ز تخت برخاست، پیش تخت ہلاکو بایستاد

(باقی در صفحہ آیندہ)

باقی صفحہ ۳۸ چنانچہ جب قلعہ الموت فتح ہوگیا اور ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں تمام ملاحدہ کا استیصال ہوگیا تو خواجہ کو ہلاکو خاں اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت عملی سے دبغیر خوں ریزی کے خورشاہ قبضہ میں آگیا تھا لہٰذا اس صلہ میں خواجہ کا قصور معاف کر دیا گیا اور لوازشات شاہی سے خواجہ کی عزت افزائی کی گئی۔ اور چند ہی روز کے بعد خواجہ نے اس ظالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا چنانچہ سلطنت کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو بے مشورت خواجہ طے ہوتا ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ خواجہ نے اپنے اقتدار سے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ ہلاکو خان کو بغداد کی بربادی پر پوری طور سے آمادہ کیا اور اُس کا منشا بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مویدالدین علقمی سے پورے جوش سے انتقام لیا جائے گو ابتداءً بنظر تعصب مویدالدین علقمی نے ہلاکو سے سازش کی تھی۔ لیکن اگر خواجہ کی ترغیب شامل نہ ہوتی تو بغداد پر ہرگز حملہ نہ ہوتا کیونکہ خلفائے عباسیہ کی عظمت وشان اور نیز اُن افسانوں سے جو عقیدت مندوں نے ہلاکو خاں کو سنائے تھے۔ اُس کی ہرگز جرأت نہ پڑتی تھی کہ وہ بغداد پر حملہ کرے کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے قیامت آجائے گی یا ایسے واقعات کا ظہور ہوگا جو قیامت سے کم نہ ہوں گے۔ لیکن خواجہ نے سمجھایا "کہ عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ بہ یحییٰ ابن زکریا می رسد نہ بحسین ابن علی وایں ہر دو را اعادی بہ تیغ بے دریغ سر بریدند وجہاں ہم چناں برقرار ست" اسی قسم کے اور بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ فقرے کہے جو جاہل کی سمجھ میں آگئے اور مغلوں کے فوجی سیلاب نے بغداد کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور آخر کو مستعصم باللہ قتل کر دیا گیا اور چالیس دن قتل عام کر کے بغداد کو بھی تباہ کر دیا۔ دریائے دجلہ کا پانی بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو کر بہا کیا۔ تباہی کیسی عظیم الشان تھی اور سیلِ تاتار کی طغیانی کہاں تک تھی اس کو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے؛ شائقین مستعصم باللہ کے عہد کی تاریخ اور نامور شعرا کے فارسی و عربی قصائد پڑھیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں — بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

بہرحال خلافت عباسیہ کی بربادی کا خواجہ کے دامن پر ایسا دھبہ ہے جس کو قیامت تک کوئی مورخ نہیں دھو سکتا ہے۔ اس کارگذاری کے بعد ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے خواجہ کو تعمیر رصد پر مامور کیا اور خواجہ کی زندگی کا یہ مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اس قدر دولت ہاتھ آئی جس کا شمار غیر ممکن ہے" یہ رصد بمقام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ مویدالدین عروضی دمشقی۔ اور فخرالدین مراغی، فخرالدین خلاطی، اور نجم الدین قزوینی، قطب الدین شیرازی، محی الدین مغربی جیسے حکما شریک تھے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار میں ان ہی نامور بزرگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حبذا آب و خاک بقعہ طوس۔ کہ شد آرام گاہِ اہلِ نظر
معدن و منبع حقیقت و فضل۔ مرتع در مربع صفا و نظر
آب او چون سپہر ہر نائے خاک او چون صدف گہر پرور
ہر بزرگی کہ بود اندر طوس آمدہ است از جہانیان برتر
ہم چو غزالی و نظام الملک ہم چو فردوسی و ابو جعفر
واندریں روزگار خواجہ نصیر اعلم عصر و مقتدائے بشر
کز افاضل زمید، فطرت تا باکنون چو او نخواست دگر
ایں چنیں شہر با چنیں فُضلا سردار بر فلک فراز د سر

ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲۔ ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ او طوسی بود چوں نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام طوس کا موجودہ نام "مشہد مقدس یا مشہد رضوی" ہے۔ اور یہ تقدس امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے۔ لیکن مشہد حقیقت میں فی زمانہ صوبہ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ جس میں امام صاحب کا مزار پُرانوار ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع (سنا باد)

بقیہ صفحہ ۴۱۔ اور جو زیچ تیار کی تھی اس کا نام "زیچ ایلخانی تھا"۔ بہرحال خواجہ اُن مشاہیر میں داخل ہیں کہ جن کی مستقل سوانح عمری کی ضرورت ہے ۶۷۲ھ میں انتقال کیا اور بغداد میں بمقام کاظمین دفن ہوئے۔

نصیر ملت و دین پادشاہ کشورِ فضل یگانہ کہ چنو مادر زمانہ نہ زاد
بسال ششصد و ہفتاد و دو بذیجہ بروز ہیجد ہم در گذشت در بغداد

انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے۔ جن کے نام یہ ہیں صدرالدین علی۔ اصیل الدین حسن۔ فخرالدین احمد۔ انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۳ء عہد ہولاکو۔ گنج دانش صفحہ ۳۴۲۔ طبقات ناصری مطبوعہ سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۳ء۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۲۳۳۔ کشف الظنون صفحہ ۱۴ جلد ۲۔ اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۷۔

کا ہے جہاں ہارون الرشید عباسی کی قبر ہے۔ خلیفہ مامون الرشید نے اس خیال سے کہ امام صاحب کے قرب سے ہارون الرشید بھی مستفید ہو قبر کا تعویذ اکھڑوا کر حضرت علی رضا کو بھی اُس ہیں دفن کیا تھا لیکن خانقاہ کی تعمیر کے وقت رشید کی قبر کا تعویذ جُداگانہ بنایا گیا ہے۔

اٹلس میں مشہد کا موقع حسب ذیل ہے۔

طول البلد شرقی ۲۷-۳۵-۵۹۔

عرض البلد شمالی ۴۰-۱۷-۳۶۔

طوس اور مشہد مقدس کے مختصر تاریخی حالات جن کا لکھنا ضروری تھا، وہ سب لکھے جا چکے ہیں اب ہم اس نامور کے حالاتِ زندگی لکھتے ہیں جس کے وطن ہونے کا طوس کو فخر ہے۔

---

[1] طوس، امام علی رضا، اور مشہد یہ نام ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ جن پر مفصل حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے امید ہے کہ ناظرین اس تاریخی معلومات کو خارج از بحث کا الزام نہ دیں گے۔

حضرت امام علی رضا ایمہ اثنا عشر میں آٹھویں امام ہیں۔ مامون الرشید نے آپ کا لقب (اَلرِّضَا مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ) قرار دیا تھا اور عوام (سُلْطَانُ الْغُرَبَا) کہتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے آپ خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ/۷۶۵ء میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور اخیر صفر ۲۰۳ھ/۸۱۸ء میں بمقام طوس پچپن۵۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زہد و تقویٰ آپ کا ضرب المثل ہے۔ مامون الرشید نے جامع الصفات دیکھکر آپ کو ولی عہد خلافت مقرر کیا تھا اور یہ ولیعہدی آپ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے شعرائے عجم اور عرب نے آپ کی مدح میں بکثرت قصائد لکھے ہیں چنانچہ دعبل کے ایک مطلع اور قاآنی کے چند اشعار پر ہم بھی اکتفا کرتے ہیں۔

ذکرت محل الربع من عرفات	فاجبهت دمع العین بالعبرات
بگردوں تیرہ ابری بامدادان برشد از دریا	جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا
چمن از فرفرودیں چنان نازان شت چین	کہ طوس از فر شاہِ دین بریں نہ گنبد خضرا
نہالِ باغ علیین بہار مرغزار دیں	نسیم روضۂ یاسین شمیم دوحۂ طٰہٰ
نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر	فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا
امام ثامن حریمش چوں حرم آمن	زمین از خرم او ساکن سپہر از عزم او پویا

خواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | خواجہ حسن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی

بقیہ صفحہ ۴۳ - مشہد کی اصلی عظمت و شان و شوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ مشہد مشرقی طرز کا شہر ہے۔ جس کے چاروں طرف کچی مٹی کی فصیل ہے اور اس پر برجیاں بنی ہوتی ہیں۔ شہر پناہ چند دروازوں پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر کے اندر آئی ہوئی ہے جس کے کنارے خوش نما اور سرسبز درخت نصب ہیں۔ اور سب سے زیادہ دل فریب منظر ایک بڑی بازار کا ہے جس کا نام خیاباں ہے۔ یہ بازار بخط مستقیم پونے دو میل لمبا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی سمت میں شہر کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ وائسرائے ہندوستان اس بازار کو پیرس کی "شان زی لیزی" سے تشبیہ دیتے ہیں مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جس میں مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ شامل ہیں اور مسلمانوں میں سب سے بڑی جماعت طبقہ امامیہ کی ہے، شاذ و نادر اہل سنت وجماعت بھی ہیں۔ البتہ یہ خوشی کا مقام ہے کہ مذہبی تعصب میں روز بروز کمی ہو رہی ہے۔ صنعت اور حرفت میں صرف ریشمی سوتی کپڑے اور مخمل تیار ہوتی ہے چھ سو بیس ریشم کے اور تین سو بیس شالبافی کارخانے ہیں۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے دمشقی وضع کے تلوار کے پھل بھی تیار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کانسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانوں کی تین پیدل پلٹنیں یہاں رہتی ہیں اور شاہی قلعہ میں بیس توپیں ہیں۔ ایرانی گورنر جنرل (ارک) قلعہ میں رہتا ہے تجارت میں ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۴۷ بڑے ساہوکاروں کی دکانیں ہیں۔ جن کے سرمایہ کا اندازہ چھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے "امپریل بنک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے نوٹ، اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے۔ مشہد سے اصفہان تک تار برقی جاری ہے اور ایک شاخ قلات، درگذر، اور سرخس تک گئی ہوئی ہے سیستان کی شاخ زیر تیاری ہے۔ عمارت میں امام صاحب کا مزار اور مساجد مشہور ہیں۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ دفن سے مرجع خلائق ہے لیکن اس میں شان و شوکت کے جلوے آہستہ آہستہ پیدا کیے گئے ہیں ابتدا میں۔ تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اس کی نامور بیگم گوہر شاد نے اس کو مزین و آراستہ کیا ہے لیکن سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں جب کہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان میں آئی تو اس کے نامور حکمران شاہ اسمٰعیل، طہماسپ اور عباس صفوی نے اس کو مذہبی شہرت کا مرکز بنا دیا۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

اور دوسری روایت ہے کہ خواجہ علی احمد بن اسحٰق بن احمد طوسی" مگر پہلا شجرہ متفق علیہ ہے۔
خواجہ حسن کی والدہ کا نام "زمرد خاتون" تھا۔ اور یہ معزز خاتون ابو جعفر کی نسل سے ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۴۔ بنادیا۔ چنانچہ ہر سال ایک لاکھ زائر مزار مقدس کی زیارت کو آتے ہیں اور پانچ ہزار سے آٹھ ہزار زائروں کا مجمع روزانہ رہتا ہے اور اس لحاظ سے متولی اور مجتہدین مشہد کے ہاتھ میں ہر وقت گویا ایک بے ضابطہ فوج رہتی ہے۔ مزار کا ناظم "متولی باشی" کہلاتا ہے اور رسوخ میں ایرانی گورنر جنرل کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ خانقاہ کی موجودہ آمدنی ساٹھ ہزار تومان (سترہ ہزار پونڈ انگریزی) اور دس ہزار خروار غلہ (۸ من پانچ سیر کا ایک خروار) ہے وقفی خزانے میں کروڑوں کی دولت جمع ہے۔ اس کے علاوہ غیر منقولہ جائداد تمام ایران میں وقف پائی جاتی ہے تنخواہ دار عملہ قریب دو ہزار کے ہے۔ پروفیسر ویمبری لکھتے ہیں کہ "خانقاہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں نجف۔ کربلا۔ مدینہ اور قم کی خانقاہوں سے بڑھکر ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی منظر یکساں ہے کیونکہ خانقاہ کا گنبد دور سے مسافروں کو روشنی کے مینار کا کام دیتا ہے۔ اور اندرونی زیب و زینت نظر کو چکا چوند میں ڈال دیتی ہے" سونے چاندی کی قندیلیں اور گولے چھت سے آویزاں ہیں۔ ایک زمانہ میں پانچ من سونے کا گولہ لٹکتا تھا جس کو نادر شاہ کے بیٹے اُتار کرلے گئے۔ دیواریں اور زمین جواہرات سے آراستہ ہیں۔ جھاڑ۔ فانوس۔ اور طلائی شمعدان۔ حریر کے پردے نہایت بیش قیمت ہیں۔ مزار کے گرد نقرئی طلائی اور فولادی ضریحیں نصب ہیں۔ پہلی ضریح شاہ طہماسپ نے نصب کرائی تھی۔ داخلہ کے دروازے تین ہیں۔ ایک نقرئی۔ دوسرا طلائی (فتح علی شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ جس میں بیش قیمت جواہرات نصب ہیں) تیسرے دروازے پر موتیوں کا قالین بچھا ہوا ہے۔ مزار کا حرم ملزموں کے واسطے مامن ہے۔ مزار کے متصل امام صاحب کی مسجد ہے۔ جس میں چھ سو خادم تنخواہ دار ہیں۔ اور جو زائر یہاں ٹھہرتے ہیں ان کو امام صاحب کے لنگر خانہ سے کھانا دیا جاتا ہے۔ اور محرم میں یہ خیرات غیر معمولی طریقہ سے ہوتی ہے۔ دوسری مسجد گوہر شاد کی ہے جو ۱۴۱۸ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ عمارت میں کاشی (منسوب بہ کاشان) کا کام بے نظیر ہے۔ خانقاہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں تین ہزار چھ سو چون جلدیں ہیں منجملہ ان کے آٹھ سو باون مصاحف، دو سو ننانوے کتب ادعیہ، دو سو چھیالیس عام کتب فقہ اور دو سو اکیس فقہ شیعی کی کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ شاہرخ کا قائم کیا ہوا ہے لیکن شاہ عباس اور سلطان حسین صفوی نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ نادر شاہ جو محض جاہل تھا چار سو قلمی کتابیں اس نے بھی داخل کی تھیں۔" انتخاب از کتاب الاتحاف بحب الاشراف صفحہ ۱۵۵۔ المامون حالات ولیعہدی صفحہ ۹ حصہ اول طبع ثانی (باقی در صفحہ آئندہ)

جس کا سلسلۂ نسب محمد بن حمید بن عبدالحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں آل حمیدؒ کا خاندان بہت مشہور ہے۔ کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ میں وزیر ہوئے ہیں۔

خاندان علامہ تاج الدین ابن سبکی، سمعانی، اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ الفاظ ہیں:۔ وکان من اولا دالدّ ھا قین ای الذی یعملون فی البسَاتین بنواحی طوس:۔ یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اُس کے بزرگ نواح طوس میں باغبانی کا پیشہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعوں کو چھوڑ رکھا ہے اس لئے ان کی نظر میں باغبانوں کی شاید کچھ عظمت نہ ہو یا خواجہ اور اُس کے بزرگوں کی نسبت اُن کا خیال حقارت آمیز ہو۔ مگر اُس عہد میں جس کی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جس نے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو۔ ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا۔ حتیٰ کہ ائمہ اور مجتہدین بھی پیشوں کے انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطف یہ تھا کہ ترقی تجارت ان کی علمی مشاغل پر کبھی غالب نہیں ہوئی۔ اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا۔ کہ معمولی دیہات کے طلبہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتوں سے بڑھکر ہوتے تھے۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اُس میں جیسے باغبانوں کے نونہال گلستانِ حکمت وفلسفہ میں سر برآوردہ ہوا کرتے تھے۔ ویسے ہی اعلیٰ طبقہ کے ہونہار علمی شاخوں میں ممتاز ہوتے تھے۔ خصوصًا طوس کی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔ اور اُس کے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ فردوسی بھی دہقان زادہ اور ایک باغبان کا لڑکا تھا۔ مگر ایسا شاعر ہوا کہ نو سو برس میں کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اُس کی کتاب شاہنامہ کا جواب نہ ہو سکا۔ اور دوسرا نامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ تک پہنچا۔

بقیہ صفحہ ۴۵۔ سفرنامہ ایران لارڈ کرزن وئسرائے ہند موسومہ خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خاں۔ بی۔ اے صفحہ ۲۰۷ سفرنامہ پروفیسر ویمبری باب ۲۷۔ زبدۃ الاخبار۔ حالات مشہد صفحہ ۲۰۲۔ جغرافیہ فاٹرک امیرکانی صفحہ ۱۰۶ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات مشہد۔

[1] دستور الوزرا نسخہ قلمی حالات خواجہ نظام الملک۔

خواجہ حسن کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

عباس
|
اسحاق

عبداللہ (فقیہ)	علی
عبدالرزاق شہاب الاسلام۔	حسن (نظام الملک)
عبدالدوام (وزیر سنجر سلجوقی)	خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہے

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ "نواح طوس میں راوکان[1] ایک چھوٹا شہر ہے جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے"۔

بہرحال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جس کے ایک حصہ کا نام نوقان ہے۔ اور نوقان کے متصل رادکان ہے۔ جس کو غالباً آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگوں نے اپنی مستقل سکونت کے لئے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب میں خواجہ کو رادکانی لکھا ہے۔

بہرحال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر اسحق اور عباس جو خواجہ کے دادا اور پر دادا تھے۔ اُن کے حالاتِ زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا؟

---

[1] خراسان جاتے ہوئے چشمۂ سبز کے قریب رادکان ملتا ہے۔ قدیم شہر کئی مرتبہ ویران ہوا ہے۔ سب سے اخیر دور میں رضا قلی میرزا پسر نادر شاہ نے اس کو آباد کیا تھا۔ موجودہ آبادی ایک گاؤں کے برابر ہے۔ آثار قدیم میں قلعہ، تالاب، حوض، حمام، باقی ہیں رادکان میں اکثر اہل علم گذرے ہیں جن میں ابو محمد عبداللہ بن ہاشم۔ حسین بن احمد بن محمد ابوالازہر اور ابو سعد رادکانی مشہور علما ہیں۔ رادکان سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے جس کو "آب کوک باغ" کہتے ہیں۔ اور قدیم نام "النگ رادکان" ہے۔ النگ ترکی میں چمن و سبزہ زار کو کہتے ہیں" (انجمن آرائے ناصری) یہ جگہ لطافت آب و ہوا میں صُغدِ سمرقند وغیرہ کے ہم پلہ ہے اس کا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۵ فرسنگ ہے۔ شاہانِ ایران تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم ملکشاہ سلجوقی اکثر یہاں رہا کرتی تھی۔ ناصرالدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوئے اس جگہ قیام فرمایا ہے۔ گنج دانش صفحہ ۳۲۲ و ۳۲۳

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسویں ذیقعدہ ۴۰۸ھ ۱۰۱۷/۱۰/۲ء میں بمقام نوقان خواجہ حسن کی ولادت ہوئی[1]۔

وجہ تسمیہ ولادت کے بعد علی اور زمرد خاتون نے اپنے پیارے بیٹے کا نام "حسن" رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جس کو زمرد خاتون نے اس طرح پر روایت کیا ہے[2] کہ "خواجہ[3] کی ولادت کے دو دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور ستھری جگہ میں رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے۔ اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ پلا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ "آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام "فاطمہ زہرا" ہے میں نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میرے سلام کا نرمی اور مہربانی سے جواب دیا۔ لیکن چونکہ میں نام نامی سُن کر ہیبت زدہ ہوگئی تھی۔ اس لئے خواجہ کو گود میں لئے ہوئے الگ کھڑی رہی خاتون جنت نے مجھکو بلا کر اپنے قریب بٹھالیا اور ارشاد فرمایا کہ "میں نے ایک دن باباجان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بہن ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک بیبیاں تمھاری بہنیں ہیں۔ اور میں تجھ میں بھی نیکی کے آثار پاتی ہوں" پھر خواجہ کو اپنی گود میں لے لیا اور صاحبزادے کو جسے آپ گود میں لئے ہوئے تھیں مجھے دیدیا اور خواجہ کو بکمال محبت دودھ پلایا اور مجھ سے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک کوئی نام تجویز نہیں ہوا ہے۔ فرمایا اس کے باپ کا نام "علی" ہے لہذا اس کا بھی نام "حسن" رکھنا۔ کیونکہ میرے لختِ جگر کا بھی یہی نام ہے۔" جب صبح کو میں نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ جوش مسرت سے اچھل پڑا اور اس شکریہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام "حسنؒ" رکھا۔

زمرد خاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے مگر زمرد نے اپنے لال کا نام ایسا پیارا رکھا کہ وہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوا اور حسن حقیقت میں آسمان شہرت پر آفتاب عالمتاب ہوکر

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

[2] دستور الوزرا مصنفۂ خواجہ نظام الملک نسخۂ قلمی صفحہ ۷۰۔

[3] چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے۔ لہذا مستقل وزیر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائے گا۔

نظام الملک طوسی

چمکا۔ اگرچہ کہہ سکتے ہیں کہ زمرد خاتون کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی لیکن ہمارے خیال میں خواجہ کا امام حسن علیہ السلام کا ہم نام ہونا خود ایک نیک شگون تھا جو دنیا میں اُس کی نیک نامی کا باعث ہوا سچ ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا　　بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

عورتوں کے عقیدہ کے مطابق زمرد خاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔ اس کا یہ لازمی اثر دل پر ہوگا کہ میرا بچہ آگے چل کر خوش نصیب ہوگا۔ کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمرد خاتون کی قسمت میں نہ تھی۔ اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہ ہونے پائی تھی کہ زمرد خاتون اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کر کے خود دنیا سے چل بسی۔ اور حسن بے ماں کا بچہ ہوگیا۔ خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا مگر صبر کر کے خاموش ہو رہا اور حسن کو اُس کی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر ماں کی گود کچھ ایسی بُری ساعت میں خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہ ہوا بلکہ ایام رضاعت میں یہ چمکتا ستارہ مختلف دائیوں کی گود میں چلتا پھرتا رہا۔ اور اسی طرح سے دور طفلی ختم ہوگیا[1]۔

ایک[2] مورخ نے لکھا ہے کہ "حسن کی ولادت کے قبل طوس میں چار برس سے بارش نہیں ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہو رہی تھی۔ لیکن جس دن خواجہ حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہوگئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا"۔ اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگوں کی سوانح عمری میں انشا پرداز کس قسم کے واقعات فخریہ لکھا کرتے تھے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شاہوں، وزرا، اور اُمرا کے بچوں میں بعض باتیں ایسی مافوق الفطرت ہوتی ہیں کہ جو عوام کے بچوں میں نہیں ہوتیں۔

چونکہ خواجہ حسن کے سر سے بچپن میں اس کی ماں کا سایہ اُٹھ گیا تھا اس لئے عالمِ رضاعت اور خورد سالی کے کچھ حالات نہیں معلوم ہو سکے کیونکہ ایسی روایتوں کا مجموعہ ہمیشہ ماں مرتب کرتی

---

[1] کامل اثیر جلد دہم صفحہ ۱۷۔ [2] دیباچہ وصایا نظام الملک نسخہ قلمی۔

ہے اور وہی اُس کی راوی ہوتی ہے "

خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت، شیوخ واساتذہ، طالب علمانہ سفر

تمام مورخ خواجہ حسن کے فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں اور اس کی ذہانت وفراست کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن علوم وفنون کی کیفیت اور حد تحصیل کی شرح کسی نے کبھی نہیں لکھی ہے۔ علامہ تاج الدین طبقات[1] میں لکھتے ہیں: "نحفظه ابواه القرآن وشغله فی التفقه علی مذہب الشافعی"۔

اور ابن خلکان[2] میں ہے واشتغل بالحدیث والفقه۔

ایسی کمزور بنیاد پر مستحکم عمارت نہیں اُٹھ سکتی ہے، کیونکہ صرف یہی چند لفظ ہیں جو خواجہ کی

---

[1] قاضی القضاۃ تاج الدین ابوالنصر عبدالوہاب، علامہ تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی الانصاری سبکی کے نامور بیٹے ہیں۔ ۷۲۹ھ / ۱۳۲۸ء میں بمقام مصر پیدا ہوئے۔ اور علوم وفنون کی تکمیل اپنے والد اور دیگر مشاہیر علماء سے کی۔ فراغ علم کے بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جو کتاب لکھی وہ مقبول عام ہوئی۔ طبقات الکبریٰ، مشاہیر شافعیہ کا نہایت مکمل تذکرہ ہے مگر اس وقت تک چھپا نہیں ہے۔ کتب خانہ پٹنہ، حیدر آباد، اور لکھنؤ میں قلمی نسخہ موجود ہے منجملہ دیگر کتابوں کے معید النعم مصر میں چھپ گئی ہے۔ ۷۷۱ھ / ۱۳۶۹ء میں انتقال فرمایا۔ قاضی صاحب کے والد علامہ تقی الدین مصر کے ائمہ مجتہدین میں داخل ہیں۔ فقیہ، محدث، صوفی، حافظ، مفسر، اصولی، متکلم، نحوی، لغوی، ادیب، جدلی، خلافی یہ سب الفاظ علامہ کے ذاتی صفات ہیں۔ بمقام سبک (مصر) صفر ۶۸۳ھ / ۱۲۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ مشاہیر روزگار علماء سے تکمیل علوم وفنون کی بحر العلوم کے خطاب کے مستحق تھے۔ صلاح الدین صفدی کا قول ہے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ امام غزالی کے بعد کوئی شخص علامہ تقی الدین کے مثل نہیں گذرا ہے۔ مگر میری رائے میں جو یہ کہتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ علامہ سفیان ثوری کے ہم پلہ ہیں۔" ہر علم وفن میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ پورے ایک صفحہ میں تصنیفات کی فہرست لکھی جا سکتی ہے۔ جزیرۃ الفیل (دریائے نیل کے کنارے واقع ہے) میں بروز دوشنبہ ۴ / جمادی الآخر ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء میں انتقال فرمایا۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا تفصیل کے لئے دیکھو حسن المحاضرہ نے اخبار مصر والقاہرہ۔ جلد اول صفحہ ۱۴۵-۱۵۰۔

[2] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۳۔

ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخوں نے لکھے ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحٰق کے خاندان میں علمی مذاق کافی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستور[1] الوزرا کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں وصول مال گذاری کا مہتمم (صاحب[2] الخراج) تھا"۔ یہ عہدہ کوئی معمولی نہ تھا جس طرح فی زمانا تحصیلدار ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسلامی قانون کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ، حساب، مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول مال گذاری کے علاوہ وصول جزیہ کا بھی یہی عہدہ دار ذمہ دار ہوتا تھا۔ لہٰذا یہ قیاس غلط نہیں ہوسکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ و حدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ میں خواجہ علی کو بلفظ فقیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہیں ہے۔ غرضکہ خواجہ اسحٰق کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل وکمال تھے اور اُسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف یاد کرایا گیا اور گیارھویں برس حفظ قرآن سے فراغ[3] حاصل کیا۔ لیکن خواجہ کے آئندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دینیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

عبدالصمد کی شاگردی

دستور[4] الوزرا کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا پہلا اُستاد اور اتالیق فقیہ عبدالصمد قندوجی (نیشاپور کا ایک گاؤں) تھا۔ جو اپنے زمانے کے صلحا اور علما میں مشہور تھا۔ اور ابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور جب شاگرد درجۂ وزارت پر پہنچا تو اُس نے بھی حق شاگردی ادا کیا یعنی فقیہ کو اوقاف نظامیہ کا افسر کر دیا تھا"۔

---

[1] دستور الوزرا نسخہ قلمی صفحہ، [2] آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸ مطبوعہ مصر حاشیہ سیوطی۔

[3] آئندہ واقعات سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء میں سلجوقیوں نے اول اول طوس پر قبضہ کیا۔ اور ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں کل عراق پر قبضہ ہوگیا تھا۔

[4] آثار الوزرا سیف الدین نسخہ قلمی و گنج دانش حالات خواجہ حسن ۔ دستور الوزرا نسخہ قلمی صفحہ ۶

حافظہ فقیہ عبد الصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سبق ہم مکتب بمشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دور میں یاد ہو جایا کرتا تھا۔ اور اُس کے چہرے سے ایسے آثار نمایاں تھے کہ جن کا خرد سال بچوں میں کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا مثلاً۔

مکتب کا ایک خاص واقعہ ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبد الصمد سے کہا کہ "مکتب میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اس لئے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہے اور بمشکل دس طلبہ کی نسبت یقین ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے۔ اور باقی کا پتہ نہیں چلتا ہے"؟ فقیہ نے کہا کہ پیارے بیٹے! پھر اس کا تم نے کیا علاج تجویز کیا ہے؛ خواجہ نے کہا کہ "اس وقت ساٹھ طلبہ ہیں ان میں چھ کو انتخاب کرنا چاہیئے۔ اور پھر ہر ایک کے دس دس طلبہ سپرد کئے جائیں۔ اور یہ اپنے ماتحتوں کے سبق سنیں۔ اگر سبق میں کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی چھ دریافت کریں اور اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں۔ اور اُن کے سبق میں کوئی خامی ہو تو ان ہی کو سزا دی جائے۔ اس انتظام سے کل خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ علاوہ اس کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آبا جان ہمیشہ مکتب کے لڑکوں کو انعام تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑیں گے اور بقیہ لڑکوں کی تقسیم اُن کے ہاتھ سے ہو جائے گی خصوصًا عیدین اور نوروز کے موقعہ پر بہت آسانی ہوگی"۔

یہ واقعہ خواجہ کے بچپن کا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طباع اور ذہین تھا اور اُس کا دماغ مدبرانہ واقع ہوا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو۔ جو آج تک مکاتب میں جاری ہے۔

نیشاپور کا سفر خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی میں بمقام طوس ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لئے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اس مبارک زمانہ میں علوم وفنون کے دریا نہ صرف شہروں میں موج زن تھے۔ بلکہ معمولی دیہات اور قصبات میں بھی فیض کے چشمے جاری تھے۔ ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائیں بلند تھیں لیکن پھر

بھی عراق عرب میں بغداد اور صوبہ خراسان میں نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونوں شہر علم کے مرکز تھے۔ ایرانی طلبہ کے قافلے عموماً نیشاپور کو جاتے تھے۔ کیونکہ بیہقیہ اور نصریہ جیسے درس گاہوں کے دروازے عام وخاص پر کھلے ہوئے تھے۔ اور مخرِ روزگار علما اُن کے مدرس تھے۔ اور باشندگان طوس کے لئے بمقابلہ بغداد نیشاپور قریب تھا۔ اس لئے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لئے تھا۔ چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے کہ "علمائے خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۸۵ منزلیں طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں ان کی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جس نے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجہ پر پہنچ جاتا تھا اس لئے والد بزرگوار نے مجھکو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کردیا اور میں امامِ محترم کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا۔ اسی زمانہ میں عمر (خیام) اور حسن (صباح) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میری ہم عمر تھے اس لئے میں اُن کا ہم درس ہوا اور میرا ربط ضبط اُن سے بہت بڑھ گیا۔ حلقہ درس سے اٹھکر میں ان ہی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا۔"

حسن صباح اور عمر خیام سے معاہدہ

انؔہی دنوں کا تذکرہ ہے کہ "ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھ سے کہا کہ "یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ ودولت کے مرتبے پر نہ پہنچیں تو کوئی ایک تو ضرور کامیاب ہوگا۔ اس لئے ہم تینوں معاہدہ کریں۔ میں نے کہا شرائط کی تکمیل کیوں کر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم میں سے خدا جس کو جاہ وحشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ میں ترجیح دے۔" چنانچہ سب نے اس معاہدے

[1] یہ معاہدہ حقیقت میں ایک مذاق تھا اور اس وقت کس کو خبر تھی کہ حسن صباح کی پیشین گوئی پوری ہوگی لیکن بہت ماہ گذرنے پایا تھا کہ خواجہ حسن درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور اُس نے اپنی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا۔ تفصیل اپنے موقعہ پر لکھی جائے گی۔

کو تسلیم کرلیا اور معاہدہ تحریر ہوکر مہرو دستخط سے مزین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔[1]

بخارا کا سفر چار برس کامل امام موفق کے درس میں خواجہ حسن شریک رہا، پھر واپس آیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حدیث وفقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درس گاہ سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصنف دستور الوزرا لکھتا ہے کہ "جب خواجہ فارغ التحصیل ہوکر طوس میں آیا تو گردش ایام سے خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابو علی بن شاذان جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موقوف کردیا گیا اور خواجہ علی جو اس کا ماتحت تھا وہ بھی اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مال گذاری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی۔ خواجہ علی نے بے باقی میں بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہ ہوا۔ لیکن خواجہ علی کو بدحواس دیکھکر رعائے طوس نے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُن کے خدمات بلامعاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط سُن کر بڑا صدمہ ہوا اور اپنے باپ سے کہا کہ "جس زمانہ میں آپ کی حکومت تھی مجھے آپ کا یہاں رہنا پسند نہ تھا اور جب آپ ان کے مزدور ہوجائیں گے تو میری حالت اور بھی خراب ہوجائے گی اس لئے اجازت ہو تو بخارا چلا جاؤں اور چند روز تک علمی مشاغل میں اور مصروف رہوں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔" چنانچہ خواجہ علی نے سفر کا سامان کرکے بیٹے کو رخصت کردیا۔ بخارا بھی اس عہد میں دار العلوم تھا۔ اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا میں آیا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ملاقات سفر میں شیخ ابوسعید ابوالخیر[2] جو اپنے زمانہ کے نہایت مشہور صوفی تھے ان دنوں زندہ تھے اور مہنہ مبارک کی خانقاہ میں

---

[1] ترجمہ انگریزی رباعیات عمر خیام مصنفہ ناگر کار مطبوعہ بمبئی۔

[2] فضل اللہ نام ابوسعید کنیت ہے، اور آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ شیخ کے والد ابوالخیر علم نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور جنگل سے بوٹیاں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ شیخ ابوسعید علوم ظاہری میں کامل تھے۔ مگر فقہ، حدیث، تفسیر میں بے مثل تھے۔ اور تصوف کا شوق کم سنی میں ہوگیا تھا۔ اکثر اوقات (باقی در صفحہ آئندہ)

وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس میں سعادت، شقاوت اور امارت کی علامتوں پر وعظ ہو رہا تھا کہ "شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ کل صبح کو ارجاہ کی سڑک پر جا ٹھہرے" چنانچہ چند باصفا مرید مقام مذکور پر گئے۔ سب سے پہلے جو مسافران کو ملا وہ خواجہ حسن تھا۔ اُنھوں نے خواجہ کو سلام کیا۔ اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا۔ لہٰذا خواجہ نے اس کا سبب پوچھا تو مریدوں نے شیخ کا مقولہ دُہرایا اُس وقت خواجہ طوس سے چل کر دربند پہنچ چکا تھا۔ جب شیخ کے حالات سُنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہو کر حاضر مجلس ہوا اور ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔ دورانِ وعظ میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ خواجہ نے کمر سے پٹکا اور

بقیہ صفحہ ۵۴۔ کتب تصوف کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ عبداللہ حصری "اور امام قفال کے حلقۂ درس میں بمقام مرو ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روحانی برکات ابوالفضل سرخسی اور ابو عبدالرحمٰن سلمی اور ابوالعباس آملی سے حاصل کیں۔ پھر سات برس تک بادیہ پیمائی کر کے مہنہ کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ اور ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشاپور ۴۴۰ھ (مطابق جنوری ۱۰۴۹ء) میں انتقال فرمایا اور مہنہ میں دفن ہوئے۔ نیشاپور آخر زمانہ میں آئے تھے تذکروں میں آپ کے متعدد اقوال درج ہیں۔ مثلاً التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطہ۔ شیخ کی رباعیات حکیم عمر خیام کی طرح بہت مشہور ہیں۔ تبرکاً چند درج کی جاتی ہیں۔

غازیؒ بہ رہ شہادت اندر تگ و پو است | غافل کہ شہید عشق فاضلتر ازو است
در روز قیامت ایں بداں کے ماند | کایں کشتۂ دشمن ست وآں کشتۂ دوست

مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۷۴ و آتشکدۂ آذر صفحہ ۱۳۷

جسمؒ ہمہ اشک گشت و چشم بگریست | در عشق تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماندہ ایں عشق از چیست | چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

اےؒ برہمن آں عارض چوں لالہ پرست | رخسار نگار چار دہ سالہ پرست
گر چشم خدائے بیں نداری بارے | خورشید پرست شو نہ گوسالہ پرست

رفتمؒ بطبیب و گفتم از درد نہاں | گفتا کہ ز غیر دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا؟ گفت! ہمیں خونِ جگر | گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جہاں

۱ قائل معارف جلد ۴ نمبر ۱ سا ۱۹۱ ۲ کشف المحجوب صفحہ ۱، و ۳ انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۱، حالات عمر خیام۔

طلائی پٹی کھول کر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ "جس نے میری مجلس میں اپنی کمر سے پٹکا کھولا ہے وہ دن قریب ہیں کہ ارباب دنیا اُس کے حضور میں کمر باندھکر کھڑے ہوں گے" جب وعظ ختم ہوگیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور مژدہ سُنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔ پھر فرمایا کہ "حسن! اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہ ہوگی جس مجلس میں تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے۔ میری باتوں کو بھول نہ جانا ان پر ہمیشہ عمل کرنا۔ یاد رکھو کہ جب تک تمھاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہیں گے اُس وقت تک تمھاری دولت اور امارت قائم رہے گی۔ اور جب نیکی کے دروازے بند کر دو گے اور حق دار تمھاری مہربانی سے محروم ہو جائیں گے تو وہی زمانہ تمھاری امارت کے زوال کا ہوگا۔ اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کر دیا[1]۔

شیخ سے رخصت ہوکر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہنچ کر خواجہ نے اکتساب فنون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کرکے بخارا سے مرو کو رخصت ہوگیا۔

بخارا[2] میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ مگر بخارا سے وطن کی جانب پھر خواجہ کی واپسی نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا، مرو سے ماوراء النہر ہوتا ہوا براہ غزنین کابل پہنچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا۔ بلخ[3] پہنچ کر خواجہ حسن کی سوانح عمری کا ایک حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے ترقی پاکر خواجہ وزارت پر پہنچتا ہے۔ اور چونکہ خواجہ نے محض اپنی لیاقت سے وزارت کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس لئے اب جس قدر حالات اور واقعات ہیں وہ عہد وزارت کے سلسلہ میں بیان کئے جائیں گے۔ خواجہ حسن کی

---

[1] کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک [2] سفر نیشاپور اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے [3] صوبۂ خراسان میں یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے نہایت قدیم ہے۔ کیومرث اس کا بانی ہے اور لہراسپ سے منوچہر تک سب اس کی آبادی میں کوشش کرتے رہے ہیں۔ آتشکدہ نو بہار کی وجہ سے بلخ کا شمار مقدس شہروں میں تھا۔ اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان میں داخل ہے یعنی ترکستان کے اس حصہ میں جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشہ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۶ - ۴۵ طول بلد مشرقی ۶۶ - ۴۰

وزارت کی ابتدائی تاریخ میں شاہان سلجوقیہ کے نام آویں گے علاوہ اس کے. اس کتاب میں مختلف مقامات پر آل سلجوق کا تذکرہ ہے لہذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شاہان سلجوقیہ کا شجرۂ نسب لکھا جاتا ہے۔ ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہیئے۔

شجرۃ النسب آل سلجوق

دقاق ملقب بہ تیمور تالیغ

سلجوق (اعظم)

اسرائیل[۵] ملقب بہ پیغو — یونس[۴] — نیال[۳] — موسی[۲] — میکائیل[۱]

قتلمش مورث اعلےٰ سلاجقہ (روم) — ابراہیم — حسن — طغرل بیگ محمد — چغری بیگ داؤد

قاورد مورث اعلےٰ سلاجقہ کرمان — سلیمان — الپ ارسلان

بوری برس[۷] — آیاز[۶] — ارسلان شاہ[۵] — ارغون[۴] — تکش[۳] — تتش[۲] — ملک شاہ[۱]

احمد[۵] — محمود[۴] — سنجر[۳] — محمد[۲] [۱] — برکیارق[۱]

---
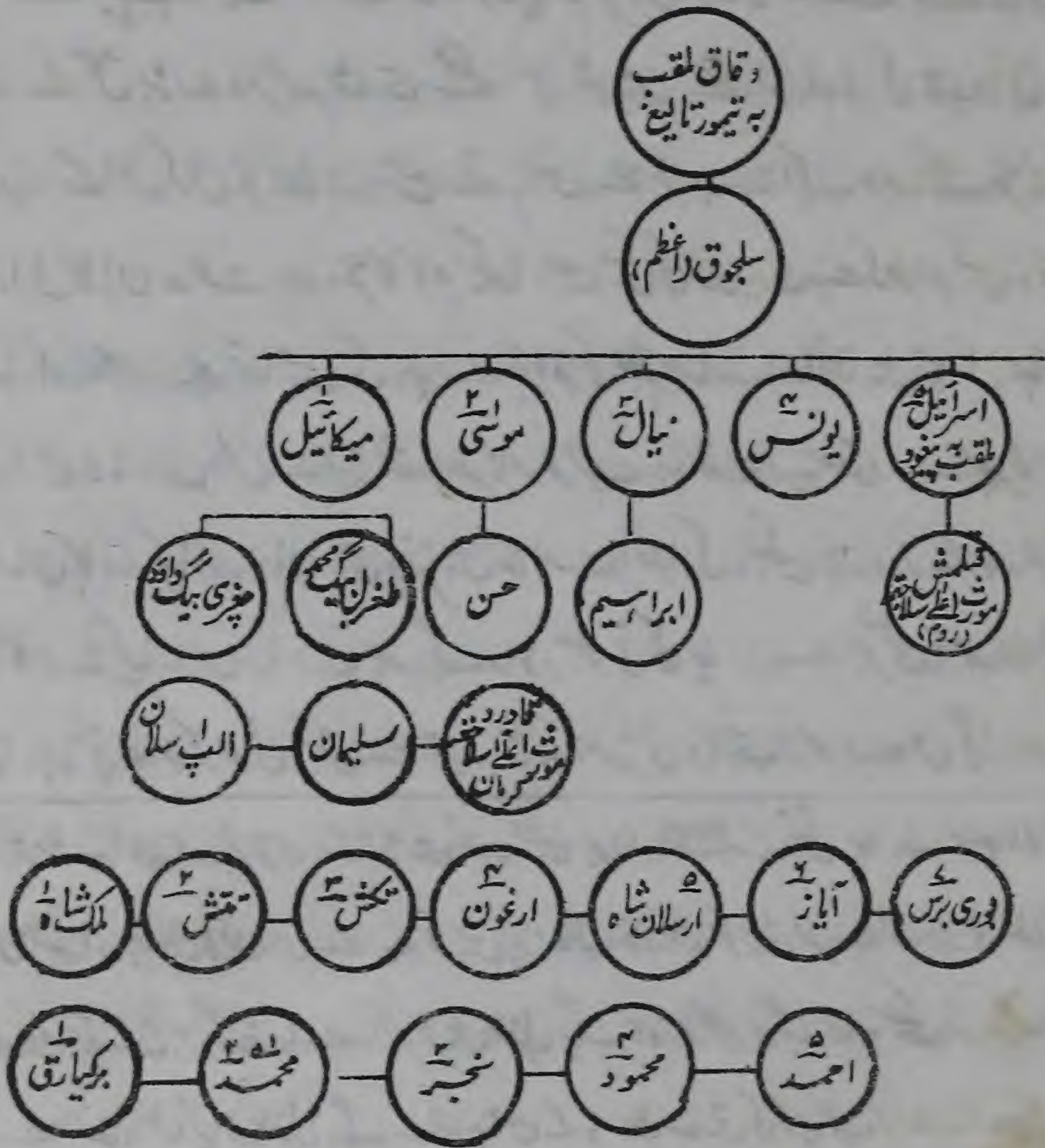
[۱] محمد کی اولاد میں ۱۲ بادشاہ حکمراں ہوتے جن کے ناموں کی تفصیل کی اس شجرہ میں ضرورت نہیں ہے۔

خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ

یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فراغ تعلیم کے بعد خواجہ حسن نے بخارا سے مرو کا سفر کیا تھا۔ اور وہاں سے ماورارالنہر ہو کر غزنین پہنچا تھا۔ یہ عبدالرشید غزنوی[1] کی حکومت کا دور تھا۔ جس نے ۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء سے ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء تک حکومت کی۔ اور چونکہ غزنین کو دارالسلطنت ہونے کی عزت حاصل تھی اس لئے کل بڑے دفتر اور شاہی محکمے اسی شہر میں تھے۔ اور دربار کی قدردانی سے مختلف ملک و دیار کے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔ اس لئے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا۔ اور اہل کاران عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ خواجہ کسی دفتر میں نوکر ہو گیا تھا۔ اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علم حساب اور انشا میں کامل مہارت ہو گئی تھی۔ اور اسی زمانہ میں اُس نے اپنا مختصر سفر نامہ ترتیب دیا تھا جو اب مفقود ہے۔ پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ لیکن چند روز کے بعد خراسان کو خیرباد کہکر بلخ کا رخ کیا۔ اس زمانہ میں چغر بیگ داؤد سلجوقی کی جانب سے ابوعلی[2] احمد بن شاذان بلخ کا گورنر تھا۔ چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عمید بلخ کے میر منشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو

---

[1] عبدالرشید ابن محمود غزنوی ۴۴۱ھ میں تخت نشین ہوا اور ۴۴۴ھ میں قتل ہوا۔ [2] خواجہ ابوعلی احمد بن شاذان اُن مشہور اور باکمال لوگوں میں سے ہے کہ جس پر "خاک خاوران" کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ ابوعلی طغرل بیگ سلجوقی کا ملازم تھا اور عرصہ تک بلخ میں گورنر رہا ہے۔ اخیر عمر میں طغرل بیگ کا وزیر بھی ہو گیا تھا۔ لیکن جب بڑھاپے نے مجبور کر دیا تو وزارت سے استعفا داخل کیا اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ عمیدالملک ابونصر کندری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوتا تھا تو خواجہ ابوعلی کو دعائے خیر سے یاد کرتا تھا۔ خاوران کے مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

تا سپہر حیت گردان شد ز خاک خاوران — تا شبانگاہ آمدش چار آفتاب خاوری

خواجہ چون بوعلی شاذان وزیر نامدار — عالمے چوں اسعد مہنہ زہر شترے بری

صوفی صافی چو سلطان طریقت بوسعید — شاعر قادر چو مشہور خراسان انوری

از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ وطبقات الشافعیہ سبکی حالات نظام الملک۔

دنیاوی اشغال میں جو جاہ و منصب ملا اس کا پہلا زینہ یہی تھا۔

کاتب کا عہدہ ہر عہد میں معزز رہا ہے بلکہ زمانۂ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنروں کے دفتر میں جو محرر و منتظم (کلرک و سکرٹری) ہوتے ہیں۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہو جاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خود ترقی پاکر نیابت سے وزارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر خواجہ اپنے عہدے پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچتا۔ لیکن ابو علی کے خسیسانہ حرکات اور دناءت نے خواجہ کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ خواجہ[۱] کی روایت ہے کہ "جب میرے پاس کچھ سرمایہ ہو جاتا تو ابن شاذان مجھ پر جرمانہ کر کے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اس کا ایک معمولی فقرہ تھا کہ "حسن اب تو خوب فربہ ہو گئے ہو۔"

غرضکہ ہر سال یوں ہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ "کاتب کو صرف قلم کافی ہے۔" جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی برتاؤ کیا تو آخر برداشتہ خاطر ہو کر خواجہ بلخ سے فرار ہو گیا۔ اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مرو[۲] پہنچا۔ اور سلطان کے حضور میں اپنا مختصر حال بیان کیا۔ چغر بیگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت خوش ہوا۔ اور چونکہ خود مبصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونہار ہے لہذا شاہزادۂ الپ ارسلان کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ "حسن تمہارا کاتب، مدبر، مشیر، اور محاسب ہے تم اس کو اپنے باپ کے برابر سمجھنا۔" جب عمید بلخ کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مرو میں ہے تو اس نے دربار میں عریضہ بھیجا کہ "میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمانِ عالی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ یہاں کے دفتر میں بہت ابتری پڑ جائے گی۔"

چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ "میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شاہزادے سے براہ راست درخواست کرنا چاہیئے۔" لیکن پھر عمید نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔

گو یہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہیں ہوا۔ لیکن اس نامور مدبر کی شاگردی یا فیض

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۲۵۰ [۲] جہاں تک ممکن تھا تحقیقات کی گئی مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ خواجہ کس سنہ میں حاضر دربار ہوا ہے۔ مگر غزنویہ اور سلجوقیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۴۴۵ھ اور ۴۴۸ھ کے مابین آیا ہے۔

صحبت نے خواجہ کو حقیقت میں نظام الملک بنا دیا۔ اور جس قدر ملکی و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ اخیر عمر میں ابن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کردیا تھا۔

بہرحال یہ قابل تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ اسباب حصول وزارت کے ایک قوی سبب ہے۔ لیکن حکمت نظام الملکی کو بھی انتخاب وزارت میں بہت کچھ دخل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خداداد قابلیت اور کارگذاری سے پورا قبضہ کرلیا تھا۔ زمانہ ولی عہدی میں الپ ارسلان کا مصاحب، کاتب، مشیر، اتالیق، اور باوفا رفیق۔ غرضکہ جو کچھ سمجھو صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا بزم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا۔ لیکن اُس وقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا۔ بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی۔ کیونکہ طغرل بیگ اور چغر بیگ دونوں حقیقی بھائیوں میں ازحد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک دل ہوکر انجام دیتے تھے۔ مساجد میں دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دور حکومت میں انتظاماً چغر بیگ نے مرو اور طغرل بیگ نے نیشاپور کو دارالسلطنت قرار دیا تھا[1]۔ چنانچہ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں بمقام بلخ چغر بیگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت دعوے دار تاج و تخت 'رے' میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ لیکن ۴۵۵ھ میں جب طغرل بیگ نے انتقال کیا تو حسب وصیت طغرل، وزیر عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کردیا۔ طغرل بیگ اگرچہ لاولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر طغرل بیگ اپنی بھاوج (زوجۂ چغر بیگ والدۂ سلیمان) کے حق میں وصیت کرگیا تھا جس کی تکمیل میں عمید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے ہوتے ہوئے سلیمان تخت اڑا لے جائے۔ قطع نظر اس کے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے اس لئے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ کو سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ

---

[1] زبدۃ النصرہ و نخبۃ العصرہ عماد الدین اصفہانی از صفحہ ۲۸-۳۰ مطبوعہ ہالنڈ ۱۸۸۹ء

قتلمش جو قلعہ[1] گردکوہ میں مقیم تھا وہ بھی دعوے دار سلطنت ہو کر اٹھا۔ اور دوسری طرف سے قاورد فتوحات کے ذوق میں چلا۔ اور الپ ارسلان کا مد مقابل بن کر بردسیر[2] تک اپنی فوجیں بڑھا لایا۔ لیکن خواجہ کی مدبرانہ اور عاقلانہ حکمت عملیوں سے الپ ارسلان نے اپنے تمام مخالف بھائیوں کا ترکی بترکی جواب دیا قتلمش میدان کارزار میں قتل ہوا۔ اور قاورد نے صلح کر لی۔ عمید الملک کندری نے جب دیکھا کہ سلیمان کامیاب نہ ہوگا تو وہ بھی طوعاً وکرہاً الپ ارسلان سے آن کر مل گیا۔ چونکہ چچا کا وزیر اور خاندانی نمک خوار تھا اس لئے الپ ارسلان بھی چپ سادھ گیا۔ لیکن مذکورہ بالا معرکوں میں خواجہ حسن اپنے محسن کے ساتھ رہا تھا اس لئے الپ ارسلان نے خانہ جنگی سے فارغ ہو کر انتظام سلطنت پر توجہ کی اور امور وزارت کو عمید الملک[3] اور خواجہ حسن کے سپرد کر دیا اور خواجہ کو نظام الملک کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور عمید الملک و نظام الملک نے مل کر سلطنت کا کام

---

[1] دامغان سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ قدیم شاہان عجم کا تعمیر کیا ہوا ہے شاہنامہ وغیرہ میں اس کا نام دژ گنبدان وگبدان دژ و کوہ منصوریہ ہے۔ ایران کے قلعوں میں یہ نہایت مستحکم اور مرتفع ہے۔ ملک شاہ سلجوقی کے انتقال پر اسمٰعیلیہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور مدتوں ان کے قبضہ میں رہا۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔ سے بریکے چوں ملحدان گردکوہ، عہد قدیم کے آثار اس وقت تک باقی ہیں۔ اگر مرمت کی جائے تو آج بھی فوجی ضرورتوں کے واسطے از حد مفید ہے گنج دانش صفحہ ۴۲۵۔ [2] بردسیر۔ کرمان کا بہت بڑا شہر ہے۔ مراصد الاطلاع [3] ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار کا ایک نامور رکن ہے۔ ابو نصر موضع کندر کا باشندہ تھا۔ (متعلق طرثیث اطراف نیشاپور) اور محض اپنے ذاتی فضل وکمال کی وجہ سے کاتب کے درجہ سے وزارت تک پہنچا تھا۔ تاریخ آل سلجوق میں تحریر ہے کہ جب سلطان طغرل بیگ نیشاپور میں وارد ہوا ہے تو اس کو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہوئی کہ جو عربی فارسی علم ادب پڑھتا ہو۔ چنانچہ خواجہ الموفق (رحمۃ اللہ) والد ابو سہل افسر دار الانشا فارسی نے ابو نصر کو پیش کیا اور سلطان نے اس نوجوان کو اپنا کاتب اور دار الانشا عربی کا افسر مقرر کر دیا۔ جو بعد کو اپنی کارگذاریوں سے طغرل بیگ کا وزیر ہو گیا۔ چنانچہ دولت سلجوقیہ میں سب سے پہلے وزیر ہونے کی عزت ابو نصر کو حاصل ہوئی ہے مورخین نے اس کی مدح کی ہے۔ خود صاحب فضل و کمال تھا اس وجہ سے علما اور شعرا کی عزت کرتا تھا۔ امام الحرمین اور امام ابو القاسم قشیری اس کے دربار میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور وہ اُن کے خیالات سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ اس کی مدح میں عربی فارسی میں بکثرت قصائد موجود ہیں جن میں سے ابو الحسن الباخرزی اور ابو منصور۔ ابن تعاوندی کا کلام خاص کر قابل ملاحظہ ہے۔ طغرل بیگ کے زمانہ میں (باقی در صفحہ آئندہ)

شروع کیا مگر خواجہ کو شرکت فی الوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عمید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبورًا کیا کرتا موقع کا منتظر رہا۔ چنانچہ محرم ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات

بقیہ صفحہ ۶۱۔ جو ملکی کارنامے اس وزیر کے ہیں وہ حالات طغرل بیگ میں لکھدیئے گئے ہیں۔ اس کے مذہب میں اختلاف ہے بعض نے شافعی لکھا ہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اس کا تعصب مذہب ضرب المثل ہے۔ اس کی عمر کا اخیر حصہ نہایت رنج والم میں گذرا۔ طغرل بیگ کے انتقال پر چندروز کے واسطے الپ ارسلان کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ مگر یہ عہد اُس کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ اور بہت جلد قتل کردیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اس کے قتل میں بہت سائی ہوا کیونکہ وہ اس کی زبردست چالوں سے ڈرا کرتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابو نصر کی جان بخشی ہوسکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابو نصر کو قید میں ایک سال گذر گیا۔ تو الپ ارسلان نے دو غلام اس کے قتل کے واسطے روانہ کئے۔ جب یہ غلام ابو نصر کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت وہ بخار میں پڑا تڑپ رہا تھا اسی حالت میں اُس کو قتل کا حکم سُنایا گیا۔ جب ابو نصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دم سے کے ٹلے گی تو اُس نے غسل کیا اور عرصہ تک توبہ استغفار کرتا رہا۔ پھر اپنے حرم سرا میں گیا اور سب عزیزوں سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو آیا۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مرنے پر تیار ہوگیا اور ایک غلام نے تلوار سے سر اُڑادیا۔ اور غریب مقتول کا سر بمقام کرمان الپ ارسلان کے سامنے لاکر رکھا گیا۔ آثار الوزرا کی روایت ہے کہ جب جلاد تلوار لے کر سر پر کھڑا ہوا تو عمید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ عاجز کی طرف سے الپ ارسلان سے کہدینا کہ تمھارے چچا طغرل بیگ نے مجھکو قلم دان وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے۔ جس کا مجھے آخرت میں صلہ ملے گا۔ اور وزیر نافذ فرمان سے کہنا کہ تو نے بہت بُرا کیا وزیر کُشی کی بدعت تیری جانب سے ہوتی ہے بسلطان کو تو نے یہ رسم سکھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت میں بتلا ہوگی اور آخر میں فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

ما سیلے روزگار خوردیم و شدیم   تا خود بہ کجا رسد سرانجام شما

عمید الملک بمقام کندرا اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چادر نبوی کا کفن میسر آیا۔ یہ چادر آب زمزم کی دھوئی ہوئی تھی اور خلیفہ مقتدی باللہ عباسی نے اُس کو مرحمت فرمائی تھی اور جو کفنی گلے میں ڈالی گئی وہ ایک قمیص دبیقی تھا جو خود خلیفہ قائم باللہ نے اس کو دیا تھا۔ عجب عبرت کا مقام ہے کہ عمید الملک کا عضو۔۔۔۔۔اس کی حیات میں خوارزم میں دفن ہوا (ایک خیانت کے جرم میں طغرل بیگ نے یہ سزا دی تھی) اور قتل کے (باقی در صفحہ آئندہ)

کے لئے اُس کے گھر گیا اور پانسو دینار بطور نذرانہ پیش کئے۔ لیکن ملاقات کے بعد الگر فوجی سردار عمید الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے کارروائی کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کرکے مرورود بھیج دیا۔ یہاں ایک سال تک یہ جیل خانہ میں پڑا رہا اور بروز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ مورخین کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت پر مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ خواجہ نے جب تک عمید الملک قتل نہیں ہو گیا اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا۔

اب انشاءاللہ جو واقعات تحریر ہوں گے اُس کا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا۔ اور اُن واقعات کی ابتدا ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء سے ہوگی۔

تبصرہ

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا، اور اُس کے خاندان کی کیا حالت تھی اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُس نے کن ممالک کا سفر کیا اور دار السلطنت غزنین سے نکل کر آل سلجوق کے دربار میں کیوں کر آیا۔ اور پھر دفتر انشا کی ملازمت سے ترقی پاکر مسند وزارت پر بیٹھا اور ایسا بیٹھا کہ مر کر اُٹھا۔

لیکن اس پر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُس کے مستقل وزیر ہونے کی ہے، اُسی

بقیہ صفحہ ۶۲۔ وقت جو خون طشت میں جمع ہوا تھا وہ مرورود میں گاڑا گیا۔ باقی جسم کندر میں۔ دماغ نیشاپور میں اور کاسہ سر جس میں گھاس بھری گئی تھی وہ کرمان میں دفن ہوا کچھ اوپر چالیس برس کی عمر میں آٹھ برس وزارت کرکے دنیا سے رخصت ہوا افسوس! ؎

ہے عجب سیر اگر دیدہ بینا دیکھے　　دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

از نگارستان صفحہ ۱۷۸۔ ابن خلکان تذکرہ حسن۔ ریاض النضرۃ صفحہ ۲۹ - ۳۲۔ روضۃ الصفا۔ آثار الوزراء حالات نظام الملک۔ گنج دانش صفحہ ۵۰۲۔ حالات نیشاپور۔

وقت وہ اپنی عمرِ طبعی کی کتنی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اور تاریخ ولادت سے تاریخ وزارت تک اُس پر انقلاب کے کس قدر طوفان آ چکے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سوانح نگار کے لئے ایک ضروری امر ہے۔ لہٰذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس برس کی عمر میں خلعتِ وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم اُنتیس سال وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسویں ذیقعدہ ۴۰۸ھ میں ہوئی اور ۴۱۳ھ تک یعنی تقریباً پانچ برس کی عمر میں مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ۴۱۹ھ میں حفظ کلام مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچوں کے واسطے حفظ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ بجز حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اس کے خواجہ کا چچا عبداللہ خود فقیہ تھا۔ اور خواجہ کا باپ بھی ایک دین دار اور مذہبی شخص تھا اس لئے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو ناتمام چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرضکہ بارھویں سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دارالعلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ فقہ اور حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل دس برس تک یہ علمی مشغلہ جاری رہا کیونکہ ۴۲۹ھ کے خاتمہ پر یا ۴۳۰ھ کے ابتدا میں خواجہ حسن نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ تاریخوں میں روانگی سفر کی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مگر مندرجۂ ذیل قرائن سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

اول یہ کہ ۴۲۹ھ میں سلجوقیوں کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ) سلطان چغربیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سلجوقیوں کا اگرچہ طوس پر قبضہ ہو چکا تھا۔ مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا۔ اور شاہان غزنویہ کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ اس لئے خواجہ نیشاپور بھیج دیا گیا تاکہ امن و عافیت کے ساتھ تعلیم ہو۔ اور گھر کی تعلیم کے مقابلے میں کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات[1] میں لکھا ہے۔ کہ ۴۳۰ھ میں وہ داخل مدرسہ (نیشاپور) ہوا ہے۔ اور داخلہ کے بعد حسن صباح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہم درس ہوتے ہیں۔ اور فراغ کے بعد

---

[1] دیباچہ رباعیات عمر خیام مطبوعہ بمبئی۔

ایک ساتھ ان دوستوں نے مدرسہ چھوڑا ہے۔ اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم نیشاپور میں کل ۴ برس تعلیم پائی ہے۔ لہذا مدرسہ کی تعلیم ۴۳۷ھ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اب مکتب نشینی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس ۲۱ برس کی مدت ہوتی ہے اور اُس عہد کی تعلیمی مدت کا پیمانہ اوّل درجہ پچیس تیس سال تھا۔ اور جب عمر کا اس قدر قیمتی حصہ چراغوں کی روشنی اور مساجد و مدارس کے حجروں میں صرف کیا جاتا تھا۔ تب دستارِ فضیلت میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالبِ علم نکلتا تھا اور آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکتا تھا۔

بہرحال طوس اور نیشاپور میں خواجہ نے جس قدر فضل و کمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہے۔ مگر نہیں، خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہیں کی ہے۔ اور اُس کو ابھی مدت تک ورق گردانی کرنا باقی ہے۔

کتاب الوصایا میں جس قدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت کا کوئی ذکر خواجہ نے نہیں کیا ہے۔ البتہ اس کی صراحت کہیں نہیں کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہو کر خواجہ کس شغل میں مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس میں ٹھہرنا پڑا یہاں قیاسات سے کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے بخارا کا سفر کیا ہے تو مختصر الفاظ میں اس سفر کا ذکر کیا ہے گو سنہ و سال کی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن یہ معمّا اس طرح پر حل ہو جاتا ہے۔ کہ راستہ میں خوش نصیبی سے شیخ ابو سعید ابوالخیر سے ملاقات ہوئی ہے اور شیخ نے پند و نصائح کے بعد فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس میں پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے، اور اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہ ہوگی۔"

جس کے معنی بطور رمز و کنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالمِ فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جس کے لئے مزید شہادت کی حاجت نہیں ہے اور صحیح روایت کے مطابق شیخ موصوف نے ۴۴۱ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر ۴۴۱ھ میں ہوا۔ اور یہ بھی محض حصول علم کے لئے تھا (جیسا اپنے موقعہ پر لکھا

---

۵ جنوری ۱۰۴۹ء مطابق ۴۴۱ھ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد نمبر ۱۰۔ حالات عمر خیام۔

جا چکا ہے، آگے چل کر پھر نہیں معلوم ہوتا کہ بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا ہے۔ لیکن کم از کم اگر تین برس فرض کر لئے جاویں۔ اور واپسی نیشاپور سے سفر بخارا تک جس قدر زمانہ گذرا ہے اس کو فرض کریں کہ کتب بینی یا علمی تحقیقات میں صرف ہوا تو خواجہ حسن کی مسلسل طالب علمی کا زمانہ تیس برس قرار پاتا ہے۔ اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لئے کم نہیں ہے" اور عہدۂ وزارت کے واسطے بھی اس قدر فضل و کمال اور اٹھارہ سال کا تجربہ سیر و سفر و ملازمت کافی ہے۔ خواجہ نظام الملک نے مستقل وزیر ہو کر خدمات وزارت کو کیونکر انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے! یہ واقعات اپنے موقعہ پر لکھے جائیں گے۔ اب ہم اُس کے ذاتی فضل و کمال کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کا فضل و کمال، فقہ، حدیث، شاعری کا تذکرہ، انشا کا نمونہ، تصنیفات

اسلام کے وسیع عہد حکومت میں ایک ہی نسبت سے اکثر نامور فرماں روا تاج و تخت کے اور وزرا مسند وزارت کے مالک ہوئے ہیں یعنی جیسے تاجدار فضل و کمال میں فرد ہوتے تھے ویسے ہی وزیر بھی اپنی شان یکتائی میں بے مثل نظر آتے تھے۔ اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت حاصل ہے کہ جس طرح سلطان ابن سلطان ہوتا تھا۔ اُسی طرح وزیر ابن وزیر ہوتا تھا۔ اور یہ وراثت صدیوں تک قائم رہی ہے۔

وزیر کے انتخاب میں ہر عہد میں خاص اہتمام کیا گیا ہے حتیٰ کہ جاہل اور وحشی حکمرانوں نے اپنے لئے ایسا وزیر منتخب کیا ہے جس کو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے... مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یحییٰ[1] برمکی اور صاحب[2] ابن عباد کے بعد کوئی وزیر جامعیت

---

[1] ابوالفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کا نامور وزیر ہے ۱۱۹ھ/۷۳۷ء میں پیدا ہوا۔ ۳ محرم ۱۹۰ھ/۸۰۵ء میں بمقام رقہ انتقال کیا۔ ہارون الرشید کے عہد کی ملکی، مالی، علمی، ترقیاں یحییٰ کے عہد وزارت میں ہوئیں۔ یحییٰ کی فیاضی، اور علمی قدردانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابیں مالامال ہیں فضل اور جعفر یحییٰ کے دو بیٹے اس کے بعد وزیر ہوتے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد برامکہ پر تباہی آگئی اور اُن کے حالات آئندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہو گئے۔ تفصیلی حالات کے لئے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیے۔

[2] ابوالقاسم اسمٰعیل بن ابوالحسن عباد طالقانی ملقب بہ صاحب ۳۲۶ھ/۹۳۸ء میں بمقام طالقان (قزوین) پیدا ہوا۔ اور

(باقی در صفحہ آئندہ)

اور فضل وکمال میں خواجہ نظام الملک کا ہم پلہ نہیں ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ وزارت کے انتساب نے نظام الملک کو وزرا کے سلسلہ میں داخل کیا ہے۔ ورنہ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ ادب۔ حکمت۔ کون سی انجمن ہے کہ جس کا وہ معزز رکن نہیں ہے۔ وہ ہر لڑی میں واسطۃ العقد ہے اور ہر زنجیر میں طلائی کڑی!

فقہ

تاریخ اور تذکرہ میں خواجہ نظام الملک کی شہرت بحیثیت ایک مدبر وزیر کے ہے اور وہ عام طور پر فقیہ کے لقب سے مشہور نہیں ہے۔ لیکن اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ فقیہ نہ تھا صحیح نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۶۶ - ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء میں بمقام رے انتقال کیا۔ وزرائے اسلام میں صاحب ایسا باکمال اور نادر روزگار شخص ہے کہ خود نظام الملک اس کا مداح ہے۔ فضل وکمال کے لحاظ سے طبقۂ علما میں شمار کیا جاتا ہے۔ مویدالدولہ ابومنصور بویہ بن رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ اور اُس کے انتقال پر فخرالدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اس کی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابوالقاسم اسمٰعیل وزرا میں پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اس کے بعد دیگر وزرا بھی صاحب کہلائے۔ ہر علم وفن کے باکمال اُس کے دربار میں موجود رہتے تھے لیکن شعرا کی تعداد سب پر غالب تھی۔ صاحب کی مدح میں جس قدر قصائد اور متفرق اشعار ہیں ان کے انتخاب کے واسطے ایک مجلد چاہیے۔ نوح بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اس کی وزارت اختیار کرے۔ لیکن صاحب نے فخرالدولہ کے دربار سے جانا پسند نہیں کیا اور معذرت نامہ بھیج دیا۔ منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ "اگر میں حاضر خدمت ہونے کا قصد کروں تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہوں گے" یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ ادبی کتابوں سے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ میں صرف تیس ۳۰ اونٹوں پر کتابیں ہمراہ ہوتی تھیں علامہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی (یہ کتاب پچاس برس میں مرتب ہوئی تھی اور اب مصر میں ۲۰ جلدوں میں چھپ گئی ہے) کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی۔ تصنیفات میں المحیط (لغت ۷ جلدوں میں) کتاب الکافی فی الرسائل۔ کتاب الاعیاد وفضائل النیروز۔ کتاب الامامۃ۔ کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی مشہور ہیں۔ جس دن صاحب نے انتقال کیا ہے اُس دن شہر رے کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے اور فخرالدولہ معہ خدم حشم وعام رعایا کے جنازے کے ہمراہ تھا۔ صاحب کا والد ابوالحسن عباد رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا" وزرائے اسلام کا سلسلہ قائم رہا تو انشاء اللہ کسی زمانہ میں ہم مستقل سوانح عمری اس وزیر کی پیش کریں گے۔ انتخاب از ابن خلکان۔ جلد اول

خواجہ نظام الملک طبقۂ علما میں وزارت سے زیادہ فقاہت میں مشہور تھا۔ اور خواجہ کے فقیہ ہونے کا ثبوت جستہ جستہ اُس کے حالات سے بھی ملتا ہے اور اُس کے عدالتی فیصلوں میں بھی فقہ کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ابن خلکان میں تحریر ہے "وَکَانَ مجلِسُہ عَامِرًا بالفقہاء" یعنی خواجہ کی مجلس فقہا سے بھری رہتی تھی۔ یہ مختصر فقرہ معمولی نہیں ہے۔ کیونکہ مثل علوم متعارفہ کے یہ مسلم ہے کہ انسان جس علم وفن میں کمال یا خاص دلچسپی رکھتا ہے وہی اُس کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ اگر خواجہ کو فقہ سے خاص ذوق وشوق نہ ہوتا تو اس کی مجلس میں بھی بجائے فقہا کے ایشیائے کوچک کے پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا بے تکلف اور زندہ دل احباب جمع ہوتے۔ اور کوئی خوش آواز مغنی یہ ترانہ چھیڑتا ؎

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنارِ آبِ رُکنا باد گلگشت مصلّےٰ را

لیکن کسی مؤرخ نے خواجہ کو عیش وطرب کی مجلس میں رندانہ وضع سے نہیں دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ میں پایا ہے۔

خواجہ کے ابتدائی حالات میں بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اس کا چچا عبداللہ فقیہ تھا اور اُس نے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درس گاہ میں لے گیا تھا۔

حدیث

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر بہ نظر غور ملاحظہ کئے جائیں تو اُن میں ہزاروں ایسے باکمال ملیں گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن اُن کی شہرت اس معزز لقب سے نہیں ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوئے اور بقیہ علمی جوہر چھپے رہ گئے۔ چنانچہ اسی استثنا میں خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہیں :- وسمع نظام الملک الحدیث واسمعہ وکان یقولُ اَنّی لا اعلم انی لست اھلا لذلک ولکنی

اديل ان اربط نفسي في قطار نقلة الحديث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔"

ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہٰذا بمقتضائے ادب کہتا ہے کہ "بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاؤں۔"

طبقات الکبری کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدثیں سیکھیں۔

اصفہان۔ محمد بن علی مہربرد ادیب۔ ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور أستاد ابوالقاسم قشیری۔

بغداد۔ ابوالخطاب بن البطر وغیرہ۔

مذکورۂ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دار الخلافت بغداد میں مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ میں اس طرح پر جاری تھا۔ کہ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم دوات لے کر سامنے بیٹھتے۔ اور شیخ کے الفاظ قلم بند کرتے جاتے۔ اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ ایسی مجالس کو "مجالس املا" کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ نے جامع مہدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس املا سے نفع اٹھایا۔ اِن مجالس میں نامور ائمہ حدیث تشریف لاتے تھے۔ اور علاوہ مقامات مذکورۂ بالا کے طالب علمی کے سب سے اخیر زمانہ میں خواجہ نظام الملک بخارا گیا تھا۔ اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل منظور تھی۔ اور خاک بخارا کو حدیث شریف سے جو ازلی ابدی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث طبقات الکبری میں خواجہ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے۔ جس کو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْقَاهِرِ الْمَاكِسِيْنِيُّ بِقِرَاءَتِيْ عَلَيْهِ بِدِمَشْقَ أَنَا

عَبْدِ الْمُنْعِمِ بْنُ یَحْيَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ الزُّهْرِيُّ الْخَطِیْبُ آنَا اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي الْمَعَالِيْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَامِعِ بْنِ الْبَنَّاءِ الصُّوْفِيُّ فِيْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَّسِتِّمِائَةٍ اَنَا نَصْرُ بْنُ مَنْصُوْرِ بْنِ خَلَفٍ اَنَا اَبُوْ طَاهِرِ ابْنُ خُزَیْمَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ السَّرَّاجُ ثَنَا قُتَیْبَةُ ثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَیْمِ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْكَعْ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ ؎

یعنی رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو؎ افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے میں زیادہ توجہ نہیں کی ورنہ ایک سے بہت زیادہ حدیثیں ملتیں۔ لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر کوئی شخص قلتِ نظر کا الزام نہیں لگا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ ابنِ عباس کے مقابلہ میں جن سے ہزاروں حدیثیں روایت ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، فاروق اعظم، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جو حدیثیں روایت ہیں ان کی مجموعی تعداد دو سو سے کم ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم سے جس قدر قرب و اختصاص خلفائے اربعہ کو تھا وہ اور اصحاب کو میسر نہیں آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکانِ اسلام کو صرف معدودے چند حدیثیں یاد تھیں۔ غرضکہ روایت حدیث میں اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حدیث میں کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی تیس برس کی طالب العلمی بھی ایک بیّن شہادت اس امر کی ہے کہ وہ علمائے روزگار میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

شاعری

خواجہ نظام الملک کو شعر و شاعری سے دلچسپی نہ تھی۔ اور اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ طبعی[۱] مذاق نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی جس نے طبیعت کو شعر و سخن کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے نابلد نہ تھا۔ افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکروں میں بجز ایک قطعہ اور رباعی کے اس کا کوئی اور کلام درج نہیں ہے۔ بہر حال ناداری میں یہ بھی غنیمت ہے۔ نظام الملک کی مجلس میں جس قدر انعام اور اکرام

---

[۱] خواجہ بزرگ نظام الملک رحمۃ اللہ در حق شعرا اعتقادی نداشت از آنکہ در معرفت آں دست نداشت۔ چہار مقالہ نظامی عروضی

صوفیہ اور علما کے حصہ میں آیا اس کے مقابلے میں شعرا، منزلوں دور رہے، اور ان کی محرومی کا باعث وہی مذاق شاعری تھا جس کی خواجہ میں بہت کمی تھی۔

ابن خلکان میں خواجہ نظام الملک کے عربی اشعار بھی درج ہیں۔ مگر خود مورخ مذکور کو ان کی صحت میں شک ہے اور لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو ابوالحسن محمد بن ابوالصقر واسطی کی جانب منسوب کرتے ہیں[1]۔ لیکن عربی زبان میں اگر خواجہ کے اشعار ہوں تو اُس کے فضل وکمال کے مقابلہ میں یہ ایک ادنیٰ بات ہے۔

رُباعی | یہ رُباعی[2] ایک خاص موقعہ پر عمید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آداب وزارت میں منفصلاً درج ہے۔

از سر بنہ ایں نخوتِ کاؤسی را | بگذار بجبرتیل۔ طاؤسی را
یعنی ہمہ صوفہائے تیروسی را | پیش آر۔ دگر گاؤ مگو طوسی را

قطعہ | یہ قطعہ[3] اُس وقت موزوں کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو چھُری سے زخمی کر دیا ہے اور ملک شاہ سرہانے بیٹھا ہے، اور نزع کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔

سی سال باقبالِ تو اے شاہ جواں بخت | گردِ ستم از چہرۂ ایام ستردم
منشورِ نکونامی و طغرائے سعادت | پیشِ ملک العرش بتوقیع تو بردم
چوں شد ز قضا مدت عمرم نود و شش[4] | اندر سفر از ضربتِ یک کارد بمردم
بگذاشتم[4] ایں خدمتِ دیرینہ بفرزند | اورا بخدا و بخداوند سپردم

---

[1] اور وہ اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

بعد الثمانین لیس قوۃ | قد ذہبت شرۃ الصبوۃ
کاننی والعصا بکفی | موسیٰ ولکن بلا نبوۃ

---

[2] وصایائے نظام الملک نسخہ قلمی [3] آثار الوزرا نسخہ قلمی [4] دوسرا مصرعہ عبدالملک برہانی شاعر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اس نے یہ مصرعہ کہکر قطعہ پورا کر دیا تھا اور بعض تذکروں میں اس شعر کا شانِ نزول کچھ اور ہی لکھا ہے جس کی تفصیل امیر معزی کے حالات میں ہم نے لکھدی ہے۔

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے جس سے اُس کے زورِ قلم کا اندازہ ہو سکے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خواجہ کے نثر کا طرز وہی ہے جو عموماً پانچویں صدی کے علما اور انشا پردازوں کا تھا۔ چنانچہ جس نے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہیں اُس کو اس طرز کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دو خطوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو خواجہ نے اپنے نامور بیٹوں موید الملک اور فخر الملک کو لکھے ہیں۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ اُس کی دین داری اور اخلاق و عادات کا بھی آئینہ ہیں۔ کہ جس سے ہر خال و خط نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مکتوب بنام مویدالملک

بدانؔ ای پسرا کہ مایہ نیکیِ دو جہاں اعتقادِ نیکو ست، و شناختن حق تعالیٰ بہ یگانگی کہ ہمیشہ بود و ہست و باشد، و تغیر و انتقال و زوال بہو محال ست، و ایمان بایزد تعالیٰ کہ با یمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقرون بود و بداند کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیا ست و بہترینِ خلق و دین او حق است۔ و باید کہ او را دوست داری، واصحابِ او را، و اہل بیت او را، کہ ایمہ بحق اند۔ و دشمنی ہیچ کس از گویندۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ باید کہ در دل تو نباشد۔ و باید کہ حرمتِ علما کہ ورثۂ انبیا اند نیکو شناسی۔ خاصۂ کسانی کہ از شجرۂ نبوت بتطہیر و تشریف مخصوص باشند۔ و لبعد ازاں باید کہ پیش از صبح برخیزی و بدانی کہ پگاہ خواستن برکت عظیم دارد و کارہاے بستہ بکشاید۔ و زندگانی بیفزاید۔ و ہمیشہ کلمۂ شہادت بر زبان رانی، و نماز را بگذاری، و از قرآن در وِرد خود لازم کنی، و از دعوات ماثورہ بخوانی تا روز بر تو بہ خوش دلی گذرد، و ہمیشہ با ادیب جامع بارع نشینی یا با ہنرمندی لطیف ظریف تا چیزی در تو آموزد و محفوظات بہ تکرار بر تو نگاہ دارند و درگاہِ لطافت باندیم طبع کشودہ می شود و ہر سوز از شعر تازی و پارسی و رسائل و آداب انچہ توانی بر خاطر می گیر۔

لہ آثار الوزا سیف الدین عقیلی نسخۂ قلمی و نسخۂ منتخب سعید مطبوعۂ قدیم لکھنؤ صفحہ ۶۷، ۶۸

ولپس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل نحو و تصریف واشکالِ ہندسہ و قیاساتِ منطقی ریاضت دہی ۔ و بمشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد وانچہ ہست قناعت نہ کنی ۔ در اوّل شب باید که ساعتی نیک بمباحثہ واستفادت و مخامرت با ہنرمندان، وظریفان بہ نشینی، واز لطائف آداب و حکایات و امثال و ابیات چیزی یاد گیری چوں بریں جملہ بیش گیری زود از اقران خود را حج شوی ۔ باید کہ زبان از دروغ و غیبت نگاہ داری و عیب کساں نہ گوئی، ودر ظرافت ترکیب سخن از مقدماتی نکنی کہ بحرمت و مال کسی از زبان بازدہد چہ اگر کسی براست گوئی معرفت شود اگر وقتی از برائے مصلحتی دروغ بگوید قبول کنند اگر بہ دروغ گوئی معروف گردد اگرچہ نیز راست گوید قبول نہ کنند و کارش بستہ باشد و باید کہ بعہود و مواثیق وفا کنی، و عزم درست داری تا در چشم ہمہ کس عزیز باشی و زشت نامی بسود دنیائی خریدن زیاں سہمگیں بود و ہر درمی کہ از مکاسب دون بحاصل آید حجاب صد ہزار دینار گردد و اگر کسی بخلاف ایں ابواب پیش تو تقریر کند از غیبت و عیب مردم و پدید آوردن تو فیر از زشت نامی و کاہلی کردن در تحصیل ہنر او را ز دبو مردم شمری واز خویشتن دور کنی والبتہ غماز و نمام سائے را پیش خود راہ ندہی، و برانی، واز ندیمان و دوستان دو روی متملق اجتناب کنی کہ بضحکہ و حدیث سزم و خوش نشینی ترا از راہ ببرند و زیان کار دینی و عقبی شوی و خدمت گاران باادب مشفق نگاہ داری و با دوستاں کہ صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی، تا تواضع و خدمت تو با استحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نہ کنی بہیچ وجہ و ہر کس کہ ترا بران تحریص کند خصم جان خویش دانی و در ہمہ اوقات تازہ روئے و خوش خلق باشی تا ہمہ کس بتو میل کنہ ۔ (وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) و بر ظلم اقدام نہ نمائی چہ دعائے مظلوم را حجاب نبود و باخلق منصف و نیکو معاملت باشی و با شریکان بہ تبرع و تفضل بسر بری تا نیکو نام گردی و حسد و حقد در دل خود جائے نہ دہی کہ الحسود لا یسود، و ہر وقت بہ تکلف نہ روی کہ گفتہ اند "التکلف شوم لا نہ لا یدوم" و باید کہ سخن خردمندان بشنوی و با اہل صلاح نشینی و سیرت ایشان گیری تا بہمہ زبانہا ستودہ گردی، و انچہ تعین شدہ است از موسوم و وظیفہ و رواتب خدمت گاران آں را بر سان یک چندی قناعت باید کرد و بتحصیل علوم مشغول تا بس ازانکہ بدرجۂ استقلال و استبداد رسی بمراد خویش در ہمہ تصرف کنی ۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۔

مکتوب بنام فخر الملک

در مطلع عمر افتتاح کار نیک بختی را نیکونامی حاصل شود و خبر آں بدو و نزدیک برسد و دلہائے لشکری و رغبت بدو مائل شود اگر در اثنائے امور سہوی از و صادر گردد و خصمان خواہند کہ بدنامی بدو حوالت کنند نتوانند ایں تذکرہ الیست مر فرزند اعز فخر الملک را کہ چوں بدیں قانون رود سعادت دوجہانی یابد انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اول) باید کہ ہمہ رعایا از تو آسودہ باشند و ہر وقت کہ حقوق بر ایشاں لازم شود بگزارد تا فارغ دل بکسب و مصلحت معاش خویش پردازند و باہستگی از ایشان بستانند، و دری حوادث بہبود بر ایشان بستہ باشد، و نگزارد کہ ہیچ کس بعماز فرمودہ دیوان از ایشان چیزے خواہد، و رگہندیان باید کہ ایشان را بحال نرنجانند۔

(دیگر) باید کہ در سرائے خود بر متظلمان کشادہ دارد و در ہفتہ یک روز بدین کار بپردازد و چنانکہ ہیچ مصلحت نماند و در آں آہستگی کار فرماید تا بداند کہ آں متظلم را شکایت از چیست و تدارک آں چگونہ می باید کرد تا انچہ فرماید از سر حقیقت و بصیرت باشد۔(دیگر) باید کہ امرائے لشکر و خاصگیان مخدوم را عزیز و محترم دارد و ہم چنیں شیوخ و موالی و ائمہ را بچشم حرمت بیند و ہمہ را تفقد نماید و تعہد کند و سبب غیبت بپرسد و اگر بیمار شوند بعیادت رود و اگر مصلحتے سازند و مہم در پیش گیرند مدد و معاونت دہد ہم بمال و ہم بخدمت گار و تجمل و رسمی کہ آں مہم را شاید و ہم گناں را بشناسد و لقب ایشاں را محفوظ دارد و با ایشاں کشادہ روئی باشد تا بر متابعت و خدمت وی حریص گردند و مشفق شوند کہ "الانسان عبید الاحسان" و ہر روز معروفان را بر خوان خود نان دہد و با ندیمان و نزدیکان بادشاہ زندگانی بجا کند و عزیز دارد، و چیز با بخشد (دیگر) در ہفتہ دو بار باید کہ پیش ارکانِ دولت و اصحاب مناصب طعام خورد و حکایتہا گوید کہ متضمن مصالح باشد و اگر از دو روز بیشتر خورد ہتک حشمت بود و ہمہ کس را در حق مرتبت و مصلحت تعہد کند و نوروز و عید بہمہ کس کہ ملازمان و دوستان و حریفان و یاران وے باشند صلت و خلعت رساند و خوان نکو نہد (دیگر) نزدیکان و ندیمان کہ در حق کسی سختی باسم شفاعت گویند یا حاجتی خواہند کہ ممکن

گردد بباید شنود و عذر باید خواست که خدمت کنم و بنویسم اگرچه مصلحت نباشد بقدر دل داری باید
کرد و بہیچ حال بر منع اصرار نباید نمود (دیگر) بباید دانست که ہیچ کس مال بداں جہان نگیرد مگر آنچہ
دراں نام نیکو حاصل گردد و حمایت و جایگی حشم و خدمت گاران بوقت خود برساند بی احتباس۔
از حال روسائے نواحی و عمال غافل نباید بود که از ایشاں بر رعایا حیفہائے عظیم باشند و درویشان
ازیں سبب رنجور و گراں بار باشند چوں دفع ایشان بکند نیکونامی بہمہ آفاق برسد از راه رواں
و کارواں غافل نباید بود تا راہہا ایمن باشد و آینده و رونده بسلامت بود و رباطہا معمور دارد (دیگر)
کار زر و درہم نازک بود و نصرت آں بہمہ کس برسد متولی دارالضرب شدید باید و عیار باید که در گردن
بیاعان و دلالان باشد و ہرماه باید که یکبار کمیتی بکند و دیہار باید۔ غلامان و خدمت گاران خاص را بواجبی
نگاه دارد تا باادب و خرد باشند و اگر بے ادبی کنند مالش دہد باید که از سر انصاف تمام نظر کند تا بر عادت
قدیم بسویت ہمہ کس حق خود گیرد و مستنزاو نکند و شرب نیفزایند و در کمیت و کثرت باشریکاں احتیاط
چہ عمارت جہاں بہ آب ست و چوں دراں ظلم رود و خیانت کرده باشند برکت از جہاں بکلی مرفوع گردد و در
راستی میاں دہقنت صلاح کار حرس و زرع فائده بسیار ست و بر دزد و راہزن ہیچ وجہ ابقا نکند و قطع و
قہر ایشاں از اہم المہمات داند و در حق زناں زور و بہتان نشنود کسانیکہ بزنان ہتک حرمت و قصد نام و ننگ
و عرض مردم کنند در قہر ایشان مبالغت نماید و اگر سخن چنین یا ندیمی قصد عرض کسی کند در قمع و قہر او کوشد
چہ نام و ننگ بسالہا بدست آید و بیک دروغ باطل گردد و روز آدینہ ہر بامداد بار عام دہد و ختم قرآن کند و
نماز پیشین بجماعت گزارد در جامع - و در ہمہ حال توفیق از حق تعالے خواہد تا بہمہ نیکو تیہا برسد و برکت آں
آفریدگار جل جلالہ بر احوال او در دو جہان ظاہر گردد انشاء اللہ وحدہ العزیز ؛

تصنیفات

خواجہ نظام الملک کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُن کے نام یہ ہیں (۱) " وصایائے نظام
الملک یا دستور الوزرا "۔ سیاست نامہ یا سیرالملوک " لیکن ان کے علاوہ ایک سفرنامہ بھی ہے
جس میں اُس سفر کے حالات تحریر ہیں جو خراسان سے (براہ ماوراء النہر) کابل تک کیا گیا ہے۔
لیکن یہ سفرنامہ مفقود ہے۔

وصایا ملقب بہ دستور الوزراء (۱)

اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے۔ مگر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے اخیر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیر الفوائد مضامین کا ہے جس میں روئے سخن مخر الملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کا عزیز ترین فرزند ہے جس کی نسبت خواجہ چاہتا ہے کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اس لئے ناصح مشفق بن کر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ دستور العمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہیں۔ اور پہلی فصل میں وزارت کی اُن مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے استعفا دینا ہی بہتر ہے۔ اور دوسری فصل میں وزارت کے وہ آداب و قواعد لکھے ہیں جن کی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔

غرضکہ وصایائے نظام الملک معاملاتِ سلطنت اور وزارت میں ایک کمل اور مستحکم قانون ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچویں صدی میں کارآمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔ ہم نے باب الوزارت میں ان قوانین کو مفصل لکھا ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں کس دماغ کے مقنن وزیر گذرے ہیں۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ میں یعنی انتقال کے ایک سال قبل تصنیف کی ہے۔ اور باعث تصنیف دیباچہ میں یوں لکھا ہے کہ "۴۸۴ھ ہجری میں سلطان سعید ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ" ما بدولت کے عہد سلطنت پر غور کریں۔ اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کا نہیں ہے۔ اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں ہیں۔ اور وہ کیا حالات ہیں کہ جو مجھ پر مخفی ہیں۔ اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں وہ کیا تھے؟ غرضکہ شاہان سلجوق کے تمام رسم و رواج اور آئین قلم بند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غورِ کامل اُن قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے۔ جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائیں۔ اور ساری

خرابیاں دور ہوں۔ جب کہ خدائے برتر نے مجھکو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے۔ اور تمام نعمتیں بخشی ہیں اور میرے دشمنوں کو پامال کردیا ہے تو پھر کوئی انتظام ما بدولت کا ناقص نہ ہونا چاہیئے اور نہ مجھ سے کچھ چھپایا جائے۔

سلطان کا روئے سخن نظام الملک، شرف الملک[1]، تاج الملک، مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ ان امرا میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھکر ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا۔ مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جس کی نسبت سلطان نے فرمایا کہ یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال میں اب اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔"

یہ کتاب پچاس[5] فصلوں پر ختم ہوتی ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے۔ اور اس کتاب میں (سوانح عمری خواجہ نظام الملک) باستثنائے چند ابواب تمام مضامین کا معہ مختصر حاشیہ کے ترجمہ کردیا گیا ہے۔ سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآن، حدیث، اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت وشان کی یہ ادنیٰ دلیل ہے کہ سول سروس[2] کورس میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو پروفیسر شیفر (مدرس مدرسۃ السنہ شرقیہ پیرس)، کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ جنھوں نے ہندوستان، لندن، برلن، اور سینٹ پٹیر سبرگ کے کتب خانوں سے صحت کر کے اس کتاب کو فرانس میں چھپوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ کا ایک پورا باب (معہ ترجمہ) نقل کرتے ہیں۔ جس سے خواجہ کی طرز تحریر کا جو اس کتاب میں ہے نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب میں ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جس کی تفصیل ہر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ امید ہے کہ یہ صفحات دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

---

[1] شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ میں تحریر ہیں۔

[2] سول سروس کا امتحان لندن میں ہوتا ہے اور اس امتحان کی کامیابی پر ہندوستان کے بڑے عہدے کلکٹری وغیرہ ملتے ہیں۔

سیاست نامہ باب ۴۳

اندر باز نمودن احوال بد مذہبیان کہ دشمن ملک و اسلام اند

بندہ خواست کہ فصلی چند در معنی خروج
خارجیان یاد کند تا جہانیان بدانند کہ بندہ را
دریں دولت چہ شفقت بودہ است، و بر مملکت
سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد (خاصہ بر خداوند
عالم خَلَّدَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ، و بر فرزندان و خاندان
او کہ چشم بد از روزگار او دور باد) بہمہ روزگار
خوارج بودہ اند و از روزگار آدم علیہ السلام
تا اکنون خروجہا کردہ اند و در ہر کشورے کہ در
جہانست بر بادشاہان و پیغمبران، ہیچ گروہی
نیست شوم تر و بد فعل تر از یں قوم۔ بداند کہ از
پس دیوارہا بدی ایں مملکت می سگالند و فساد
دین می جویند، گوش بآواز نہادہ اند و چشم بچشم
زدگی۔ اگر نعوذ باللہ ہیچ ایں دولت قاہرہ
(ثَبَّتَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی) را از آفتی حدیثہ رسد
یا آسیبی رسد (العیاذ باللہ) پیدا شود ایں سگہا
از نہفتہا بیرون آیند و بریں دولت خروج
کنند و ہر چہ ممکن باشد از فساد و قیل و قال
و بدعت چیزی باقی نگذارند۔ بقول دعوے
مسلمانی کنند و بمعنی فعل کافران دارند و باطن

یہ چند ابواب مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی
تاریخ میں لکھتا ہوں تاکہ کافہ انام کو معلوم ہو جائے
کہ دولت سلجوقیہ پر میں کس قدر مہربان ہوں (خصوصًا
خداوند عالم، اور اُس کے خاندان اور اولاد پر) اور کس قدر
اُس کی خیر خواہی کا دم بھرتا ہوں۔
حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر
عہد میں خوارج کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی نہ کسی
شہر سے انہوں نے بادشاہوں اور پیغمبروں پر خروج
کیا ہے۔ اس گروہ سے زیادہ کوئی، منحوس، اور بدکار
نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سلطنت
کے بد خواہ ہیں، اور مذہب میں فساد اٹھانا چاہتے
ہیں، اور ہر وقت اس کے منتظر ہیں کہ سلطنت کو صدمہ
پہنچے۔ اگر خدانخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت
پڑ جائے تو یہ سگِ ناپاک گھات سے نکل کر سلطنت
پر حملہ آور ہوں گے۔ اور جہاں تک ہو سکے گا فساد و
بدعت اور قیل و قال میں کچھ اٹھا نہ رکھیں گے۔ ظاہر
میں اسلام کا دعوٰی کرتے ہیں اور باطن میں پورے
کافر ہیں۔ خدا کی اُن پر لعنت ہو (جن کا باطن ظاہر کے
خلاف اور جن کا قول عمل کے برعکس ہو) اسلام کے

ایشان لعنہم اللہ بخلاف ظاہر باشد وقول بخلاف
عمل ودین محمد مصطفی را صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ
دشمن از ایشان شوم تر وبہ نفرین تر نیست
وملک خداوند عالم را ہیچ خصمی از ایشان بتر
نیست وکسانیکہ امروز دریں دولت قوتی ندارند
ودعوی شیعت می کنند ازیں قوم اند ودر سر کار
ایشاں می سازند وقوت می دہند ودعوت می
کنند وخداوند عالم را براں می دارند کہ خانہ
بنی العباس بردارد واگر بندہ غطا از سر ایں
دیگ بردارد اے بسا رسوائی بیروں آید..
ولیکن انانکہ از تماشا ہائے ایشاں خداوند عالم
را مالی حاصل شدہ است دریں معنی می خواہد
کہ شروعی کند بسبب توفیرہا کہ نمایند وخداوند
را بہرحال حریص کردہ اند بندہ را صاحب غرض
نہند ونصیحت بندہ دریں حال دل پذیر نیاید.
آنگاہ معلوم گردد فساد ومکر ایشاں کہ بندہ از
میان رفتہ باشد وبداند کہ ہوا خواہی بندہ بچہ
اندازہ بودہ است ودولت قاہرہ را وازاحوال
سگالش ایں طائفہ غافل نبودہ است وبہر
وقت بسمرات عالی اعلاہ اللہ می گذرانیدہ
است وپوشیدہ نداشتہ وچوں می دید کہ
دریں معنی قول بندہ قبول نمی افتاد نیز تکرار
نہ کرد۔ لیکن بابی در معنی ایشاں بر سبیل اختصار

حق میں اُن سے زیادہ کوئی دشمن قابلِ نفرین نہیں ہے
اور نہ دولت سلجوقیہ کا کوئی اُن سے بڑھکر دشمن ہے۔
جو لوگ اس سلطنت میں کمزور ہیں اور فرماں برداری کا
دعویٰ کرتے ہیں، وہ یہی ہیں، اور اس گروہ سے میل
جول کرکے اپنے بل پر اُن کو دعوت دیتے ہیں، اور خداوند
عالم کو اُبھارتے ہیں۔ کہ آل عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔
اگر میں اس طلسم کی پردہ کشائی کروں تو معلوم نہیں ہے
کہ کیا کچھ رُسوائی ہو؛ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ
ہوا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مالی کارگزاری
دکھاؤں۔ ان لوگوں نے سلطان کو مال پر حریص بنا رکھا
ہے، اور مجھکو خود غرض کہتے ہیں، گو میری نصیحت اس
وقت نہ سُنی جائے مگر اُن کا مکروفریب اُس وقت کھُل
جائے گا کہ جب میں موجود نہ ہوں گا۔ اور جب میری
خیر خواہی کا اندازہ ہو سکے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا
کہ اس گروہ کے دریافت حال سے میں غافل نہیں
رہا ہوں اور اکثر اوقات اِس گروہ کے حالات عرض
کرتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھُپایا نہیں گیا
ہے؟ البتہ جب میں نے دیکھا کہ میری عرض داشت
قبول نہیں ہوتی ہے تب میں بھی چپ ہو رہا۔
لیکن مہتم بالشان سمجھکر اس کتاب (سیر الملوک)
میں ایک عنوان قائم کرتا ہوں، جس کے ملاحظہ
سے معلوم ہو جائے گا کہ باطنیہ کون تھے، اُن کا
مذہب کیا تھا، اور پہلے پہل وہ کہاں ظاہر ہوئے؟

درین کتاب سیر آورد کہ از جہات بود کہ ایں بواطنہ چہ قوم اند و مذہب ایشاں چگونہ بودہ است و اول از کجا خاستند و چند بار خروج کردہ اند و ہر وقت بدست خداوند مقہور گشتہ اند تا از پس وفات بندہ تذکرہ باشد، در زمین شام و یمن و اندلس خروجہا بودہ است و قتلہا کردہ اند و لیکن بندہ آنہمہ یاد نکند و اگر خواہد کہ بر ہمہ احوال ایشاں واقف شود تاریخہا باید خواند خواند خصوصاً تاریخ اصفہان و آنچہ در زمین عجم کردہ اند (کہ خلاصۂ ملک خداوند عالم است) بندہ از صدی کی یاد خواہد کرد تا معلوم رائے عالی دام عالیاً کردد از ابتدائی تا انتہائی کار ایشاں۔

(انھوں نے کئی مرتبہ سر اُٹھایا ہے مگر ہمیشہ خداوند عالم نے اُن کی سرکوبی کردی ہے) اور یہ تذکرہ میرے بعد یادگار رہے گا۔ باطنیہ فرقہ کا ملک شام، یمن، اندلس میں ظہور ہوا ہے اور اُنھوں نے بڑی خوں ریزی کی ہے لیکن یہ پوری تاریخ میں بیان نہ کروں گا۔ شائقین تاریخ کی طرف رجوع کریں۔ خصوصاً تاریخ اصفہان (جس میں پوری تفصیل موجود ہے) اور جس قدر واقعات ملک عجم میں ہوئے ہیں وہ بھی ایک فی صدی بیان کروں گا، جس سے جناب عالی کو از ابتدا تا انتہا باطنیہ کی تاریخ معلوم ہو جائے گی۔

باب ۴۴

اندر خروج مزدک مذہب او چگونگی گشتہ شدن او بدست نوشیروان عادل

نخستین کسی کہ اندر جہان مذہب معطلہ آورد مردی کہ اندر زمین عجم بیرون آمد او را موبد موبدان گفتندی، نام وی مزدک، باداد آں بروزگار ملک قباد بن فیروز پدر نوشیروان عادل

مزدک کے تاریخی حالات۔ دنیا میں سب سے پہلے جس نے مذہب معطلہ کی بنیاد ڈالی وہ سرزمین عجم کا باشندہ "مزدک[1]" تھا، اور جس کو لوگ "موبد موبدان" کہتے تھے۔ چنانچہ ملک قباد

---

[1] خواجہ نظام الملک نے جس قدر مزدک کے حالات لکھے ہیں اُس پر کسی قدر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے لہٰذا چند تاریخوں سے مختصر طور پر یہ ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ (بقیہ در صفحہ آئندہ)

خواست کہ کیش گبرگی برگ برگان بزبان آرد وراہ بد درجہاں گستردو سبب آں بود کہ مزدک نجوم نیکو دانستی واز روش اختران چناں دلیل می کرد کہ اندریں عہد مردی بیرون آید ودینی آرد چناں کہ کیش گبراں وکیش جہوداں وکیش ترساآں وبت پرستاں را باطل کند، وبمعجزات وزور کیش خود در گردن مردمان کند وتاقیامت دیں او بماند۔ اوراتمنا چناں افتاد کہ مگر ایں کس او باشد پس دل درا ں بست کہ چگونہ مردم رادعوت کند ومذہب نو پدید آرد۔ نگاہ کرد خویشتن را بمجلس بادشاہ حرمتی تمام دید ونزدیک ہمہ بزرگان، وہرگز کس اورا محالی نشنیدہ بودند۔ پیش ازانکہ دعوی پیغمبری کرد۔ پس غلامان خویش را فرمود تا از

بن فیروز (پدر نوشیروان عادل) کے زمانہ میں مزدک کے گبروں کے مذہب کو برباد کرکے ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اس تحریک کا باعث یہ تھا کہ مزدک کو علم نجوم میں کمال تھا۔ اور سیاروں کی چال سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا، کہ اس عہد میں ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا مذہب آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور بُت پرستوں کے مذہب کو باطل کردے گا، اور اپنے معجزات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کرے گا اور اُس کا مذہب قیامت تک باقی رہے گا اس لئے مزدک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص میں خود ہی کیوں نہ بن جاؤں؟ لہذا اُسنے غور کرنا شروع کیا کہ کیوں کر لوگوں کو مذہب کی دعوت کروں اور ایک جدید مذہب ایجاد کروں

بقیہ صفحہ ۸۰۔ ایران میں یکے بعد دیگرے جو مدعیانِ نبوت یا بانیانِ مذہب پیدا ہوئے ہیں اُن میں مزدک بن نامداران سب سے اخیر شخص ہے۔ مورخوں کو اُس کی جعل سازی، اور مکاری تسلیم ہے۔ تاہم طبقۂ حکما میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیشاپور کا باشندہ تھا۔ لیکن تکمیل علوم کے بعد مدائن میں چلا آیا تھا اور عہد قباد میں اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اُس نے اپنے تابعین اور مریدوں کی ہدایت کے واسطے ایک دستور العمل بنایا تھا جس کا نام "ولیسناد" تھا اور سہل فارسی میں اس کا ترجمہ آئین شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔

مزدک کا اصل مذہب رڈیکل، اور سوشلسٹ کے قریب تھا۔ کیونکہ یورپ کے یہ خوفناک فرقے بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر یکساں اختیار رکھتا ہے اور اسی بنا پر مزدک کے مذہب میں زنا کچھ گناہ نہ تھا۔

مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہیں، ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے (باقی در صفحۂ آئندہ)

جاے پنہاں نقبی گرفتند و زمیں نبیدند بتدریج چنانکہ سرسوراخ میاں آتش گاہ برآوردند راست آنجا کہ آتش می کردند سوراخے نخست خردپس دعوے پیغمبری کرد وگفت مرا فرستادہ

آخر کار اُس نے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس میں اپنے تئیں معزز و محترم پایا اور یوں بھی سب اُس کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل محالات کسی نے اُس کی

بقیہ صفحہ ۸۱۔ جس کا نام یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہیں۔ نور کے تمام انعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزداں نے عقول، نفوس، آسمان، کواکب، بہشت، عناصر، معادن، اشجار میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

آگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جان داروں کا لوؤں کی لپٹ سے جل کر خاک سیاہ ہوجانا اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف دینا۔ غرضکہ اہرمن کے کرتوت اسی قسم کے ہیں۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اہرمن کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے۔ عبادت کا سزاوار صرف یزدانِ پاک ہے۔

مسئلہ قیامت میں مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہو جائیں گے اور پرانی ترکیب بدل جائے گی اُس وقت قیامت آ جائے گی۔

اس عالم میں (عالم فرودین) یزدان کی چار قوتیں ہیں۔ اول بازکشا (قوت تمیز) دوم یادہ (قوت حافظہ) سوم دانا (قوت فہم) چہارم سور (ابہجت و سرور) اور ان قوتوں کا عمل درآمد چار شخصوں کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) موبد موبدان (۲) ہیربد ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشگران۔ پھر ان چار طبقۂ اعلیٰ کے سات رکن اور ہیں جو عزت و مرتبہ میں ان سے کمتر ہیں۔ یعنی سالار۔ پیشکار۔ بالو۔ دبیران کاراں۔ دستور۔ کودک۔ پھر یہ سات ناظم بل کر بارہ روحوں پر حکومت کرتے ہیں۔

خوانندہ۔ دہندہ۔ ستانندہ۔ برندہ۔ خاہندہ۔ دوندہ پرندہ۔ کشندہ۔ زنندہ۔ آیندہ۔ شوندہ۔ پایندہ

جب کسی انسان میں یہ تئیس ۲۳ قوتیں مجموعی طور پر جمع ہو جائیں تو عالم سفلی میں اُس کا نام پروردگار اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے۔ گویا کمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہنچ کر اس ذات کو دیوتا گاڈز۔ رب النوع وغیرہ سمجھنے لگتے ہیں (ہندوستان اور یونان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالامال ہے) — جدال و قتال سے نور بیزار اور اہرمن خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر ہے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

(باقی در صفحہ آئندہ)

اندتا دین زردشت تازہ کردانم کہ خلق معنی ژند واُستاد فراموش کردہ اند۔ و فرمانہاے یزداں نہ چناں می گذارند کہ زردشت آوردہ است ہم چناں کہ ہر یک چندے بنی اسرائیل فرمانہاے موسٰی علیہ السلام کہ در توریت از خداے عزوجل آوردہ است نداشتندی و خلاف کردندی پیغمبری فرستاد ہم بر حکم توریت تا خلاف از بنی اسرائیل بیفگندی و حکم توریت را تازہ گردانیدی و خلق را بطریق راست می آوردے۔

این سخن بگوش ملک قباد اُفتاد روز دیگر بزرگان و مویدان را بخواند و مظالم کردو

کوئی تقریر نہیں سُنی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سرنگ لگائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کردیا اور ٹھیک آتشکدے کے نیچے پہنچ کر اُس میں ایک باریک سوراخ کردیا اس کے بعد مزدک نے پیغمبری کا دعوٰی کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ میں اس لئے معبوث ہوا ہوں کہ زردشت کے مذہب کی تجدید کروں۔ کیونکہ لوگوں نے اُستا اور ژند کے معنی بھلا دیتے ہیں اور یزدان کے احکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت[1] کے نہیں کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۸۴۔ اس لئے لوز کی رضامندی کے واسطے عورتوں کو آزاد و مطلق کردینا چاہیئے۔ اور جس طرح آگ پانی خوراک وغیرہ میں تمام آدمی شریک ہیں اسی طرح مال میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیئے۔ مزدک نے گوشت خواری کو حرام کر دیا تھا۔ قباد کی وجہ سے اِشاعتِ مذہب میں بڑی ترقی ہوگئی تھی۔ اور قبائل عرب میں خاص کوششیں اُس کی اشاعت کے واسطے کی گئی تھیں۔ چنانچہ حیرہ کا نامور سردار منذر بن ماء السّماء اپنی حکومت سے اس لئے معزول کردیا گیا تھا کہ اُس نے مزدک کا مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ مگر نوشیرواں نے بزرجمہر اور مشاہیر موبدون کی رائے سے مزدک کا قطعی استیصال کردیا۔ ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن میں قتل ہوئے۔ اور نہروان و مدائن کے مابین ہزاروں کو پھانسی دی گئی۔ اور کامل تسلط کے بعد عورتیں اصلی شوہروں کو واپس ہوئیں اور اسی طرح مال اسباب بھی واپس ہوا۔ از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۴۹-۲۵۱۔ و فرہنگ انجمن آرائے ناصری۔ ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۱۱۹ جز۔ اول مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ و دبستان مذاہب صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ کلکتہ (ملل و نحل مطبوعہ مصر صفحہ ۸۶ حاشیہ الفصل)

[1] زردشت منوچہر بن ایرج بن فریدوں کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے بموجب زردشت پیشین۔ (مہ آباد) تک اس کے نسب کا سلسلہ چلتا ہے "زرآتشت"[1]، "زرتشت"[2]، "زرتہشت" کے نام سے بھی مشہور ہے لیکن اصلی نام "سپنتمان" تھا۔ زردشت کا باپ پورشسپ بن پتیرسپ آذربائیجان کا باشندہ تھا۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

مزدک را بخواند وبہ ملا مزدک را گفت تو دعوی پیغمبری می کنی گفت آری وبداں آمدہ ام کہ دین زردشت را خلاف بسیار و در وے شبہہ بسیار گشتہ من ہمیں بصلاح بازآرم ومعنی زند واستانہ آنست کہ بکاری دارند باز نمایم معنی آں۔ پس قباد گفت معجزۂ تو چیست گفت معجزۂ

اور اُس کی مثال یہ ہے کہ "جب بعض افراد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام (جو توریت مقدس کے مطابق تھے) کے خلاف تعمیل کرنے لگے، تب خدا نے اُن پر دوسرا پیغمبر بھیجا۔ کہ وہ توریت مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پر

بقیہ صفحہ ۸۳۔ اور اس کی ماں خاندان فریدوں سے تھی جس کا نام "دغد" یا ذغدویہ" تھا۔ اور فرہنگ میں زردشت کے معنی حسب ذیل ہیں۔ آفریدۂ اول، نفس کل، نفس ناطقہ، عقل اول، فلک عطارد، نور مجرد، عقل فعال، رب النوع، راست گو، نور یزدان، ونام حضرت ابراہیمؑ، وخشور سمیباری (پیغمبر رمز گوی) اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اُس کو اپنا پیغمبر کہتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اُس پر جو کتاب (بخیال اس کے) آسمان سے اُتری تھی اُس کا نام اَوِستا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی میں تھی، زردشت نے خود اُس کا ترجمہ کیا اور اُس کا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام ژند (زند) تھا، اُس کے دو حصے ہیں جو احکام مطابق کتاب مہ آباد کے ہیں اُس کا نام "مہ زند" ہے اور جو اُس کے مخالف ہے اُس کا نام "کہ زند" ہے۔ اور ان ہی کتابوں کو وہ اپنے معجزے کے اظہار میں پیش کرتا تھا۔ پھر موبدون نے پاژند کی شرح لکھی جس کا پاردہ تھا۔ اور ایک دوسرے موبد نے جس کا نام آذر پژوہ تھا اور پاژند سے احکام انتخاب کرکے ایک کتاب (مشتملبر صدباب) تیار کی اور اس کا نام "صَدْدَر" رکھا جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

زراتشت بنگر چہ دہں پرور است　　　کہ در شہر علمش رہ، از صدر راست

مجوسی اس تمام سلسلہ کو آسمانی اور وحی الٰہی خیال کرتے تھے۔ یہ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں برباد ہوگئی لیکن اَوِستا اور ژند اور پاژند کا سلسلہ جابجا رہ گیا۔ اور وہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اَوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحوں پر لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں سے ایک سورت کا نام جستر شت تھا۔ جس میں دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک سورت کا نام ہادوخت تھا۔ جس میں نصائح اور پند تھے۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا۔ اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام وکمال حفظ یاد تھی۔ اَوستا کا ترجمہ (باقی در صفحہ آئندہ)

من آنست کہ آتش را کہ قبلہ و محراب ماست من لسخن آرم واز خدائے تعالیٰ درخواہم تا آتش را فرمان دہد کہ بہ پیغمبری من گواہی دہد چنانکہ ملک وجماعت آواز بشنوند۔

ملک گفت اے بزرگان وموبدان دریں معنی چہ گوئید موبدان گفتند اول چیز آنست کہ ما را کیش وکتاب ما می خواند و زردشت را خلاف نمی کند ودر ژند واستا سخنا نست کہ ہر سخن دہ معنی دارد وہر موبدی و دانائی را دررو قولی وتعبیری ہست ممکن باشد کہ قول را تفسیر نیکوتر وعبارتی خوشتر بیارد اما اینکہ می گوید آتش را کہ معبود ما است لسخن آرم این شگفت است ودر قدرت آدمی نیست

ے آوے"۔ چنانچہ جب یہ صدا قباد کے کانوں تک پہنچی تب اُس نے دربار میں بزرگانِ قوم اور مقتدایانِ مذہب کو جمع کیا۔ اور سب کے سامنے مزدک سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

قباد! کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ مزدک ہاں اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ زردشت کے مذہب میں جو آمیزش ہوگئی ہے اُس کو صاف کرکے اصلی حالت پر لے آؤں۔ اور ژند واُستا کی صحیح تفسیر کروں۔ کیونکہ آج جن معانی پر عمل درآمد ہے یہ تو بالکل غلط ہیں۔

"قباد! کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟ مزدک "میرا معجزہ یہ ہے کہ آگ، جس کا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ اگر میں خدا سے عرض

بقیہ صفحہ ۸۴۔ عربی زبان میں ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے۔ گشتاسپ کے چوتھے سن جلوس (۵۹۴ برس قبل ولادت مسیح) میں زردشت حاضر دربار ہوا۔ اور متعدد امتحانات اور اظہار معجزات کے بعد گشتاسپ ایمان لایا تھا۔ اور گورنمنٹ ایران کی مدد سے اشاعت مذہب میں ترقی ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس اسفندیار (پسر گشتاسپ)، کے عہد میں بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت میں آتشکدے بنائے گئے۔ چنانچہ آذربائیجان، بلخ، ارض ارمن، بعض ممالک یورپ، ہندوستان، روم، عرب، چین میں آتشکدے تیار ہوگئے۔ صرف زابلستان، اور سیستان کا حصہ چھوٹ گیا تھا کیونکہ رستم پہلوان عقاید زردشتیہ کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ اسفندیار اور رستم کی باہمی عداوت اور جنگ وجدل کا یہ بھی ایک سبب ہے "ستتر برس کی عمر میں ہنگامۂ ارجاسپ میں "تور برا تور" ایک نورانی پہلوان کے نیزہ سے زخمی ہوکر فوت ہوا۔ انتخاب از دبستان مذاہب صفحہ ۱۲۰۔ ۱۲۴ مطبوعۂ کلکتہ، ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۱۱۴ مطبوعۂ مصر حاشیہ الفصل (صفحہ ،،) سفرنامہ ایران میرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۰۲ تاریخ گنج دانش، تحقیق بلخ صفحہ ۱۴۱۔ رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۴۴

آنگہ ملک مزدک راگفت اگر تو آتش را بسخن آری
من گواہی دہم کہ تو پیغمبری مزدک گفت ملک
وعدہ بنہد و بداں وعدہ باموبدان و بزرگان
باتش گاہ آید تا بدعائے من خدائے عزّ و جل
آتش آرد، اگر خواہم امروز و ہم ایں ساعت ۔
قباد گفت براں بنہادیم کہ فردا جملہ باتش
گاہ آئیم، دیگر روز مزدک راہی را زیر آں سوراخ
فرستاد و گفت ہر وقت کہ من باواز بلند یزداں
را بخوانم تو بزیر زمیں سوراخ آئی و بگو کہ صلاح
یزداں پرستانِ زمیں درآنست کہ سخن مزدک
برکار گیرند تا نیک بختی دو جہاں یابند پس قباد
بزرگان و موبدان باتش کدہ شدند و مزدک را
بخواند و مزدک آمد بر کنار آتش بایستاد و باواز
بلند یزداں را بخواند و بر زردشت آفریں کرد
و خاموش گشت ازمیان آتش آوازی آمد براں
جملہ کہ یاد کردیم، چنانکہ ملک و بزرگان بشنیدند و ازان
در شگفت ماندند و قباد در دل کرد کو بوئے بگرود چوں
از آتشکدہ باز گشتند بعد ازاں قباد مزدک را پیش
خود بخواند و ہر ساعت مقرب تر بود تا بوئے بگروید
و ازجہت وی کرسی زر مرصع فرمود تا بر تخت بارگاہ
بنہند بوقت بار، و قباد بر تخت بنشست و مزدک
را براں کرسی بنشاند و بسیاری از قباد بلند تر بودی
و مردمان بہرے برغبت و ہوا و بہری بموافقت

کروں تو وہ آگ کو حکم دے گا کہ میری پیغمبری کی
گواہی دے اور یہ شہادت علی رؤس الاشہاد
ہوگی۔" مزدک کا یہ دعویٰ سُن کر قباد نے موبدون
سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو۔"
موبدون نے کہا کہ" سب سے پہلی بات تو یہ ہے
کہ مزدک ہمارے ہی دین اور کتاب کی دعوت
کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہیں ہے ۔
البتہ زند اور اُستا کی تفسیر میں گفتگو ہے کیونکہ
اکثر آیتوں کی بیس طرح سے تفسیر ہو سکتی ہے
اور مفسر کو تاویل کرنے کا اختیار ہے ۔ اور یہ ہو سکتا
ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر دل کش پیرایہ
سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے
معبود کو گویا کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت
سے باہر ہے۔" موبدون کی تقریر سنکر قباد نے
مزدک سے کہا کہ" اگر یہ سچ ہے تو میں خود تیری
پیغمبری کی گواہی دوں گا۔" مزدک نے کہا کہ
"اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے
پر معہ اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ
فرمائے تو میری دعا سے خدائے عز و جل آگ
کو گویا کر دے گا ۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو
تو یہ آج ہی بلکہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔" لیکن
قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع
ہوں گے ۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے

ملک در مذہب مزدک ہمی آمدند و از ولایات
ولواحی روی بحضرت نہادند و پنہاں و آشکار
در مذہب مزدک می شدند و لشکریان رغبت
کم کردند و از قبل حشمت پادشاہی چیزے
نمی گفتند و از موبدان، ہیچ کس در مذہب مزدک
نشد و گفتند بنگریم تا از ژند و استا چہ بیرون می
آید چوں دیدند کہ پادشاہ در مذہب او آمد
مردمان از دور و نزدیک دعوت او قبول کردند
و مالہا در میان می کردند۔

ومزدک گفت مال[1] بخشیدہ ایست
میان مردماں کہ ہمہ بندگان خدائے تعالیٰ اند و
فرزندان آدمند و بچہ حاجت مند گروند باید کہ مال
یک دیگر خرج کنند تا ہیچ کس را بی برگی نباشد و
درماندگی متساوی الحال باشند چوں قباد بیشتر بریں
راہ بنہاد و بہ اباحت مال راضی شد آنگہ گفت
زناں شما چوں مال شما است باید کہ زناں را چو
مال شناسید تا ہیچ کس از لذت شہواتِ دنیا بے
نصیب نماند و در مراد بر ہمہ خلق کشادہ بود و بس مردماں

تعلیم یافتہ مرید کو سُرنگ کے راستے سے آتشکدے
کے نیچے بھیج دیا۔ اور اُس کو سمجھا دیا کہ جب میں
بلند آواز سے یزدان کو پکاروں تب تو روزن
کے نیچے سے جواب دینا کہ "اے یزدان پرستو!
مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمھارے
حق میں سعادتِ دارین یہی ہے" چنانچہ
دوسرے دن شاہنشاہ قباد، اکابرینِ مذہب
اور معززین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک
کو بھی بُلا بھیجا وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے
دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے اونچی آواز سے
یزدان کو پکارا اور زردشت کی تعریف کر کے
خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدے سے وہی ندا
آئی (جس کو میں اول بیان کر چکا ہوں) جس
کو سب نے اپنے کانوں سے سُنا اور حیرت زدہ
رہ گئے۔ اور قباد نے ارادہ کر لیا کہ حروک کا پیرو
ہو جائے۔ غرضکہ آتشکدے سے لوٹ کر قباد نے
مزدک کو طلب کیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اُس کا
درجہ بڑھایا۔ اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل

---

[1] اس مضمون کو فردوسی نے شاہنامہ میں بایں الفاظ لکھا ہے۔

ہمی گفت ہر کو توانگر بود — تہیدست با او برابر بود
نباید کہ باشد کسے بر فزود — توانگر بود تار و درویش پود
زن و خانہ و چیز بخشیدنیست — تہیدست کس با توانگر یکیست
من ایں را کنم راست تا دین پاک — شود ویژہ پیدا بلند از مغاک

از جہت مال وزن بمذہب او بیشتر رغبت
کردند خاصہ مردم عام۔

پس نوشیروان در ستر بموبدان کس فرستاد
کہ چرا چنیں خاموش می باشید وعاجز گشتید و
در معنی مزدک ہیچکس سخن نمی گوید وپدرم را پند نمی
دہید کہ ایں چہ حالت ست کہ بردست گرفتہ و
بزرق ایں طرار درجوال شدہ اید ایں سگ مال
مردمان بزیان می برود ستر از حرم مردمان برداشت
باری بگوئید کہ ایں بچہ حجت می کند وکہ فرمودہ است
واگر شما بیش ازیں خاموش باشید مال شما و زن
شما ہمہ رفت و ملک ودولت از خاندان ما رفت
باید کہ جملہ پیش پدرم روید وایں حال باز نمائید و
پندش دہید وبامزدک مناظرہ کنید وبنگرید تا چہ
حجت آرد وبنزدیک معروفان وبزرگان پیغام
ہم چنیں فرستاد کہ سودائے فاسد برپدرم غالب
شدہ است وعقل او بخلل آمدہ است مفسدت
خویش از مصلحت باز نمی داند در تدبیر معالجہ او
باشید تا سخن مزدک نشنود و لقبول او کار نکند وشما
نیز چوں پدرم فریفتہ نشوید کہ او برحق نیست وہو
باطل ست وباطل را بقا نشود فردا شمارا سود ندارد
وبزرگان از سخن او بشکوہیدند واگرچہ بعضی قصد کردہ
بودند کہ در مذہب او شوند از جہت نوشیرواں پائے
کشیدند ودر مذہب او نشدند گفتند بنگریم تا کار

ہوگیا۔ اور مزدک کے واسطے ایک طلاکار کرُسی
بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مرصع
کرُسی بچھائی جاتی اور اُس پر مزدک جلوہ فرما ہوتا
اس موقعہ پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔
اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنے ہی شاہنشاہ عجم
کی خاطر سے مذہب مزدکیہ میں داخل ہوتے جاتے
تھے۔ اور شہر ودیہات کی خلقت دارالسلطنت
میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرۂ مزدکیہ میں شامل
ہوتی جاتی تھی۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ
ہوتے تھے۔ اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ
کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور موبدوں کا گروہ بھی
اب تک الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے
کہ دیکھئے ژند واستا سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور
چونکہ خود بادشاہ نے مذہب مزدکیہ اختیار کرلیا
تھا اس وجہ سے جوق جُوق لوگ اس مذہب کو
قبول کرکے ایک دوسرے کے مال ودولت پر
قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تھا کہ ــــ
"دولت ہیں سب کا حصہ ہے" اور دلیل اس بات
پر یہ تھی کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ اور ایک
ہی آدم کی اولاد ہیں، پھر وہ کیوں محتاج رہیں؟
سب کو چاہیئے کہ مِل جُل کر صرف کریں۔ تاکہ کوئی
محتاج نہ ہو۔ اور سب کی حالت یکساں رہے۔
جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کرلیا

مزدک بہ کجا رسد و نوشیروان این سخن از کجا می
گوید نوشیروان دران وقت ہژدہ سالہ بود پس
بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند
وگفتند ما از عہدِ دراز باز تا اکنون در ہیچ تاریخ
نخواندم و از چندین پیغمبر کہ در شام بودند نشنیدیم
اینک مزدک کہ می گوید و می فرماید ما را عظیم منکر می آید۔
قباد گفت با مزدک بگوئید تا چہ گوید مزدک
را بخواند وگفت چہ حجت داری درین کہ می گوئی
و می کنی مزدک گفت زردشت چنین فرمودہ است
و در زند و استا چنین ست و مردمان تفسیر این
نمی دانند اگر استوار نمی دارید از آتش بپرسید بار دیگر
بآتشکدہ شدند و از آتش پرسیدند از میان آتش
آوازی آمد کہ چنین ست کہ مزدک می گوید نیست
دیگر بار موبدان خجل بازگشتند و دیگر روز پیش نوشیروان
شدند و احوال بازگفتند نوشیروان گفت این
مزدک دست بران می برد کہ مذہب او در ہمہ
معانی مذہب زردشت ست الا این دو معنی۔
چوں برین حدیث مدتی بگذشت روزی میان
قباد و مزدک حدیثی می رفت بر زبان مزدک
چنان رفت کہ مردمان برغبت درین مذہب در
آمدند اگر نوشیروان رغبت کردی و این مذہب
فراپذیرفتی نیک بودی قباد گفت او درین مذہب
نیست گفت نہ گفت نوشیروان را بیارید و ہر چہ

اور اُس کے عمل درآمد پر رضامند ہو گیا۔ تب مزدک
نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکہ رائج سمجھو اور
باہمی ملاقاتوں سے میل جول پیدا کرو تاکہ لذت
شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو۔
اور بابِ مراد سب پر یکساں کھلا رہے۔ غرضکہ
صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ
میں اکثر لوگ داخل ہوتے جاتے تھے خصوصًا
عوام الناس۔

جب نوشیرواں نے یہ رنگ دیکھا تو موبدون
کو پیغام دیا کہ "تم لوگ اس قدر خاموش کیوں ہو گئے
ہو اور کیوں ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے
معاملات میں نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے
باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالوں میں گرفتار
ہو رہا ہے؛ اور تم خود بھی اس مکار اور جعل ساز
کے پھندے میں ہو۔ یہ سگِ ناپاک لوگوں کا مال
تلف کئے ڈالتا ہے اور عورتوں کی عفت کا پردہ
اُٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو! کہ مزدک کے یہ دعوے
کس بنیاد پر ہیں۔ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے
چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت
کے ساتھ تمھاری عورتیں بھی تشریف لے جائیں گی
اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہو گی۔
لہٰذا تم سب شاہنشاہ کے حضور میں جاؤ اور واقعات
دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کر دیکھو

زود تر بخوانید چوں بیامد اورا گفت اے جان
پدر تو بر مذہب مزدک نیستی گفت نہ الحمدللہ
گفت چرا گفت از بہر آنکہ او دروغ می گوید و
محال ست گفت چوں محال باشد کہ آتش را سخن
می آرد گفت چہار چیز از جہات ست آب و آتش
و باد و خاک چنانکہ آتش را سخن آورد بگویش تا آب
و باد و خاک را سخن آرد تا من بوئے بگروم و فریفتہ
شوم گفت او ہر چہ می گوید از تفسیر ژند و استا می گوید
نوشیروان گفت او نفرمود کہ مال و زن مرد ماں میگوید
از تفسیر ژند و استا می گوید نوشیروان گفت او نفرمود
کہ مال و زن مرد ماں مباح ست و از عہد زردشت
تا امروز ہیچ کس از دانایان ایں تفسیر نہ کردہ است
دیں از بہر حال و حرم بکار ست چوں ایں ہر دو
مباح ست آنکہ چہ فرق باشد میاں چہار پائے
و آدمی کہ ایں روش و طریق بہائم ست کہ در
چریدن و ..... کردن یکساں باشند نہ مردم
عاقل، گفت باری مرا کہ پدر توام چرا خلاف کنی
گفت من ایں از تو آموختہ ام اگرچہ ہرگز ایں
عادت نبود چوں دیدم کہ تو پدر خویش را خلاف
کردی من تیز ترا خلاف کردم تو از آں باز گردم
پس سخن قباد و نوشیروان و مزدک بجائے رسید کہ
مطلق بگفتند کہ حجتی بیار کہ ایں مذہب رو کند و
سخن مزدک باطل گرداند یا کسی را بیار کہ حجت او

کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور
لوگوں سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودائی ہو گیا ہے
اور اُس کی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو
بھی نہیں جانتا ہے لہٰذا آپ اُس کا علاج کیجیے تا کہ
وہ مزدک کے کہنے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ
بھی اُس کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ وہ
سچائی پر نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل
میں باطل کو بقا نہیں ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوئی
تو کل کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

نوشیرواں کا پیام سُن کر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے
اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ
رُک گئے۔ کہ آؤ دیکھیں مزدک کہاں تک عروج پاتا
ہے اور نوشیرواں کے اقوال کس بنیاد پر ہیں (اس
وقت نوشیرواں کی عمر ١٨ برس کی تھی) اور قباد سے
بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتیں تو ہم کو نہایت ہی بُری
معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانۂ سلف
سے آج تک نہ تو ہم نے کسی تاریخ میں پڑھا ہے
اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام میں مبعوث ہوئے
ہیں) سُنا ہے۔ اس کے جواب میں قباد نے کہا کہ
اچھا مزدک سے تم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟
چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے سوال کیا گیا کہ
"اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کرو"۔
مزدک نے کہا کہ "زردشت نے ایسا ہی فرمایا ہے

از جهت مزدک قوی‌تر و درست‌تر باشد الا ترا
سیاست فرمایم تا دیگر عبرت گیرند۔
نوشیروان گفت مرا چهل روز زمان دهید تا جهتی
بیارم یا کسی را بیارم که جواب مزدک باز دهد
گفتند نیک آید زمان دادیم بر این جمله پراگندند
نوشیروان از پیش پدر بازگشت هم در روز قاصد
و نامه بپارس فرستاد بشهر گول بموبدی که آنجا
نشستی مردی پیر دانا که هر چه زودتر بیائی که چنین
و چنین کاری رفته است میان من و پدر و مزدک
چون چهل روز برآمد قباد بار داد و بر تخت نشست
و مزدک بیامد و بر تخت رفت و بر کرسی نشست و
نوشیروان بیاوردند مزدک قباد را گفت بپرسش
تا چه آورده است قباد بپرسید تا چه جواب آوردی
نوشیروان گفت دران تدبیرم قباد گفت کار از تدبیر
گذشت مزدک گفت برگیرید او را و سیاست
فرمائید قباد خاموش گشت مردم در نوشیروان
آویختند نوشیروان دست در داربزین ایوان زد و
پدر را گفت این چه تعجیل ست که در کشتن من
بسته که هنوز وعدهٔ من تمام نشده است گفت
چون گفت من چهل روز تمام گفته ام امروز آن
من ست تا امروز بگذرد آنگه شما دانید پس سپه
سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست
می گوید قباد گفت امروزش نیز رها کنید دست

اور یہی ژند وستا میں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے
معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ اگر میری بات پر
اعتبار نہیں ہے تو آگ سے تصدیق کر لو۔ چنانچہ
آتشکدے پر پھر مجمع ہوا اور آواز آئی کہ حق یہی ہے
جو مزدک کہتا ہے نہ یہ کہ جو تم کہتے ہو۔" غرض کہ اس
مرتبہ بھی موبد شرمندہ ہو کر لوٹ آئے۔ اور دوسرے
دن نوشیروان سے حال بیان کیا۔ نوشیروان نے کہا
"مزدک کا دعویٰ ہے کہ اُس کا مذہب تمام اُصول
میں زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف
انھیں دو مسئلوں میں (زن و زر)" ایک عرصہ کے بعد
قباد اور مزدک میں پھر گفتگو شروع ہوئی جس کی ابتدا
ہوئی کہ مزدک کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب میں
بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں
شاہزادہ نوشیرواں بھی شامل ہو جاتا تو پھر کیا کہنا تھا
یہ سن کر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیروان اس مذہب
میں نہیں ہے؟ مزدک نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ نوشیروان
فوراً طلب ہوا اور باپ بیٹوں میں اس طرح پر گفتگو
شروع ہوئی۔

قباد:۔ اے جان پدر کیا تو مزدک کا پیرو نہیں؟
نوشیرواں:۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔
قباد:۔ آخر اس کا باعث؟ نوشیروان:۔ مزدک
ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔ قباد:۔ جو
شخص آگ کو گویا کر دیتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟

از وی بداشتند واز چنگال مزدک برست
چوں قباد برخاست وموبدان بپراگندند مزدک
بازگشت نوشیروان بسرائے خویش آمد واین
موبد کہ نوشیرواں اورا از پارس خواندہ بود در رسید
بر جمازہ نشستہ تا بدر سرائے نوشیرواں فرود آمد
درسرائے شد خادمی راگفت برو ونوشیرواں را
بگوی کہ موبد پارس در رسید خادم شتاب در
حجرہ رفت نوشیرواں را بگفت نوشیرواں از
حجرہ بیروں آمد نوشیرواں از شادی پیش او
دوید واورا در کنار گرفت وگفت اے موبد چناں
داں کہ من امروز آں جہاں می آیم واحوال پیش موبد
بگفت موبد گفت ہیچ دل مشغول مدار کہ ہمہ چناں
ست کہ تو گفتۂ حق با توست وخطا با مزدک ومن
نیابت تو جواب مزدک دہم وقباد را از مذہب او
بازگردانم ولیکن چارہ کن کہ پیش از آنکہ مزدک خبر
آمدن من بشنود ملک را بہ بینم گفت ایں سہل ست
پس بار دیگر نوشیرواں بسرائے پدر رفت وبار
خواست چوں پدر را دید ثنا گفت پس گفت موبد
من از پارس در رسید کہ جواب مزدک بدہد ولیکن
می خواہد کہ نخست ملک را بہ بیند تا ملک سخن بخلوت
بشنود گفت شاید بیاور اورا نوشیرواں بازگشت
وچوں تاریک شد موبد را پیش پدر برد موبد قباد
را آفریں کرد و پدراں او را بستود پس ملک را

نوشیرواں:۔ اصل میں خاک باد آب آتش چار عنصر
ہیں جو شخص آگ کو گویا کرسکتا ہے اُس کو حکم دیجئے
کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو
میں اُس کا دل وجان سے مقلد ہو جاؤں گا۔

قباد:۔ مزدک کا ہر قول ژند واستا کے مطابق ہے۔

نوشیرواں:۔ کیا یہ مزدک کا قول نہیں ہے کہ لوگوں
کی عورتیں اور دولت سب پر مباح ہیں۔ عہد زردشت
سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی ہے۔ مذہب
کو حصولِ زر اور زن کے لیے ایک آلہ بنالیا ہے اور
جب کہ یہ دونوں چیزیں مباح کردی گئیں تو پھر
انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن
بھی چوپایوں کا ہے کہ وہ خورد ونوش میں یکساں ہیں
اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہیں
کرتا ہے۔ قباد:۔ خیر ان باتوں کو جانے دو کسی بیٹے کو
اپنے باپ کے خلاف نہ ہونا چاہیئے؟ نوشیرواں:۔ یہ
چلن میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت
ہرگز ایسی نہ تھی لیکن جب میں نے دیکھا کہ آپ اپنے
باپ کے خلاف ہوئے تو میں نے بھی آپ کی مخالفت
کی باب میں مجبور ہوں۔"

جب یہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو مزدک اور قباد نے نوشیرواں
سے کہا کہ "یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کر جس سے مذہب
مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جس کی
حجت مزدک سے زیادہ پر زور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دوں گا

گفت ایں مزدک را غلط افتادہ است ایں کار نہ او را نہادہ اند کہ من او را نیک شناسم و قدر دانش او را دانم و از علوم نجوم اندکے داند ولیکن در احکام او را غلط افتادہ و دریں قرآن کہ در آید مردے بیروں آید و دعویٰ پیغمبری کند و کتابی غریب آرد و معجزہائے عجیب نماید و ماہ در آسمان بدو نیم کند و خلق را براہ حق خواند و دیں پاکیزہ آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشہا باطل کند و بفردوس وعدہ کند و بدوزخ بترساند و مالہا و حرمہا بحکم شریعت در حصن کند و مردم را از دیو برہاند و باشرو تولا کند و آتشکدہا و بت کدہا ویران کند و دیں او بہمہ جہاں برسد و تا قیامت بماند و زمین و آسمان بر دعوت گواہی دہند اکنوں ایں مزدک را تمنا چناں افتادہ است کہ ایں مرد او باشد و مزدک او لا عجمی ست و او خلق را از آتش پرستی نہی کند و زردشت را منکر باشد و مزدک ہم برزردشت اقتدا می کند و ہم آتش پرستی می فرماید و رخصت ندہد کہ کس گرد حرم کس گردد یا کس مال ناحق بستاند و بدزدی دست بریدن فرماید و مزدک مال و زن جس سے دوسروں کو عبرت ہو گی"۔ چنانچہ اتمام حجت کے لئے نوشیرواں نے چالیس دن کی مہلت مانگی اور وہ درخواست منظور ہو گئی۔ جب مجمع منتشر ہو گیا اور نوشیرواں قباد سے رخصت ہو کر واپس آیا۔ تو اس نے شہر کول[1] کے موبد[2] کی خدمت میں ایک قاصد روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ "جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ تشریف لائیں۔ کیونکہ مجھ سے اور والد ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا در پیش ہے"۔ چنانچہ انقضائے میعاد پر قباد نے دربار کیا اور مزدک کو درباری کرسی پر (جو ایک تخت پر بچھی ہوئی تھی) بیٹھنے کا حکم دیا۔ نوشیرواں بھی بلایا گیا۔ اور مزدک کے حکم سے قباد نے پوچھا کیا جواب ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ اسی تدبیر میں ہوں یہ سن کر قباد نے کہا کہ وقت ہو چکا اور مزدک نے حکم دیدیا کہ نوشیرواں کو گرفتار کرکے قتل کردو۔ چنانچہ لوگ نوشیرواں سے لپٹ گئے اور قباد خاموش ہو رہا۔ نوشیرواں نے قباد سے جھلا کر کہا کہ "میرے قتل میں آخر اس قدر جلدی کیوں کی جاتی ہے جب کہ ایفائے وعدہ کی مدت

---

[1] کول (اصطخر صوبہ فارس) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آرائے ناصری۔

[2] موبد (پیشوائے دین یزدان پرستان) اس لفظ کے معنی حکیم اور دانا کے ہیں اصل میں یہ لفظ مغوبد تھا۔ یعنی مغون کا سردار اور سالار مخفف ہو کر موبد ہوا" عربی میں اس کا ترجمہ "اعلم العلما" ہے۔ انجمن آرائے ناصری و گنج دانش۔

مردم مباح کردہ است وآں پیغامبر را فرمان
از آسمان آید واز سروش سخن آید و مزدک از آتش
می گوید مذہب مزدک ہیچ اصل ندارد و من
فردا اورا پیش ملک رسوا کنم کہ او ہمہ باطل ست
ومی خواہد کہ خسروی از خانۂ تو بیرون برد و گنجہائے
تو تلف کند و ترا با کمتر کسی مقابل کند و بادشاہی
بدست فرو گیرد۔

قباد را سخن موبد خوش آمد و دل پذیر۔ روز
دیگر قباد و بارگاہ آمد و مزدک ببارگاہ آمد و مزدک
بیامد و بر کرسی نشست و نوشیرواں پیش تخت
بایستاد و موبدان و بزرگاں حاضر آمدند آنگہ موبد
نوشیرواں بیامد و مزدک را گفت نخست تو پرسی
یا من مزدک گفت چوں سائل تو خواہی بود و من
مسئول پس تو ایں جا آئے کہ منم و من آنجا روم کہ توئی
مزدک خجل شد و گفت ملک مرا ایں جا نشاندہ
است تو سوال کن تا من جواب دہم موبد گفت[۱]

بھی پوری نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ چالیسواں دن
ابھی نہیں گذرا ہے۔ اگر آج کا دن بھی پورا ہو جائے
تب البتہ آپ کو اختیار ہے"۔ اس پر سرداران فوج
اور موبدون نے بھی غل مچایا کہ ہاں ہاں! نوشیرواں
سچ کہتا ہے۔ چنانچہ قباد کے حکم سے آج نوشیرواں
مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا۔ جس وقت
نوشیرواں مکان پر پہنچا ہے۔ اُسی وقت شہر گول[۱]
کا موبد بھی آپہنچا اور ناقہ سے اُتر کر اطلاع کرائی
کہ موبد فارسی آگیا ہے۔ خادم سے یہ خوش خبری سُن
کر نوشیرواں باہر نکل آیا۔ اور جوش مسرت سے
موبد کے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ "آپ سمجھیں گویا میں نے
آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا" موبد
نے کہا آپ اطمینان رکھیں۔ سچ وہی ہے جیسا کہ
آپ کہتے ہیں اور مزدک خطا پر ہے۔ میں آپ
کی طرف سے ہر طرح کی جواب دہی کروں گا اور
قباد کو عقائد مزدکیہ سے منحرف کر دوں گا۔ لیکن

۱؎ فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے ؎

چنیں گفت موبد بہ پیش گروہ — بمزدک کہ اے مرد دانش پژوہ
یکے دیں نو ساختی در جہاں — نہادی زن و خواستہ درمیاں
چہ داند پدر کش کہ باشد پسر — پسر ہم چنیں نشناسد پدر
چو مردم برابر بود در جہاں — نباشند پیدا کہاں از مہاں
کہ باشد کہ جوید در کہتری — چگونہ تواں ساختن مہتری

(باقی در صفحہ آئندہ)

۱؎ شاہنامہ میں لکھا ہے کہ اس موبد کا نام "مہر آذر" تھا اور نوشیرواں نے مباحثہ کے واسطے پانچ مہینہ کی مہلت لی تھی۔

مال مباح کردہ وایں رباطہا و پلہا و آتشکدہا
وخیرات کہ بکنند از جہت آں جہاں می کنند
بگفت بلی گفت چوں مال یک دیگر مباح گردد
وخیرات کنند مزد آں کرا بود مزدک از جواب
فرو ماند دیگر گفت تو زناں را مباح کردہ چوں
زن آبستن شود و بزاید فرزند کرا باشد مزدک
فروماند دیگر گفت ایں ملک کہ بر تخت نشستہ
است و بادشاہ است و پسر ملک فیروز است
و پادشاہی از پدر میراث دارد ملک فیروز ہم چنیں
از پدر میراث داشت چوں دہ مرد با زن ملک
و فرزندی بیارد آں فرزند از قبل کہ باشد نسل
ملک بریدہ باشد و چوں نسل بریدہ گشت نہ از
بادشاہی تخمہ بماند و مہتری و کہتری در توانگری و
درویشی بستہ است چوں مرد درویش باشد
او را از جہت ناگزیر در بایست خدمت و مزدوری
توانگری باید کرد و چوں مال مباح گردد مہتری
و کہتری از جہاں برخیزد و پادشاہی باطل شود

قبل اس کے کہ مزدک کو میرا آنا معلوم ہو، میں
بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ تخلیہ میں اُس کی تقریر
سُنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت
دیدی اور شب کے وقت نوشیرواں موبد کو لے کر
حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مدح وثنا کی قباد کے
روبرو اس طرح پر تقریر شروع کی کہ" مزدک مغالطہ
میں پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا
ہے میں تو اُس کو خوب جانتا ہوں اور اس کی عقل و
دانش سے بھی واقف ہوں۔ ہاں وہ کسی قدر نجوم
جانتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں جو حکم اُس نے لگایا
ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ
ایک شخص ظاہر ہوگا اور پیغمبری کا دعوےٰ کرے گا۔
اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کرے گا۔ اور
طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائے گا۔ ماہتاب
کو آسمان پر دو ٹکڑے کردے گا اور تمام دنیا کو
سچے مذہب کی دعوت کرے گا۔ اور اُس کا مذہب
پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹادے گا۔ دوزخ

کہ باشد مراد ترا کار گر ! — چو مردم جدا ماند از بہتر
ہمہ کد خدا یند و مزدور کیست — ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
جہاں زیں سخن پاک ویراں شود — نباید کہ ایں بد بایراں شود
زدیں آوراں ایں سخن کس نگفت — تو دیوانگی دارے اندر نہفت
ہمہ مردماں را بدوزخ برے — ہمہ کار بد را بہ بدنشری
چو بشنید گفتار موبد قباد — برآشفت و اندر سخن داد داد

تو آمدی تا پادشاہی از خاندانِ ملوک عجم بفنا بری مزدک ہیچ نگفت و خاموش بماند قباد گفت جوابش باز دہ گفت جوابش آنست کہ ہم اکنونِ بفرمائے تا گردنش بر تنند قباد گفت بی حجت گردن کسی نتواں زد گفت از آتش پرسیم تا چہ فرماید کہ من از خویشتن سخن نگویم و بمردماں کہ بسبب نوشیرواں غمگین بودند شاد گشتند کہ از کشتن برست و مزدک با قباد بد شد کہ اورا گفت موبد را بکش و فرماں نبرد با خویشتن گفت کہ امروز خویشتن را برہانم و مرا تیغ بسیارست از رعیت و لشکری تدبیر آں کنم کہ قباد را از میان بردارم پس نوشیرواں را و ہمہ مخالفاں را براں نہاد کہ فردا باتش کدہ بروید تا آتش چہ فرماید و بریں جملہ پراگندہ چوں شب در آمد مزدک دو تن را از رہبانان و ہم مذہبان خویش درخواند و زر بخشید و وعدہ داد و گفت شمارا بسپہسالاری برسانم و سوگند ایشاں داد کہ ایں سخن باکس نگویند و دو شمشیر بایشاں داد و گفت کہ چوں فردا قباد باتش کدہ با بزرگان و موبدان آید اگر آتش قباد را کشتن

سے ڈراتے گا اور جنت کا امیدوار بنائے گا۔ اُس کی شریعت مال و حرم کی محافظ ہوگی۔ وہ آتش کدوں بت کدوں کو ویران کردے گا۔ اُس کا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔ زمین و آسمان اُس کی دعوت کی تصدیق کریں گے؛ مزدک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر میں خود بن جاؤں۔ مگر یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا نہ ہوگا۔ اور مزدک عجمی الاصل ہے اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کرے گا۔ اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دے گا کہ لوگ پرائی عورتیں تکیں، یا ناحق کسی کا مال چھین لیں۔ وہ چوری کی حالت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے گا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ میں زن اور زر سب پر مباح کر دیئے گئے ہیں۔ اُس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی[1]۔ اور مزدک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کراتا

---

[1] اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جس قدر پیشین گوئیاں کی ہیں گویا یہ وہ اقوال ہیں جو اس وقت کے کاہنوں اور منجموں میں مشہور ہو چکے تھے۔ اور عجم کی قدیم تاریخ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں تمام فارس اور اطراف عرب اور اُس کے متصلہ ممالک میں ایک عام بے چینی ہو رہی تھی۔ اور زوال سلطنت فارس اور عربوں کی فتوحات پر تمام نجومی متفق تھے حمزہ اصفہانی نے تاریخ ملوک الارض میں اس کی کسی قدر تصریح کی ہے دیکھو باب دہم فصل چہارم صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۶ء

فرماید شما ہر دو سبک شمشیر ہا برکشید و قباد را
بکشید کہ ہیچ کس با شمشیر در آتش کدہ نیاید
گفتند فرماں برداریم۔

روز دیگر بزرگان و موبداں بآتش کدہ
شدند و قباد برفت و موبد نوشیرواں را گفت
بگوئی تا مرداں از خاص گیان تو شمشیر در جامہ
پنہاں کنند و با تو در آتشکدہ شوند و ہر وقت کہ
مزدک بآتش کدہ خواستی شد آں رہی را بیا
موختی کہ در زیر سوراخ چہ گوید خود بآتش کدہ
شد و ایں موبد را گفت تو از آتش بپرس تا با تو
سخن گوید موبد نیز از آتش بپرسید جواب نیافت
پس مزدک گفت یا آتش میاں ما حکمی بکن و
براستی من گواہی دہ از میاں آتش آوازے آمد
کہ من از وے باز ضعیف شدہ ام نخست مرا از
دل و جگر قباد دہید تا پس سخن گویم کہ چہ باید کرد
مزدک راہنما نیست شمارا براحت ہائے جاودانی
آنجہانی پس مزدک گفت آتش راز ور دہید
و مرد شمشیر کشیدہ آہنگ قباد کردند موبد نوشیرواں
را گفت دریاب پدر را آں دہ مرد شمشیر کشیدند
و پیش آں دو مرد باز شدند و نگذاشتند کہ او را
بکشند و مزدک ہمی گفت کہ آتش بفرمان یزداں
می گوید مردم دو گروہ شدند بعضے گفتند قباد را زندہ
یا مردہ در آتش افگنیم و گروہی گفتند دریں تامل کنیم

ہے۔ بہرحال مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے۔
اور کل شاہنشاہ خود ملاحظہ کرے گا کہ میں اُس کو
کیسا رُسوا کرتا ہوں مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت
آپ کے خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی جائے
اور شاہی خزانے کہ خود آلّے تلّلے کرے۔ اور آپ
کو ایک معمولی شخص کے برابر کردے اور خود بادشاہ
بن جائے۔"

چنانچہ قباد کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن
دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا اور نوشیرواں
تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علمائے
ملت بھی موجود تھے۔ اُس وقت فارس کے موبد
نے مزدک سے پوچھا کہ "ابتدا کلام کی میری جانب سے
ہوگی یا تمھاری؟ مزدک نے کہا نہیں، ابتدا آپ
کی جانب سے ہونی چاہیے، میں تو جواب دینے والا
ہوں۔ یہ سُن کر موبد نے کہا کہ "آپ میری جگہ کھڑے
ہوں اور میں آپ کی جگہ بیٹھوں۔" یہ سن کر مزدک
شرمندہ ہوا اور یہ کہکر چُپ ہو رہا کہ میں شاہی
حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں۔ آپ سوال کریں میں
جواب دوں گا۔ چنانچہ فریقین میں اس طرح پر گفتگو
شروع ہوئی۔

موبد:۔ آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کردیا
ہے اور اس دنیا میں جو لوگ سرائے، پُل، آتش کدے
بناتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں کیا یہ عالم آخرت کے

در آخر آں روز باز گشتند قباد گفت مگر از من گناہی
در وجود آمدہ است کہ آتش روزی از من
می خواہد پس بآتش بدیں جہاں سوختہ
شوم بہ کہ بدانجہاں ۔

دیگر بارہ موبد با قباد خلوت کرد و از موبدان و
پادشاہان گذشتہ سخن گفت و از ہر کسی دلیل آوردہ
لحجت بنمود کہ مزدک پیغامبر نیست و دشمن خاندان
ملوک ست و دلیل بریں کہ اول قصد نوشیروان کرد و
ظفر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکردہ بودمی
امروز ترا ہلاک کردہ بودے و تو چہ دل دراں می
بندی کہ از آتش آواز می آید من چارہ کنم کہ ایں
نیرنگ را نیز بگشایم و ملک را معلوم می گردانم کہ
آتش سخن نمی گوید با کسی دیگر و ملک را چناں کرد
کہ از کردہ پشیماں شد گفت نوشیرواں را خرد
میندارا و بہمہ جہاں فرماں دہد و ہر چہ رائے او
بیند تو از آں مگذر اگر خواہی کہ ملک در خانداں
تو بماند نہاں دل ہیچ با مزدک پیدا مکن پس موبد
نوشیرواں را گفت جہد آں کن کہ از خدمت گاراں
مزدک یکے را بدست آری و او را بمال بفریبی تا
احوال آتش را معلوم گرداند یک بارگی شک
از دل پدرت خیزد ۔

نوشیرواں یکے را بدست آورد تا او را با یکی
از رہبان دوستی گرفت و او را بجادہ بیش نوشیرواں

واسطے نہیں کرتے ہیں؛ مزدک :- ہاں میرا تو ایسا
ہی خیال ہے ۔موبد:- جب دولت مشترک ٹھہری
تو خیرات کا ثواب کس کو ہوگا (مزدک نے کوئی
جواب نہیں دیا) موبد:- یہ بادشاہ جو اس وقت
تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت میں بادشاہ ہے اور شاہ
فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت میں پائی ہے
اور یہی حال فیروز کا بھی تھا ۔اب اگر بادشاہ بیگم
سے دس مرد ..... کریں اور فرزند پیدا ہو تو وہ کس کا
سمجھا جائے گا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائے
گی تو پھر کوئی اولاد بھی نہ ہوگی بڑائی چھوٹائی
(مہتری کہتری) کا حقیقت میں دولت مندی اور مفلسی
سے مقابلہ ہوا کرتا ہے ۔جب کوئی محتاج ہوگا تو اس
کو مزدورتاً مال دار کی خدمت اور مزدوری کرنا پڑے
گی ۔اور جب مال مباح ہو جائے گا تو پھر یہ رشتہ
دنیا میں باقی نہ رہے گا اب آپ کا یہ ارادہ ہے
کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت کا استیصال
کر دیا جائے (مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا)
قباد :- (مزدک سے مخاطب ہوکر) موبد کے ہر سوال
کا جواب دینا چاہیئے ۔ مزدک :- اس کا جواب یہی
ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائیں ۔
قباد :- بغیر حجت کسی کی گردن نہیں کاٹنا چاہیئے ۔
مزدک :- اچھا میں بطور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا
ہوں آگ سے پوچھتا ہوں ۔اس تقریر سے سب

آورد کہ نوشیروان اورا بخلوت بنشاند و ہزار
دینار پیش نہاد وگفت تو ازیں پس دوست
وبرادر من باشی وہرچہ ممکن نیکوئی درحق تو بکنم
دریں وقت از تو سخنے خواہم پرسید اگر راست
گوئی ایں ہزار دینار بتو بخشم واز نزدیکانِ خویش
گردانم وبدرجہ بلند رسانم واگر نگوئی سرت از
تن بردارم مرد بترسید وگفت اگر راست بگویم
ایں کہ تو گفتی وفا کنی گفت بکنم وبیشتر ازیں
نوشیرواں گفت بگوئی کہ مزدک چہ حیلہ کردہ
است کہ آتش باد سخن می گوید مرد گفت اگر بگویم
آں راز نہانی تواں داشت گفت توانم گفت
نزدیک آتش کدہ پارۂ زمین ست ودیواری بلند
گرد آں کشیدہ سوراخی سخت خرد میان آتش
بریدہ کسی را آنجا می فرستند واورا بیاموزد کہ
زیر آتش دہن بر سوراخ نہد وہرچہ خواہد بگوید
ہرکہ بشنود پندارد کہ آتش سخن می گوید۔

نوشیرواں ازیں سخن شاد گشت دانست
کہ حقیقی ست آں ہزار دینار بوے داد چوں شب
برآمد اورا پیش پدر برد تا ہمہ حال شرح داد قباد
تعجب ماند از محتالی مزدک وتجاسر نمودن او۔
پس یک بارگی شک از دل او برخاست کس
فرستاد موبد را بیاورد و ورا آفریں کرد واحوالِ
بادی گفت موبد گفت من ملک را گفتم کہ ایں

لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیرواں کی جان
بچ گئی، اور مزدک قباد سے رنجیدہ ہوگیا کیونکہ
اُس کے حکم سے قباد نے موبد کو قتل نہیں کرایا۔
اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کہ آج تو جان بچاؤ
میرے قبضے میں بکثرت لوگ ہیں کوئی ایسی
تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے قباد کا خاتمہ ہی ہو جائے گا
اور نوشیرواں وغیرہ کو اس پر آمادہ کیا کہ کل
آتش کدے پر مجمع ہو۔ چنانچہ سب کا اس پر
اتفاق ہوگیا اور دربار برخاست ہوا۔

جب رات ہوگئی تو مزدک نے اپنے راہبوں
کو بلایا اور انعام دے کر آئندہ سپہ سالاری کا
امیدوار کیا اور اُن کو قسم دی کہ خبردار کسی سے
یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلواریں اُن کے سپرد کیں اور کہا
کہ جب آتشکدے پر قباد معہ موبد اور سردارانِ فوج
کے پہنچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم دے
اُس وقت تم دونوں فوراً تلواریں کھینچ کر قباد کا خاتمہ
کر دینا۔ کیونکہ کوئی شخص تلواریں لے کر نہ جائے گا"
دونوں نے اقرار کیا اور رخصت ہوگئے۔ دوسرے
دن آتشکدے پر مجمع ہوا۔ اُس وقت موبد فارسی
نے نوشیرواں سے کہا کہ " اپنے ملازموں میں سے
خاص دس آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس میں
تلواریں چھپا کر لے چلیں"۔ اور مزدک کا قاعدہ تھا کہ
جب وہ آتشکدے پر جاتا تھا تو اول اپنے غلاموں

مرد محتال ست قباد گفت اکنوں معلوم گشت تدبیر ہلاک او چیست موبد گفت نباید کہ او بداند تو پشیمان گشتی بار دیگر مجمعی بسازتامن باو مناظرہ کنم و بعاقبت سپر بفگنم و بعجز خویش معترف آئیم و باز بپارس روم آنگہ انچہ نوشیرواں صواب بنید چناں باید کرد تا ایں مادت بریدہ گردد۔ و پس قباد بعد از چند روز بزرگاں را پیش خواند و موبداں را حاضر کرد و فرمود تا بموبد پارسی یکے باشند دیگر روز حاضر شدند و قباد بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و ہر یک از موبداں سخن گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آمد از سخن گفتن آتش مزدک گفت از قدرت ایں عجب نیست نہ بینی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام از پارۂ چوب اژدہا نمود و از پارہ سنگ دوازدہ چشمۂ آبِ رواں کرد و گفت یارب فرعون را باہمہ لشکرش آب غرقہ کن خدائے تعالیٰ غرق کرد و زمین بفرمان او کرد تا گفت اے زمین قاروں را فروبرد عیسیٰ علیہ السلام مردہ را زندہ کرد ایں ہمہ آنست کہ در قدرت آدمی نیست خدا می کند مرا نیز فرستادہ است و آتش را بفرمان من کردہ انچہ می گویم و آتش می گوید بفرمان برید والا عذاب خدائے تعالیٰ در شما رسد وہمہ را ہلاک کند موبد پارسی بر پائے خاست وگفت مردے کہ او سخن از خدائے تعالیٰ

کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا۔ جو کہلانا مقصود ہوتا تھا چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کر کے روانہ ہوا تھا۔ جب آتشکدے پر پہنچ گئے تو مزدک نے موبد سے کہا کہ اول آپ آگ سے باتیں کیجیے۔ موبد نے کچھ پوچھا، مگر جواب نہ ملا تب مزدک نے کہا کہ "اے آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم میں جھگڑا در پیش ہے اُس کا فیصلہ کر۔" چنانچہ آتشکدے سے آواز آئی کہ "مجھ میں کل سے ضعف پیدا ہو گیا ہے اول مجھکو قباد کا دل و جگر کھلاؤ تب میں فیصلہ کر سکتی ہوں اور مزدک تمھارا رہنما ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمھارے لئے راحت جاودانی کا سامان کرے۔"

یہ سُن کر مزدک نے کہا کہ آگ کو قوت دینا چاہیے اور دو آدمی فوراً تلواریں تول کر قباد پر ٹوٹ پڑے۔ اُس وقت موبد نے نوشیرواں سے کہا کہ اپنے باپ کی خبر لے۔ چنانچہ نوشیرواں کے دس آدمی تلواریں سونت کر اُن کے مقابل پر کھڑے ہو گئے اور قباد کو بچا لیا۔ لیکن مزدک یہی کہے گیا کہ آگ یزداں کے حکم سے گویا ہے اُس وقت آتش کدے پر دو گروہ ہو گئے تھے۔ بعض چاہتے تھے کہ قباد کو زندہ یا مردہ آگ میں جھونک دیں، اور بعض کہتے تھے کہ نہیں ابھی تامل کرنا چاہیے۔ غرض کہ شام کو سب لوٹ آئے قباد نے کہا کہ شاید

وآتش گوید و آتش در فرمان او باشد من جواب
ندارم و عاجز باشم پیش ازیں دلیری نہ کنم من
رفتم شاد باشید پس موبد رفت و راہ پارس برگرفت
وقباد از بارگاہ برخاست و موبدان باز گشتند و مزدک
شاد شد و بآتش کدہ رفت کہ ہفت روز خدمت
آتش کند چوں شب درآمد قباد نوشیرواں را بخواند
گفت موبد رفت و مرا بتو حوالت کرد کہ نفی کردن
ایں مذہب را تو کفایت باشی تدبیر ایں کار چیست
نوشیرواں گفت اگر خدائگاں ایں شغل بمن باز گزارد
و باکس نگوید تدبیر ایں کار بکنم و بوجہی بسر برم چنانکہ
مزدک و مزدکیاں را از جہاں گم کنم قباد گفت من
ایں معنی جز با تو نخواہم گفت نوشیرواں گفت
موبد پارسی رفت و اصحاب مزدک شاد شدند و
قوی دل گشتند ہرچہ مابعد ازیں با ایشاں سگالیم
روا باشد و مزدک را کشتن آسان ست لیکن تیغ
او بسیار اند چوں او را بکشیم مزدکیاں بگریزند و
پراگندہ شوند و مردماں را دعوت کنند و جائگاہی
بدست آرند و ما را و مملکت ما را کار دہند ما را تدبیری
باید کرد چنانکہ بیک بار کشتہ شوند و یک تن از
ایشاں زندہ نماند و جان از شمشیر ما برند قباد
گفت چہ رائے می بینی اندریں کار نوشیرواں
گفت تدبیر آنست کہ چوں مزدک از آتش کدہ
بیروں آید پیش ملک آید مرتبت او بیفزاید و

مجھ سے کوئی گناہ ہوگیا ہے جس کے سبب سے
آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے ایسی صورت
میں جل جانا عذاب آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔
اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر تخلیہ کی
ملاقات کی اور بادشاہوں اور موبدوں کا تذکرہ کیا اور
اُن کے حالات سے یہ ثابت کیا کہ "مزدک پیغمبر نہیں ہے
بلکہ سلاطین کا دشمن ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اوّل اُس
نے نوشیرواں پر حملہ کیا جب کامیاب نہ ہوا تو آپ کے
خون کا پیاسا ہوا۔ اگر میں نے پہلے سے اس کا بندوبست
نہ کرلیا ہوتا تو آج آپ مارے گئے ہوتے۔ کیا آپ یہ
سمجھتے ہیں کہ سچ مچ آگ سے آواز آتی ہے۔ میں ایک
تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہوں اور یہ باور
کرائے دیتا ہوں کہ آگ کسی سے باتیں نہیں کرتی ہے"
اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرا دیا جس سے وہ اپنے
افعال پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ
"آپ نوشیرواں کو نادان بچہ نہ سمجھیں۔ وہ ساری دنیا
پر حکومت کرسکتا ہے۔ آپ کو اُس کی رائے سے انحراف
نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خاندان ساسان میں
سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتوں پر دل نہ لگانا
چاہیے اور نوشیرواں سے کہا "کسی تدبیر سے مزدک کے
خدمت گار کو ملانا چاہیے اور اُس کو لالچ دے کر آگ
کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے باپ کے دل سے
سارے شبہے مٹ جائیں"۔ چنانچہ نوشیرواں کو ایک شخص

گرامی تر ازاں دارد کہ داشت با او در خلوت
گوید کہ نوشیرواں روز بار کہ موبد سپہ بیگلند
بسیار نرم تر گشت ورا اے دارد کہ تو گردد و
ازانچہ گفت پشیماں شد چوں سہ ہفتہ گذشت
مزدک پیش قباد آمد اورا اگرامی کرد و تواضع نمود
بے حد و حدیث نوشیرواں برآں جملت بگفت
مزدک گفت بیشتر مرداں چشم و گوش باشارت
او می دارند چوں دریں مذہب آید ہمہ جہاں
ایں مذہب بگیرند و من آتش را شفیع کردم تا
یزداں ایں مذہب اورا روزے کند۔

قباد گفت نیک کردی کہ ولی عہد
من ست و لشکر و رعیت اورا دوست می دارند
و ہر وقت کہ او دریں مذہب در آید ہیچ کس
را بہانہ نماند و من از برائے او منارہ سنگین بکنم
و برانجا کوشکے زریں کنم چنانکہ از آفتاب
روشن تر باشد چنانکہ گشتاسپ از بہر زردشت
کوشکی بکرد مزدک گفت تو پندش دہ تا من دعا
کنم و امیدم واثق ست کہ یزدان مستجاب
کند چوں شب در آمد ہرچہ رفتہ بود قباد
با نوشیرواں بگفت نوشیرواں می خندید و
گفت چوں سہ ہفتہ بگزرد و ملک مزدک
بخواند و اورا بگوید کہ نوشیرواں دوش خوابی
دیدہ است و تبرسیدہ و بامداد بگاہ پیش من

ہل گیا جس نے مزدک کے خدمت گار سے دوستی
پیدا کر کے اُس کو نوشیرواں تک پہنچا دیا نوشیرواں نے
خلوت میں بلا کر ایک ہزار دینار اُس کے سامنے رکھدیئے
اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھ سے
جہاں تک ہو سکے گا تیرے حق میں بھلائی کروں گا اس
میں ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر سچ کہدیا تو یہ انعام تمہارا
ہے اور میں تم کو اپنا مصاحب بنالوں گا اور اگر جھوٹ
کہا تو یاد رکھو کہ سزا ہوگا۔ خدمت گار ڈر گیا اور کہا اگر میں
سچ بیان کروں تو کیا آپ وعدہ پورا کریں گے؟ نوشیرواں
نے کہا کہ ہاں پورا کروں گا۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ اچھا
بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ باتیں کرتی ہے؟
خدمت گار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا اقرار لے لیا تو
کہا کہ "آتشکدے کے قریب ایک قطعہ اراضی ہے جس کے
چاروں طرف بلند دیوار کھنچی ہے اور ایک چھوٹا سا سوراخ
آتشکدے کی جانب کر لیا ہے۔ جب مزدک وہاں کسی کو
بھیجتا ہے تو وہ الفاظ سکھا دیتا ہے اور وہ شخص سوراخ
پر منہ رکھکر باتیں کرتا ہے سننے والے جانتے ہیں کہ آگ
باتیں کرتی ہے۔" یہ سُن کر نوشیرواں خوش ہو گیا اور اُس
کو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار دینار کا صلہ خدمت گار کو دیا
اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال کہلا دیا۔
قباد کو مزدک کی مکاری اور اس دلیری پر سخت تعجب ہوا
اور اُس کے دل سے سارے شکوک مٹ گئے اور موبد
کی بہت تعریف کی۔ موبد نے کہا کہ میں نے اوّل ہی عرض

آمد و گفت در خواب چنیں دیدم کہ آتشی عظیم
قصد من کردی و من پناہی ہمی جستمی۔ شخصے
سخت خوب پیش من آمدی من او را گفتمی ایں
آتش از من چہ خواہد گفتی آتش با تو خشم دارد
کہ تو او را دروغ زن کردی گفتم تو چہ می
دانی گفت سروش را از ہمہ چیز آگاہی باشد
از خواب در آمدم اکنوں با تشکدہ خواہد شد
د چیزے مشک و عود و عنبری برد تا بسوزد
و سہ روز مر آتش را خدمت کند و یزداں را
ستائش کند پس قباد با مزدک ہم چنیں کرد
و مزدک عظیم شاد گشت چوں یک ہفتہ
ازیں حدیث بگذشت نوشیرواں پدر را گفت
مزدک را بگو کہ نوشیرواں با من گفت کہ مرا
درست شد کہ ایں مذہب حق ست و مزدک
فرستادہ یزداں ست ولیکن می ترسم کہ مردماں
بیشتر مخالف مذہب اند نباید کہ بر ما خروج
کنند و بتغلب مملکت از ما بر ند کاشکے بدانی
کہ عدد مردم کہ در مذہب اند چند ست و چہ
کسانی اند اگر قوتے دارند و بسیار اند من نیز
در آیم وگرنہ صبر کنم تا ز در گیرند و بسیار شوند
و ہرچہ ایشان را در باید از برگ و سلاح بدہم
آنگاہ بقوتے تمام ایں مذہب آشکارا کنم و
بہ شمشیر و بقہر در مردم کنم اگر مزدک بگوید عددے

کیا تھا کہ مزدک بڑا مکار ہے۔ قباد نے کہا کہ اب مجھ کو اس
کی مکاری معلوم ہو گئی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کیونکر
قتل کیا جا سکتا ہے؟ موبد نے عرض کیا کہ ایک بار آپ
پھر دربار منعقد فرمائیں اور میں مزدک سے مناظرہ کروں
میں جان بوجھ کر ہار جاؤں گا اور اپنی عاجزی کا اقرار کروں
گا اور غار میں کو لوٹ جاؤں گا اس کے بعد جو کارروائی
مناسب حال ہوگی وہ نوشیرواں انجام دے گا۔ اور
یہ ہمیشہ کے واسطے فنا ہو جائے گا اور اس طریق عمل سے
مزدک کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا۔ کہ بادشاہ پشیمان ہے چنانچہ
قباد نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدوں کو ایک
فریق قرار دیا۔ مزدک اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدوں نے تقریر
شروع کی، پہلے موبد فارسی کی زبان سے نکلا کہ آگ کا باتیں
کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے، مزدک نے کہا خدا کی قدرت
سے یہ بعید نہیں ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے ایک لکڑی کے ٹکڑے کو اژدہا بنا دیا تھا۔
اور ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے تھے
اور پھر خدا سے دعا مانگی تھی۔ کہ اے میرے پروردگار فرعون
کو معہ اس کی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا۔ اسی
طرح زمین بھی حضرت موسیٰ کے تابع فرمان تھی چنانچہ
حضرت موسیٰ نے جب زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا۔
اُس نے اُسی وقت نگل لیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ
کرتے تھے۔ یہی چیزیں ہیں کہ جو انسان کی قدرت سے

ما بسیار شده است گو عدد را جریده کن و اسامی
ایشان بنویس تا ہیچ کس نماند که من ندانم مزدک
ہم چنیں کرد و پیش قباد آورد و بشمرده دوازده
ہزار مرد برآمد از شہری و لشکرے قباد گفت
من امشب نوشیرواں را بخوانم و جریده
بر او عرض کنم و نشاں آنکه او دریں مذہب آمد
آنست که درحال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
و آوازهٔ چناں بیروں افگنم که چوں تو بسرائے
خویش باشی و آواز بوق و دہل بشنوے بدانی
که نوشیرواں ایمان آورد و چوں مزدک بازگشت
و شب درآمد قباد و نوشیرواں را بخواند و
جریده بوئے نمود و گفت که باوے . بریں وجه
نشاں نہاده ام نوشیرواں گفت سخت
نیک آمد بفرمائی تا کوس بزنند و فردا که مزدک
را بینی بگو که نوشیرواں بتو ایمان آورد و سبب
آنکه مردم و جریده بدید اگر پنج ہزار بودے
کفایت نبود اکنوں دوازده ہزار مرد دارد باکے
نبود اگر ہمه عالم خصم ما باشند چوں ہرسه باہم
باشیم باک نیست چوں پاسی از شب بگذشت
مزدک بانگ کوس و بوق شنید خرم شد
گفت نوشیرواں بگروید دیگر روز مزدک به
بارگاه آمد قباد ہرچه نوشیرواں گفته بود
با مزدک بگفت مزدک شاد شد چوں از بارگا

باہر ہیں لیکن خدا اُن پر قادر ہے اور اُسی خدا نے مجھکو
بھیجا ہے اور آگ پر مجھکو حکمراں بنایا ہے میں جو کہتا
ہوں وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اس لئے میرا کہا
مانو ورنہ قہرِ خدا تم پر نازل ہوگا اور تمکو مٹا کر رہے گا ۔
مزدک کی تقریر سن کر موبد اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ "جس
شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہو اور
آگ اُس کے تابع ہو میں اُس کے مقابلہ میں جواب
دینے سے عاجز ہوں ۔ اور آئندہ مجھ سے ایسی جسارت
نہ ہوگی میں رخصت ہوتا ہوں اب تم جانو اور تمہارا کام"
یہ کہکر موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برخاست
ہوا۔ مزدک خوش ہوکر اُٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے
آتشکدے میں معتکف ہوا۔ جب رات ہوگئی تو
قباد نے نوشیرواں کو بلاکر کہا کہ موبد نے مجھے تمہارے
سپرد کردیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے
تم کافی جواب جو تدبیر ہو وہ بتاؤ۔ نوشیرواں نے کہا
"اگر شاہنشاہ یہ کام میرے سپرد کردے اور اس کا تذکرہ
کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے میں اُس کو کردونگا
اور پھر ساری دنیا میں مزدک اور مزدکیوں کا کہیں پتہ
نہ لگے گا" قباد نے اقرار کیا تب نوشیرواں نے کہا
کہ موبد کے چلے جانے سے اصحاب مزدک بہت
خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں ۔ اب میں اُن کی فکر کرونگا
اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے لیکن اُس کی جماعت
بڑی ہے ۔ اگر میں مزدک کو قتل کروں تو اُس کے

باز گشت قباد بخلوت مزدک بخواند و نوشیرواں
بیامد و بسیار چیز از زر و ظرائف پیش او نہاد
و نثار کرد گذشتہا عذر خواست و از ہر گونہ
تدبیر کردند آخرالامر قرار براں افتاد کہ نوشیرواں
پدر را گفت تو خدا نگاں جہانے و مزدک پیغامبر
خداست سپہسالاری ایں قوم بمن دہ تا چناں
کنم کہ در ہمہ جہاں کس نماند کہ ایں مذہب داشتہ
باشد گفت فرماں تراست پس گفت تدبیر
ایں کار آنست کہ مزدک بدیں شہرہا و ناحیتہا
کہ بوئے گرویدہ اند کس فرستد و گوید کہ از
امروز تا سہ ماہ دو روز نزدیک بہ فلاں ہفتہ
بسرائے ما گرد آیند ما تدبیر برگ و ساز و سلیح
ایشاں می کنیم چنانکہ ہیچ کس نداند کہ ما بچہ
مشغولیم و روز میعاد خوانی بنہند پیش مردم و
طعام بخورند پس بسرائے دیگر تحویل کنند و مجلس
شراب آیند و ہر یک ہفت قدح شراب بخورند
و پنجاہ پنجاہ بیست بیست خلعت من بپوشانند
و اسپ و ساز و سلیح می دہند تا ہمہ بخلعت پوشیدہ
شوند پس ہم درست خروج کنیم و مذہب آشکارا
کنیم ہر کہ در مذہب آید اماں دہیم و ہر کہ خلاف
کند بکشیم قباد و مزدک گفتند صواب اینست و ہم
بریں اتفاق برخاستند۔

مزدک بہمہ جاہا نامہ کرد دو دو روز نزدیک

ساری دنیا میں پھیل کر اشاعت مذہب کریں گے
اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہو کر خاندان اور سلطنت
کے مقابلہ کو اُٹھیں گے۔ لہٰذا ایسی تدبیر کرنا چاہیئے کہ
سب ایک ہی وقت میں قتل کر دیئے جائیں اور ایک
متنفس بھی زندہ نہ رہ سکے۔ یہ سُن کر قباد نے پوچھا کہ پھر
اس کی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ جب
مزدک آتش کدہ سے اُٹھکر حاضر ہو تو اُس کا اعزاز بمقابلہ
سابق بڑھا دیا جائے اور خلوت میں کہا جائے کہ جس دن
سے موبد فارسی نے شکست کھائی ہے اُس دن سے
نوشیرواں ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُس کا ارادہ ہے کہ آپ
سے رجوع کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیمان ہے"۔
جب ایک ہفتہ گذر گیا تو مزدک حاضر ہوا۔ قباد نے
بڑی خاطر سے بٹھایا۔ اور نوشیرواں کا ذکر کیا۔ مزدک
نے کہا کہ اکثر لوگ نوشیرواں کے اشاروں پر چلتے ہیں،
اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا
اس مذہب کو قبول کرے۔ اور میں آتش کو شفیع کرتا
ہوں یزداں نوشیرواں کو مذہب مزدکیہ سے مشرف
کرے۔ قباد نے کہا کہ "آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ
نوشیرواں ولیعہد سلطنت ہے۔ رعایا اور لشکر میں وہ ہر
دل عزیز ہے۔ جب وہ اس مذہب میں داخل ہو جائے گا
تو پھر کسی کو عذر نہیں ہو سکتا۔ اور قباد نے یہ بھی کہا کہ میں
آپ کے واسطے ایک رفیع الشان سنگی منارہ بناتا ہوں اور
اُس کے بالائی حصہ پر ایک طلا کار محل تیار کراؤں گا جو

را آگاہ کرد باید کہ فلاں روز ہمہ بحضرت حاضر
آیند تا ہمہ بخلعت و ساز و سلیح و اسپ آراستہ
شوند کہ اکنوں کار بمراد ما است و پادشاہ
پیش رو است پس بر وعدہ ہر دوازدہ ہزار
مرد حاضر آمدند و بسرائے پادشاہ شدند خوانے
دیدند نہادہ کہ ہرگز کس چناں ندیدہ بود قباد
بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و نوشیرواں
میاں بستہ ایستادہ یعنی کہ من میزبانم و مزدک
بس شادماں بود و نوشیرواں ہر یک را بر خواں
می نشاند تا ہم گناں نشستند و ناں بخوردند
ازیں سرائے دراں سرائے دیگر شدند مجلس شراب
دید کہ چناں ہیچ ندیدہ بودند قباد بر تخت نشست
و مزدک بر کرسی و ایشاں را ہم چناں بترتیب
بنشاندند و مطرباں سماع بر کشیدند
بنواہائے خوش و ساقیاں شراب در آوردند
چوں دوری بگشت غلاماں و فراشاں در آمدند
مردی دویست تخت ہائے دیبا و لفافہائے
قصب بر دست نہادند و پیش مجلس بایستادند
زمانے پس نوشیرواں گفت جامہائے
دراں سرائے برند کہ ایں جا انبوہ است تا
بیستگاں و سیگاں آنجا می آیند و خلعت می
پوشند و اناں جامی روند و می ایستند تا جملہ
پوشیدہ شوند آنگاہ ملک و مزدک بامیداں

آفتاب سے زیادہ چمک دار ہوگا اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا
جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا۔"
مزدک نے کہا آپ نوشیرواں کو نصیحت کریں اور
میں دُعا کرتا ہوں اُمید واثق ہے کہ یزداں مستجاب کرے گا
جب رات ہوئی تو قباد نے دن کی گفتگو نوشیرواں سے کہی
وہ سُن کر بہت ہنسا اور قباد سے کہا کہ "جب ہفتہ گذر جائے
تو مزدک کو بلاکر یہ بات کہنا چاہیے کہ نوشیرواں کل رات کو
ایک خواب دیکھکر ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا۔
اُس نے مجھ سے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا مجھ
پر آتش بزرگ حملہ آور ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں
اتنے میں ایک مرد صالح میرے پاس آیا میں نے اُس
سے پوچھا کہ مقدس آگ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ اُس نے
جواب دیا کہ آگ تجھ پر اس لئے غضبناک ہے کہ تو نے
اُس کو جھٹلایا ہے میں نے کہا کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا اُس نے
کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں اب آتشکدہ میں
جاکر قدرے مشک عود اور عنبر سلگایا جائے اور مسلسل تین
دن اگنی پوجا کی جائے اس کے بعد میں جاگ اُٹھا۔"
قباد سے یہ خواب سُن کر مزدک بہت خوش ہوا جب اس
تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیرواں نے قباد سے کہا
کہ آپ مزدک سے کہئے کہ نوشیرواں کہتا تھا کہ مجھے یقین
ہوگیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے، اور مزدک یزداں کا فرستادہ ہے
لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے اس لئے ڈرتا
ہوں کہ کہیں خروج کرکے سلطنت نہ چھین لیں۔ گیا

آیند و چشم بر افگنند و نظاره کنند پس در آں خانه
باز کنند و سلاحہا بیارند و نوشیرواں از پیش کس
بدہہا فرستادہ بود و مردی سیصد حشر خواستہ
بود با بیلی که سراتہ ہا و باغہا پاک کنند چوں مردم
از دہہا بیامدند و ہمہ را در میان گرد آورد و در
استوار کرد پس ایشان را گفت خواہم که امروز
و امشب بسیاری چاہ دریں میدان کندہ
باشند ہر یکے مقدار یک گز و دو گز و خاک چاہ
ہم آنجا بگذارید و در باناں را فرمود که چوں ایں
چاہ کندہ باشند ہمہ را باز دارند و نگہدارند که
کسے از ایشاں نرود و شبانہ مردی چہار صد را
در سلاح کردہ بود و در میداں و در سراتے پنہاں
داشتہ و گفتہ ہر بیست و سی را که ازاں مجلس
در سرائے فرستم شما ایشاں را بداں دیگر میداں
برید و ہر یک را برہنہ می کنید و سر در زیر چاہ
می کنید تا بناف و پاہا در ہوا و بخاک استوار
می کنید چوں جامہ داراں دراں سرائے شدند
و دویست اسپ با ساخت زر و سیم و سپرہا و
کرہا و شمشیرہا بزر پیش آوردند نوشیرواں فرمود
که دراں سرائے برید ببروند پس بیستگاں و
سیگاں ہمی کرد و دراں سرائے می فرستاد و ایشاں
را بداں دیگر میدان می بردند و سرنگوں در چاہ می کردند
و بخاک می انباشتند تا ہمہ را بریں علامت ہلاک

اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہو جاتی اور
یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہیں؛ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو
تو میں بھی اس میں شامل ہو جاؤں گا ورنہ اُس وقت تک
صبر کروں گا کہ یہ جماعت طاقتور ہو جائے۔ اور بشرط ضرورت
اسلحہ وغیرہ بھی دوں گا اس کے بعد پوری قوت اور تلوار
کے زور سے مذہب کا اعلان کروں گا۔ اگر مزدک جواب
دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہے تو اُس سے اسم وار پوری
فہرست طلب کی جائے تاکہ میں سب سے واقف ہو جاؤں"
چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار
آدمی کی فہرست پیش کی جس میں رعایا اور فوجی سپاہی
شامل تھے۔ فہرست دیکھکر قباد نے کہا کہ "میں آج رات
کو نوشیرواں کو بلا کر فہرست دکھاؤں گا۔ اور نوشیرواں
کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے
شہنائی اور نقارے اس زور سے بجائے جائیں گے
کہ جس کی آواز آپ کے گھر تک پہنچے گی"۔ جب مزدک
لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیرواں کو بلایا
اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اس کا
بھی ذکر کر دیا۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ بہت مناسب
ہے آپ نقار خانہ میں حکم بھیج دیں۔ اور جب کل مزدک
حاضر ہو تو کہہ دیجئے گا کہ نوشیرواں ایمان لے آیا ہے۔
اور اس کا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک
پہنچ گئی ہے۔ اگر پانچ ہزار ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی
اب اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے تو خوف نہیں ہے کیونکہ

کردند آنگہ۔

نوشیرواں پیش پدر آمد و پدر و مزدک
راگفت ہمہ را بخلعت پوشانیدم و در میدان
آراستہ ایستادہ اند برخیز و نظارہ کنید تا ہر کس
زینتی ازیں خوب تر ندیدہ اند قباد و مزدک
ہر دو برخاستند و دراں سرائے شدند و از
سرائے بہ میداں شدند چوں بمیداں آمدند
نگاہ کردند ہمہ میداں سرتاسر پا ہا دیدند در
ہوا نوشیرواں روئے بمزدک کرد و گفت لشکرے
راکہ پیش رو تو باشی خلعت ایشاں ازیں
بہتر نتواند تو آمدی کہ مال و تن ما ہمہ بباد
دہی و پادشاہی از خانہ ما بروں برے باش
تا ترا نیز خلعت فرمایم و در میداں دوکانی بلند
فرمودہ بود و چاہی براں دکان کندہ فرمود
تا مزدک را سرنگوں دریں چاہ کردند و بخاک
برانباشتند و گفت اے مزدک درگرویدگان
خود بنگر و نظارہ می کن و پدر راگفت دیدی
رائے فرزانگاں۔ اکنوں مصلحت تو در آنست
کہ یک چندے در خانہ بہ نشینی تا مردم و لشکر
بیارامند کہ ایں فساد از سست رائے تو برخاست
پدر را در خانہ نشاند و بفرمود تا مردم روستا کہ
از بہر چاہ کندن آمدہ بودند دست باز داشتند
و در میداں بکشاوند تا مردم شہر و ولایت و لشکر

ہم سب زقباد و مزدک نوشیرواں ہمتفق ہیں۔ جب ایک
گھڑی رات گذری اُس وقت مزدک نے شہنائی اور نقارہ
کی آواز سنی۔ اور نوشیرواں کے ایمان لانے سے خوش ہوا
دوسرے دن جب مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے
نوشیرواں کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت
میں بلا کر نوشیرواں سے زر و جواہر کی نذر دلوائی۔ اور
بہت کچھ بطریق تصدق نچھاور کیا۔ اور اب تک جو مرد چکا
تھا اُس کی نوشیرواں نے خود معافی چاہی! اور اسی
جلسے میں ہر قسم کے مشورے ہونے لگے۔ آخر الامر نوشیرواں
نے قباد سے کہا کہ۔ آپ شاہنشاہ ہیں مزدک خدا کا پیغمبر
ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سپہ سالاری مجھکو
دی جائے پھر دیکھئے کس قدر مذہبی ترقی ہوتی ہے
قباد نے کہا کہ تم کو اختیار ہے۔ پھر نوشیرواں نے کہا
کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے ہم مذہب ہیں
ان کے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جائے کہ
آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر فلاں ہفتہ کے فلاں
دن سب ہمارے مہمان ہوں میں ان کو ہر قسم کے ساز و
سامان اور اسلحہ سے مرتب کروں گا جس کی کسی کو مطلق
خبر نہ ہوگی۔ پھر اُسی دن سب کی دعوت کی جائے اور
بعد فراغ طعام دوسرے مکان میں مجلس شراب منعقد
کی جائے ہر شخص سات پیالے پیئے۔ پھر خلعت
پہن کر اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر
نکلیں۔ اور علانیہ اشاعت مذہب کریں جو ہمارا مذہب

درآمدند ونظاره کردند ونوشیروان پدر را
بند برنهاد وبزرگان را بخواند وبجت بپادشاہی
بنشست ودست بداد ودہش برکشاد وایں
حکایت ازوے یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند
ویاد گیرند۔

قبول کرے اُس کو امان دیں گے اور جو انکار کرے گا
اُس کو قتل کر دیں گے اس رائے کو قباد اور مزدک
نے قبول کیا، اور جلسہ برخاست ہوا۔
مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کر دیئے اور
آگاہ کر دیا کہ فلاں روز حاضرِ خدمت ہوں، سب
کو خلعت گھوڑے اسلحہ دیئے جائیں گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے، کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔
چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے، اور بادشاہ کے مہمان ہوئے، جن کے سامنے ایسے پرتکلف
خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے۔ قباد تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر بیٹھا۔ اور نوشیروان
بھی پٹکا باندھ کر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا نوشیرواں ہر ایک
کو دستر خوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرے مکان میں اُٹھ گئے۔ وہاں
شراب کی مجلس آراستہ تھی قباد تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیرواں نے سب مہمانوں کو قرینے
سے بٹھایا تھا۔ مغنیوں کی سُریلی آوازوں سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا دَور چل رہا تھا۔ جب چند دور ہو چکے
تو فراش اور غلام حاضر ہوئے اور دو سو مہمانوں کو دیبا اور قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے۔ یہ لوگ
تھوڑی دیر تک دربار میں استادہ رہے تب نوشیرواں نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان میں تقسیم کئے جائیں کیونکر
یہاں بڑا مجمع ہے وہاں ہر مرتبہ میں بیس آدمی داخل ہوں اور خلعت پہن کر وہیں سے رخصت ہوتے جائیں
اس طریقے سے سب پہن لیں گے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دل فریب منظر ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد سلاح خانے
کا دروازہ کھول دیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائیں۔ اور اس کارروائی سے پہلے نوشیرواں نے تین سو
دیہاتی مزدور بلاکر جمع کر رکھے تھے۔ اور اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات میں یہ مزدور بکثرت گڑھے تیار کریں جو
گہرائی میں ایک گز سے دو گز تک ہوں اور کل مٹی بھی وہیں جمع رہے۔ اور دربانوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب
گڑھے تیار ہو جائیں تو سب مزدور روک لئے جائیں کوئی جانے نہ پائے اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی
اسلحہ سے سجا کر میدان اور مکان میں چھپا دیئے گئے تھے۔ اور اُن کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جب یہ بیس بیس آدمی
مجلس سے روانہ کئے جائیں تو تم اُن کو دوسرے میدان میں لے جاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کر کے ان کا سر ان گڑھوں
میں اس طرح دبا دو کہ وہ ناف تک زمین کے اندر ہوں اور دونوں پاؤں باہر نکلے رہیں۔ چنانچہ خلعت

پہن کر لوگ اس مکان میں آتے جاتے تھے اور مطابق ہدایت کے ایک ایک غول معہ اُن کے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے مکان میں روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اور میدان میں پہنچ کر وہ سرنگوں گڑھوں میں دبا دیئے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر نوشیرواں قباد کے روبرو حاضر ہوا اور مزدک سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہو کر میدان میں جمع ہیں۔ اب آپ اُٹھیں اور ملاحظہ فرمائیں یہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہنچے۔ یہاں یہ تماشا دیکھا کہ کل جماعت "سرنگوں پا در ہوا ہے"۔ نوشیرواں نے مزدک سے مخاطب ہو کر کہا کہ "جس فوج کا تو سپہ سالار ہوا اُن کے خلعت اس سے بڑھکر اور کیا ہوں گے۔ کمبخت تو اس لئے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کر کے سلطنت پر بھی ہاتھ صاف کرے۔ بے ہوشیار ہو اب میں تجھے بھی خلعت پہناتا ہوں"۔ چنانچہ میدان کے ایک کنوئیں میں جو خاص مزدک کے لئے تیار ہوا تھا نوشیرواں کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اُس کو مٹی سے پاٹ دیا۔ اُس وقت نوشیرواں نے کہا کہ اے مزدک! اب تو اپنے پیرووں کو اچھی طرح دیکھ۔ اور باپ سے کہا کہ "آپ نے عاقل اور فرزانہ لوگوں کی رائے ملاحظہ فرمائی۔ اب مصلحت یہ ہے کہ آپ چند روز خانہ نشین ہوں تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقعہ ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رائے کی وجہ سے ہوا۔ اس کے بعد میدان کی دیواریں توڑ دی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر، دیہات، اور فوج کے آدمی آتے تھے۔ اور یہ تماشا دیکھکر چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہو چکے تو نوشیرواں نے قباد کو قید کر دیا اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہو گیا۔ یہ واقعہ نوشیرواں کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اس کو پڑھیں اور عبرت پذیر ہوں"۔

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق وعادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نویسوں اور مورخوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ "آل سلجوق کے عہد حکومت میں کوئی وزیر سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل و انصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت میں اُس سے بڑھکر نہیں ہوا" اور اُن کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے جس کی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہوں اور وزیروں کی سوانح عمری لکھنے والے، اکثر شعرائے دربار ہوتے ہیں، مگر اپنے ممدوح کی شکل وشمائل اور اوضاع و عادات کی جو تصویر کھینچتے ہیں اُس میں یہ عیب ہوتا ہے کہ محض حُسن کے دوبالا کرنے کے لئے شبیہ میں بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہیں۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے مُوقلم سے مصنوعی رنگ کو ہلکا کرتا ہے، اُس وقت ممدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصور یا تو کوئی صوفی ہیں، جو اپنے زمانے کے جنید و شبلی ہیں۔ یا کوئی امام وقت ہیں، جن کے نام سے عظمت و جلال نمایاں ہے۔ اس لئے سلسلہ، روایت میں صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر و منزلت کے لئے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح میں مستند مورخوں نے جس قدر لکھا ہے اس کی صحت میں تو کسی کو شک نہیں ہو سکتا ہے مگر جو روایتیں امام الحرمین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہوں وہ بھی نہایت مہتم بالشان ہیں۔

ابن سبکی نے طبقات میں امام الحرمین کا ایک خطبہ[1] نقل کیا ہے۔ جس میں امام صاحب نے خواجہ کو "سید الوریٰ، موید الدین، ملاذ الامم، متخدم للسیف والقلم" کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور اُس کے پُر فخر کارناموں کو بالاجمال بتایا ہے۔ اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل و انصاف اور جود و احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے۔"

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "یہ خطبہ ایک بڑے نامور امام کا ہے اور گو مبالغہ سے خالی نہیں ہے، مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک نظام الملک کا

---

[1] چونکہ اس خطبہ کے حوالہ سے متفرق مقامات پر حالات لکھے گئے ہیں اس وجہ پورا خطبہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں

کیا پایہ تھا؟ اور قوم میں امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین ان کے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں اور ان ہی کی ذات سے شریعت الٰہی کے اصول وفروع کی اشاعت ہوئی ہے۔

علامۂ موصوف نے امام الحرمین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے، کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُس میں رنگ آمیزی کو دخل نہ ہو اور تاریخانہ اصلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے۔ چنانچہ اس اُصول سے امام الحرمین کے بعض فقرے مبالغہ آمیز ہیں مگر بقول ابن سبکی اس سے انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ جس کا مداح امام الحرمین ہو وہ ممدوح کس شان کا ہوگا؟

امام الحرمین اور ابن سبکی دونوں اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ اور دونوں کا تقدس اور تقوی مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ اُن کے اقوال پر نکتہ چینی کرنا ہمارا کام نہیں ہے لیکن اِس روایت سے ہم کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا ماخذ نہایت مستند اور معتبر ہے، اور اُس کے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام واقعہ نگاروں کے امام الحرمین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہیں۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا، لہٰذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق مقتدایانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُس کی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذب محبت کی ابتدائی تاریخ یوں لکھی ہے کہ "میں ایک دن کسی امیر کی خدمت میں معروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ "خواجہ ایسے لوگوں کی خدمت کیا کرو جن سے تم کو نفع پہنچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتوں کا شکار ہو جائے گا۔" میں اس رمز کو نہ سمجھا۔ لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ میں چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ پاسبانی کی غرض سے جو خونخوار کتے پلے ہوئے تھے اُنھوں نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھ کر

خوب جھنجوڑا اور شکار کی طرح تکا بوٹی کر ڈالا۔ جب میں نے یہ واقعہ سُنا تو کشف و کرامات کے کرشمے معلوم ہوئے اور اُسی دن سے میں ارباب باطن کا ایک معتقد خدمت گذار بن گیا۔

حقیقت میں خدا شناسی، تصفیۂ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیائے کرام کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن فی زمانہ صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت، جواہرات کے پرکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے، کیونکہ صوفیوں کے بجائے صوفی نما گروہ حشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے اور درویشی کو یاروں نے معاش کا ایک آلہ بنالیا ہے اس لئے طالبانِ طریقت کو سوچ سمجھ کر اِس حلقہ میں قدم رکھنا چاہیئے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ

ہوں یا نہوں پیر اہلِ عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو ناوان کہیں

گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

خواجہ نظام الملک جس زمانہ میں تھا وہ آج کل کے مقابلہ میں ست جگ کا درجہ رکھتا تھا، کیونکہ صوفیوں کے قلب جیسے انوارِ تجلیات سے مالامال تھے ویسے ہی اُن کے دماغ حکمت و فلسفہ اور علوم دینیہ کے انکشافات سے منور تھے۔ خواجہ نظام الملک کو جن نامور صوفیوں سے عقیدت تھی وہ رکنِ شریعت اور مرکزِ طریقت تھے۔ جب وہ مصلے پر بیٹھتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی، خانقاہ و مدرسہ میں جاتے تو قرآن و حدیث کا درس دیتے، جب ممبر پر جلوہ فرما ہوتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے۔ بادشاہوں اور وزیروں سے بھی ملتے تھے۔ اور اُن کو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو حکمرانی کے لئے مفید ہوں اور اُن میں جو عیوب دیکھتے تھے وہ برملا کہہ دیتے تھے۔ اور یہ اُس وقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق

غالب آتا تھا نہ ہم پہ خوف سلطان و وزیر

ابن خلکان میں تحریر ہے کہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری جب خواجہ کے دربار میں تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔[1]

نامۂ دانشوراں ناصری میں لکھا ہے کہ شیخ ابواسحٰق فیروز آبادی کا اعزاز ان دونوں بزرگوں سے بڑھکر تھا۔ بہرحال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر میں یہ عزت و عظمت تھی اب ہم اُن کے مختصر حالات

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳ تذکرہ نظام الملک۔

زندگی لکھتے ہیں۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری میں ضمنی تذکروں کا مفصل لکھنا خلافِ قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگوں کے ہیں جن کی سوانح عمریاں مذہبًا اور اخلاقًا ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہیں اس لئے اُمید ہے کہ ناظرین کے لئے یہ چند اوراق باعثِ ملال نہ ہوں گے۔

شیخ ابو اسحٰق۔ فیروز آبادی

ابراہیم نام، ابو اسحٰق کنیت، اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی ابن یوسف شیرازی۔ اور نامۂ[1] دانشوران کی روایت کے مطابق، سلسلۂ نسب مولانا مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (مصنف قاموس) پر منتہی ہوتا ہے۔ تاریخ میں شیخ ابو اسحٰق شیرازی کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیمًا آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کریں گے۔ صوبۂ فارس کے شہروں میں فیروز[2] آباد کو اپنے جن نامور بیٹوں پر قیامت تک فخر رہے گا منجملہ اُن کے

---

[1] نامۂ دانشوران ناصری جلد اول حالات ابو اسحٰق۔

[2] گور یا جور یا فیروز آباد ایک ہی قدیم شہر کے نام ہیں۔ جس کو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ البتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروز آباد ایک قصبہ ہے قدیم فارسی نام گور (بمعنی قبر) ہے جو عربی تاریخ اور جغرافیہ میں جُور کے نام سے مشہور ہے۔ صاحب مراصد الاطلاع نے جور لکھا ہے (اسی نام کا نیشاپور میں ایک محلہ بھی ہے) جور کا پہلا بانی گشتاسپ کیانی ہے، لیکن سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے عجیب حکمت سے اس شہر کو پانی میں ڈبو کر بحیرہ بنا دیا تھا لیکن اردشیر ساسانی نے کمال فن انجنیری سے پانی کو خشک کر کے قدیم نمونہ پر پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر قدرتی پہاڑوں کے مابین دائرہ کی شکل میں آباد تھا۔ فیروز شاہ (نوشیرواں کا دادا) نے اپنے عہد سلطنت میں قدیم آبادی پر بہت کچھ اضافہ کیا اور بجائے گور کے فیروز آباد نام رکھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عضد الدولہ دیلمی تفریح کی غرض سے یہاں جایا کرتا تھا اور جب بادشاہ یہاں ہوتا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ "ملک بگور رفتہ" چنانچہ عضد الدولہ نے اس بدفالی سے بچنے کے لئے اس کا نام فیروز آباد رکھا۔ وسط شہر میں ایک پہاڑ کا درمیانی حصہ ہموار کر کے اردشیر نے اُس پر ایوان بنایا تھا چنانچہ اُس کے کھنڈرات اور مینارہ، حوض، قلعہ، آتشکدۂ اعظم، اور خندق کے عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہیں اور جور کا گلاب ضرب المثل ہے۔ جس کے حوالے عربی اشعار میں آتے ہیں عبداللہ ابن عامر نے ۲۹ھ میں (عہد خلافت سوم) چند سال کے غزوات کے بعد جور کو فتح کیا تھا۔ فارس کے نقشہ میں شیراز سے جانب مشرق ۳۵ میل کے فاصلہ پر یہ شہر درج ہے آثار قدیمہ کے نقشہ جات (باقی در صفحۂ آئندہ)

ایک شیخ بھی ہیں ۳۹۲ھ (۹۵-۹۶ھ علیٰ اختلاف الروایات) میں شیخ کی ولادت ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر میں گذرا۔ ۳۹۲ھ سے ۴۱۰ھ تک شیخ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہیں کھلتا ہے کہ کیونکر گذری؛ لیکن ۴۱۰ھ میں فیروز آباد سے رخصت ہوکر دار العلوم شیراز کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور محض حصول علم کے لئے تھا۔

فارس میں شیراز[1] ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی میں

بقیہ صفحہ ۱۱۴۔ اور تصاویر اور تفصیلی حالات کے لئے کتب ذیل دیکھو۔ سفرنامہ ایران مرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۱۱ گنج دانش صفحہ ۳،۷۳ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر، ۹۲ مرآۃ البلدان ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۲ حالات جو نقشہ ایران مرتبہ مسٹر جان کری ۱۸۲۹ء

[1] شیراز صوبہ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شاہان ایران کی طرف سے شیراز میں گورنر رہا کرتا ہے۔ نقشہ میں ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف سعدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ شہر بارہ دروازوں پر تقسیم تھا اب صرف چھ باقی ہیں۔ اور شہر پناہ کی دیوار کا محیط ۲۰۰ اگز اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز بن تہمورس پیشدادی شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد حکومت میں آباد ہوا۔ اور آج تک قائم ہے۔ نہریں بافراط ہیں۔ جن کا پانی ذائقہ میں سلسبیل اور تسنیم سے ٹکر کھاتا ہے۔ چنانچہ نہر رکن آباد، زنگی آباد، نہر سعدی مشہور ہیں اور رکن آباد کی تو تعریف ہی نہیں ہوسکتی ہے حافظ فرماتے ہیں۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلےٰ را

پانی میں جو جو قدرتی صفتیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ شیراز کی ہوا معتدل ہے۔ قاآنی نے کیا خوب لکھا ہے

بزیر قبعہ گردوں بروئے رقعۂ خاک　　ندیدہ دیدۂ بینا چناں خجستہ دیار
نسیم او ہمہ دل کش تر از نسیم بہشت　　ہوائے او ہمہ خرم تر از ہوائے بہار
زلالہ ہر دمنِ اوست کوہی از یاقوت　　زلالہ ہر چمنِ اوست کاسۂ از زنگار
زبسکہ زمزمۂ سار خیزد از ہامون　　زبسکہ قہقہۂ کبک آید از کہسار

شیراز میں آج بھی ہر علم و فن کے اہل کمال موجود ہیں چنانچہ قاآنی کا قول ہے ؎

منجمانش بیرنج زیج واصطرلاب　　زار تفاعِ تقاویم واختران ہشیار

(باقی در صفحہ آئندہ)

علم کی نہریں جاری تھیں یعنی مختلف مدارس اور خانقاہوں میں فخرِ روزگار علما درس دیتے تھے۔ اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز میں کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ ایک مستعد طالب العلم کی حیثیت سے شیخ نے بھی تمام شیراز کا چکر لگایا اور تمام علمائے شیراز کی خدمت کی اور اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

شیخ کے اساتذہ شیراز میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بیضاوی۔ ابواحمد عبدالوہاب بن رامین نہایت نامور علما ہیں۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ، اصول فقہ، اور استخراج مسائل میں کافی مہارت ہوگئی تو شیراز کو خیر باد کہکر بصرے کا رخ کیا۔ یہاں علامہ ابن جوزی کی درس گاہ سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن چونکہ تحقیقات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی نہ ہوئی تھی اور آتشِ علم سینہ میں مشتعل تھی اس لئے چند روز کے بعد بصرے کو الوداع کہکر دارالسلام بغداد کو روانہ ہوئے اور شوال ۴۱۵ھ / ۱۰۲۴ء

اس وقت قادر باللہ عباسی تخت سلطنت پر حکمراں تھا۔ اور آل بویہ کے امرا کا زور تھا۔ آل عباس کی سلطنت کمزور ہوگئی تھی۔ لیکن بغداد کی علمی شہرت میں کوئی زوال نہیں آیا تھا اور اُس وقت تک دنیائے اسلام میں علم و فن کا مرکز مانا جاتا تھا۔

بغداد میں دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑوں بابِ علم کُھلے ہوئے تھے، مگر سب سے رفیع الشان، قاضی ابوطیب طبری کی محفل درس تھی، اور اسی باکمال کی شاگردی پر شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابواسحٰق بحر العلوم بن گئے۔ اور زمانے نے اُن کو علمائے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا۔ فقہ اور اصول فقہ میں مجتہدانہ حیثیت سے وہ امام مانے گئے، صحت روایت میں محدثین اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ جماعت متکلمین، اُن کی

ندیدہ نبض حکیمانش از کمال وقوف — خبر دہند ز رنج نہانِ ہر بیمار

ز لحن مرثیہ خوانان او گداز و سنگ — چو چشم عاشق بیدل ز دورِی دلدار

ہزار محفل و در ہر یکے ہزار ادیب — ہزار مدرس و در ہر یکے ہزار اسفار

محلات، دارالعلوم، مساجد، مزارات، دارالشفا، قہوہ خانجات، بازار و مقامات، کاروانسرا، باغات، مرکاری مکانات قدیم قبرستان، حمامات، بکثرت موجود ہیں۔ جن میں سے ہر نمبر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔ ناظرین مرزا فرصت شیرازی کا سفرنامہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس زمانہ میں سب سے اخیر سفرنامہ ہے۔

وقت نظر اور بلند خیالی کے قائل ہے، علمائے اصول اُن کی تصنیفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ استنباط احکام اور استخراجِ مسائل میں فقہا ان کے ہر قول کو آیت وحدیث سمجھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہیں۔ بہرحال شیخ بہ لحاظ صفات ظاہری اور باطنی قابلِ فخر و عزت ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت میں سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُس کو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا اس لئے خواجہ نے ارادہ کیا کہ "ایک محضر تیار کروں جس پر تمام رعایا اور امرا اور علما کے دستخط ہوں، اور اگر وہ تصدیق کر دیں، کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی ہے، تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق میں رہائی کا پروانہ ہوگا" چنانچہ اس خیال کے مطابق اُس نے دستخط بنوانا شروع کئے۔ لوگوں نے بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابو اسحٰق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے یہ مختصر جملہ لکھا "خَیْرُ الظَّلَمَۃِ حَسَنٌ" یعنی اور سب ظالموں میں حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُس کو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ ابو اسحٰق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہیں لکھا ہے۔"

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ پروردگارِ عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا" تو اُس نے جواب دیا کہ "خدا نے مجھے ابو اسحٰق کی سچی تحریر کے صلے میں بخش دیا"[1]

بہرحال خواجہ کی بخشش کا سبب اُس کے اعمالِ حسنہ ہوں یا شیخ کی تحریر، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے، مگر اس واقعہ سے شیخ ابو اسحٰق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور ابنِ خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَکَانَ فِیْ غَایَۃٍ مِنَ الْوَرَعِ وَالتَّشَدُّدِ فِی الدِّیْنِ"

شیخ کے مزاج میں انصاف پسندی از حد تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ "ایک بار لوگوں نے استفتا پیش کیا۔ معلوم نہیں اُس وقت آپ کس خیال میں تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صبّاغ نے جوانِ کے ہم عصر تھے اس فتوے کو دیکھکر صاحب استفتا سے کہا کہ " یہ غلط ہے ابو اسحٰق

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۷۰۔ حالات نظام الملک۔ ابن خلکان حالات ابو اسحٰق۔

کے پاس نظرثانی کے واسطے لے جاؤ؛ چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی اپنے قلم سے فتویٰ صحیح کیا اور اُس پر اس قدر عبارت اور لکھدی اَلْحَقُّ مَاقَالَہُ الشَّیْخُ ابْنُ صَبَّاغ وَاَبُوْاِسْحٰقَ مُخْطِیٌّ؛ یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابو اسحٰق غلطی پر ہے؛

یہ واقعہ زمانۂ حال کے علما کے واسطے ہدایت ہے، کیونکہ اکثر مدعیانِ علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے سچ ثابت کرنے کے لیے اُن کو سو جھوٹ بولنا گوارا ہوگا، مگر خطا کا اقرار شاید ہی زبان یا قلم سے ہو سکے!!

شیخ ابو اسحٰق، نہایت روشن خیال اور مدبر علما میں سے تھے چنانچہ ۴۶۷ھ میں خلیفہ قائم بامراللہ کے انتقال پر المقتدی بامراللہ کا انتخاب محض آپ کی رائے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے ملک کا ایک بڑا فتنہ[۱] دب گیا۔ اور اس سے مہتم بالشان شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی[۲] بامراللہ نے ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں بھیجی تھی۔ جب یہ سفارت نیشاپور پہنچی تو امام الحرمین اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملک شاہ نے خاص دربار منعقد کر کے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدی کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کیں وہ سب ملک شاہ نے بلا عذر تسلیم کر لیں۔ خواجہ نظام الملک نے ملک شاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم و تکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معتقد تھا اور اہم معاملات میں اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا تھا[۳]۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علما کی قوت، سلطنت کی طاقت سے بڑھکر ہے بشرطیکہ علما میں روشن خیالی، آزادی، اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتویٰ دینا ہے اور کچھ نہیں۔ برخلاف اس کے اُس عہد کے علما میں یہ تمام صفتیں موجود تھیں۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے، جس کے مصداق خود شیخ کے حالات ہیں۔ شیخ ابو اسحٰق نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں چنانچہ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فروع الشافعیہ ہے، یہ کتاب علم فقہ میں ہے اور اس قدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخریہ دعویٰ تھا کہ میں ہر مسئلہ

---

[۱] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۸ مطبوعہ مصر [۲] تاریخ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔

[۳] آداب الوزارت میں خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔

کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہوں۔ دوسری کتاب فقہ میں "المھذب فی المذھب" ہے تیسری کتاب اصول فقہ میں "لمع" ہے۔

علاوہ ان کے کتاب "النکت" (خلاف میں) تبصرہ (اصول فقہ میں) المعونۃ، التلخیص (جدل میں) طبقات الفقہا تاریخ میں مشہور کتابیں ہیں۔

۲۱ر جمادی الاول ۴۷۶ھ میں چار شنبہ کی رات کو ابو المظفر بن رئیس الروسا کے مکان پر جانب شرقی بغداد میں شیخ کا انتقال ہوا۔ ابو الوفا ابن عقیل نے غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ جنازے کی نماز دو مرتبہ ہوئی جس میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ خود بھی شریک ہوا۔ باب آب زر" میں دفن کئے گئے ابو القاسم ابن ناقیا شاعر نے مرثیہ لکھا۔ جس کے بعض اشعار ابن خلکان نے نقل کئے ہیں۔ شیخ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ مگر تصنیفات، جو اُن کی فضل و کمال کی ایک دائمی یادگار ہے اور اسی باقیات الصالحات میں شیخ کے نامور شاگرد بھی داخل ہیں۔

(۲) ابو المعالی، امام الحرمین، عبد الملک جُوینی

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس کے دوسرے رکن، امام الحرمین ہیں، دربار ملک شاہ سلجوقی اور بارگاہ خواجہ میں امام الحرمین کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا۔ اور خواجہ سے خاص اوقات میں تخلیہ کی صحبت رہتی تھی۔

امام الحرمین کی کنیت ابو المعالی، لقب ضیاء الدین، اور نام عبد الملک تھا۔ اور پورا نام مع مختصر نسب نامہ کے یہ ہے۔ امام الحرمین، ابو المعالی ضیاء الدین، عبد الملک بن شیخ ابو محمد عبد اللہ بن ابو یعقوب یوسف بن عبد اللہ بن حیو یہ جُوینی[۲]۔

امام صاحب کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ اُن کے دادا شیخ ابو یعقوب یوسف علمائے شافعیہ میں ایک ممتاز عالم تھے۔ اور والد شیخ ابو محمد۔ تفسیر، فقہ، اصول، عربیت اور ادب

---

[۱] تصنیفات کے مفصل حالات کے لئے دیکھو کشف الظنون جلد ا و ۲۔

[۲] جُوین۔ بسطام سے نیشاپور کو جو قافلہ کی سڑک ہے اس پر جوین واقع ہے۔ یہ نہایت سرسبز اور آباد پرگنہ ہے۔ آبادی لشکل مستطیل دو پہاڑوں کی فضا میں واقع ہے جس کی ایک حد جانب قبلہ بیہق سے اور جانب شمال دوسری حد، جاجرم سے ملتی ہے۔ نیشاپور سے ۳۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مراصد الاطلاع و گنج دانش۔ حالات تبریز صفحہ ۲۰۲

میں امام تھے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ کہ نیشاپور میں مدتوں درس وافتا کا سلسلہ شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا۔ ۴۳۸ھ/۱۰۴۶ء میں انتقال فرمایا۔ تصنیفات میں تفسیر کبیر، تبصرہ، تذکرہ، مختصر المختصر، کتاب الفرق والجمع وغیرہ یادگار ہیں۔

امام الحرمین بمقام جُوین محرم کی اٹھارہویں تاریخ ۴۱۹ھ/۱۰۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔

اُن کے انتقال پر مدرسہ بیہقیہ میں داخل ہوگئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا میں سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ ان دنوں ابوالقاسم اسکافی اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ یہاں امام صاحب نے علم اصول میں کمال حاصل کیا اس کے بعد بغداد گئے اور وہاں کے مشاہیر علما سے مستفید ہوئے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہوگیا تو نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں حلقۂ درس قائم کیا۔ اور جس قدر فتوے آتے تھے اُن کے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔

ان مقدس مقامات میں امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام الحرمین کا قیمتی خطاب ان ہی گھروں کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے (واقعات ۵۵-۴۵۶ھ) کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمید الملک کندری کو قتل کر کے خواجہ نظام الملک کو وزیر اعظم کر دیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل وکمال تھا اس وجہ سے اُس کی علمی قدردانی، اور عدل وانصاف، کی شہرت اطرافِ عالم میں بہت جلد پھیل گئی۔ اور عمید الملک کی تحریک سے مساجد میں امام ابوالحسن اشعری پر خطبہ میں جو لعنت پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی یہ بے تعصبی امام صاحب کو بہت پسند آئی اور مکہ معظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ اعزاز کیا جو اُن کی شان کے لائق تھا اور محض اُن کی خاطر سے نیشاپور میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقعہ پر تحریر ہیں)، چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مُدرّس اعظم مقرر کئے گئے۔ اور شہرت عام کی وجہ سے حلقۂ درس میں اکثر ائمۂ علم وفن جمع ہوا

کرتے تھے، کیونکہ امام الحرمین کی تقریر میں بھی مسئلہ زیر بحث میں بے ربطی نہ ہونے پاتی تھی۔ بلکہ اول سے آخر تک سلسلۂ کلام یکساں رہتا تھا۔

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ مجلس بھی نہایت پُر لطف ہوتی تھی۔ غرضکہ کامل تیس برس تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی۔ اس کے علاوہ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے۔ وعظ، امانت، خطابت، اور اوقاف کے شرعی احکام آپ کے حکم اور دفتر سے جاری ہوتے تھے۔ اور مفتیِ عدالت کی حیثیت سے ملک شاہ کی نظر میں بڑی عزت تھی جس کے ثبوت میں صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے۔

علامۂ جلال الدین محقق دوّانی اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ میں امام الحرمین نے منادی کرادی کہ سلطان کا حکم غلط ہے اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا ہے" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی انتیسویں تاریخ کو عیدالفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دَوْرَہ ملتوی کردیا۔ اور دارالسلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا اور شام کے وقت معہ ارکان دولت کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوا، اگرچہ آسمان پر چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھیں۔ مگر ہلال عید نے مشتاقان عید کو اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ مگر جن مصاحبوں کو انتیس کی عید کی خوشی تھی اُنھوں نے بغیر تکمیل شرائط مذہب، سلطان سے کہہ دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے اور سلطان کو رویت ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر میں ڈھونڈھورا پٹوا دیا۔ کہ کل عید ہے۔ جب امام الحرمین کے کانوں تک یہ صدا پہنچی تو اُنھوں نے دوسری منادی کا بایں الفاظ حکم دیا "ابوالمعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے، اُسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے"۔ قبل از وقت عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتیِ شرع کی منادی سُنی تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بُرے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو سمجھایا کہ "ابوالمعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام اُن کے معتقد ہیں۔ اگر بندگانِ عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہو گی" ملک شاہ کو امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاج کا نیک اور مذہب کا پکا تھا۔ اور علمائے ملت کی عظمت اُس کے دل میں بہت کچھ تھی، اس لئے چند ارکان دولت کو حکم دیا کہ۔

-امام صاحب کوادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ" مفسد یہاں بھی باز نہ آئے اور عرض کیا کہ "جس شخص نے حکم شاہی کی عزت نہیں کی وہ واجب الاحترام نہیں ہے"۔ اس پر سلطان نے فرمایا کہ "جب تک امام صاحب سے دوبدو گفتگو نہ ہو ایسے رفیع القدر کی بے حرمتی نہیں ہوسکتی ہے"۔

القصہ درباری امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور پادشاہ کا پیام سنایا۔ امام صاحب اُس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اُسی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے اور درِ دولت پر حاضر ہوئے جب حاجب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں تو اُس نے اطلاع کی کہ "پہلی عدول حکمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے یہ کی ہے کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اور معمولی لباس پہن کر تشریف لائے ہیں"۔ اس فقرے نے ملک شاہ کو اگرچہ گرما دیا تھا مگر پھر بھی امیر حاجب کے توسط سے دریافت کیا کہ "جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہیئت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں"؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ "سلطان کو مجھ سے گفتگو کرنا چاہیے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادا نہیں ہوسکتی ہے"۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بُلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعًا جائز ہوتی ہے۔ پس جب کہ خدا کے سامنے میں اس طرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ اور میں نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کروں پھر خیال ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ لیں اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو۔ لہذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا"۔

سلطان نے فرمایا کہ "جب بادشاہِ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اس قدر واجب ہے، تو پھر بادولت کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں"؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "جو امور فرمان سلطانی پر موقوف ہیں اُس کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے متعلق ہے وہ بادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کیونکہ بحکم شریعت علما کا فتوی حکم شاہی کے برابر ہے روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہیں بادشاہ وقت کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔ جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سنی۔ تو اُس کا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا "اور اعزاز سے رخصت کیا"۔ اور

اعلان کر دیا کہ "میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے"۔ ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام الحرمین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علما اور مسلمان حکمرانوں کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔

امام الحرمین بڑے پایہ کے مصنف تھے۔ اور مختلف علم و فن میں ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

نہایت المطلب، شامل، برہان، تلخیص التقریب، ارشاد، عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول، غیاث الامم، مغیث الخلق، غنیۃ المسترشدین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ میں خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے تھے تو مجلس کو لٹا دیتے تھے۔ ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء میں ربیع الآخر کی پچیسویں تاریخ چہار شنبہ کی رات کو بعد نماز عشا، امام الحرمین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت میں لوگ قریہ باشتان میں اٹھا لے گئے کیونکہ نواح نیشاپور میں اس جگہ کی آب و ہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر میں دفن کئے گئے۔ پھر چند سال کے بعد مقبرۂ حسین میں نعش منتقل کر دی گئی اور اپنے والد کے پہلو میں ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقۂ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔ ان میں سے تین سب سے ممتاز تھے۔ کیا ہراسی، احمد بن محمد خوافی، اور امام غزالی۔ مگر آخر میں امام غزالی خود امام الحرمین سے بڑھ گئے۔ جس کی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام الحرمین کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا اور تمام شاگردوں نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم میں مصروف رہے شعرا نے متعدد مرثیے لکھے ہیں۔

خواجہ علاء الدین عطا ملک جوینی مصنف تاریخ جہاں کشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر اباقا خان امام الحرمین کے پوتے ہیں۔

(۳) امام ابوالقاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابوالقاسم ہیں۔ پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری۔ امام ابوالقاسم فقہائے شافعیہ کے مشہور رکن ہیں۔ اور طبقۂ صوفیہ میں بہ لحاظ عظمت و شان امام وقت سمجھے جاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے بہ حیثیت ایک عالم با عمل اور عارف کامل خاص عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور اپنے مفید خیالات اور وعظ و نصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہنچاتے تھے۔

ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ادب، شعر اور کتابت میں علامۂ روزگار تھے۔ اور تصوف میں خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب نے شریعت و طریقت کو ملا کر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کر دیا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔

امام صاحب عربی النسل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جدا علیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکل کر آپ کے بزرگ استوا[1] کے کسی گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور عمر طبعی کی تمام منزلیں نیشاپور میں طے کیں۔

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اس وجہ سے ابتدائی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی۔ بلکہ جوان ہو کر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتدائے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے بہ نظر تعلیم، آپ ابو بکر محمد طوسی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدا کی۔ جب اس میں فراغ حاصل ہو گیا تو استاذ ابو بکر بن نورک[2] کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

---

[1] اُستوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جس میں ۹۳ گاؤں تھے اور اُس کا مشہور قصبۂ خوشان ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع میں رہتے تھے مراصد الاطلاع صفحہ ۳۔

[2] ابو بکر محمد بن حسین بن فورک اصفہانی مشہور متکلم ہیں، لیکن، اصول، ادب، نحو، میں بھی یکتا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدا میں ایک عرصہ تک عراق میں قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لاتے۔ یہاں کے علم دوست لوگوں نے خاص آپ کے لئے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اس میں درس دیتے رہے۔ صرف اصول فقہ، اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مناظرہ میں خاص کمال تھا۔ ۴۰۶ھ میں زہر دیا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ میں دفن ہوئے (نیشاپور کے ایک محلہ کا نام حیرہ ہے) ابن فورک بھی خواجہ کے درباریوں میں تھے اور کتاب "النظامی فی اصول الدین" خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۴۸۲۔ آثار البلاد صفحہ ۳۰۳۔ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۸۷۷ء۔

ایک مدت تک تکمیل علوم وفنون میں مصروف رہے اور آخر میں اسی درس گاہ سے فراغ حاصل کیا۔ اور تفسیر میں کتاب التیسیر لکھی۔ عبدالکریم قشیری بہ لحاظ فضل وکمال چونکہ اب نامور علما کے درجہ پر پہنچ گئے تھے اس لئے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقف اسرار شریعت اور رہنمائے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کر دیا۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجرید کا مسلک اختیار کر لیا اور ہمہ تن تصوف پر جھک پڑے۔ اور اُسی زمانہ میں رجال طریقت کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام " رسالہ " ہے۔ پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد جُوَینی اور ابو بکر احمد[2] بن حسین بیہقی جیسے فخر روزگار علما کے علاوہ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ اس سفر میں فرض حج کے علاوہ بغداد اور حجاز میں متعدد شیوخ سے حدیث کی سماعت کی اور اخیر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر وعظ وتذکیر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابوالحسن علی الباخرزی[3] نے اپنی کتاب دمیۃ القصر میں امام صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور وعظ کے پر اثر جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح وبلیغ رائے لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

---

[1] ابو اسحٰق اسفرائینی۔ حالات نظامیہ نیشاپور میں آپ کا تذکرہ تحریر ہے [2] ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ ابن موسٰی بیہقی۔ نامور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ جامع علوم وفنون تھے۔ مگر حدیث میں خاص شہرت ہوئی۔ کیونکہ عراق، جبال، حجاز، خراسان کا سفر کر کے ان مقامات کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام الحرمین، احمد کے فضل وکمال کی شہادت دیتے ہیں۔ سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النبوۃ، سنن والآثار، شعب الایمان، مناقب الشافعی، وغیرہ تصنیفات میں مشہور ہیں۔ سنہ ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی اور سنہ ۴۵۸ھ میں بمقام نیشاپور انتقال ہوا۔ بیہق میں دفن کئے گئے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۔

[3] ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب الباخرزی۔ نہایت نامور ادیب اور فصیح وبلیغ شاعر ہوا ہے ابتدا میں طغرل بیگ سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ سنہ ۴۶۸ھ میں شہید ہوا ملک شاہ سلجوقی کی مدح میں یہ رباعی مشہور ہے ؎

خاقان علم وکوس ملک شاہ کشد ۔۔۔ فغفور بساط شاہ بر ماہ کشد

چیپال سرا پردہ خرگاہ کشد ۔۔۔ قیصر بستور گاہ درگاہ کشد

مجمع الفصحا، صفحہ ۳۴۴

"لوقرع الصخر بصوت تحذیرہ لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلسہ لتاب" یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر بہ جائے اور اگر ابلیس اُن کی مجلس میں شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے ؛

امام قشیری اصول میں اشعریہ اور فروع میں شافعیہ تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ شہسواری اور استعمال اسلحہ میں امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء ربیع الآخر کی ۱۶ تاریخ سینچر کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل و کمال کا سورج غروب ہوگیا۔ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ نیشاپور میں شیخ ابو علی دقاق کے پہلو میں یہ نامور خواب استراحت میں ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد میں جو سب سے نامور ہوا وہ اُن کا بیٹا ابو نصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابو نصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہیں اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر و تذکیر میں ان کے والد کا ہم پلہ بتایا ہے۔

(۴) ابو علی فارمذی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابو علی فارمذی ہیں۔ پورا نام یہ ہے۔ فضل بن محمد بن علی المشہور بہ شیخ ابو علی فارمذی۔ شیخ ابو علی طبقۂ صوفیہ میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں۔ علوم ظاہری میں امام ابو القاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ اور ابو القاسم علی بن عبداللہ کرمانی سے بیعت تھی۔ شیخ ابو علی نے جو کچھ پایا وہ اسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اور شیخ کی فضیلت میں شاید اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے ابو علی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے، جو لوگ امام صاحب کے فضل و کمال سے واقف ہیں وہ اس انتخاب سے ابو علی فارمذی کا درجہ قیاس کر سکتے ہیں۔ کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ شیخ ابو علی جب خواجۂ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اُٹھکر شیخ کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھکر ادب سے گفتگو کرتا تھا۔ چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھکر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیوں کی ایسی عزت و تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں ؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھ سے ملنے آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں۔ کہ آپ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں بلکہ اُن صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو مجھ میں نہیں ہیں۔ اور

ایسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے برخلاف اس کے شیخ ابو علی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں اور میں اُن کی ہدایت سے مستفید ہوتا ہوں"۔ حقیقت میں ایک عارفِ کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اس کی ملاقات کا منشا بجز ہدایت اور پند و نصیحت کے اور کچھ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض بندوں میں یہ جسارت نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے رفیع الشان لوگوں کو نصیحت کریں۔ اور مقدس لوگوں کی ہدایت کا جیسا اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے زمانے کے صوفیہ کا ایسی صحبتوں میں بھی وہی حال ہے جس کی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔

نصیحت پذیری

خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگوں سے بے تکلف ملا کرتا تھا لہٰذا یہ حضرات بھی جو عیب خواجہ میں دیکھتے تھے وہ اُس کے منہ پر صاف، کہہ دیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان ہی واقعات کے ذیل میں روضۃ الصفا[1] میں ایک طولانی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء[2] ہجری میں سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُس نے بھی کسی سائل کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا۔ لیکن واپسی پر جب فردِ حساب ملاحظہ کی تو واضح ہوا کہ بمد عطیات دو لاکھ روپے (۷۴ ہزار دینار) صرف ہو گئے ہیں۔ اس لئے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال وظائف ملتوی کئے جائیں۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آنے پائے۔

چنانچہ شیخ ابو سعد واعظ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے ملے اور اپنی کتاب موسومہ "نصیحۃ النظامیہ" کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ جس کے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجت مند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ اُس کی خواہش نہ پوری کرے تو اُس پر کوئی عذاب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص جس کو باری تعالیٰ نے اپنے بندوں اور وسیع دنیا پر حکمراں فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۲۷-۱۲۹ - حالاتِ نظام [2] چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ میں ملک شاہ داخل بغداد ہوا تھا تاریخ آل سلجوق مطبوعہ مصر صفحہ ۶۲۔

ٹھیک طور پر نہ کرے (کیونکہ یہ شخص حقیقت میں مزدور ہے۔ جس نے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالا ہے اور اُس کی اُجرت چاہتا ہے) تو وہ نہ تو اہل وعیال میں زندہ دلی سے بیٹھ سکتا ہے۔ نہ مطالعہ کا لطف اُٹھا سکتا ہے، نہ اعتکاف وتلاوت کر سکتا ہے۔ اُس کے یہ افعال واعمال نوافل سے مشابہ ہیں اور بندگان خدا کی غم خواری کرنا واجب ہے اور اجماع اس پر ہے کہ اداۓ واجب کے لیے نفل کو ترک کر دینا چاہیئے۔ خواجہ اگرچہ وزیر ہے مگر حقیقت میں وہ ایک امیر ہے جس کو ملک شاہ نے اپنے نیابت کے لئے ایک خاص اجرت پر لیا ہے تاکہ دنیا میں شہروں اور رعایا کا انتظام، اور آخرت میں، سلطان کی جانب سے جواب دہی کرے۔ کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور سوال کیا جائے گا کہ "ملک شاہ! میں نے تجھ کو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندوں کی مہمات کو تیرے سپرد کر دیا تھا۔ تو نے اُن کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟"

ملک شاہ جواباً عرض کرے گا۔ خداوندا تو علام الغیوب ہے۔ میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ وعاقل اور مدبر وزیر کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ عدل وانصاف کرے۔ میں نے اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم دے دیا تھا تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے ملزموں اور ظالموں کو سزا دے۔ اب اس کو حضور میں پیش کرتا ہوں۔ ہر قسم کی جواب دہی کا یہ ذمہ دار ہے۔"

اے فخر اسلام! غور فرما کہ اس وقت سب سے اچھا جواب یہ ہو سکتا ہے، کہ یا تو آپ کہیں گے "جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو میں نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجب ودربان کو اُٹھا دیا۔ جو مجھ سے طالب ہوئے میں نے اُن سے احسان وسلوک کیا۔" یا آپ یوں عرض کریں گے کہ "میں نے دروازے پر حاجب ودربان مقرر کئے اور ان کو ہدایت تھی کہ مجھ تک کوئی آنے نہ پائے، قاصد اور سفرا واپس کر دیئے جائیں اور امیدواروں کو جواب دیدیا جائے۔ نوشیرواں مذہباً آتش پرست تھا لیکن فریادیوں کے لئے اُس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا دروازہ پر پاسبان نہ تھے چنانچہ سفیر روم نے ایک بار عرض کیا کہ جہاں پناہ نے تو دشمنوں پر بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا ہے۔" نوشیرواں نے کہا کہ صرف "عدل میرے لئے حصار ہے۔"

خواجہ! یہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا تجھے خدا نے خلعت اسلام سے مزین کیا ہے۔ اس لئے تمام حکام سے بڑھ کر تجھکو عادل ہونا چاہیئے، اور اُس دن کو یاد کر! جس دن پروردگار عالم

اپنے بندوں کو اعمال کا صلہ دے گا۔ لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہوں گے اور خواجہ اپنی نصفت شعاری کے طفیل سایہ میں کھڑا ہوگا۔ بلند ہمتی اور نفس کی پاکیزگی بدلی کے مشابہ ہے، اگر یہ زمین کی بدلی ہے جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا میں مینہ برساتے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش میں کاہلی کریں؟ اور مروت کے مذہب میں بھی یہ کب جائز ہوسکتا ہے؟ کہ حق سبحانہ تعالیٰ ایک صاحب تدبیر وزیر کو روئے زمین کی حکومت عطا کرے اور وہ دارالسلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے۔ کہ انسان اس دارِ فانی میں ہمیشہ نہیں رہے گا لہٰذا بہتر ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو غنیمت جانے اور حیات ابدی کے حصول میں کوشش کرے۔ میں نے اس وقت جو کچھ نصیحتاً کہا ہے یہ گویا ایک امانت تھی جو میں نے ادا کردی ہے اب اس پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔

جب خواجہ نظام الملک شیخ ابو سعد کی تقریر سُن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطورِ نذرانہ ایک ہزار دینار پیش کئے لیکن شیخ نے! یہ کہکر واپس کردیئے کہ "میں باغ و اراضی کا مالک ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے"۔

اس کے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کردیا۔ اور ابو سعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔[1] کامل اثیر وغیرہ میں اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہیں جن کو ہم نے نظرانداز کردیا ہے۔

حلم و عفو امیر[2] ابو نصر بن بابولا کا بیان ہے کہ میں ایک دن نظام الملک کی مجلس میں حاضر تھا اور امام الحرمین بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجت مند آیا اور اُس نے اپنی عرضی نظام الملک کی جانب پھینکی جس کے ٹکرانے سے۔ بھری ہوئی دوات مسند پر پلٹ گئی اور عرضی سیاہی میں ڈوب گئی۔ خواجہ نے ہاتھ بڑھا کر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ "یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے"، لیکن سائل کی اس حرکت پر نہ تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ کے اس حلم پر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اُس نے کہا کہ میں آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سُناتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

۲۔ میری نگرانی میں چالیس فراش ہیں (ہر وقت کے واسطے جداگانہ فرش مقرر تھے) کل

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۳ جلد ۱۰ واقعات ۴۶۶ھ [2] طبقات الکبریٰ ابن سبکی حالات نظام الملک۔

شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادریں بچھ گئیں۔ فراشوں کو آواز دی "مگر صدائے برنخاست" تب تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ اور میں نے (اپنے دل میں کہا) کہ ہم سب عذاب کے مستحق ہیں اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں ہے جو بستر کو جھاڑ کر بچھائے اور اس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا۔ جب خواجہ نے میرا بڑبڑانا سنا تو فرمایا کہ "وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہوں گے اور بھلا ایسا کون انسان ہے؟ جس کو ذاتی کام نہ ہوں اور یہی اسباب ہیں جن سے ادائے فرائض میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور فراش بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہیں۔ جیسے ہم دکھ پاتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جن چیزوں کی ہمیں حاجت ہے اُن کے وہ بھی آرزومند ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہم کو اُن پر فضیلت بخشی ہے۔ اس لئے خدا کی نعمتوں کا یہ شکر یہ نہیں ہے کہ ہم اُن کو ایسی خفیف باتوں پر سزا دیں۔

۳۔ ابن ہباریہ[1] خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایک مرتبہ تاج الملک[2] ابوالغنائم بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہباریہ سے کہا کہ "اگر تم خواجہ کی ہجو لکھو تو میں تم کو مالامال کر دوں"۔ ابن ہباریہ جو ہجو گوئی میں ضرب المثل تھا اُس نے کہا کہ میں ہجو تو آج لکھ دوں مگر میرا دل مجھکو ملامت کرتا ہے کیونکہ میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی ہجو کیوں کر قلم سے نکلے گی۔ مگر خانہ طمع سیاہ باد آخر دبی زبان سے چند اشعار لکھے جس کا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدھر کالدولاب لیس یدور الا بالبقر

آخر زبانوں پر گھومتے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہنچے۔ خواجہ نے سُنا تو بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہباریہ نے اس مشہور مثل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اھل طوس بقر" اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہباریہ سے نہ تو کوئی جواب

---

[1] دیباچہ کتاب الصادح غم مصنفہ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۵ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء [2] تاج الملک کے تفصیلی حالات حصہ دوم میں لکھے گئے ہیں۔ [3] ہندوستان میں بھی بہت سے مواضعات اور قصبات ایسے ہیں جہاں کے باشندے بیوقوفی میں ضرب المثل ہیں اسی طرح فارس میں باشندگان طوس کو لوگ احمق سمجھتے ہیں اور اپنی زبان میں ان کو "گاو طوسی" کہتے ہیں چنانچہ خواجہ کے دشمن اُس پر پھبتی کہا کرتے تھے اور اسی کو ابن ہباریہ نے نظم کر دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دولاب کو صرف بیل ہی کھینچ سکتا ہے۔

طلب کیا نہ اُس کو بُرا بھلا کہا۔ بلکہ انعام اور صلے میں بہ نسبت سابق کے اضافہ کر دیا۔ سچ ہے ۔ ؎
دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعتِ حلم کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

مذہبی زندگی

مہذب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے ۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جس شخص میں مذہبی روح نہ ہو وہ انسان نہیں ہے ۔ توحید، نبوت، عبادت، معاد، جزا و سزا، اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم و تکمیل صرف مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اُس کو دنیا سے معدوم کر دے۔ ہاں یہ ممکن ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوا ہے، کہ مذہب کی سرسبز اور پھلی پھولی شاخیں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ مذہب کا استیصال ہو گیا ہو۔ البتہ عقل کی کج روی اور نورِ ایمان کی کمی سے مثل دیگر قوتوں کے اس میں بھی ضعف آجاتا ہے۔ مگر پورے طور پر صفحۂ دل سے وہ کبھی نہیں مٹتا ہے اور نہ انسان اُس کو مٹا سکتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم ہر نسل، اور ہر طبقہ، کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے۔ مگر ان میں ایسے لوگوں کی تعداد ہمیشہ محدود ہوا کرتی ہے، جس کا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو۔ اور مذہب ہی اُس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔ لیکن پھر بھی عملی طور پر جس قدر مذہب کی پابندی ہے وہ غربا میں ہے۔ اور امرا میں اس عنصر کی بہت کمی ہے، اور امرا کے مقابلے میں بادشاہوں اور وزیروں میں تو مذہب برائے نام ہوتا ہے۔ لیکن افراد مذکورۂ بالا میں سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو تو اُس کی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔

مذہب اسلام میں مذہبی زندگی کے یہ معنی ہیں کہ اس کے عقائد عبادات، اور اخلاق کا ہر ہر جز قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اس کا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہ ہو۔ چنانچہ خواجۂ نظام الملک بھی قرون اولیٰ کے اُن خوش قسمت مسلمان وزرا میں سے ایک ہی شخص ہے جس کی زندگی کو

---

[1] زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۸۳

ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہیں۔

مذہب

نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب! مگر اس تعصب سے وہ بعض و عداوت، اور نفرت مراد نہیں ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جاتے (نعوذ باللہ منہا) بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر و عبادت

ذکر و عبادت کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیئے اور وہ نہایت متشرع تھا۔ نماز پنجگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اُس کی عادت تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کی عظمت و شان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفر اور حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا جس وقت کان میں اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور اذان کا جواب دیتا تھا (جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے)، اور اگر کبھی اذان میں دیر ہو جاتی اور نماز کا وقت آجاتا تو فوراً موذن کو حکم دیتا تھا۔ اور حفظ اوقات میں اس قدر توجہ صرف ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جس کو نماز سے خاص دلچسپی ہو۔ ہر دو شنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا تھا۔[1]

اور ایک موقعہ پر خواجہ نے شرعی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اُس نے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔

حج و زیارت

خواجہ نظام الملک کو حج بیت اللہ کی بہت آرزو تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیارت خانۂ کعبہ سے تمام عمر محروم رہا۔ الپ ارسلان کے دور حکومت میں تو خواجہ کو ایک دن کی بھی مہلت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالتا۔ البتہ ملک شاہ کے زمانے میں خواجہ کو کافی موقع اس فرض کے ادا کرنے کا تھا۔ چنانچہ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں بمقام بغداد ملک شاہ نے خواجہ کو روانگی مکہ معظمہ کی اجازت بھی دیدی تھی اور سفر کی غرض سے خیمے ڈیرے بھی دریائے دجلہ کے کنارے لگا دیئے گئے تھے۔ مگر پھر نہیں معلوم کہ کن اسباب سے روانگی قافلہ کی ملتوی رہی۔ تاریخی واقعہ تو صرف اس قدر

---

[1] طبقات الکبریٰ ترجمۂ نظام الملک۔

[2] کامل اثیر صفحہ ۲، جلد ۱۰

ہے۔ مگر بقول تحفے سے

"بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے"

روضۃ الصفا اور طبقات الکبریٰ میں عبد اللہ ساوجی سے یہ روایت ہے کہ "جس زمانہ میں خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور عبد اللہ سے کہا کہ یہ خاص امانت ہے اس کو بجز خواجہ کے اور کوئی نہ پڑھے۔ چنانچہ وہ خط خواجہ کے حضور میں پیش کر دیا گیا۔ جب خواجہ خط کو پڑھ چکا تو شدت سے رویا۔ چنانچہ عبد اللہ کا بیان ہے کہ مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ "اگر میں جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو میں ہرگز پیش نہ کرتا۔" چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھکر مجھے واپس کر دیا اور کہا کہ جو شخص لایا ہے اُسے واپس کر دو۔" میں نے خیمے کے دروازے پر دیکھا تو وہ شخص مجھکو نہ ملا تب میں نے خط لاکر خواجہ کے سامنے رکھدیا۔ اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے اُس کو پڑھا تو اُس کا یہ مضمون تھا کہ "میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے۔ کہ حسن سے جاکر کہو تمھیں مکہ جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمھارا حج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کئے جاؤ۔ اور میری امت کے لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ معظمہ کی ملتوی کر دی۔" خواجہ نظام الملک حج سے تو محروم رہا مگر بغداد میں جس قدر بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے مزار ہیں اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ میں موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پرانوار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ پر ابن زکرویہ واسطی نے بطور تہنیت کے ایک قصیدہ لکھا۔[1]

۱۔ حجاج کی تجہیز و تکفین

فقیہ[2] ابو القاسم (برادر خواجہ) کی روایت ہے کہ "میں مکہ معظمہ میں موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی

---

[1] تاریخ کامل اثیر میں اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہیں۔

زارت المشاهد نورہ مشهود	اضحت مضاجع من بها مدفون
فكانك الغيث استهل بتربها	وكانها بك روضة ومعين
فازت قد احك بالثواب وانجحت	وبك الاله على النجاح ضمين

کامل اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

[2] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔

کا کسی زاویہ میں انتقال ہوگیا ہے اور اُس کی نعش پھول گئی ہے چنانچہ اُس کی تجہیز و تکفین کی غرض سے میں نے عرفات کا جانا ملتوی کر دیا۔ جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے حجاج کی خبر گیری پر مقرر تھا تو اُس نے کہا کہ آپ جائیں تمام قافلہ روانہ ہو چکا ہے خراسانی کے جنازے کا میں انتظام کروں گا۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گز کپڑا میرے پاس موجود ہے، جو صرف تجہیز و تکفین کے واسطے ہے۔

۲۔ حجاز کا راستہ زمانہ سابق میں جو مصیبتیں حاجیوں کو پیش آتی تھیں آج اُن کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بدامنی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہدِ وزارت میں مکہ معظمہ کے راستوں کو خوب صاف کیا۔ اور جو دشواریاں تھیں اُن کو دور کر دیا۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی میں خاص کوشش کی اور حاجیوں کی راحت رسانی کے واسطے متعدد سامان کئے۔

۳۔ بے تعصبی ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، وزیر طغرل بیگ سلجوقی نے اپنے عہدِ وزارت میں سلطان کی منظوری سے یہ حکم کیا تھا کہ "خطبہ میں روافض پر لعنت کی جائے"۔ اور جب تمام ملک میں اس کا عمل درآمد ہوگیا تو اشاعرہ[1] کی نسبت بھی یہی حکم

---

[1] یہ فرقہ امام اشعری سے منسوب ہے۔ جن کا نام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل ہے۔ امام صاحب ۲۷۰ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور آپ ابوموسیٰ اشعری کے اولاد میں ہیں جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابوالحسن نے ابتدا میں عبدالوہاب جبائی سے تعلیم پائی تھی۔ اور چالیس برس تک معتزلی رہے اور امام مانے گئے۔ پھر یکایک خواب میں ہدایت ہوئی جس کی بنا پر جامع بصرہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور معتزلہ، جہمیہ، خوارج، اور تمام اہل بدعت کے رد میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں شافعیہ میں امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزاروں علما اُن کے شاگرد ہوئے جن میں سے ابوسہل صعلوکی، ابوبکر قفال، ابوزید مروزی، زاہر بن احمد، حافظ ابوبکر جرجانی، شیخ ابومحمد طبری، ابوعبداللہ طائی، ابوالحسن باہلی، بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہیں۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور میں ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائنی، ابوبکر بن فورک، اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔ اور اُن کا مرتبہ علم کلام، تمام دنیا کا علم بن گیا ہے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

صادر ہوا۔ چنانچہ عمید الملک کے زمانہ میں دونوں فرقوں کے [illegible]

افسوس!

عمید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری وغیرہ ناراض ہوکر مکۂ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک، مستقل وزیر، تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ "اشاعرہ اور رافضی پر جو لعن کی جاتی ہے وہ بند کی جائے"۔ جب یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہوگئی تو تمام علما اپنے وطن میں واپس آئے، اور خواجہ نے اُن کا ویسا ہی خیر مقدم کیا جس کے وہ مستحق تھے۔

شوقِ عبادت

خواجہ[1] نظام الملک کا قول ہے کہ "ایک وقت میں میری یہ تمنا تھی کہ کاش میں ایک گاؤں کا زمیندار ہوتا اور اُس میں ایک مسجد ہوتی جس میں بیٹھکر یادِ الٰہی کیا کرتا۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہیں! میرے لئے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند لبوے زمین کافی ہے، اور اب تو صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دن میں کھانے کو ایک روٹی مل جائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو۔ جس میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کروں"۔

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور مصنف آثار[2] الوزرا کے اس قول کا موید ہے کہ "خواجہ نظام الملک باوجود دولت و عظمت بسیار و اشغالِ بے شمار دائما بر حال ضعفائے رعیت و بیچارگاں ہر ولایت رسیدے۔ و بازہا دو مشائخ و علما صحبت داشتے۔ و اوقات و ساعات را مستغرق طاعات و عبادت گردانیدے۔

عام حالات

ترحم

فقیہ ابوالقاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ "میں ایک رات خواجہ کا مہمان تھا، جب کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا تو خواجہ نے مجھکو بھی شرکت کی عزت بخشی۔ نشست اس طرح

بقیہ صفحہ ۱۳۴۔ تفصیل کے لئے دیکھو علم الکلام شمس العلما شبلی نعمانی۔ الملل۔ طبقات الکبری۔ کامل اثیر صفحہ ۲۷، جلد ۱۰

[1] کامل اثیر۔

[2] نسخۂ قلمی بمصنفۂ سیف الدین۔

پر تھی کہ خواجہ کے ایک طرف میں تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ۔ اور عمید کے پہلو میں ایک مسکین فقیر، جس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ فقیر نے جب بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو عمید کو اس کا یہ طرز ناپسند ہوا۔ جب خواجہ نے عمید کی تیوریوں پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ آپ دوسری طرف پھر جائیں اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہیں۔ تم میری طرف چلے آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔[1]

کامل بن اثیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین و فقرا کھانا کھاتے تھے۔ اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

رقت طبع ابوالخیر ولف بن عبداللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبدالرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابو علی القوسانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اذا مرضنا نوینا کل صالحۃ فان شفینا	جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نیک کاموں کی نیت کر لیا کرتے ہیں
نمنا الزیغ والزلل نرجو الالہ اذا خفنا	مگر تندرست ہونے پر (اُن ارادوں میں) لغزش ہو جاتی ہے
ونسخطہ اذا امنا فما یزکو لنا عمل	حالت خوف میں تو ہم خدا سے اُمید رکھتے ہیں اور حالت امن میں اس کو ناراض کر دیتے ہیں پس انصاف یہ ہے کہ ہمارے عمل پاک صاف نہیں ہیں۔

یہ اشعار سن کر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ جیسا آپ فرماتے ہیں یہ بالکل سچ ہے۔[2]

نیک مزاجی خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے۔ نگران کو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ دسترخوان پر تھا کہ ایک عورت (ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے) آئی دربان نے اُس کو لوٹا دیا۔ جب خواجہ نے بچشم خود اُس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ "تم صرف اس لئے نوکر ہو کہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و حشم محض اپنی ذاتی راحت کے لئے نوکر رکھا کرتے ہیں۔"[3]

فیاضی خواجہ[3] نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپوں کی تھیلیاں غلاموں

---

[1] صفحہ ۷۲ جلد ۱۰

[2] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔ [3] آثار الوزرا سیف الدین۔

کے ساتھ ہوتی تھیں، اور راستہ میں جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اُس کو انعام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سبزی فروش کی دُکان کی طرف سے نکلی وہ تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کیا کہ محتاج ہوں، موجودہ معاش کی آمدنی اہل وعیال کے لئے کافی نہیں ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُس نے ایک تھیلی دیدی، سبزی فروش نے دعا دی۔ اور دُکان سے اُٹھکر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور دامن سے پاؤں چھپا کر مفلوج بن گیا۔ اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ اپاہج ہوں لڑکے بچے بہت ہیں، روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں۔ خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُس نے پھر ایک تھیلی دیدی۔ چنانچہ سبزی فروش زرنقد لے کر یہاں سے بھی اُٹھا اور آگے بڑھکر نئے روپ سے خواجہ کو سلام کرکے کہنے لگا کہ مجھ پہ دنیا تنگ ہو رہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا بار سر پہ ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اس کے بعد آواز بدل کر چوتھی مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ میں اسپیجاب[1] کا باشندہ ہوں اور غازی ہوں۔ افسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور بہزار خرابی زندہ بچ کر یہاں تک آیا ہوں۔ اس مرتبہ بھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا مگر یہ کہکر کہ "اے بوڑھے سبزی فروش، مفلوج، لڑکیوں والے، غازی اسپیجابی، اپنا انعام لے" اور رخصت کر دیا۔

لطیفہ سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں، وزارت سے قبل، خواجہ نظام الملک کی دیانت، کتابت، اور لیاقت کا دفتر انشا میں سکہ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سلطان کو سفر کا اتفاق ہوا۔ لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری، علالت کے باعث سلطان کے ہمراہ نہیں جا سکتا تھا اور سفر میں کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا۔ چنانچہ منتظم دفتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اس وقت خواجہ کی معمولی حالت تھی، اس وجہ سے سامان سفر کے لئے متردد ہوا۔ اور ادائے نماز اور عرض نیاز کے لئے داخل مسجد ہوا کہ اتنے میں ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اندھے نے لاٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹٹولا، جب اطمینان ہو گیا کہ کوئی نہیں ہے، تب جا کر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی، اور ایک آب خورے سے

---

[1] اسپیجاب (اسفیجاب) بلاد ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے۔

روپے نکالے، اور تھوڑی دیر تک اُن روپوں سے اپنا دل خوش کرتا رہا۔ پھر روپوں کو آبخورے میں بھر کر اُسی جگہ دفن کر دیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے بکمال مسرت واطمینان قرض حسنہ کے طور پر اس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کر کے سلطان کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ چنانچہ عہدِ وزارت میں ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ وجلال سے جا رہی تھی کہ راستے میں وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ "مکان پر حاضر کیا جائے"، چنانچہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اُس کی بڑی خاطر کی، اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ "جو روپیہ تم نے محراب مسجد میں دفن کیا تھا وہ تم کو ملا یا نہیں" روپوں کا ذکر سن کر اندھا اُچھل پڑا، اور خواجہ کا دامن پکڑ کے کہنے لگا کہ "ہاں صاحب! میں نے اپنا کھویا ہوا روپیہ آج پا لیا" خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ "جس دن سے میرا روپیہ گیا ہے، میں نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے، خواجہ یہ سُن کر ہنس پڑا اور جس قدر روپیہ لیا تھا اُس کا دو چند اندھے کو دلا دیا۔ اور پرگنۂ مرو میں ایک گاؤں اُس کی اولاد کے نام ہبہ کر دیا۔ اور غریب اندھا تمام عمر کے لئے مالا مال ہو گیا"۔ اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے اور خواجہ کے آئندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات میں شمار کیا ہے[1]۔

۴ نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اُس کے حضور میں کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ باغبان نے تین لوکیاں ڈالی میں پیش کیں خواجہ نے ایک ہزار درہم انعام دے کر اُس کو تو رخصت کر دیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ٹکڑے کرا ڈالے۔ لیکن پھر تقسیم نہ کیا۔ ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ "یہ شیریں نہ تھیں۔ اور کڑوی شے قابل ہدیہ نہیں اور انعام اس وجہ سے دیا گیا کہ غریب مالی محروم نہ رہے[2]"۔

خواجہ نظام الملک بالطبع فیاض تھا۔ مگر اُس کی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ علما، مشائخ، حکما، شعرا، اطبا، مصاحبین اور خدام کو عیدین اور نوروز وغیرہ کے موقعہ پر انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ انعامات برامکہ کے ہم پلہ نہ تھے کہ ایک دن میں پورے صوبہ کا خراج ایک اعرابی (بدو) یا کسی شاعر کو دیدیا جاتے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار میں ہوتی تھی اور اگر زمانہ

---

[1] گنج دانش صفحہ ۲۵۰ [2] زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۷۳۔

حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک ظریف کے کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بھی انجمن "اصلاح تمدن" کا ایک رکن تھا۔ جس کا ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی نمونے زمانے حال کے مسلمانوں کے لئے باعث خیر و برکت ہو سکتے ہیں۔

صبر و شکر

ایک شخص راوی ہے کہ "میں خواجہ نظام الملک کی مجلس میں موجود تھا (یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواجہ نظام الملک کی وزارت عروج پر تھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشاروں پر چلتا تھا) کہ عراق عجم سے ایک نامہ آیا جس کا یہ مضمون تھا کہ "ایک پہاڑی چراگاہ میں پانچ سو عربی گھوڑے چر رہے تھے، کہ ناگاہ ایک جھنڈ پرندوں کا پہاڑ کی چوٹی سے اڑا (یہ پرندے لنسر اور عقاب کے برابر تھے) جن کے پروں کی ہیبت ناک آواز سے گھوڑے بھڑک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے میں جا گرے۔ اس بلند مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر نشیب میں گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے گھوڑے اس پانی میں گر کر غرق ہو گئے۔ اور جو باقی رہے اُن میں سے اکثر کے اعضا ٹوٹ گئے۔" خواجہ یہ خبر پڑھ کر چپ ہو رہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا۔ حاضرین مجلس نے تسکین و تسلی کی باتیں شروع کیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ "میرا گریہ و زاری کرنا اس نقصان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ شوق اور شکریہ کا رونا ہے، کیونکہ اس واقعہ سے مجھکو ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں غزنین سے خراسان جا رہا تھا، اور میرے پاس صرف تین دینار تھے، چنانچہ چار دینار اور قرض لے کر میں نے ایک گھوڑا خرید کیا، مگر وہ اُسی دن مر گیا اور میں سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پانچ سو گھوڑوں کے تلف ہونے پر بھی میرے مال و دولت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے مجھے درجہ ادنیٰ سے کیسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس خوشی میں میرے آنسو نکل آئے۔[1]

خیرات

خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ "ہر روز صبح کے وقت[2] ایک سو دینار (پانسو روپیہ)[5] مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا۔" اور اس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جس کا سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

---

[1] گنج دانش صفحہ ۱۵۲ و روضۃ الصفا حالات خواجہ [2] طبقات الکبریٰ۔

عفو جرائم

خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔ چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر قصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیتا تھا اور اس صفت میں وہ مامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا۔ کیونکہ مامون الرشید کا قول ہے کہ نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر و غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اُن کی نیک خو کرنے کے لئے میں بدمزاج بنوں۔"

خواجہ کا یہ برتاؤ عام تھا۔ اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے سے اس کو مسرت ہوتی تھی چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ کَانَ عَالِمًا دِیْنًا جَوَادًا عَادِلًا حَلِیْمًا کَثِیْرَ الصَّفْحِ عَنِ الْمُذْنِبِیْنَ۔

باوجود قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ وصف وہ ہے۔ جو اپنے موصوف کو دنیا میں ہر دل عزیز بنا دیتا ہے، اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ ؎

موسٰیؑ نے کی عرض کہ اے بارِ خدا مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا، بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے، بدی کا بدلا (حالی)

حسن بن صباح نے خواجہ کے ساتھ منافقانہ کارروائیاں کیں اس کا انسداد یوں ہو سکتا تھا کہ وہ قتل کر دیا جاتا مگر نہیں، خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کر کے اُس کی جان بچالی اور دارالسلطنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون معاف کر دیا۔ البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عمید الملک کندری کے خون کا دھبّہ نہ ہوتا۔ تو انصاف یہ ہے کہ اس صفت میں وہ تمام وزراء سے ممتاز ہوتا تاہم ایک خاص واقعہ سے اُس کی سیکڑوں نیکیاں برباد نہیں ہو سکتی ہیں۔

خاموشی

خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے۔ منجملہ اس کے ایک سبب نطق (گویائی) بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ انسان اور حیوان میں یہی حدِ فاصل ہے۔ مگر انسان جس طرح سے خدا کی اور نعمتوں کا قدرشناس نہیں ہے اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کرتا رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں میں خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول بک بک میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں لیکن جو لوگ مدبّر ہیں اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہیں اُن میں خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل میں خواجہ کو طویل الصمت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتا تھا[1]۔

حکمت عملی (۱) الپ ارسلان[2] کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا، تو سب سے پہلے اُس کو اپنے عزیزوں سے خانہ جنگی کرنا پڑی۔ چنانچہ ۴۶۵ھ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قاورد بیگ تاج و تخت کا دعوے دار ہو کر کرمان سے رَے کی طرف بڑھا۔ جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لئے تیار ہو کر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا۔ چنانچہ شعبان کے مہینے میں بمقام ہمدان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قاورد گرفتار ہو گیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لئے حاضر ہوئے تو انھوں نے خود اور نیز سپاہیوں کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فتح کے صلے میں بقدر مراتب انعام دیا جائے۔ اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا تو بہ لحاظ اُس عام ہمدردی کے جو فوج کو قاورد کے ساتھ ہے، کچھ عجب نہیں ہے کہ تاج شاہی قارد کے سر پر ہوا اور چتر بھی اُسی کے تخت پر سایہ افگن ہو۔ خواجہ نے ارکانِ فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سُنا مگر اُنھیں مطمئن کر دیا کہ میں آج ہی بارگاہ سلطانی میں عرض کروں گا۔ اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قاورد کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصباح جب فوجی سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوئے تو خواجہ نے کہا کہ قاورد بیگ نے رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم مکرم کے ماتم میں مصروف ہے۔ یہ موقعہ عرض حال کا نہیں ہے چنانچہ سب سوار چپ چاپ رخصت ہو گئے اور ایک[3] عظیم الشان خطرہ ٹل گیا۔

---

[1] کامل اثیر حالات خواجہ۔ دآثار الوزرا۔ [2] الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے ساتویں ربیع الاول ۴۶۵ھ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۰ ار ستمبر ۱۰۷۳ء کے دیکھو کتاب التوفیقات الالہامیہ مصنفہ اللوا المصری محمد مختار پاشا ہائی کمشنر مصر صفحہ ۲۲۲۔

[3] روضتہ الصفا حالات خواجہ نظام الملک و تاریخ کامل اثیر صفحہ ۲۷۔ جلد ۱۰۔

(۲) قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب قاورد ملک شاہ کے سامنے آیا تو اُس نے جرم بغاوت سے معافی چاہی، مگر ملک شاہ نے کوئی عذر نہ سنا تب قاورد نے صفائی میں ایک خریطہ پیش کیا۔ جو ارکان سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر خط میں قاورد سے یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک شاہ پر فوج کشی کرے۔ اس طومار کو دیکھکر سلطان نے خواجہ کو طلب کیا اور خریطہ دے کر حکم دیا کہ "ایک ایک خط پڑھکر سُناؤ" خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے خریطہ لے لیا۔ اور خیمے کے اندر جو انگیٹھی دہک رہی تھی وہ تمام خطوط اُس میں ڈال دیئے۔ جو آنِ واحد میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اس عجیب و غریب کارروائی سے اُمرائے دربار کو تسکین ہو گئی۔ کیونکہ ان میں وہ اکثر امرا موجود تھے جنھوں نے قاورد سے خط وکتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت میں معلوم نہیں کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اس کا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا۔ مگر خواجہ کی اس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی جوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بدگمانی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مورخ[1] مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہیں۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دور اندیشی پر مبنی تھی جس کی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہو گیا۔ اور آئندہ اس قدر فتوحات ہوئیں کہ تاریخ اسلام میں خلفائے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہیں پہنچی۔

خواجہ کے اخلاق و عادات کے متعلق جس قدر لکھنا چاہیے تھا، اُس کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جس قدر واقعات موجودہ تاریخوں میں ملے وہ ہم نے لکھ دیئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مبصر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے (جو اُس نے اپنے بیٹوں کو لکھے ہیں) تو اُس کے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہو کر مفید نتائج اخذ کر سکتا ہے[2]۔

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۲۲۳ جلد ۲۔ [2] خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصے دوسرے حصہ میں موجود ہیں۔ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

شادی خواجہ نظام الملک کی پہلی شادی کس خاندان میں ہوئی اس کی صحیح تاریخ بتانا مشکل ہے لیکن کامل[1] اثیر کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ جب خواجہ نظام الملک، ابو علی احمد بن شاذان والی بلخ کے دربار سے بھاگ کر سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مرو پہنچا ہے۔ اُس وقت خواجہ کے دو لڑکے عبید اللہ (موید الملک ابو بکر عبید اللہ) اور مظفر[2] (فخر الملک ابو الفتح مظفر) موجود تھے۔ اور یہ دونوں لڑکے غالبًا خواجہ کی پہلی بی بی سے ہوں گے۔ اگرچہ خواجہ کی شادی کے تفصیلی حالات ہم کو کہیں نہیں ملے۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی وطن میں ہوئی ہوگی۔ جب کہ خواجہ امام موفق کی درس گاہ سے واپس آیا ہے۔ یا یہ وہ زمانہ ہوگا۔ جب کہ دار العلوم بخارا سے خواجہ ماوراء النہر کے سفر کو روانہ ہوا ہے۔ لیکن دوسرا عقد خواجہ کا ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں گرجیہ سے ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ مذکور میں جب سلطان الپ ارسلان سلجوقی عیسائیوں سے جہادی لڑائیاں لڑتا ہوا اخنجاز[3] میں پہنچا تو وہاں کے حکمراں، بقراط بن کیورکی نے (جو عیسائی تھا) صلح کا پیام دیا اور اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا۔ اس کے معاوضہ میں سلطان نے بقراط کو امان دی۔ اور جو تحائف اُس نے پیش کئے وہ منظور کئے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سلطان نے اس بیگم کو طلاق دے دیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کر دیا[4]۔ چنانچہ ملکہ گرجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک خواجہ احمد ضیاء الملک ابو نصر احمد بھی ہے۔

اس کے علاوہ خواجہ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ اُس کی تفصیل

---

[1] صفحہ ۲، جلد ۱ کامل اثیر [3] صوبہ ارمن میں شہر تفلیس کے قریب ایک تنگ پہاڑی کے مابین یہ ناحیہ واقع تھا اور جس کے راستے پیچ دار سے تھے۔ اُن دنوں یہ عیسائیوں کا ایک محفوظ مقام تھا اب اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے اور یہ علاقہ گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہے۔ مراصد الاطلاع، نزہتہ القلوب۔

[2] تاریخ سلجوق عماد الدین اصفہانی صفحہ ۳۲ مطبوعہ مصر

[4] آثار الوزراء سیف الدین۔

معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس بیگم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت، سلطنت اور وزارت کے برابر نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اُن سے بڑھکر یا ہم پلّہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہو سکتی ہے، تو وہ صرف اولاد ہے؛ جس گھر میں دو چار بچے ہوں وہاں کی چہل پہل اور رونق پھولوں کے تختے سے کم نہیں ہوتی ہے۔ اور جس گھر میں یہ نہ ہوں اُس گھر کو قبر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تم نے اکثر شاہوں اور وزرا وغیرہ کے حالات میں پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تمنا میں اُنھوں نے کیا کیا، مصیبتیں اُٹھائی ہیں، منزلوں پیدل چل کر درگاہوں پر چادریں چڑھائی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور منتیں مانی ہیں، اور اس خاک چھاننے پر بھی نخلِ آرزو بار آور نہیں ہوا ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کو اس حصّے میں بھی ہم خوش نصیب پاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک بیٹوں کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت سلجوقیہ میں صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہیں بڑھا اور وہ بھی چند سال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہنچا کہ اُس کی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ میں داخل کر دیا۔ لیکن باپ کے مقابلہ میں خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اس کے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلاجقہ اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں باونؔے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ حقیقت میں نظام الملک نہایت خوش قسمت باپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا اور بیٹوں کی شہرت نے اُس کے نام کو اور بھی دنیا میں روشن کر دیا تھا۔

جس قدر تاریخیں (اس وقت تک) ہماری نظر سے گذری ہیں اُن میں خواجہ کے دس بیٹوں کے نام ملتے ہیں حالانکہ صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے چنانچہ اخیر زمانہ میں ترکان خاتون (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امورِ سلطنت میں بدظن کیا ہے تو منجملہ اہم شکایتوں کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ۔ نظام الملک کے بارہ بیٹے ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام سلطنت پر حکمراں ہیں۔[1]

[1] آثار الوزرا میں بھی خواجہ کے بارہ بیٹے لکھے ہیں۔ خواجہ کے دو بیٹوں کا نام باوجود تلاش کے اس وقت تک نہیں معلوم ہوا۔

ان وزیرزادوں کے حالات بہت کم تاریخوں میں تحریر ہیں۔ لیکن پھر بھی جس قدر واقعات وحالات ملے ہیں۔ ان کو ہم نے تفصیل سے تاریخ آلِ سلجوق میں اُن بادشاہوں کے تحت میں لکھدیا ہے جن کے عہد میں وہ درجہ وزارت یا امارت پر ممتاز تھے۔ لیکن اس جگہ بہ سبیل تذکرہ صرف ان کے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ فخر الملک ابوالفتح مظفر[1] ۔ ۲۔ جمال الملک ابومنصور۔

۳۔ ضیاء الملک ابونصر احمد (یا) سعد الملک[2] قوام الدین ابونصر احمد (یا) قوام الدین[3] نظام الملک صدر الاسلام۔ ۴۔ موید الملک ظہیر الدولہ ابوبکر عبید اللہ

۵۔ شمس الملک[4] عثمان ۔ ۶۔ عماد الملک ابوالقاسم۔

۷۔ عز الملک ابوعبد اللہ الحسین۔ ۸۔ عبد الرحیم۔

۹۔ ابوالبرکات عماد الدین ۔ ۱۰۔ علی۔ ۱۱۔ صفیہ[5]

آل واولاد سے محبت

خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات، کسی مورخ نے نہیں لکھے ہیں۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی اولاد سے ازحد محبت تھی۔ لیکن کاروبار سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور ودراز ممالک میں رہا کرتے تھے اور وہ اُن کے فراق میں بیقرار ہو جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگا کر روتا اور اُس کو اپنی قید کی زندگی (تعلقات وزارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

---

[5] خواجہ کی بیٹیاں بھی کئی تھیں۔ مگر بجز صفیہ کے اور کوئی نام نہیں ملا۔ صفیہ خاتون کی ۴۶۲ھ میں بمقام بغداد عمید الدولہ ابومنصور محمد ابن فخر الدولہ بن جہیر سے شادی ہوئی اور ۴۷۰ھ میں اسی جگہ انتقال ہوا۔ عمید الدولہ خلیفۃ المقتدی کا وزیر تھا۔ موقوف ہونے پر خواجہ کی سفارش پر جب دوبارہ مقرر ہوا تو ابن ہباریہ نے عمید الدولہ کی ہجو میں یہ شعر لکھا ؎

لولا صفیۃ ما استوزرت ثانیۃ — فاشکر حُرًا صہرت مولانا الوزیر بہ

خواجہ کے پوتوں کا حال بھی اپنے موقعہ پر تاریخ آلِ سلجوق میں تحریر ہے۔ الفخری صفحہ ۲۶۵ مطبوعہ مصر و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔

خواجہ نظام الملکؒ کی وزارت کا خاتمہ

ملک شاہ سے مُخالفت اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی، تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ[۱] کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے کس کے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا۔ مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ "خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا"۔ دوسرا اس کا قائل ہے کہ "تاج الملک ابوالغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے"۔ تیسرا راوی ہے۔ کہ "حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا"۔ لیکن تاوقتیکہ مفصل طور پر اسبابِ مخالفت معلوم نہ ہوں، کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اول ان اسباب کو ہم مستند تاریخوں سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اصولِ عامہ (۱) سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ، مان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا وزیر السلطنت سے ناراض ہوتا ہے تو اس کا ہر فعل گناہ، اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ابتداءً جزئی جزئی واقعات سے اشتعال بڑھتا ہے۔ اور اخیر میں جب وزارت، سلطنت پر پورا قبضہ کرلیتی ہے اور بادشاہ برائے نام رہ جاتا ہے تو اس وقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی وزیر کے خلاف عمل میں آتی ہے، وہ عام نظروں میں ظالمانہ سمجھی جاتی ہے، مگر حقیقت میں بقائے سلطنت اور دوامِ حکومت کے لئے اُس کا ہونا ضروریات سے ہے۔ اور یہ وہ مستحکم قانون ہے کہ جو نہ صرف سلطنت میں، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ، حاکم اور محکوم میں بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ جس کے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی ان ہی نظائر کا ایک جزء ہے۔

---

[۱] حسن بن صباح کے حالات میں لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)

ملک شاہ سے خواجہ کی پہلی شکایت

۲۔ طبقات[1] الکبریٰ کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۷۶ھ میں ملک شاہ سے خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ: سلطان کا ندیم خاص اور رازدار اور تمام امرا سے زیادہ مقرب، خواجہ نظام الملک کا داماد سید الرؤسا ابوالمحاسن محمد تھا، چنانچہ ابوالمحاسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور امصار و دیار کو ویران کر کے اپنا گھر مال و دولت سے بھر لیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو میرے حوالہ کردے تو اس معاوضہ میں دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) داخل خزانہ کروں۔"

ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے سعادت مند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اُس نے سب سے پہلے اپنے ترکی غلاموں کو جمع کیا جو تعداد میں کئی ہزار تھے۔ پھر اُن کو اصطبل خاص سے گھوڑے دے کر آلات حرب سے مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہوگیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت کے وقت نفیس او بیش قیمت ہدیہ پیش کئے، اور سب سے اخیر میں غلاموں کا معاینہ کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے سلطان! میں نے آپ کی اور نیز آپ کے بزرگوں کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے، یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن اُس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے، علاوہ بریں صدقات، خیرات، اور اوقاف میں بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور ان تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت اور ناموری ہے۔ اور آخرت میں اس کا ثواب بھی آپ ہی کو ملے گا۔ اس وقت میری تمام دولت اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔ اور میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ "اِن غلاموں کا نام فہرست سلطانی میں درج کرو۔" اور اپنی نسبت کہا کہ "مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے۔"

---

[1] طبقات الکبریٰ، حالات خواجہ نظام الملک، و کامل اثیر صفحہ ۴۴۔ جلد ۱۰ و تاریخ آل سلجوق عماد الدین اصفہانی حالات خواجہ، و آثار الوزرا سیف الدین سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہوگیا۔ لیکن ابوالمحاسن کی نسبت حکم دیا کہ اُس کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ سادہ میں قید رہے"۔

جب ابوالمحاسن کے والد، کمال الدولہ بن ابورضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خواجہ سے معافی مانگی۔ اور تین لاکھ دینار بطور جرمانہ داخل خزانہ شاہی کرکے امن کا طالب ہوا۔ مگر خواجہ نے ابوالمحاسن کا قصور معاف نہیں کیا۔ بلکہ کمال الدولہ کو بھی "دیوان[1] الانشا والطغرا" کی خدمت سے موقوف کر دیا۔ اور اس عہدے پر اپنے بیٹے موید الملک کو مقرر کیا۔ گو یہ سچ ہے کہ ابوالمحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے خواجہ نظام الملک سے بظاہر مخالفت نہیں کی۔ لیکن حقیقت میں اُس کے آئینۂ دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔

مؤید الملک کی معزولی

۳۔ تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ جب موید الملک کو دیوان الانشا کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو اول اُس نے اپنے نائب ابوالمختار زوزنی (ملقب بہ ادیب) کو موقوف کرکے اوستاد اسمٰعیل اصفہانی کو مقرر کیا۔ ادیب نے بہت کوشش کی کہ موید الملک رضامند ہو اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر موید الملک نے کوئی سماعت نہیں کی، تب مجبور ہو کر ادیب، ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کرکے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھ کر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؛ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گذار کئے۔ چونکہ ادیب دفتر انشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُس کے فضل و کمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر (یہ فوج کا قاضی تھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق مجسٹریٹ چھاونی کہنا چاہیے) کو بلا کر حکم دیا کہ "تم اسی وقت موید الملک کے پاس جاؤ، اور ما بدولت کی جانب سے کہو کہ خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا میں

---

[1] دیوان الانشاء والطغرا ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے ماتحت ہوتا تھا جس کی تفصیل حصہ دوم میں تحریر ہے۔

[2] ابو اسمٰعیل حسین بن علی بن محمد بن عبدالصمد الملقب موید الدین طغرائی اصفہانی، اپنے زمانہ کا نہایت نامور ادیب اور شاعر ہے۔ ابن خلکان نے قصیدہ لامیۃ العجم نقل کیا ہے جس سے طغرائی کے زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی مدح میں بھی قصائد لکھے ہیں۔ اخیر عمر میں مسعود بن محمد سلجوقی کا وزیر ہو گیا تھا۔ ۵۱۳ھ میں قتل ہوا ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

ادیب ایسے متعدد اشخاص کو جگہ مل سکتی ہے ۔ یہ سلطنت کا قدیم نمک خوار ہے ۔ اس کو کسی خدمت پر مقرر کر دو۔" چنانچہ قاضی مظفر، ادیب کو موید الملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سنایا ۔ جس کے جواب میں موید الملک نے کہا کہ "خداوند عالم (ملک شاہ) کا ارشاد میں بسرو چشم منظور کرتا ۔ مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ ابو المختار کو کوئی خدمت نہ دوں گا، اب اگر اس کے خلاف کروں تو میری قسم ٹوٹ جائے گی۔" موید الملک کا جواب سن کر قاضی مظفر حیرت زدہ رہ گیا ۔ اور موید الملک سے نصیحتاً کہا کہ ۔ "آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لئے لائق نہیں ہے اور اس کے نتائج نہایت خراب ہوں گے۔" مگر موید الملک نے کچھ پروا نہ کی ۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے موید الملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا ۔ قاضی صاحب کا قول ہے کہ "موید الملک سے ایسا خلافِ امید جواب سُن کر، سلطان کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا اور (اُسی حالت میں) فرمایا کہ "موید نے ابو المختار کو جگہ دینے سے قسم کھائی ہے ۔ مگر میں نے قسم نہیں کھائی ہے ۔ پھر تمغاج حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ "ما بدولت نے ابو المختار کو موید کی جگہ پر دیوان الانشا کا افسر مقرر کیا ۔ خلعت پہنا کر اسی وقت دار الانشا میں لے جاؤ اور خلعت کے ساتھ کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔"

موید الملک نے ملک شاہ جیسے عظیم الشان خود مختار بادشاہ کو جو گستاخانہ جواب دیا اس کی معمولی سزا تو قتل تھی ۔ مگر یہ نظام الملک کی وزارت کا اقتدار تھا کہ ملک شاہ نے موید الملک کو صرف معزول کر دیا ۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ خواجہ کے ماتحت عملہ میں ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی ۔

ترکان خاتون کی خفیہ کارروائیاں

۴ ۔ اخیر زمانے میں ملک شاہ کو "ترکان[1] خاتون" نے بدظن کر دیا تھا ۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جو خواجہ اور اُس کی اولاد کی

---

[1] ترکان خاتون، جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ عماد الدولہ طفغاج خان ابو المظفر ابراہیم ابن نصر ایلک کی بیٹی تھی ۔ یہ خاندان نسل افراسیاب سے ہے جو سمرقند اور فرغانہ میں حکمراں تھا ۔ ۴۵۶ھ میں ملک شاہ نے ترکان خاتون سے عقد کیا تھا ۔ ترکان خاتون دنیا کی اُن ممتاز عورتوں میں سے ایک ہے جو عقل و فراست میں ضرب المثل تھیں ۔ معاملات ملکی میں اس کی چالیں نہایت زبردست پڑتی تھیں ۔ اور ملک شاہ اس کی کسی بات کو رد نہ کرتا تھا ۔ ملکی مشورہ میں بھی شریک رہتی تھی ۔ خلفائے بغداد سے ملک شاہ نے جو رشتہ داری پیدا کی یہ بھی ترکان خاتون (بقیہ صفحہ دیگر)

بُرائیاں ملک شاہ سے نہ کی جاتی ہوں۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ خاتون اپنے بیٹے محمود کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہتی تھی۔ مگر بغیر اعانت خواجہ یہ امر محال تھا۔ اور خواجہ نے خاتون سے صاف کہدیا تھا کہ "ولیعہدی شاہزادہ برکیارق کا حق ہے کیونکہ برکیارق میں علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار موجود ہیں۔ اور اُس کی والدہ زبیدہ' یاقوتی بن داود کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی لڑکی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہر طرح اسی کا حق ہے۔ اس کے مقابلہ میں محمود کو اول تو حق نہیں ہے اور علاوہ اس کے وہ بالکل بچہ ہے۔ میں کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولی عہدی کی سفارش نہیں کر سکتا ہوں۔" چنانچہ خاتون، خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی۔ اور ہر وقت خواجہ کی فکر میں رہا کرتی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۴۹ - کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں بمقام اصفہان انتقال کیا انتخاب از درالمنثور فی طبقات ربات الخدور۔

صفحہ ۱۴۶ سلہ ملک شاہ کے انتقال پر چار بیٹے برکیارق، محمد، سنجر، اور محمود موجود تھے۔ برکیارق ۴۷۱ھ/۱۰۷۹ء میں اور محمود ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا ہے لیکن ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ کا انتقال ہوگیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اس وقت ترکان خاتون معہ محمود کے یہاں مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ یعنی اصفہان معہ متعلقات محمود کے قبضہ میں رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہوگیا (اس وقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں دونوں بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا۔ چنانچہ شام، عراق، موصل، آذربائیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے میں آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء میں بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد میں اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیعہد بھی تھا۔ مگر ۴۸۱ھ میں گیارہ برس کا ہو کر فوت ہوگیا تب برکیارق ولیعہد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں میں خانہ جنگی ہوتی ہے اس کی تفصیل ہم نے تاریخ آل سلجوق میں لکھدی ہے۔ انتخاب از زبدۃ النصرہ و کامل اثیر۔ و روضۃ الصفا حالات نظام الملک۔

مگرجب اُس کو برائی کا کوئی پہلو نہیں ملا۔ تب سلطان سے کہا کہ "نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام ملک پر حکمراں کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں"۔

آخر کو یہی فقرہ کارگر ہو گیا۔ اور خواجہ کے زوال و زارت کا یہی سبب ہوا۔ جس کی تصدیق خواجہ کی حسب ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ "مدتی شت کہ حرم بزرگ (ترکان خاتون) را از من ملال واقع ست (بواسطۂ آنکہ می خواہد تا پادشاہ ولایت عہد خود بفرزند او محمود دہد) وخاطری دارد منحرف، دیرچند براطراف وجوانب می گردد ومی خواہد تا مفسدہ بمن اسناد کند کہ موجب تغیر مزاج سلطان باشد واز جمیع بدسگالانِ من ومخالفانِ من استنطاق می کند ہیچ طریق میسر نمی شود وہیچ نمی تواند گفت الا آنکہ

بقیہ صفحہ ۱۵۰۔ کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں بمقام اصفہان انتقال کیا انتخاب از درالمنثور فی طبقات ربات الخدور صفحہ ۱۰۶ ۔ ؎ ملک شاہ کے انتقال پر چار بیٹے برکیارق، محمد سنجر اور محمود موجود تھے۔ برکیارق ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں اور محمود ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا۔ لیکن ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ کا انتقال ہو گیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اس وقت ترکان خاتون مع محمود کے یہاں مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ یعنی اصفہان مع متعلقات محمود کے قبضہ میں رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے۔ مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہو گیا (اس وقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں دونوں بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا چنانچہ شام، عراق، موصل، آذربائیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے میں آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء میں بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہو گیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد میں اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولی عہد بھی تھا۔ مگر ۴۸۱ھ میں گیارہ برس کا ہو کر فوت ہو گیا تب برکیارق ولی عہد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں میں خانہ جنگی ہوئی ہے اس کی تفصیل ہم نے تاریخ آل سلجوق میں لکھدی ہے۔ انتخاب از زبدۃ النصرہ و کامل اثیر۔ و روضۃ الصفا حالات نظام الملک۔

؎ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک۔

خواجہ مملکت را بر فرزندان خود قسمت نمودہ اگرچہ کسی دیگر مطلع نیست ولیکن ہمیں مرا معلوم است کہ ایں سخن در باطن سلطان تاثیر کردہ۔ انشاءاللہ تعالیٰ محمود العاقبتہ باشد و بخیر بگذرد"۔

مخالفت کا جو پہلو ترکان خاتون نے تلاش کیا تھا وہ بہت زبردست تھا اور نظام الملک کو بھی معلوم ہوچکا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اُس کے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جس کے انجام بخیر ہونے کی اُس نے خدا سے دعا مانگی تھی۔

تاج الملک کی سازش

۵۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز۔ قم کا باشندہ تھا۔ اور اُس کے بزرگ، سلاطین فارس کے دربار میں وزارت پر ممتاز تھے۔ چنانچہ اسی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے امرائے سلجوقیہ، مرزبان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابتداءً مرزبان، سرہنگ ساتگین (دولت سلجوقیہ کا ایک امیر الامراء) کی خدمت میں رہا کرتا تھا مگر امیر مذکور نے اُس کو ایک جوہر قابل سمجھکر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ اور یہ سفارش کی کہ "مرزبان دربار سلطانی کے لائق اور ہر طرح سے قابل اعتماد ہے"۔ چنانچہ سلطان نے مرزبان کو، ناظر حرم سرا اور منتظم خزانہ مقرر کردیا۔ اس کے سوا کچھ حصۂ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی۔ اور سب سے بڑھکر جو اعزاز کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیویٹ سکریٹری) تھی اور ان ہی خدمات کے صلہ میں تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت وبلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اس لئے اخیر زمانہ میں ملک شاہ نے دیوان الانشا والطغرا کا افسر بھی مقرر کردیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی امیدوار تھا۔ اور چونکہ دیوان الانشا کی افسری کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے واقف ہوگیا تھا۔ اس لئے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی مفید مطلب پہلو مل جاتا تو ترکان خاتون سے کہدیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر ملمع کرکے سلطان کی حضور میں پیش کردیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یوں کارروائی ہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت عملہ میں سے مجد الملک مستوفی اور سدید الملک عارض وغیرہ کو اپنے گروہ میں شامل کرلیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم، نثر کیا جاتا تھا۔ مگر باوجود ان کوششوں کے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کردیں۔ کیونکہ

خواجہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا مگر ہاں! ان کارروائیوں سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑتا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور خفیہ تحقیقات سے جہاں تک تاج الملک کے جوڑ توڑ معلوم ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیوں سے اُن کو دفع کر دیتا تھا۔ مگر جو کارروائیاں درپردہ ہوتی تھیں اُن کا خواجہ کو پتہ بھی نہ لگتا تھا۔ جب تاج الملک کا کوئی عمل کارگر نہ ہوا تو اُس نے حسن بن صباح سے سازش کی جس کا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا۔ (تفصیل آئندہ باب میں ہے)

خلفائے عباسیہ کی حمایت

۶۔ خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہٰذا اُس کی نظر میں خلفائے عباسیہ کی بڑی عظمت تھی۔ گو اس عہد میں دنیاوی جاہ و جلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفا کا درجہ اکبر ثانی اور بہادر شاہ (شاہان دہلی) سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس ضعیف اور ناتوان خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اور آستانہ بوسی کو اپنا فخر اور مصافحہ کی عزت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلفا بھی خواجہ کے فضل و کمال اور اقتدارِ وزارت کی وجہ سے اُس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء میں دوسری مرتبہ جب خواجہ نظام الملک، ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامراللہ نے خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ "اے حسن! تجھ سے خدا بہت خوش ہوگا کیونکہ امیرالمومنین تجھ سے رضامند ہے" خواجہ نے یہ مژدہ سُن کر عرض کیا کہ "خداوند تعالیٰ امیرالمومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے۔"

جب ملک شاہ کو اس تقرب و اختصاص کی اطلاع ہوئی تو اس کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا۔ مگر خواجہ، ملک شاہ کو ہمیشہ اس کارروائی سے روک دیا کرتا تھا۔ اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو درپردہ اُس کو ہوشیار کر دیا کرتا تھا۔ اور ایسے مشورے دیتا تھا۔ جس سے سلطان رضامند ہو جائے۔ چنانچہ ۴۷۴ھ ۱۰۸۱ء میں جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کی بیٹی کا خلیفہ[۱] سے عقد کر دیا۔

---

[۱] ترکان خاتون اور خواجہ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد (باقی در صفحۂ آئندہ)

جس کی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں رفع ہو گئیں۔ غرضکہ خواجہ نے اس قسم کی کارروائیاں کر کے ملک شاہ کا غصہ دھیما کر دیا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیاں محض اسلامی ہمدردی کی وجہ سے

بقیہ صفحہ ۱۵۳۔ خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کامل ابن اثیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو بیگمات حرم بھی ساتھ جایا کرتی تھیں اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اس کے حسن و جمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورتِ ملکی بھی اس کی مقتضی ہوئی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال ۴۷۴ھ میں اپنے نامور وزیر ابو نصر فخر الدولہ محمد بن جہیر کو اصفہان روانہ کیا۔ چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام کہا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ترکان خاتون مختار ہیں اور انہی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام بیگم سے کہیں۔ چنانچہ ابو نصر، خواجہ نظام الملک کو ہمراہ لے کر، خاتون بزرگ، کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعائے دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور ماوراء النہر نے بھی اپنے شاہزادوں کی شادی کا پیام دیا ہے اور چار لاکھ دینار نقد مہر ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدی بامر اللہ کو میں سب سے بہتر سمجھتی ہوں"۔ لیکن جب ارسلان خاتون (زوجہ القائم بامر اللہ دختر چغر بیگ داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اُس نے ترکان خاتون کو سمجھایا کہ بغیر کسی شرط کے یہ شادی کر دی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق میں فخر و مباہات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بعد از مشورہ طے پایا کہ پچاس لاکھ دینار مہر معجل پر عقد کر دیا جائے اور یہ بھی شرط ہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھے گا۔ چنانچہ یہ تمام شرطیں طے کر کے صفر ۴۷۵ھ میں فخر الدولہ بغداد واپس گیا اور مقتدی نے تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ اور عقد ہو گیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صفر ۴۸۰ھ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس[۱۳۰] اونٹوں پر (جن کی جھولیں دیبائے رومی کی تھیں) اسباب طلا و نقرہ تھا۔ اور چوہتر خچروں پر (جن کی گردنوں میں چاندی سونے کی گھنٹیاں لٹکتی تھیں) بیش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور منجملہ چوہتر کے چھ پر بارہ صندوق قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اس قطار کے آگے تینتیس[۳۳] سوار تھے (جو شائستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جن کے زین مرصع تھے) اور تین عماری تھیں جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے لاجواب تھیں۔ اور اس جلوس کے پیچھے دُلھن کا محفہ تھا۔ اور اُس کے بعد خواتین بغداد اور ترکان خاتون کے محفے تھے۔ ان کے علاوہ تین سو کنیزوں کے ڈولے تھے اور خواجہ سراؤں کی تعداد بے شمار تھی۔ اور اس قافلہ کے نگراں وزیر سعد الدولہ گوہر آئین۔ اور امیر برسق۔ اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور رعایا سلطانی دُلہن کے محفہ پر دینار وغیرہ نثار کرتی جاتی تھی غرضکہ بڑی شان و شوکت سے یہ جلوس بغداد پہنچا۔ خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لئے وزیر (باقی در صفحہ آئندہ)

تھیں۔ ورنہ حقیقت میں خواجہ کی شان و شوکت خلیفہ سے بدرجہا بڑھ کر تھی۔

حسن بن صباح کا دربار اور ملک شاہ کی سفارت

۔ حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک میں جن اسباب سے عداوت پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقعہ پر تفصیل سے تحریر ہیں۔ لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا۔ اور حسن بن صباح نے قلعہ المَوت[1] پر قبضہ کر کے اطراف کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اس طرف خاص

بقیہ صفحہ ۱۵۹: ابو شجاع اور دیگر خواص روانہ ہوئے۔ جن کے جلو میں تین ۳ سو مشعل بردار سوار تھے۔ اور حریم خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ جس میں دو ایک شمع نہ جلتی ہوں (بغداد میں ہزاروں جشن ہوئے ہوں گے۔ اور ہزاروں مرتبہ روشنی بھی ہوئی ہوگی مگر خلافت کے اخیر دور میں جب کہ دولتِ عباسیہ کا چراغ خود جھلملا رہا تھا یہ روشنی بھی "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" کے مصداق تھی) وزیر ابو شجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم ظفر بھی تھا۔ جس کی سپردگی میں وہ بے نظیر محفہ تھا جو دُلہن کے لئے بھیجا گیا تھا جس پر مرزکش اور طلاکار پردے پڑے تھے۔ اور اس قدر جواہرات ٹکے ہوئے تھے کہ نظر خیرہ ہوتی تھی۔ جب ترکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابو شجاع آداب بجالایا اور عرض کیا کہ سیدنا و مولانا امیر المومنین نے پیام دیا ہے: "ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا" چنانچہ ترکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلوس محل سرا کی طرف روانہ ہوا۔ اور امرائے بغداد اور ارکان سلطنت کی بیگمات نے ترکان خاتون کا استقبال کیا اور معزز مہمان بیبیوں کو سواریوں سے اُتارا۔ اور جب سواریاں اتر چکیں تو اخیر میں دُلہن کی باری آئی جس کے محفہ کے گرد و پیش دو سو قلماقنیاں (ترکی عورتوں کا مسلح گروہ) تھیں۔ چنانچہ تمام بیگمات نے خاتون دلہن کو محفہ سے اتارا اور مسند پر جا بٹھایا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراللہ کے حضور میں ارکان سلطنت (ملکی و فوجی) پیش ہوئے اور سب خلعت سے سرفراز ہوتے۔ اسی طرح ترکان خاتون اور اُن تمام خواتین کو جو بیگم کے ہمراہ آئی تھیں خلعت دیئے گئے اور ہنسی خوشی سے یہ تقریب ختم ہوگئی۔ سامان دعوت میں کس قدر جنس خرچ ہوئی اس کی تفصیل مورخین نے نہیں لکھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے۔ کہ چالیس ہزار من صرف ہوئی تھی۔ خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اس کا نام ابو الفضل جعفر تھا اور اسی کی ولیعہدی پر ملک شاہ اور خلیفہ میں مخالفت ہوئی۔

انتخاب از کامل اثیر صفحہ ۵۵ جلد ۱۰ در المنثور۔ و نگارستان وغیرہ۔

[1] اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔

توجہ ہوئی۔ لیکن چونکہ سلطان الپ ارسلان کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے حسن بن صباح کا استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔ لہٰذا نظام الملک نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اُس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی۔ جس کا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے حسن کو ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور فوج کشی کی ضرورت نہ واقع ہو۔ چنانچہ سفیر نے الموت پہنچ کر حق سفارت ادا کیا۔ مگر حسن پر سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا، اطاعت کا اقرار کرنا تو امر محال تھا۔ رخصت کے وقت سفیر کو مخاطب کر کے حسن نے کہا[1] کہ "آپ ملک شاہ سے کہہ دیں کہ ہم کو نہ ستائے۔ ورنہ مجبور ہو کر مقابلہ کرنا پڑے گا مگر یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی (مرید) جاں بازی میں فرد ہے۔ اُس کے نزدیک اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں"۔

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی۔ مگر فریق مخالف اس کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا حسن نے بطور عملی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ "خنجر مار کر مر جاؤ"۔ دوسرے سے کہا کہ "الموت کی چوٹی سے اپنے تئیں گرا دو" تیسرے سے فرمایا کہ "پانی میں ڈوب مرو"۔ چنانچہ ایک ہی وقت میں (حکم کے مطابق) تینوں مرید اپنے شیخ پر قربان ہو گئے[2]۔

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ "ملک شاہ کی تمام فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا ہے۔ جو میرے مرید کی طرح جاں باز ہو؟ اور اسی مابین میں کسی شرعی حکم کی خلاف

---

[1] تاریخ آل سلجوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) اصفہانی میں لکھا ہے کہ سلاطین دیلم اور اُن کے قبل جو حکمران تھے۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسانی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے۔ اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہنچتے ہوں۔ مگر الپ ارسلان نے اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقہ باطنیہ ترقی کر گیا اور سلطنت کو اُن کی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اُس وقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کر لیا۔

[2] الوافی جلد اول صفحہ ۱۷۶۔

[3] گنج دانش نقرہ ملک شاہ صفحہ ۲۱۴۔

درزی میں حسن کے سامنے اُس کے دو بیٹے پیش ہوتے ۔ چنانچہ حسن نے اُن کو درے لگائے جانے کا حکم دیا اور وہ دونوں اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گئے ۔

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کئے تو دو برس کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کر دی گئی ۔ لیکن انقضائے میعاد پر ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء میں جب پادشاہی فوج کی نقل و حرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے اُس نے نظام الملک کی حیات کا فیصلہ کر دیا ۔ یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کر ڈالا ۔

۸۔ نظام الملک کی معزولی

یہ نہایت صحیح قول ہے کہ "جب انسان کا اقبال یاور ہوتا ہے تو اُس کی ہر خواہش عقل کی ماتحت رہتی ہے ۔ اور جب ادبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل، خواہشات کی تابع ہو جاتی ہے چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے، کیونکہ موید الملک کی معزولی خواجہ کی ہدایت کے لئے کافی تھی ۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضامندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا ۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے بیٹوں، پوتوں اور غلاموں کو بدستور سابق مقرر کرتا رہا ۔ چنانچہ[1] ۴۸۵ھ میں خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا ۔ اور عثمان نے مرو پہنچ کر وہاں کے شحنہ سے احمقانہ چھیڑ چھاڑ شروع کی (یہ شحنہ جس کا نام قودن تھا ملک شاہ کا خاص غلام تھا)، چنانچہ عثمان نے شحنہ کو جب زیادہ ستایا تو اُس نے سلطان کی خدمت میں ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی ۔ چونکہ ملک شاہ کو موید الملک کے واقعہ سے خواجہ کے عزیزوں کے خیالات کا اندازہ ہو گیا تھا اس لئے براہ راست عثمان سے دریافت نہیں کیا ۔ بلکہ امرائے دربار میں سے تاج الدولہ، مجد الملک، تاج الملک، اور امیر یلبرد کو اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا کہ "ما بدولت کی جانب سے نظام الملک سے کہو کہ آپ نے تمام ملک پر قبضہ رکھا ہے اور سلطنت کے ہر صوبہ پر اپنے بیٹوں، دامادوں اور غلاموں کو حکمراں بنا دیا ہے، تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہیں ؟ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کروں ۔ اور اگر آپ وزیر السلطنت ہیں تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیئے ۔ لیکن موجودہ حالت اس کے برعکس ہے ۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کر رہی ہے ۔ اور یہ لوگ ہمارے خاص آدمیوں کے اعزاز کا

---

[1] کامل اثیر و طبقات الکبری ۔

بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ بہرحال آئندہ اگر آپ نے اس کا مناسب انتظام نہ کیا تو میں حکم دوں گا کہ سر سے دستار (تاج وزارت) اور سامنے سے دوات (قلمدان وزارت) ہٹالی جائے۔

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سُنا تو امرا سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ سلطانؒ سے کہدیں کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ میں ملک و دولت میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولت سلجوقیہ کا قیام محض میری تدابیر سے ہے۔ کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہیں ہے؛ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوتی تھی۔ اور چاروں طرف سے سلطنت پر دعوے داروں نے خروج کیا تھا (خواجہ نے نام بنام عزیز اور اغیار کا ذکر کیا) اُس وقت سلطان نے میرے دامن میں پناہ لی تھی۔ اور میں نے فوجوں کو جمع کر کے کس طرح دشمنوں کو پامال کر دیا تھا۔ اور کیونکر جیحوں عبور کر کے ملکوں کو فتح کیا تھا؛ جب سب مشکلیں حل ہو گئیں اور بلا شرکت غیرے سلطنت پر قبضہ ہو گیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا میں سکّے بیٹھ گئے۔ تو اب میں گنہگار قرار پایا۔ اور میرے خلاف جو شکایتیں ہوتی ہیں وہ بھی سنی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے، تو سوچ سمجھکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ کارکنان قضا و قدر نے میری دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اٹھائی جائے گی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائے گا"۔

روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیما ہوا تو اس کو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امرا سے کہا کہ حالت اضطرار میں خدا جانے میں کیا کچھ کہہ گیا ہوں آپ جو مناسب سمجھیں وہ سلطان سے عرض کر دیں۔

چنانچہ ان امیروں میں باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار میں سلطان سے عرض کیا

ؔ عماد الدین اصفہانی نے چند لفظوں میں خواجہ کا جواب لکھا ہے جو بلحاظ اختصار یاد رکھنے کے لائق ہے قولو اللسلطان کانک الیوم عرفت انی فی الملک مساھمک، وفی الدولۃ مقاسمک، وان دواتی مقتمنۃ بتاجک متی نزعتھا دفع ومتیٰ سلبتھا سلب"۔ اسی قسم کے اور واقعات تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن ہم نے روضۃ الصفا، کامل، طبقات، آثار الوزرا۔ نگارستان سے خواجہ کا پورا جواب مرتب کر کے لکھا ہے"۔

جائے گا کہ" خواجہ کہتا ہے ۔ میں شہریار عالم کا ایک ادنیٰ فرماں بردار ہوں اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہیں ۔ سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے ۔ فرمان عالی سے کبھی تجاوز نہ کیا جائے گا ۔ اور میں عثمان کو ایسی سزا دوں گا ۔ جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو گی" مگر افسوس ہے کہ اس گروہ میں سے تاج الملک نے اول تمام حالات ترکان خاتون سے بیان کئے ۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرربار الفاظ میں سلطان کو سمجھایا ۔ اس کے علاوہ امیر یلبرد نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا ۔ چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہو گیا اور اس نے وزارت کے تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔

کامل اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور میں امرا نے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہیں ۔ نظام الملک کا یہ جواب نہیں ہے بلکہ اُس نے تو کچھ اور ہی کہا ہے۔ چنانچہ پتہ کی بات سُن کر سب خاموش ہو گئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کر دیا ۔

۹ ۔ تاج الملک کی وزارت خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا ۔ اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کر کے جدید انتظام کر دیا ۔ مثلاً بجائے شرف الملک متوفی کے ابوالفضل مجد الملک قمی کو ۔ اور بجائے کمال الدولہ عارض کے سدید الدولہ ابو المعالی کو مقرر کیا ۔ اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیاں کیں[۱] ۔ جس کو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک شاہ کو بھی یہ نظم و نسق مبارک نہ ہوا ۔

شعرائے دربار نے ان میں سے بعض کی ہجو بھی لکھ ڈالی ۔ چنانچہ کمال الدین[۲] ابو طاہر خاتونی، مجد الملک کے حق میں کہتا ہے ۔

می بتازد بہ بخل مجد الملک　　چوں بکاورش[۳] گرسنہ قمری
گر ہمہ قمیاں ، چنیں باشند　　قُم رفیقا ! وبر ہمہ قم ۔ ری

[۱] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۷۰ [۲] مجمع الفصحا صفحہ ۲۶۳ [۳] ایک قسم کا غلہ جس کو ہندی میں چینیا یا باجرہ کہتے ہیں ۔

اور ابوالمعالی[1] نحاس نے بھی اس جدید انتظام پر نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ[2] اُس کا قول ہے۔

زبو علی[1] بدو۔ از بو[2] رضا واز بو سعد[3] ... شہا کہ شیر بہ پیش تو ہم چو میش آمد

دریں زمانہ زہر چہ آمدی بخدمت تو ... مبشّر ظفر و فتح نامہ پیش آمد

زبو الغنا[4] ئم و بوالفضل[5] بو المعالی باد ... زمین مملکت را ۔ نبات نیش آمد

گراز نظام[6] وکمال[7] و شرف تو سیر ... زتاج[8] و مجد و سدید تگرچہ پیش آمد

تاج الملک کا تقرر چونکہ ترکان خاتون کی سفارش سے ہوا تھا اس وجہ سے ملک شاہ نے اپنی چند روزہ زندگی میں وزیر سے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا اور بغداد[3] پہنچ کر خلعت وزارت مرحمت فرمایا۔

۱۰۔ قول فیصل

اسباب مندرجۂ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ، خواجہ سے ناراض تھا۔ اور چند سال تک دونوں میں کشیدگی رہی۔ جس کا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے معزول کردیا گیا۔ اور صرف معزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہوگیا۔ لیکن معزولی کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مستند مورخوں کا یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا دامن انصاف، نظام الملک کے خون کے دھبہ سے پاک ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا اور خواجہ کو ہمیشہ (باپ) کہہ کے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہٰذا ایسے شریف اور کریم النفس پر بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیئے۔ علاوہ بریں تمام مورخوں کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک فدائی تھا۔ اور اُس نے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہٰذا اصلی قاتل حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تاج الملک[4] بھی، حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہٰذا قانون تعزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہیں ہوسکتا ہے اور قیامت کے دن، احکم الحاکمین کی عدالت میں ان ملزموں کو جواب دہی کرنا پڑے گی اور یہ اپنے

---

[1] الپ ارسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ نہایت دولت مند تھا۔ اور ملک شاہ نے عارض کے عہدے پر متقرر کردیا تھا۔ امیر معزی سے اکثر مقابلہ رہتا تھا۔ ۵۱۲ھ میں فوت ہوا مجمع الفصحا صفحہ ۷۸۔

[2] آثار الوزرا نسخۂ قلمی۔ ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ آل سلجوق میں بھی لکھا ہے۔

[3] کامل اثیر واقعات ۴۸۵ھ [4] آثار الوزرا نسخۂ قلمی۔

کرتوتوں کی سزا پائیں گے۔ کیونکہ جھوٹی شہادت اور وکیلوں کی منطق یہاں کچھ کام نہ دے گی۔ بلکہ سہ

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

خواجہ نظام الملک کا مقتل۔ معہ دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ ذات بے نیاز ہے) اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی بادشاہت میں بھی کوئی حکمراں یہ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی میرا سہیم و شریک ہو۔ اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا۔ مگر اس کے ظاہری اعزاز، اور خاطر داری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء میں ملکی[1] ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ ماہِ صیام کی وجہ سے یہ موقعہ سفر کا نہ تھا۔ مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لئے ملک شاہ نے نہاوند[2] میں قیام کیا۔ اور خیام شاہی کے اطراف و جوانب میں اراکین سلطنت اپنی اپنی بارگاہوں میں ٹھیرے۔ اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے موضع سحنہ میں نصب کئے گئے۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ پنجشنبہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسویں (مطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۰۹۲ء ۴۸۵ھ) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہا اور علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثناء کلام میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا:۔

---

[1] خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے ملک شاہ کے نواسہ ابوالفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ (جعفر کی والدہ۔ ماہ ذیقعدہ ۴۸۲ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اس لئے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا بصرہ بھیج دے گا۔ اور تخت خلافت اپنے نواسہ کو دے گا۔ چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا۔ اور خلیفہ نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔ مگر اتفاق سے انہیں ایام میں خود ملک شاہ فوت ہو گیا۔ اور بغداد کی حکومت بدستور آل عباس کے قبضہ میں رہی۔ اس واقعہ کو بعض مورخوں نے مقتدی کی کرامات میں شمار کیا ہے۔

[2] روزمرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ نہاوند میں ٹھہرا تھا۔ اور سیر و شکار کے لئے بھی یہ کوہستانی سلسلہ نہایت موزوں تھا۔

یہ مقام[1] امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر اُن صحابہ کے حالات بیان کئے۔ جو معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے تھے۔

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہو کر حرم سراکو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ "یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی فطوبی لمن کان معھم (وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو اُن سے جا ملیں)

غرضکہ خواجہ اپنے خیال میں محو تھا، سواری جا رہی تھی، کہ ایک نوجوان دیلم کا باشندہ (جس کا لباس صوفیانہ تھا) محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقعہ پاکر دیلمی نے خواجہ کے قلب میں چھری بھونک دی۔ چونکہ وار بھرپور تھا لہذا تھوڑی دیر میں خواجہ کا کام تمام ہو گیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر میں کہرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہنچا تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرہانے آن کر بیٹھ گیا۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اس وقت تک خواجہ کے ہوش وحواس درست تھے لہذا ملک شاہ کو مخاطب کرکے اپنی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ میں عرض کیا اور جب اس مصرعہ پر پہنچا کہ[2]

بگذاشتم ایں خدمت دیرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہو گئی اور دم نکل گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] نہاوند ۲۱ھ میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام "فتح الفتوح" ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تیس ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نہاوند۔ [2] پورا قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ میں صفحہ ۷۰ (حصہ اول) میں درج ہے۔ ناظرین اس موقعہ پر وہ قطعہ پڑھیں جس وقت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا۔ حسن اتفاق سے اُس وقت "بیاض صائب" کا ایک قلمی اور نایاب نسخہ ملا جس میں صائب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتخاب کئے تھے۔ لہذا نقل کرتا ہوں۔ مذکورۂ بالا رباعی اور قطعہ پر یہ اضافہ بہت غنیمت ہے۔ (دیکھو صفحہ ۷۰ (حصہ اول)

خواجہ کا قاتل خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر حارث (ایرانی) تھا۔ چنانچہ حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ جس کو خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے (باوجود ممانعت خواجہ) قتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل میں چونکہ غیر معمولی کامیابی حسن بن صباح کو ہوئی تھی۔ لہٰذا اس نے دشمنوں پر فتح و نصرت کے لئے، یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اس کے کاموں میں مزاحمت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حسن اور اس کے جانشینوں نے اپنے عہد حکومت میں کتنے ہی بادشاہ وزیر، امیر اور نامور علماء و فقہا قتل کرائے۔ چنانچہ علمائے[1] تاریخ کا یہ فتوی ہے کہ باطنیہ کا سب سے پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند فدائیوں میں یہ سنت قرار پا گئی کہ اسی آلہ سے بے گناہ مسلمان شہید کئے جائیں۔ پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے

خواجہ کا مدفن انتقال کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سکا خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کر کے گیارھویں رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ نہاوند سے اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن میں پہنچی اور کس دن دفن ہوئی؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ[3] دو سو پینتیس ۲۳۵ میل ہے اور عہد قدیم میں اصفہان سے بغداد کو جاتے ہوئے جس قدر منزلیں پڑتی تھیں ان کی معمولی مسافت بارہ میل سے

(بقیہ حاشیہ ۱۶۷)

تا از شب من سپیدہ دم برزد، دم	معشوقہ ز شب کشید بر روز ۔ رقم
شد آمدن نگار من اکنون کم	زیرا کہ شب و روز نیایند بہم
چنبر زلفے کہ ماہ در چنبر اوست	فرماندہ روزگار فرمان بر اوست
ترسم کہ بناگاہ بریزد ۔ خونم	کایں شوخ دلم بخونِ من یاور اوست

[1] طبقات الکبریٰ و گنج دانش حالات نظام الملک ۔ و نگارستان صفحہ ۱۷۴۔

ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صباح نے فوج کشی کی خبر سنکر سفارت روانہ کی تھی۔ اور اسی سفیر نے خواجہ کو قتل کیا۔ [2] طبقات الکبریٰ۔

[3] ایران کا جو نقشہ مسٹر جان کرے نے ۱۸۲۶ء میں تیار کیا ہے۔ اس میں انگریزی اور ایرانی حساب سے شہروں کی مسافت لکھی ہے چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۱۱۵ کا فاصلہ نہاوند سے اصفہان تک ہے لیکن ہم نے شینرن اٹلس کے مطابق جو زمانہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل اٹلس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

سولہ میل تک تھی[1]۔ چنانچہ اوسط رفتار اگر سولہ میل قرار دی جائے تو اس حساب سے پندرھویں دن خواجہ کی نعش اصفہان پہنچی ہو گی۔ اور اگر دو منزلہ کوچ کیا ہو گا تو آٹھویں دن تجہیز و تکفین کی نوبت آئی ہو گی۔ بہر حال اصفہانیوں نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اٹھایا۔ اور محلہ کران (یہ محلہ نہر کے کنارے آباد تھا) کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام "تربت نظام" کے نام سے مشہور رہا۔

رسم تعزیت جب خواجہ کے انتقال کی خبر دار السلام بغداد میں پہنچی تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عمید الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے بیٹھا۔ چنانچہ ارکان سلطنت، اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عمید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے۔

خواجہ کی عمر تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستتر[2] منزلیں طے کر چکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکروں میں خواجہ کی عمر کم یا زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ میں جو "نود و شش" لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت خواجہ نظام الملک، سولھویں ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۴۸۵ھ کی کسی تاریخ میں سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۸ برس، مہینے وزارت کی۔ اور یہ وہ قیمتی ایام ہیں کہ جس کی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔"

خواجہ نظام الملک کی موت کی پیشین گوئی نگارستان[3] کا مصنف (بحوالہ مجمع النوادر) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے ندیموں میں ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے "موصلی" مشہور تھا۔ چنانچہ سفر و حضر میں موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اس کی بڑی خاطر کرتا تھا لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوکب اقبال جب سرحد احتراق میں

---

[1] نزہت القلوب حمد اللہ میں ان منزلوں کی صراحت ہے۔

[2] گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔ [3] نگارستان صفحہ ۱۷۴۔

پہنچ گیا۔ تو خواجہ نے نیشاپور میں اُس کی جاگیر مقرر کردی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا، اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقیٰ وَجْہُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ مگر، مقتضائے فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ "تم نے کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دار العمل سے میرا کوچ کب ہوگا؟"

موصلی نے کہا ہاں! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہوں گے اور وہ وقت آجائے گا کہ ؎

گر دو بروے صفحۂ خاک، استخوانِ دست
از بہرِ حرف تجربہ دیگراں قلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہوکر نیشاپور چلا گیا اور جب تک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خوار رہا۔ مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشاپور کے آنے والوں سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر چند سال کے بعد ۴۸۵ھ میں کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرھویں تاریخ کو غریب موصلی مر گیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا۔ اور اسی وقت سے سفر آخرت کی تیاریاں شروع کردیں چنانچہ کتاب الوصایا[1] میں لکھا ہے کہ "۴۸۴ھ[2] کے اخیر میں خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہوگیا تھا۔ اور جب اس کو صحت ہوگئی تو ایک دن اپنے "صرف خاص" کے منتظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگوں کی سالانہ تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہیں اُن کو امسال پہنچے ہیں یا نہیں" چنانچہ تحقیقات سے دریافت ہوا کہ کسی کو کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ تب خواجہ کو شیخ[3] مہنہ کا بھی قول یاد آیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب رخصت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ چنانچہ جو

---

[1] وصایا خواجہ نظام الملک۔

[2] تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ خواجہ بمقام بغداد بیمار رہا تھا۔ اور زمانۂ علالت میں بڑے صدقے دیئے گئے تھے۔ اور فقرا و مساکین اس قدر جمع ہوتے تھے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ غسل صحت پر خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو خلعت مرحمت فرمایا تھا۔

[3] دیکھو صفحہ کتاب ہذا۔

ضروری انتظام کرنا تھے وہ خواجہ نے کر دیئے اور خواجہ فخرالملک کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور ٹھیک چھ مہینے کے بعد خواجہ کا انتقال ہوگیا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے تحریر فرمایا ہے۔

لہ مولانا جامیؒ نے خواجہ نظام الملک اور منجم موصلی کے واقعہ کو سلسلۃ الذہب میں اس طرح پر نظم کیا ہے کہ۔

بود در دولتِ نظام الملک	آن فلک بحر فضل او را فلک
موصلی بستے بہ نیشا پور	بہ نجوم و اصولِ آن مشہور
پشتِ او چوں کماں بہ قبضۂ شیب	متصل در کمانش، سہم الغیب
ہرچہ از آسماں خبر دادی	تیرِ حکمش خطا نیفتا دے
بود در شہر خادم خواجہ	در سفر ہا ملازمِ خواجہ
ضعف پیری برد چو زور آورد	روئے در عالم سرور آورد
خواست روزی ز خواجہ اذن نہاد	از نشاپور، روئے در بغداد
خواجہ وقتِ وداع با او گفت	کاے دلت، گنج رازہائے نہفت
کئے بود وقتِ رختِ بستنِ من	صدفِ پُر گہر شکستنِ من
گفت چوں من روم پس از شش ماہ	رخت بندی ازیں نشیمن گاہ
دستت از کار و بار بستہ شود	صدفِ پُر گہر شکستہ شود
خواجہ ایں راز را نگہ می داشت	چشم بر واصلانِ رہ می داشت
از نشاپور ہر کرا دیدے	خبر موصلی بپرسیدے
ہر کہ از صحتش خبر گفتے	ہم چو گل از نشاط بشگفتے
موصلی را بنامہ کردے یاد	خاطرش را ز تحفہ کردے شاد
زیں حکایت گذشت سالے چند	بود خواجہ بحالِ خود خرسند
ناگہاں قاصدے رسید از راہ	از نشاپور و اہل ان ناگاہ
خواجہ احوال موصلی پرسید	گفت، مسکیں بخواجہ جاں بخشید
زاں خبر وقت خواجہ درہم شد	دل شادش نشانۂ غم شد
سجلے خواست از ستم زدگاں	شادماں ساخت جانِ غم زدگاں

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعراء کے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن (شب جمعہ) پندرھویں شوال کو مطابق ۱۸ار نومبر ۴۸۵ھ و ۱۰۹۲ء بمقام بغداد ۔ سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ حمی محرقہ (تپ شدید) انتقال فرمایا ۔ اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ "جب میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائے گی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائے گا ۔ چنانچہ امیر[1] معزی نے اسی مضمون کو ایک رُباعی میں اس طرح پر ادا کیا ہے:-

در منقبت وزیرِ خدمت گر خویش ۔۔۔ نہ شناخت ملک سعادت اختر خویش

تا در سرِ تاج کرد آخر سر خویش ! ۔۔۔ بگماشت بلائے تاج بر لشکر خویش

ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعراء عجم اور عرب نے بکثرت مرثیے لکھے ہیں لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معزی اور حکیم الوزی اور شبل الدولہ مقاتل بن عطیہ کے مختصر مرثیوں پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہیں ۔ اور خواجہ سے رخصت ہوتے ہیں ۔

مرثیہ امیر معزی

تا تہی شد دولت وملت ز شاہ دادگر ۔۔۔ شغل[2] دولت بے خطر شد کار ملت باخطر

بود ازیں معنی، دل معنی شناساں را خبر ۔۔۔ مروماں گفتند شور یدہ است شوال ای عجب

تخم چندی ہزار نیکی کشت ۔۔۔ وقتہا کرد و وقف نامہ نوشت

دام داراں شدند ازاں خوشنود ۔۔۔ کرد ادا، آنقدر کہ وامش بود

بس کساں را کہ کارسازی کرد ۔۔۔ بو سایا زبان درازی کرد

دیدہ بر راہ انتظار نشست ۔۔۔ شست از کار و بار دنیا دست

لوح جان شان ز حرف ایمان پاک ۔۔۔ تا بہ تیغ جماعتے بیباک

کرد جا در حظیرۂ شہداء

رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہٗ اَبَدًا

سلسلۃ الذہب دفتر سوم صفحہ ۲۰۴

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ۔ [2] تذکرہ مجمع الفصحاء

دریکے مہ شد بفردوس برین دستور پیر	شاہ برنا از پسِ او رفت در ماہِ دگر
کرد یاری قہر یزداں، عجز سلطان آشکار	قہر یزدانی ببیں و عجز سلطانی نگر
خسروا! گر مستی! از مستی بہشیاری گرائے	ورنخواب خوش دری، از خواب خوش سردار سر
تا بہ بینی باغ ملت را شدہ، بیرنگ وبے	تا بہ بینی شاخ دولت را شدہ بے برگ وبر
برزمیں چوں حکمراں گشتی، گرفتی کاستی	برفلک چوں بدر گردد کاستین گیرو قمر
رفتی و بگذاشتی در دیدۂ من اشک خویش	تا چو خوانم مدح تو بر من ہمی بارد درر
خاطرم نظم فتوحت را گہر در رشتہ کرد	رشتہا بگسست واز چشم بروں آمد گہر

امیر معزی کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے، لہٰذا دردانگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی کڑی میں شاعر نے دونوں کا ماتم کیا ہے۔

حکیم انوری نے بجائے مرثیے کے ایک رُباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز وگداز سے خالی نہیں ہے۔

حکیم انوری

ان جان جہاں زجور افلاک برفت	بنیاد نظام ملک، در خاک گرفت
ان زہر زمانہ راچو تریاک برفت	او رفت وسعادت از جہاں پاک برفت

شبل الدولہ

(۱)

کانَ الوزیر نظام الملک لؤلؤۃ[2]	یتیمۃً صاغھا الرحمٰن من شرف
عزّت فلم تعرف الایام قیمتھا	فردّھا غیرۃً منہ الی الصدف

---

[1] جامع التواریخ صفحہ ۲۸۵ فصل ۱۰ مطبوعہ کلکتہ۔

[2] المستطرف فی کل فن مستطرف صفحہ ۲۰۲۔ جلد ۲ مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لاجواب ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت میں ایک دُرِ یکتا تھا۔ ارباب زمانہ اس کی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کر سکے تو ازراہ غیرت یہ انمول موتی پھر صدف کو واپس کر دیا گیا۔

وقبرت وجهك وانصرفت مودعا بابی وامی وجهك المقبورا
واری دیارك بعد وجهك قفرة والقبر منك مشید معمورا
فالناس کلهم لفقدك واحد فی کل بیت رنة وزفیر
عجبا لاربع اذرع فی خمسة فی جوفها جبل اشم کبیر

ؔ شاعر خواجہ نظام الملک کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ ۔تجھ پر قربان ہوں ۔ میں تجھ کو دفن کرکے گورستان سے واپس آگیا ہوں ۔ مگر حال یہ ہے کہ تیرے بغیر ساری بستی ویران پڑی ہوئی ہے البتہ قبر تجھ سے آباد ہے۔تیرے انتقال سے ہم سب اکیلے رہ گئے ہیں ۔اور ہر گھر سے گریہ وزاری کی آواز آرہی ہے ۔اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مرتفع اور طولانی پہاڑ کیونکر سماں گیا ہے۔

دُوسراحصّہ

تمہید

تبارک اللہ ازاں بادشہ کہ در مُلکش | وزیرِ عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
زباں ادا نتواند حساب شکر ش را | دگر بہ ہر نفسے صد سخن کند تقریر

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کا پہلا حصّہ ختم ہو چکا۔ یہ حصّہ جن معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ اس کا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجہ حاشیہ سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خواجہ کی زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مجمل ہو یا مفصل، انھی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہے۔ تاہم اس حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہے وہ عنوان یہ ہیں۔

خواجہ کا خاندان اور وطن۔ عہدِ طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ تعلیم و تربیت۔ شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ ذاتی فضل و کمال۔ اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ قتل کی مفصل تاریخ۔

عنوان مذکورۂ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات تاریخ میں "زریں یادگار" کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج مورخ، تنقید کی عینک لگا کر دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ "یہ تو نظام الملک کے عہدِ وزارت کی یک رُخی تصویر ہے"

لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا مرقع دکھائیں جس میں اس مقدس صورت کا ایک ایک خال وخط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جاتے۔

وزراء اسلام کی فہرست (طبقہ سلاطین عجم)، میں خواجہ نظام الملک کا نام وا ضح

قانون سلطنت کے لحاظ سے سرے پر ہے - اوراس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون داں ہے، ویسا ہی مُدبّر اعظم بھی ہے - اپنے طبقہ میں صدر نشینی کا امتیاز رکھتا ہے -

خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں اپنی قلمی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس یادگار چھوڑی ہے - اسی طرح میدانِ کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں - اور مفتوحہ مقامات پر نظام الملکی پھریرہ آج تک اُڑ رہا ہے - اور انصاف یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے "السّیف والقلم توأمان" کی ضرب المثل کو حیات جاوید بخشی ہے -

ان خوبیوں کے علاوہ علوم وفنون کی اشاعت میں، جس فیاضی، دریادلی، اور بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اُس کا خاص حصہ ہے - بلکہ بعض اُمو ر (صیغہ تعلیمات) میں تو اولیت کا تاج اُس کے سر پر ہے -

اسی طرح نظارت نافعہ (صیغہ پبلک ورکس) میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کئے ہیں - مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شان دار اور سر بفلک عمارتوں میں سے آج کسی ایک کی بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں - البتہ عراق عرب وغیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اس وقت تک چھپائے ہوئے ہے - اور ارباب بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہے -

کہاں ہیں؟ وہ اہرام مصری کے بانی — کہاں ہیں؛ وہ گُردانِ زابلستانی
گئے پیش دادی کدھر، اور کیانی — مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

علیٰ ہذالقیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائیں گے -

حصّہ[1] اول میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ خواجہ کی وزارت سولھویں ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء سے

---

[1] ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء لغایت ۶ ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء عہد الپ ارسلان - اور ۷ ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء لغایت ۱۲ رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۱ء عہد ملک شاہ میں خواجہ وزیر رہا - اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس

شروع ہوئی اور بارھویں رمضان ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء کو ختم ہو گئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنتیس[1] سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہے کہ کم و بیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جائے۔ لیکن بترتیب سنین واقعات لکھنے میں، بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔ لہٰذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر مہتمم بالشان واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہے۔ عام اس سے کہ اس کا تعلق عہد الپ ارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے؛

مورخین کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی ہے۔ وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہے۔ جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخریہ دعویٰ تھا کہ "آیندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔

بہ لحاظ تقسیم خدمات ملکی اگرچہ یہ قانون خواجہ کی سب سے اخیر کارگذاری ہے۔ مگر چونکہ اُمور وزارت میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے لہٰذا سب سے پہلے قانون سلطنت پیش کیا جاتا ہے۔

اس عہد میں نوع انسان نے فضائل و کمالات اور تمدن و معاشرت میں چونکہ غیر متناہی درجات تک ترقی کر لی ہے لہٰذا اُسی پیمانے پر قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہے۔ اور علوم و فنون کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہے۔ چنانچہ عہد قدیم سے اب تک آہستہ آہستہ مدبران مشرق و مغرب نے قوانین پر جس قدر اضافہ کیا ہے اُس کی تشریح جب ہی ہو سکتی ہے کہ قانون کی تاریخ لکھی جائے۔ لیکن روز مرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے۔ جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو چنانچہ ایسی ترقی کے دور میں تعلیم یافتہ گروہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا عظمت ہو گی۔ مگر نہیں! پڑھتے وقت، اُن کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو

---

[1] بقیہ صفحہ ۱۶۱۔ برس، سات مہینے اور پچیس ۲۵ دن ہوتے ہیں۔

[2] خواجہ نظام الملک نے ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء میں یہ قانون مرتب کر کے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جس کا نام سیر الملوک (سیاست نامہ) تھا۔ اس وقت ہندوستان میں سلطان مسعود ثانی بن ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی اور انگلستان میں ولیم ثانی ملقب بہ روفس حکومت کر رہا تھا تاریخی حیثیت سے ناظرین اب خود مقابلہ کریں۔

چالیس برس قبل کی لئے۔ اور حکومت اسلام کا زمانہ ہے۔ مذہب کا عمل دخل ہے۔ طرز زندگی بالکل سادہ ہے۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے یہ قوانین ما تحت موجودہ کے اصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کی جائے۔ تو کلیات میں برائے نام اختلاف رہ جاتا ہے اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطہ، سلاطین سابق کے قوانین کا خوشہ چین ہے۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ناظرین بہ نظر غور و تعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ پر ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھیں گے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

خواجہ نظام الملک کا قانونِ سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

۱۔ دعادتِ الٰہی یوں ہی جاری ہے، کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے، پھر شاہانہ فنون سے آراستہ کر کے اپنی مخلوقات کا انتظام اُس کے سپرد کر دیتا ہے، جس سے فتنہ و فساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت وحشمت کا سب کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہے۔ تاکہ اُس کے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے۔

۲۔ جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا خاکہ اُڑانے لگتے ہیں، اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اُس وقت وہ اُن کے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمراں مسلط کرتا ہے۔ اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں، اور گنہگار اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ "جب کسی نیستاں میں آگ لگتی ہے تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تر و تازہ چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں"۔

۳۔ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحب تاج و تخت کرتا ہے تو اس کے اقبال کے

---

[۱] سیاست نامہ فصل اول صفحہ ۵ و ۶۔ مطبوعہ پیرس دارالسلطنت فرانس مرتبہ پروفیسر شفر مدیر مدرسۃ الالسنہ شرقیہ پیرس۔

اندازے پر علم و عقل بھی مرحمت فرماتا ہے۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جن سے رعایا پر رتبہ لحاظ کمی و بیشی مراتب، حکومت کی جاتی ہے۔

۴۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و مرتبہ کے مطابق درجہ و منصب عطا کر کے دین و دنیا کے کاموں میں اُن پر بھروسہ کرے۔

۵۔ جب رعایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہے تو خدا کی طرف سے بھی اُس کو امن و چین کی زندگی ملتی ہے۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامان سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازی کریں تو پہلے اُن کو تادیب و نصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھیں، تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں، تو بلا تامل وہ شخص مقرر کر دیا جائے، جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶۔ رعایا میں جو لوگ حقوق نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُر امن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ بدنیتی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُن کو سزا دی جائے لیکن سزا کا پیمانہ جُرم کے مطابق رہے۔

۷۔ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھُدوائے، دریاؤں پر پُل باندھے شہر گاؤں، پُروے آباد کیے، نئے قلعے بنائے، یا عام راستوں پر مسافر خانے جاری کئے اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائیں گے۔

(۲) بادشاہ کا برتاؤ رعایا سے اور ہر کام باقاعدہ انجام دینا

آسمان[۱] ہمیشہ نئے رنگ لایا کرتا ہے اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس دور انقلاب میں شریف پامال اور مفسد طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں۔ امارت کا درجہ برائے نام رہ جاتا ہے، کیونکہ ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ میں بادشاہ اور وزیر کا لقب اختیار کر لوں۔ اور اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہم اس کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ جب ایسا ہنگامہ ہوتا ہے تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آجاتا ہے اور مدتوں نظامِ سلطنت

---

[۱] فصل ۴، صفحہ ۱۲۵۔

درہم برہم رہتا ہے۔ لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار زمانہ گذر جاتا ہے۔ اور کوئی عاقل و عادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تمیز کرتا ہے۔

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں جنھوں نے حکمرانی میں اصُول سلطنت اور قوانین مملکت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ دشمنوں کو مقہور کرنا سلطنت کے جمع و خرچ کو دیکھنا اور بدعت کا دور کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ بادشاہوں کو اس پر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ قدیم خاندان اور شاہی نسلیں امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں اُن کے وظائف بند نہ ہوں مستقین کو بیت المال[1] سے اُن کا حصّہ برابر پہنچتا رہے۔ تاکہ یہ لوگ دعائے خیر سے یاد کریں۔

مثال چند لوگوں نے جو معزز خاندان سے تھے ہارون الرشید[2] کو یہ درخواست دی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے

---

[1] بیت المال (پبلک ٹرزری) خزانہ کا نام ہے یہ صیغہ بھی فاروق اعظم کی ذات سے وجود میں آیا۔ اس خزانہ میں وہ رقومات اور اشیا داخل ہوتی تھیں جن کے مسلمان مستحق ہوں اور اس کا کوئی خاص مالک متعین نہ ہوا اسی طرح اس خزانے سے خرچ بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق ہو۔

[2] یہ خلیفہ مہدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام ہارون الرشید ابو جعفر ہے۔ اخیر ذی الحجہ ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء میں بمقام رے پیدا ہوا اس کی ماں کا نام خیرزاں تھا۔ ابو جعفر منصور (دادا) اور مہدی نے اپنے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص انتظام کیا تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جس میں ہارون الرشید کو مجتہدانہ کمال حاصل نہ ہو۔ ۲۲ برس کی عمر میں بمقام عیسیٰ آباد اپنے بڑے بھائی خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء میں بڑے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا۔ اس عہد میں سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک تھی۔ اور سوائے اسپین کے کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں ہارون الرشید کے باج گزار تھے۔ سالانہ خراج (آسان بندوبست کے مطابق) آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کی تھی اور وقت ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متطوعہ (والنٹیر) بھی تھی۔ ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوتیں۔ اس زمانہ پر مسلمان جس قدر فخر کریں وہ کم ہے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

بزرگوں کا اس سلطنت پر حق ہے اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں
کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا خزانہ لٹ رہا ہے، اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں
اگر بیت المال سے ہمارا حصہ نہ دلایا جائے گا تو ہم خدا سے فریاد کریں گے۔ کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے
جو مسلمانوں پر مہربان ہو"

یہ درخواست پڑھکر خلیفہ بہت ہی متاثر ہوا۔ جب محل سرا میں پہنچا تو زبیدہ خاتون نے افسردہ
خاطر دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہے؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ "امیر المومنین کو اس مسئلہ میں
وہی کرنا چاہیے جو اگلے خلفا نے کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ بیت المال مسلمانوں
کی ملکیت ہے۔ اور آپ اُس میں سے بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اُن کی شکایت حق بجانب ہے"

اتفاقًا دونوں نے یہ خواب دیکھا کہ "وہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں۔ اور ہر ایک شخص حساب
کے بعد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) داخل بہشت ہو رہا ہے۔ لیکن ہماری نسبت
رسول اللہ صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ یہ پیش نہ کئے جائیں۔ کیونکہ ان کے سبب سے مجھے خدا
کے حضور میں شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اور میں ان کی شفاعت نہ کروں گا۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں
کے مال کو اپنا سمجھ رکھا ہے اور مستحقین کو محروم کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھکر دونوں جاگ

باقی صفحہ ۱۷۶۔ امام مالک، امام موسیٰ کاظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک، عباس بن احنف شاعر
فضیل بن عیاض، ابن سماک، سیبویہ، کسائی، یونس بن حبیب نحوی جیسے فخر روزگار مشاہیر اسی عہد میں تھے
اس نامور خلیفہ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں جمع تھیں۔ جو ایک پاک باز اور دین دار مسلمان بادشاہ میں ہونا چاہئیں
جاحظ کا قول ہے کہ جیسے ارباب کمال ہارون کو میسر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ
عہدہ قضا پر امام ابو یوسف، شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی، حاجیوں میں فضل
بن الربیع، مغنیوں میں ابراہیم الموصلی۔ اس کے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان برامکہ (یحییٰ، فضل، جعفر
برمکی وزرار سلطنت) کی تباہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھو ہماری کتاب البرامکہ مطبوعہ ۱۸۹۷ء نامی پریس کانپور)
تیئیس ۲۳ برس دو مہینے اٹھارہ دن حکمرانی کرکے ۴۷ برس ۵ مہینے کی عمر میں ۲ رجمادی الاخریٰ ۱۹۳ھ میں مقام طوس انتقال کیا اور وہیں
دفن ہوا۔ باوجود فیاضی کے انتقال کے وقت خزانہ عامرہ میں اٹھارہ ارب نقد روپیہ چھوڑا۔ مکمل سوانح عمری کے لئے ناظرین کو ہماری کتاب
"رشید اعظم" کا منتظر رہنا چاہیے جس کی اشاعت کا انشاءاللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جاوے گا۔ اور اُس میں ہارون الرشید (باقی در صفحہ آئندہ)

اٹھے، اور خدا کا شکر کیا۔ اور دوسرے دن بیت المال سے مستحقین کو ہزارہا درہم و دینار تقسیم کئے۔ اور زبیدہ[1] نے اپنے ذاتی مال سے ہزارہا دینار صدقہ کئے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستہ میں پختہ چاہات اور سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کئے اور ان مصارف

بقیہ صفحہ ۱۷۷:- اور مامون الرشید کے صحیح مرثیے ہوں گے۔ جو خوش قسمتی سے مل گئے ہیں۔

[1] امۃ العزیز ملقب بہ زبیدہ (بنت جعفر بن منصور عباسی) ہارون الرشید کی سب سے ممتاز اور پیاری بی بی کا نام ہے۔ اس خلیفہ کے چھ نکاح ہوئے تھے، مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کوئی بیگم زبیدہ کے ہم پلہ نہ تھی۔ کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا، باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے کس کو انکار ہوسکتا ہے جس کے ساتھ عقد ہوا وہ خلفاء عباسیہ میں واسطۃ الخلفاء کے لقب سے ممتاز ہے۔ اور خود اس کا لختِ جگر امین الرشید بھی خلیفہ ہوا۔ شمس العلماء شبلی نعمانی المامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ "زبیدہ خاتون کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب وزینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کئے جو نہایت ذوق و مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام اُمراء و عمائد میں رواج پا گئے۔ عنبر کی شمعیں اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہے۔ چاندی، آبنوس، صندل کے تخت اول اُسی نے تیار کرائے اور اُن کو دیبا وسمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوا۔ عیش وطرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم پڑھ چکے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اس کے محل میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جن میں سے ہر ایک کو صرف ۱۰ پارے سنانا پڑتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی مکھیاں گن گنا رہی ہیں (وکان یسمع فی قصرھا لدوی النحل من قراءۃ القرآن) ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہر مکہ میں پانی کا کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک مشک پانچ روپے میں آتی تھی لیکن زبیدہ نے سب سے پہلے ۱۷ لاکھ روپیہ صرف کرکے ۱۲ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی جس کے فیض سے ہر گھر میں چشمے بہنے لگے۔ اس نہر کا نام عَیْنُ المُشَاس تھا۔ اب نہر زبیدہ کے نام مشہور ہے اور جس کی مرمت کے لئے امسال چندہ ہورہا ہے) زبیدہ کی ۱۶۵ھ/۷۸۱ء میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۸ برس تک بلند اقبال شوہر کا ساتھ رہا ۱۹۳ھ/۸۰۸ء میں بیوہ ہوئی اور بمقام بغداد جمعہ شنبہ ماہ جمادی الاولیٰ ۲۱۵ھ/۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ انتخاب از کتاب الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور مصنفہ ستیدہ زینب مصری و شریشی شرح مقامات حریری و ابن خلکان صفحہ ۱۸۹ جلد اول۔

کے واسطے جاگیریں وقف کردیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اس سے کاشغری شہر قدیم کو پھر بنا کر و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اس کے خوارزم، اور اسکندریہ کی حدود میں مستحکم قلعے اور جابجا مسافرخانے بنائے اور ایک کثیر رقم مجاوران مدینہ منورہ اور بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔[1]

شاہان بیدار کی یہ حالت رہی ہے کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے اور ہر ایک کا درجہ و مرتبہ خاص تھا۔ اور جب کوئی مہم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے لڑائی کے موقعہ پر ہمیشہ وہی لوگ بھیجے جاتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے۔ لیکن اس پر بھی یہ خاص احتیاط کی جاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمراہ کردیا جاتا تھا جو ہر موقعہ پر لغزشوں سے بچاتا رہتا تھا۔[2]

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدرشناس ہونا چاہیئے

بادشاہوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیے۔ مگر یہ رضامندی جب ہی ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل[3] و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور قول ہے کہ "الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم" یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے نہیں رہتی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دادا ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب تابوت خطیرۂ ابراہیمی کے قریب پہنچا اس وقت حکم الٰہی نازل ہوا کہ یہ جگہ یوسف کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے سلطنت کی

---

[1] فصل دوم صفحہ ۹۰ [2] سیاست نامہ [3] قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عدل کی تاکید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسرا حکم ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ اور ارشاد نبوی یہ ہے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ۔ عَدْلُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سَبْعِیْنَ سَنَۃً یعنی ہر شخص نگہبان ہے اور قیامت کے دن اس کو اپنی رعیت کی جوابدہی کرنا پڑے گی۔ اور ایک ساعت کا انصاف ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ عابد کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور عدل کا فائدہ تمام مخلوق کو دباتی در صفحۂ آئندہ

جس کی جواب دہی ہنوز باقی ہے" مقام غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر ماوشما کس گنتی میں ہیں۔

(۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحب تاج و تخت ہیں یا کسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں۔ (مثلاً بزرگ خاندان جن کو اپنے گھر پر حکومت حاصل ہے) اُن سے قیامت کے دن سب سے پہلے یہی پرسش ہوگی حتیٰ کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے ریوڑ کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب از ملک شاہ) خوب سمجھ لیجئے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے ان کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سُنا جائے گا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جب کہ یہ حال ہے تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہ ہونا چاہیئے"

(۴) عدل وانصاف

کم سے کم یہ تو ضرور ہے کہ ہفتہ میں دو دن تصفیۂ مقدمات کے لئے بادشاہ خود اجلاس کرے، اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سُن کر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے، اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائے گی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھکر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بُلا کر ان کے حالات سُنتا ہے، تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا۔ اور ستم آزاری گھٹ جائے گی۔ چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کے کسی اونچے ٹیکرے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام داد خواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اُن کی دادرسی کریں۔ اور یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجب و دربان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سنتا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ مترجم فریادیوں کی شکایتیں صحیح طور

بقیہ صفحہ ۱۷۹۔ پہنچتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے۔ [1] فصل سوم صفحہ ۱۰۔

پر مجھ سے نہیں بیان کرتے ہیں، اس لئے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا ۔چنانچہ اس نے عام حکم جاری کر دیا کہ "ستم رسیدوں کے سوا کوئی سُرخ لباس نہ پہنے ۔تاکہ مجھے شناخت کرنے میں دقت نہ ہو" یہ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوکر جنگل میں کھڑا ہو جاتا تھا ۔اور جن لوگوں کو سُرخ کپڑے پہنے دیکھتا ۔اُن سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلّا چلّا کر اپنا حال کہتے تھے ۔ اور بامراد دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

شاہان سامانیہ میں اسمٰعیل[1] بن احمد ملقب بہ امیر عادل بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب اور غریب نواز بادشاہ گذرا ہے جس کے واقعاتِ زندگی مشہور ہیں۔

اس امیر کا دارالسلطنت بخارا تھا اور خراسان، عراق اور ماوراءالنہر اس کے بزرگوں کے علاقے تھے ۔چنانچہ سیتان سے یعقوب[2] بن لیث نے خروج کیا ۔اور تمام سیتان پر قبضہ کرلیا ۔چونکہ داعیان مذہب اسماعیلیہ کا یعقوب پر جادو چل چکا تھا ۔لہٰذا خلفاء بغداد سے اُس کو بد اعتقادی پیدا ہوئی ۔اور دارالخلافہ پر حملہ کر کے حضرت عباسؓ کے خاندان کو مٹانا چاہا ۔جب یعقوب کے ارادے سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُس نے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا ۔کہ "تم کو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔بلکہ تمھارے لئے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ رکھو ۔اور اُس کا انتظام کرتے رہو ۔تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں" لیکن یعقوب نے کہلا بھیجا کہ "میری تو

---

[1] اسمعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل، آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا ہے ۔ اس کا سلسلہ نسب بہرام چوبیں پر ختم ہوتا ہے آٹھ برس دو مہینے حکومت کر کے ۲۹۵ھ میں فوت ہوا ۔ اس بادشاہ کا عاقل، عادل، حلیم ہونا مشہور ہے اور اس کی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے ۔ (نگارستان، وتاریخ الدول سید احمد وحلان)

[2] "یعقوب" شاہان صفاریہ میں صرف تین حکمراں ہوئے ہیں اول لیث[1] دوسرا یعقوب[2] تیسرا[3] عمرو ۔ خراسان، سیتان، مازندران، فارس، خوزستان، کرمان میں ان کی حکومت تھی ۲۵۶ھ/۸۶۸ء لغایت ۲۸۹ھ/۹۰۱ء حکومت رہی یعقوب بن لیث ابتدا میں محنت مزدوری کیا کرتا تھا ۔مگر اپنی بہادری سے پھر لٹیروں کا سردار بن گیا ۔اور جب فوجی قوت اعلیٰ درجے کی ہوگئی تو محمد بن طاہر گورنر خراسان پر فوج کشی کردی ۔اور اس کو ۲۵۹ھ/۸۷۲ء میں شکست دے کر قید کرلیا اور خود حاکم بن گیا خلیفہ معتمد باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار معلوم ہوا ۔مگر ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا ۔ بقیہ حالات اُس واقعہ میں تحریر ہیں ۔ یعقوب نہایت بہادر اور مستقل مزاج سپاہی تھا ۔ ۲۶۵ھ/۸۷۸ء میں فوت ہوا۔

یہ آرزو ہے کہ حاضر دربار ہو کر شرائط خدمت بجالاؤں ۔ اور تجدید بیعت کروں ۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہ ہو گی واپس نہ ہوں گا ۔ چنانچہ بارگاہِ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے ۔ مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے ۔ اور آخرالامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کر دیا ۔ اس اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکان دولت کو جمع کر کے کہا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے ۔ اور نیت مجرمانہ سے ادھر آرہا ہے ۔ کیونکہ میں نے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے ۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ، مگر وہ نہیں پلٹتا ہے ۔ بہرحال بدنیتی معلوم ہوتی ہے ۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہب باطنیہ میں داخل ہو گیا ہے ۔ لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نہ جائے گا اس کا اظہار نہ کرے گا ۔ اس لئے اب ہم کو ہوشیار ہونا چاہیے اور تمھارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو ۔ چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ خلیفہ کو شہر چھوڑ کر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیے ۔ اور اعیان دولت بھی ہمراہ ہوں ۔ یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر پائے گا تو فوج کو دیکھکر لڑائی قیاس کرے گا اور اُس وقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہو جائے گا ۔ لیکن دوطرفہ فوج میں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہے، تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں ۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہو گا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہو جائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ ٹلے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کر دیں گے ۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زنداں میں نہ رہیں گے بلکہ زندہ و سلامت کسی نہ کسی طرف چلے جائیں گے ۔ چنانچہ امیرالمومنین کو یہ تدبیر پسند آئی اور اسی رائے پر عمل کیا گیا ۔ اس نامور خلیفہ کا نام المعتمد علی اللہ[1] احمد تھا ۔ چنانچہ یعقوب کی فوجیں خلیفہ کی برابر خیمہ زن ہوئیں اور منزل پر پہنچ کر امیر نے خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ "آپ بغداد کو خالی کر دیں

[1] المعتمد علی اللہ ابو العباس (ابو جعفر) احمد ابن متوکل ۔ تاجداران بغداد میں نیرھواں خلیفہ ہے ۔ مُہتدی باللہ کے قتل ہونے پر جو حق کے قیدخانہ سے نکال کر امرائے دربار نے ۲۵۶ھ میں تخت نشین کیا ۔ اس کا بھائی موفق نہایت قابل و نیک شخص تھا ۔ کل کاروبار سلطنت کو وہی انجام دیتا تھا اور خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا تھا ۔ موسیقی اور شاعری سے بہت شوق تھا ۔ کاتب اس کے اشعار سونے کے پانی سے لکھا کرتے تھے ۔ اور ۲۶۵ھ میں یعقوب صفار اور احمد بن طولون (حاکم مصر) نے بغاوت کی بلکہ احمد سے یہاں تک بگاڑ ہوا ۔ کہ مصر میں معتمد پر اور بغداد میں احمد بن طولون پر سر منبر لعنت کی جاتی تھی ۔ اس کے عہد میں سب سے بڑا واقعہ بہبود خارجی کا خروج ہے ۔ جس نے (باقی در صفحہ آئندہ)

اور جہاں جی چاہے تشریف لے جائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے دو ہفتے کی مہلت مانگی اور وہ نامنظور
ہوئی۔ ادھر خلیفہ نے رات کو امیر کے افسران فوج سے کہلا بھیجا۔ کہ "یعقوب باغی ہوکر ملاحدہ سے
مل گیا ہے اور اُس کے آنے کا منشاء یہ ہے کہ ہمارے خاندان کو مٹا کر دشمنوں کو ہمارا جانشین کرے
اب بتاؤ کہ تم بھی یعقوب کے ہم خیال ہو یا نہیں"۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ "ہم تو امیر کے
نمک خوار اور حکم کے تابع ہیں"۔ مگر فوج کے بڑے حصہ نے کہدیا کہ "ہم کو ان واقعات کی کچھ خبر
نہیں ہے۔ اور جہاں تک ہم کو علم ہے امیر ہرگز امیرالمومنین کا مخالف نہیں ہے۔ اور اگر مخالفت کا
اعلان ہوا تو ہم ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ رزم اور بزم دونوں میں ہم خلیفہ کے ساتھ ہیں"۔

یہ قول امرائے خراسان کا تھا۔ خلیفہ کو جب سرداران فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہوگیا۔
اور دوسرے دن دلیرانہ امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ "تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفران نعمت
کا اعلان ہوچکا ہے۔ اب صرف تلوار حدِ فاصل ہے۔ اور مجھے مطلقاً اس کا خوف نہیں ہے کہ
تمہاری فوج کثیر اور میری قلیل ہے"۔ اس کے بعد فوج کو تیاری کا حکم دیدیا۔ اور لڑائی کا نقارہ
بجا دیا گیا۔ جنگل میں فوجیں صف آرا ہوگئیں۔ امیر یہ تیاریاں دیکھکر بول اُٹھا کہ بس اب میں کامیاب
ہوگیا۔ اور اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دے دیا۔ لڑائی کے موقعہ پر خلیفہ فوج کے وسط میں کھڑا
چنانچہ عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ "وہ دونوں فوجوں کے مابین اونچی آواز سے
للکار کر کہے۔ کہ" اے گروہ اسلام! واقف ہوجاؤ کہ یعقوب باغی ہوگیا ہے، اور اس کی فوج کشی
کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کردے۔ اور کسی کو مہدیہ[1] سے لاکر تخت نشین

بقیہ صفحہ ۱۸۲ ۔ لاکھوں مسلمان اور سادات کو قتل کردیا۔ صرف بصرہ میں تین لاکھ آدمی ایک دن میں قتل ہوئے۔ علی
عورتیں دو روپیہ سے تین روپیہ تک اس کے لشکر میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ لیکن موفق نے بڑی بہادری سے بہبود کا
مقابلہ کیا اور آخر کو اس کا سر کاٹ کر بغداد میں لایا۔ تمام بغداد میں مثل عید کے یہ خوشی کا دن تھا۔ معتمد کے اخیر دور
حکومت میں بمقام کوفہ قرامطہ کا زور ہوا۔ جعفر بن محمد المعروف بہ ابومعشر بلخی نجومی اسی دربار سے متعلق تھا۔ ۲۷۹ھ/۸۹۱ء
المعتمد نے انتقال کیا۔ از سیوطی۔ صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ مصر و مختصر الدول ابن العبری صفحہ ۲۵۶۔ مطبوعہ بیروت۔

[1] "المَهدِیَّۃ" افریقیہ (بربر) کا مشہور شہر ہے۔ قیروان سے جانب جنوب دو مرحلے کے فاصلہ پر ہے۔ ایک زمانہ
دراز تک خلفائے فاطمیہ کا دارالسلطنت رہا لیکن ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء میں بنو فاطمہ کی کمزوریوں سے عیسائیوں (باقی در صفحہ آئندہ)

کرے اور بجائے سنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نہ کرے گا وہ خدا کا نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے نکل جائے گا۔ اور یہی حکم خدا کا ہے کہ "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" اب وہ کون شخص ہے جو بہشت چھوڑ کر دوزخ میں جانا چاہتا ہے۔ آؤ حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑ دو۔"

جب امیر کی فوج نے یہ کڑکا سنا تو امرائے خراسان اُدھر سے اُدھر آگئے۔ اور سب نے بالاتفاق کہا کہ "ہم کو یقین تھا کہ امیر بہ نظر اطاعت حسب الحکم عالی حاضر ہوا ہے۔ اب چونکہ وہ باغی ہوگیا ہے لہٰذا جب تک دم میں دم ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور لڑنے مرنے پر تیار ہیں۔" اس امانت سے خلیفہ کو بڑی قوت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں امیر یعقوب شکست کھا کر خوزستان[1] کو چلا گیا۔ خلیفہ کی فوج نے کل خزانہ امیر کا لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت سے فوج مالا مال ہوگئی۔ لیکن امیر نے خوزستان پہنچ کر ہر طرف آدمی دوڑا کر فوجوں کو جمع کیا۔ اور عراق اور خراسان کے خزانے سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان تیاریوں کا حال سن کر ایک قاصد معہ نامہ کے روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سیدھے سادے آدمی ہو۔ مگر مخالفوں کے بہکانے سے مغرور ہوگئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر نہ تھی۔ آخر دیکھ لیا کہ خدا نے کیا کر دکھایا۔ خود تمھاری فوج سے تم کو شکست دلادی۔ خیر میں اس کو ایک سہو سمجھتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم بیدار ہوگئے ہوگے۔ اور اپنے کئے پر پشیمان ہوگے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لئے تم سے شائستہ تر کوئی دوسرا نہیں ہے اور میرے نزدیک تمھارے حقوق نعمت بھی بہت زیادہ ہیں لہٰذا میں اعلے خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہوا اس کو سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب فرمان عالی یہ ہے کہ بہت جلد عراق و خراسان میں پہنچ کر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔" اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا دل کچھ نرم نہ ہوا اور نہ اپنے فعل پر پشیمان ہوا۔ اور حکم دیا کہ "ایک خوان رچوبی کشتی، میں کچھ ساگ پات، اور کچھ مچھلیاں، اور چند گرہیں پیاز

بقیہ صفحہ ۱۸۳: نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۲۶-۳۵ عرض شمال اور ۱۱-۵ طول مشرق پر واقع ہے۔ از مراصد الاطلاع و جام جم

[1] جو سبب خواجہ نے اس فتح کا لکھا ہے اگرچہ وہ بھی سچ ہوگا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار اور بھائی موفق کی بہادری اور حکمت عملی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

کی رکھکر لاویں۔" جب یہ خوان سامنے آگیا تب حکم دیا کہ خلیفہ کے قاصد کو بلاؤ اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرو کہ میں ذات کا کسیرا ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں۔ میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیاز ہے سلطنت، خزانہ، اور فوج وحشم میری عیاری اور بہادری کا نتیجہ ہے۔ اس کو نہ تو میں نے میراث میں پایا ہے اور نہ آپ کا عطیہ ہے۔ میں اُس وقت تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک سر مبارک مہدیہ میں نہ بھیج لوں اور خاندان کو تباہ نہ کرڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کردوں گا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گذارا ہے۔ میں نے خزانہ کا منہ کھول دیا ہے اور فوجوں کو بُلایا ہے۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آرہا ہوں۔" یہ کہکر قاصد کو رخصت کیا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ وہ عارضۂ قولنج میں مبتلا تھا۔ اور درد میں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث کو ولی عہد کر کے خزانے کی یادداشتیں سپرد کردیں اور مرگیا۔[1]

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر خراسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل، فیاض، ہوشیار، اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروّت اور ہمت کا یہ حال تھا کہ باورچی خانے کا اسباب چار سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ باقی سامان کا اسی سے اندازہ کرلو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی دلی ہراس تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے بھائی کا چلن اختیار کرے اور پھر وہی دن دیکھنا پڑیں، اس لئے خلیفہ ہمیشہ اسمٰعیل بن احمد سامانی کو ابھارا کرتا تھا اور اس قسم کے پیام بھیجا کرتا تھا کہ "عمرو بن لیث پر حملہ کرکے اُس کا ملک چھین لو اور خراسان و عراق کی امارت کے واسطے تم زیادہ موزوں ہو، کیونکہ یہ ملک تمہارے اجداد کا ہے۔ اور اُن کا قبضہ غاصبانہ ہے۔ اول تو تم حق دار ہو، دوسرے نیک صفات تیسرے یہ کہ میں دعاگو۔ اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خدا تم کو عمرو بن لیث پر فتح دے گا۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ میری فوج قلیل ہے خدا فرماتا ہے

---

[1] امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہے یعنی ۲۶۵ھ / ۸۷۸ء۔ یہ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی کی قید میں بمقام بغداد ۲۸۹ھ / ۹۰۱ء میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد خاندان سامان کو بہت عروج ہوا۔ (از دول سید احمد دحلان حالات بنی صفار)

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۔ امیر اسمٰعیل خلیفہ کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج جمع کر کے جیحون سے اُترا اور اپنے چابک کی نوک سے جب فوج کا جائزہ لیا تو کُل دو ہزار سوار[1] تھے۔ اور فوج کی حالت یہ تھی کہ فی دو سوار ایک کے پاس سپر تھی۔ اور بیس میں سے ایک کے پاس آہنی جال۔ اور پچاس میں سے ایک کے پاس نیزہ تھا۔ اور رکابیں اکثر لکڑی کی تھیں، غرضکہ اس حال سے یہ فوج نہر آموبہ اُتر کر مرو پہنچ گیا ہے۔ اور وہاں کا شحنہ بغیر مقابلہ بھاگ گیا ہے اور فوجیں دارالسلطنت کی طرف آرہی ہیں۔ اُس وقت عمرو ہنسا اور ستر ہزار سوار کا جائزہ لیا۔ (جو آہنی لباس میں ڈوبے ہوئے تھے) غرضکہ یہ فوج بلخ کو روانہ ہوئی اور مقابل میں پہنچ کر لڑائی شروع ہوگئی، لیکن اتفاق سے عمرو[2] بن لیث کو بلخ کے دروازے پر شکست ہوگئی اور لطف یہ ہے کہ تمام فوج میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی مقید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہوگیا اور جب اسمٰعیل کے سامنے گرفتار ہو کر آیا۔ تو حکم ہوا کہ "چیتے والوں (لیوز بانان) کے سپرد کردو"۔

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے اور عجائبات عالم میں سے ہے کہ دوپہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراش لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑگئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراش اپنے امیر کی یہ حالت دیکھکر بہت متاثر ہوا اور پاس جا کر عرض کیا کہ "آج کی رات آپ میرے مہمان ہوں کیونکہ میں بالکل تنہا ہوں"۔ امیر نے فراش سے کہا کہ "جب تک زندگی ہے بغیر کھانے کے گذر نہیں ہے لہذا کھانا تیار کرو" چنانچہ فراش ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈھیلے مٹی کے جمع کر کے چولھا بنایا اور کنڈے

---

[1] یہ لڑائی ربیع الآخر ۲۸۷ھ میں ہوئی تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسمٰعیل کی فوج بارہ ہزار اور عمرو کی فوج اسی ہزار تھی۔ [2] پندرھویں ربیع الآخر ۲۸۸ھ بروز منگل عمرو بن لیث کو شکست ہوئی اور شکست کا سبب یہ ہوا کہ جنگی باجوں کی آواز سے عمرو کا گھوڑا بگڑ گیا تھا اور باگ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی عمرو نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اور گھوڑا منٹوں میں امیر اسمٰعیل کی فوج میں پہنچ گیا۔ اور وہاں گرفتار ہوگیا۔ اور ایسی عظیم الشان جنگ کا چند منٹوں میں وارا نیارا ہوگیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بے مدد عمرو زید چوں تو بہ یک چشم زخم ۔۔۔ لشکر چون کوہ را کس بخدا کم شکست

تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰۔

سُلگا دیے، اور کسی سپاہی سے دیگچی مانگ کر گوشت کے پارچے بھوننا چاہے اور خشک ٹکڑوں کو دیگچی میں رکھکر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کُتّا آیا اور دیگچی سے ایک ہڈی نکالی۔ جب منھ جلنے لگا تو ہڈی چھوڑ کر بھاگنا چاہا مگر دیگچی کا حلقہ گردن میں آگیا اور وہ بدحواس ہوکر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھکر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ "مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو، میں وہ ہوں کہ جس کے باورچی خانہ کا اسباب آج صبح چارسو اونٹوں نے اٹھایا تھا اور پھر بھی خوان سالار کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی، اور آج رات کو یہ عالم ہے کہ تمام باورچی خانہ ایک کتے کی گردن پر ہے۔ پھر کہا کہ "اَصْبَحْتُ اَمِیْرًا وَاَمْسَیْتُ اَسِیْرًا" میں صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں۔[1]

عالم گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر اسمٰعیل کے پاس بھیج دیں، مگر امیر نے یہ کہکر واپس کردیا کہ یہ" درہم و دینار وہ ہیں جو بوڑھی عورتوں کی سوت کی کتائی اور مسافروں، یتیموں، ضعیفوں، کے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کئے گئے ہیں۔ اور جس کی جواب دہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑے گی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہے، قیامت کے دن جب دعوے دار کھڑے ہوں گے کہ ہمارا مال واپس کرو جو ناحق لیا گیا ہے۔ اُس وقت تم کہدو گے کہ میں نے اسمٰعیل کے سپرد کردیا ہے اُس سے مانگو میں اُن کے جواب اور خداوند عزوجل کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتا ہوں"۔ چنانچہ محض دیانت اور خوفِ خدا سے یہ خزانہ اسمٰعیل نے قبول نہیں کیا اور یہ ساری احتیاط محض اس لئے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

(۵) عمّال و وُزراء اور غلاموں کی نگرانی

بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وقت تقرر عمّال کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں اور صرف جائز رقم نرمی اور رعایت سے آمدنی کے وقت وصول کریں، کیونکہ قبل از وجوب مطالبہ وصول کرنے میں رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ ضرورتاً اپنا مال و اسباب ڈو ڈو آنے کو بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہوجاتے ہیں۔ جب رعایا میں سے کوئی شخص ہل، بیل اور

[1] فصل چہارم سیاست نامہ

تخم ریزی کے قابل نہ رہے۔ اور بالکل محتاج ہو جائے اس وقت نقادی سے مدد کی جائے۔ اور سرکار کی جانب سے وہ بالکل سبکبار کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور پردیس کی صورت نہ دیکھے۔"

مثال کے طور پر میں چند واقعات بیان کروں گا۔

(۱) قبادؔ ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہو گیا۔ اُس وقت بادشاہ نے عالموں کو حکم دیا کہ "غلہ کے ذخیرے بیچ ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے **بیت المال** کھول دیا جائے"۔ چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی دوران قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا کہ اُس نے عمال کی پورے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عمال کی نگرانی ہمیشہ کی جائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تو خیر ورنہ وہ برطرف کر دیئے جائیں۔ اور اگر محاصل ملکی رعایا سے زیادہ وصول کریں، تو واپس لے کر اُن کو دے دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں۔"

(۳) وزراء کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت کا نظام صیغہ وزارت سے وابستہ ہے۔

(۴) جب وزیر نیک چلن اور مدبر ہوتے ہیں۔ تب ہی ملک آباد اور فوج و رعایا شاد رہتی ہے۔ اور

لہ قباد جس کا لقب "نیکو رائے" ہے۔ ساسانیوں میں اُنیسواں بادشاہ ہے۔ اس کے عہد میں وزیر سوخرا (پدر بزرجمہر) کا پورا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اس کو قتل کر دیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اس کے عہد میں چند شہر آباد کئے گئے جن کے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کازرون۔ حلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ بردع۔ گنجہ۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر امل کو مستحکم کیا۔ طبرستان میں متعدد عمارتیں بنائیں۔ اناس۔ ٹی سی لیس۔ قیصر روم سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور کامیاب رہا۔ اس کے آٹھ بیٹے تھے، نوشیرواں، فیروز، سہم، زرداد، اردشیر، کاؤس، یزدگرد، رزیر، مگر سب سے نامور نوشیرواں ہوا۔ ۴۳ برس سلطنت کر کے فوت ہوا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۰ و ۲۴۱۔ نامۂ خسرواں صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ ملکم صاحب عہد قباد۔

خود بادشاہ کو بھی اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر وزرا ایسے نہ ہوئے تو نتیجہ بر عکس نکلتا ہے۔ چنانچہ بہرام گور[1] اور اُس کے وزیر "راست روشن" کا واقعہ مشہور ہے۔

---

[1] بہرام گور کے وزیر کا نام راست روشن تھا اور کل انتظام سلطنت اُس کے سپرد تھا۔ اور اس قدر معتمد علیہ تھا کہ بہرام گور کسی کی بات اُس کے مقابلہ میں نہ سنتا تھا۔ اور خود دن رات سیر و شکار میں پڑا پھرتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اور بھی برائے نام جانشین تھا۔ جس کو خلیفہ بہرام گور کہتے تھے۔ چنانچہ راست روشن نے اُس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں عدل بہت ہے اس وجہ سے رعایا بے ادب ہوگئی ہے اور بادشاہ کو عیش و طرب سے دلچسپی ہے۔ اس لئے جب تک رعایا کو قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی اُس وقت تک بربادی کا احتمال ہے۔ لہذا جس کے واسطے جو سزائیں تجویز کروں اُس کا عمل درآمد آپ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اور میری رائے میں سزا کے دو اصول ہیں ایک یہ کہ بد اعمالوں کی تعداد گھٹا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ نیک آدمیوں سے مال و دولت چھین لیا جائے۔ چنانچہ جس کو خلیفہ گرفتار کرتا تھا۔ راست روشن اُس کو رشوت لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ غرضکہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام، خوبصورت کنیز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی، جس پر وزیر نے بذریعہ رشوت قبضہ نہ کر لیا ہو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہو گئی اور ملک کے معزز و سربرآوردہ اشخاص جلاوطن ہو گئے اور خزانہ شاہی خالی ہو گیا۔ چنانچہ ایک زمانہ دراز اسی طرح پر گذر گیا۔ اور ایک غنیم ملک پر چڑھ آیا۔ تب اس موقعہ پر پادشاہ نے چاہا کہ صلہ و انعام دے کر فوج کو دشمن کے مقابلہ پر روانہ کیا جائے۔ اس لئے خزانہ کا جائزہ لیا تو وہاں پر بجائے رقم کے صفر تھا۔ اُمراء و رؤساء شہر کو دریافت کیا لوگوں نے کہا: "مدت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے"، سبب پوچھا تو وزیر کے خوف سے سبھوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لئے۔ بہرام گور نے بہت غور کیا لیکن جب کچھ پتا نہ چلا تب علی الصباح تنہا صحرا کی طرف نکل گیا۔ چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہذا اکیس میل تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ لیکن جب تمازت آفتاب سے پیاس کی شدت ہوئی اس وقت ہوش آیا اور پانی کے لئے جنگل میں چاروں طرف نظر دوڑائی دور سے کچھ دھواں سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اس لئے آبادی کا یقین کر کے اُدھر چل دیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ بکریاں سو رہی ہیں اور ایک راوٹی کھڑی ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک رہا ہے۔ اس منظر نے بہرام گور کو حیرانی میں ڈال دیا۔ جب راوٹی کے دروازے پر پہنچا تو ایک گڈریہ نے اندر سے نکل کر سلام کیا۔ اور بہرام کو گھوڑے سے اُتارا۔ اور ماحضر سامنے رکھ دیا۔ اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ یہ ہمارا شہنشاہ بہرام گور ہے۔ بہرام نے کہا: "اے فیاض مہمان نواز دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس رفیق نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہے۔" باقی در صفحہ آئندہ

سکندر نے جو دارا پر فتح پائی اُس کا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے سازباز کر گیا تھا۔ جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ "**غفلت امیر و خیانت وزیر پادشاہی ببرد**"۔

بقیہ صفحہ ۱۸۹: چرواہے نے کہا کہ یہ کتا میری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اس قدر دلیر تھا کہ اکیلا دس بھیڑیوں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور اُن کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اس کے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی اُن کو چراتا تھا اور اپنی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن میں نے بکریوں کو شمار کیا تو کچھ کم معلوم ہوتیں یہاں تک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کمی کا سبب دریافت نہ کرسکا اور بظاہر کوئی چرانے والا بھی نہ تھا۔ جنابِ من! آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب عامل صدقات (ٹکس کلکٹر یا تحصیل دار) محصول کے لئے آیا تو بقیہ بکریاں ٹکس کے نذر ہوگئیں۔ اب میں عامل کی طرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اس کا قصہ سنئے کہ اس کو ایک بھیڑنی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہوگیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلند ٹیکرے سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جان اُن کی تگ و دو میں لگی ہوئی تھی۔ جب اُس نے دیکھا تو دُم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے جگہ سے رُک کر چُپ چاپ کھڑی ہوگئی۔ ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بدچلن نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جاکر سو رہا۔ اور اُس نے ایک بکری کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور چلتی ہوئی۔ اور اس نمک حرام نے ذرا بھی غُرفش نکی۔ جب میں نے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اس کی گمراہی اور نمک حرامی سے پیدا ہوئی ہے۔ تب میں نے اس کو سولی کی نذر کردیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں:-

بہرام گور کو اس واقعہ سے نہایت تعجب ہوا۔ اور راستے میں واپسی کے وقت سوچتا رہا۔ آخر اُس کے خیال میں آگیا کہ "رعیت مثل ریوڑ کے ہے اور وزیر اُس کا چرواہا ہے"۔ اس وقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہے۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچ کر جانچ شروع کی تو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روشن کی کج روی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے بُرا سلوک کیا ہے اور برعکس اپنے نام کے اُس کا چلن ہے۔

بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔ میں نے چونکہ وزیر کو صاحب (باقی در صفحہ آئندہ)

بادشاہ کو کسی وقت اپنے قائم مقاموں سے غافل نہ رہنا چاہیے اور ہمیشہ ان کے چال چلن کی ٹوہ میں رہا کرے۔ جب اُن کی خیانت اور کج روشی ظاہر ہو جائے تو اُن کی معزولی میں ذرا بھی توقف نہ کرے اور اس پر بھی کفایت نہ کی جائے بلکہ باندازۂ جرم سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بقیہ صفحہ ۱۹۱: اختیار کر دیا ہے اس لئے اُس کے ڈر سے کوئی سچی بات نہیں کہتا ہے۔ اب تدبیر یہ ہے کہ کل صبح کو جب وہ حاضر دربار ہو تو سب کے سامنے اُس کو ذلیل کروں۔ اور حکم دوں کہ فوراً پابزنجیر کر دیا جائے۔ اس کے بعد قیدیوں کو بلا کر اُن کی کہانی سُنوں اور عام منادی کرا دوں کہ راست روش وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جائے گا۔ جو اُس کے مظالم کا داد خواہ ہو وہ دعویٰ پیش کرے، اور اظہار دے۔ اگر اُس نے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اُس کے مداح ہوں گے تو خلعت وزارت سے سرفراز کروں گا ورنہ سزا دوں گا"۔ چنانچہ دوسرے دن بہرام گور نے دربار عام کیا۔ جب راست روش حاضر ہوا تو بہرام نے اُس کو مخاطب کر کے کہا کہ "یہ کیا تہلکہ ہے جو تو نے میری سلطنت میں مچا رکھا ہے۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ سب کی تنخواہیں اور وظیفے وقت معینہ پر پہنچیں، اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کی جائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے' اور خزانے میں بھی روپیہ وافر موجود رہے لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ فوج تباہ حال ہو رہی ہے اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں شراب و شکار کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں"۔ یہ کہہ کر راست روش کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا۔ اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال دی گئیں اور قید کر دیا گیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا بایں الفاظ پٹوا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست روش کو وزارت سے موقوف کر دیا ہے اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائے گا جس جس کو اُس نے ستایا ہو وہ بے کھٹکے حاضر دربار ہو کر استغاثہ کریں۔ بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے"۔

چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی۔ انھوں نے اپنی اپنی داستان سُنائی، جانچ کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے تخمیناً بیس ایسے تھے۔ جو خونی یا چور یا واقعی ملزم تھے اور باقی سب بے گناہ تھے جن کو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا۔ اور اُن کے باغ، مکانات، و جاگیر کو ضبط کر لیا تھا۔ ان میں بعض سات سات برس کے قیدی تھے۔ کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے، جو محض اس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اس لئے اطراف و جوانب سے بکثرت باقی در صفحہ آئندہ

جب کسی کو کوئی بڑی خدمت سپرد ہو تو اُس کے معاملات کی تفتیش کے لئے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کردیا جائے کہ وہ اُس کے رنگ ڈھنگ سے آگاہ کرتا رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اُس کو خبر نہ ہو کہ مجھ پر نگراں (خفیہ پولیس) مقرر ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۹۱: فریادی آئے۔ جب بہرام گور نے وزیر کے یہ ظلم دیکھے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستہ میں ایک خط اُس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اس وقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راست روش کی ملی جس کا یہ مضمون تھا۔ کہ "اس قدر آہستگی کیوں ہے عقلا کا قول ہے کہ دولت کو غفلت اُڑا لی جاتی ہے۔ میں فرماں برداری کے اُس درجہ پر ہوں کہ جس پر ہونا چاہیے۔ افسران فوج کو میں نے (اپنی سرکا سے) باغی اور حضور کا ہوا خواہ بنا دیا ہے اور کل فوج کو مفلس کردیا ہے۔ اور آپ کے واسطے خزانے لبریز ہیں۔ تاج۔ ٹیکا۔ اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہے کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہے۔ اس وقت میدان خالی ہے اور دشمن غافل، جہاں تک جلد ممکن ہو آیئے۔ ایسا نہ ہو کہ مرد خوابیدہ بیدار ہوجائے۔"

جب بہرام نے یہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آرہا ہے اب اس کے کمینہ پن میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کرلی جائے اور نیلام کرکے جو جس کا یافتنی ہو وہ اُس کو دیدیا جائے جب یہ سب ہو لیا تو راست روش کو معہ اُس کے تیس مددگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی۔ اور سات روز تک منادی ہوا کی کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اُس کے دشمنوں سے موافقت کرے۔"

صرف اس ایک سیاست سے کل ملک درست ہوگیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کے ساتھ دوستانہ تحائف بھیجے اور چونکہ یہ سارے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھکر کیے گئے تھے لہٰذا اس کے صلہ میں اُس کو سات سَو بکریاں شاہی گلے سے دی گئیں اور محصول معاف کردیا گیا۔ اور خلعت سے سرافراز ہوا۔

چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہٰذا ناظرین کی دلچسپی کے لئے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔

یزدجرد ساسانیوں میں تیرھواں تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہٰذا عربوں نے اس کو اثیم کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہے اس وجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور عموماً خورد سالی میں بچے مثل کلیوں کے مرجھا کر رہ جاتے تھے۔ جب اس کا بیٹا بہرام چار برس کا ہوگیا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جن کا نام سروش، اور ہوشیار تھا زائچہ بنوایا انھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج وتخت ہوگا۔ مگر مدائن اس کو راس نہیں عرب کی سرزمین میں یہ نہال بارآور ہوگا۔ چنانچہ یزدجرد نے (باقی در آئندہ صفحہ)

حکیم ارسطاطالیس نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ جب تو اپنی سلطنت کے اہل قلم کو ناراض کردے تو پھر اُن کو کوئی خدمت نہ دینا کیونکہ یہ اسرار سلطنت سے دشمنوں کو آگاہ کردیں گے اور تیرے قتل کی فکر کریں گے۔ اور حسب ذیل مجرم بغیر سزا کے نہ چھوڑے جائیں۔

بقیہ صفحہ ۱۹۲۔ نعمان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو حیرہ کا فرماں روا اور سلطنت عجم کا ماتحت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کردیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ۔ اس بچہ کی پرورش ایسے مقام پر کی جائے جو آب وہوا کی لطافت میں ضرب المثل ہو۔ اور اس کی سکونت کے واسطے ایسے دو محل بنوائے جائیں جس میں دلچسپی کے پورے سامان ہوں ؛ چنانچہ نعمان نے بغرض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت سے اس کا نام سہ دیر (سدیر معرب) رکھا اور دوسرا محل کھانا کھانے اور معمولی نشست وبرخاست کے لئے بنایا اور اس کا نام خوردن گاہ (خورنق معرب) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنمار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خورنگاہ مخفف) میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید، چاشت کے وقت سرخ، دوپہر کے وقت سبز غروب آفتاب کے وقت زرد ہوجاتا تھا۔ اور رات کو مثل ماہتاب کے چمکتا تھا۔ نعمان نے سنمار کو بہت بڑا صلہ دیا۔ چونکہ یہ انعام اس کے اندازہ سے بہت زیادہ تھا لہٰذا اُس نے کہا کہ میں ایسا مکان بھی بنا سکتا ہوں جو سورج مکھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر کھاتا رہے۔ نعمان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہوگیا تو خورنگاہ کی عدیم المثالی میں فرق آجائے گا لہٰذا اُس نے سہ دیر کی چھت سے سنمار کو گرادیا اور وہ مرگیا۔ عربی، فارسی علم ادب میں سدیر، اور خورنق کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ مثلاً سلمان ساوجی کہتا ہے ؎ خورم تراز خورنقی وخوشتراز سدیرہ، دنگہ بریں سخن در دو دیوار تو گواہ اسود بن یعفر ؎ ارض الخورنق والسدیر وبارق، والقصر ذی الشرفات من سنداد۔"

غرضکہ تین معلموں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہسواری میں بھی جو عرب کا حصہ ہے خوب مہارت کی۔ اور نعمان نے اُس کو ملک ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات سے بھی واقف کردیا تھا لیکن یزدجرد کے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شاہزادے کو جس کا نام کسرے تھا۔ اور جو خاندان اردشیر بابکان سے تھا تخت نشین کردیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسرے سے تخت چھین لیا۔ یہ بہرام شکار کا بڑا شائق تھا۔ اور گورخر کا خاص کر شکار کرتا تھا۔ اس وجہ سے بہرام گور مشہور ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شیر نے گورخر شکار کیا۔ لیکن بہرام نے ایسا تیر مارا (باقی در صفحہ آئندہ)

(۱) جو سلطنت کا آرزومند ہو۔ (۲) یا حرم میں بدنیتی کرے (۳) یا سرکاری راز فاش کرے (۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ جب بادشاہ بیدار ہوتا ہے تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔

(۶) مستاجر[1] اور کاشتکاروں کے تعلقات

دیہات[2] کے ٹھیکہ داران کو چاہیے کہ وہ کاشت کاروں سے صرف اس قدر وصول کریں کہ جس قدر وصول کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ بھی عمدہ طور پر جس میں اُن کا مال و اسباب سلامت

بقیہ صفحہ ۱۹۳= کہ جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں پیوست ہو گیا۔ تاریخ اور تذکروں میں اس کے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں۔ راست روش اس کے وزیر کا نام تھا۔ جو خاقان چین مسمی ایڈمی سے مل گیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کر کے اپنے ہاتھ سے بمقام مرو قتل کر دیا۔ خاقان نے ۲ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان جب خاقان پر چھاپہ مارا ہے اُس وقت تیرہ سو سوار ہمراہ تھے۔ علاوہ فوج کے قارن، گستہم مہر فیروز، مہر برزین، نرہاد، فیروز بہرام، خواد سات عجمی شاہزادے۔ اور رہام، فیروزان، داد برزین، عاملان رے، گیلاں، زابلستان ہمراہ تھے۔ فتح کے بعد بہرام دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کر دیا۔ جس کی میزان ایک سو چالیس کروڑ دینار (زر خالص) تھی۔ اور راست روش کو موقوف کر کے مہر نرسی کو وزیر کیا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ صفحہ ۲۰۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ المعجم حالات بہرام۔ دستیر الملوک نظام الملک۔

[1] فصل پنجم صفحہ ۲۸-۲۷۔ سیاست نامہ۔

[2] وصول مال گزاری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دیئے جائیں اور متاجروں سے معاملہ کیا جائے۔ زمانہ حال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہے۔ اور ہندوستان کی جن ریاستوں میں فی زمانا یہ طریقہ جاری ہے وہاں جمع بندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی ہے البتہ اہل کاران دفتر انشا اور وزیر مال (جو خائن اور مرتشی ہوں) کے آہنی صندوق روپے اور اشرفیوں سے (باقی در صفحہ آئندہ)

رہے ۔اور زن و فرزند امن سے رہیں اور اس سے زیادہ اُن پر کوئی حق نہیں ہے ۔

جب کاشت کار عرض حال کے لئے دربار میں آنا چاہے تو اُن کو روکنا نہیں چاہیئے ۔اور جو ٹھیکہ دار اس کے خلاف کرے اُس کا ٹھیکہ فسخ کر دیا جائے اور سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو ۔ اور اُن کو جاننا چاہیئے کہ رعیت اور ملک سب بادشاہ کا ہے ۔اور ٹھیکہ دار بھی کاشت کار کے لیے مثل والیان ملک کے ایک شحنہ ہے جس طرح پر کہ خود بادشاہ ۔ یعنی دونوں رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ہیں ۔جن بادشاہوں کی رعایا آرام سے رہتی ہے اُن کے واسطے آخرت کا عذاب نہیں ہے ۔

مثال قباد ملک کے انتقال پر جب اُس کا بیٹا نوشیروان عادل تخت نشین ہوا، اُس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا اور سلطنت کا کُل کام کرتا تھا ۔ انصاف گویا اُس کی گھٹی میں پڑا تھا ۔اور نیک و بد کو خوب سمجھتا تھا ۔اُس کا قول تھا کہ "میرا باپ ضعیف الرائے، سلیم دل، اور بھولا شخص ہے اُس نے ملک کو گماشتوں پر چھوڑ رکھا ہے ۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خود مفت میں بدنام ہوتا ہے ۔اور مزدک کے طلسمات پر فریفتہ ہو گیا ہے ۔ عمال اور والی ۔ (جو ناجائز وصول تحصیل سے ملک کو ویران اور رعایا کو فقیر کر رہے ہیں) جب روپے کی تھیلیاں سامنے بھر کر لاتے ہیں تو وہ اُن سے خوش ہوتا ہے، کیونکہ زرپرست ہے اور اُن سے کبھی نہیں پوچھتا کہ یہ بیشی جو محاصل میں ہوئی کہاں سے ہوتی ؟ کیونکہ ملک کی آمدنی صرف عامل کی تنخواہ اور مصارف فوج وغیرہ کے واسطے کافی ہے اور پھر جو رقم کثیر لایا ہے تو آخر میراث پدر سے تو لایا نہ ہوگا ؟ بہرحال یہ وہ رقمیں ہیں جو ناجائز طور سے وصول کی گئی ہیں ۔لیکن کسی عامل سے نہیں کہا گیا کہ محاصل ملک صرف اس قدر ہے ۔جس میں یہ خرچ ہے اور یہ داخل خزانہ ہوا ہے تاکہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا ۔

چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کی طرف سے

بقیہ صفحہ ۱۹۴ سے ۔ بھر جاتے ہیں ۔کیونکہ بقایا مال گذاری کی مثلیں برسوں دائر رہتی ہیں اور نمائشی طریقے وصول مال گذاری کے دکھائے جاتے ہیں ۔لیکن اخیر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہے اور مثل داخل دفتر کر دی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں جو قانون وصول مال گذاری کا گورنمنٹ میں جاری ہے اعلیٰ درجہ کا ہے ۔اور ریاستوں کے لئے قابل تقلید ہے البتہ جمع کا پرتہ اور میعاد بندوبست قابل ترمیم ہے ۔

یہ ادُھم مچا رہا تب ایک دن دربار عام میں عمال کے روبرو نوشیرواں نے یہ تقریر[1] کی۔

"اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے چچا نے مجھ پر چڑھائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور میں نے بھی بزور تلوار ملک فتح کیا۔ جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو میں نے بھی تم کو حکومت میں حصہ دیا۔ اور کسی مستحق کو محروم نہیں رکھا۔ جو اہل کار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر ممتاز ہیں میں نے اُن کو بحالِ خود رہنے دیا ہے۔ اور اُن کی جاگیر و اعزاز میں مطلق کمی نہیں کی گئی ہے۔ میں ہمیشہ تم سے یہی کہتا ہوں کہ رعایا سے نیک سلوک کرو اور اُن سے ناجائز رقم مت وصول کرو۔ میں تمھاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سُنتے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہے)، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے ظلم اور شامتِ اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سر پر نہیں ہے۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہے۔ اس لئے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکری اور ظلم سے مُلک کو زوال ہوتا ہے۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اس لئے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو، بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ ستاؤ اور نہ اُن پر اپنا بوجھ ڈالو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔ بدوں سے پرہیز کرو۔ میں خدا اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی ان اُصول کے خلاف عمل کیا تو پھر میں توقف نہ کروں گا۔"

سب نے کہا کہ "ہم فرماں بردار ہیں۔ حکم کی تعمیل کریں گے۔" مگر چند روز کے بعد پھر سب اپنے اپنے ڈھنگ پر آ گئے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ کیونکہ وہ نوشیرواں کو نادان بچہ سمجھتے تھے۔ ہر سرکش کا یہ خیال تھا کہ خود ہم نے نوشیرواں[2] کو تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہیں اُتار دیں۔

---

[1] خواجہ نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہے۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ اور جن کو نظم سے ذوق ہے وہ اس کو شاہنامہ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] چونکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر نوشیرواں کا ذکر آ چکا ہے لہٰذا مزید تاریخی حالات ناظرین کی اطلاع کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

(بقیہ در صفحہ آئندہ)

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح و آشتی کی حکمت سے سلطنت کئے جاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح پانچ برس گذر گئے۔ لیکن ایک بڑھیا کی فریاد پر جب والئ بائیجان قتل کیا گیا۔ اور اُس کی ساری جائداد ضبط کی گئی تب جملہ انتظام درست ہوگیا۔

بقیہ صفحہ ۱۹۶ - قباد نیکو راستے کی اولاد میں سب سے روشن خیال صرف نوشیرواں تھا۔ اس کا لقب کسریٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام ساسانیوں کو اکاسرہ کہتے ہیں۔ قباد نے اپنی حیات میں ولی عہد کردیا تھا۔ بادشاہ ہوکر نوشیرواں نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور ایوان کسریٰ تعمیر کرایا۔ جو عمارات العجم میں ایک تاریخی عمارت ہے۔ نوشیرواں کے تاج میں اس قدر جواہر نصب تھے کہ وہ کبھی سر پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ وزن کی وجہ سے وہ تخت کے اوپر لٹکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نوشیرواں تخت پر بیٹھتا تو تاج سر پر مثل چتر کے قربان ہوتا تھا۔ نوشیرواں کا استاد تمیشار ساسان تھا۔ جو اپنے زمانے میں ایک نامور حکیم کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں روزانہ تین سو ساٹھ حکمائے عجم اور دیگر ارباب کمال جمع ہوتے تھے اور سلطنت کے اہم معاملات انھیں کے مشورے سے طے ہوا کرتے تھے۔ خاص خاص ارکان سلطنت حسب ذیل ہیں۔

وزیر اعظم	بہبود	نائب وزیر	بزرجمہر
میر منشی اعلےٰ	یزدگرد	موبد موبداں	اردشیر
حاجب اعظم	وزداں	وزیر فوج	بابک
افسر الاطبا	برزویہ	مصاحبین	متعدد تھے

مگر سب سے نادر روزگار ساتب یمنی تھا جو علم قیافہ (فزیالوجی) میں ضرب المثل تھا۔ تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے نوشیرواں نے صوبوں میں والی مقرر کئے۔ چنانچہ سب سے بڑے حسب ذیل پانچ صوبے تھے۔

(۱) خراسان = نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود۔ فاریاب۔ اندراب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ بادغیس۔ باورد۔ غرشستان طوس۔ لنا۔ سرخس۔ جرجان۔ بوشنج۔ البوزجان۔ خرجرد۔ زوزن۔ قائن۔ اسفرائن۔ شہرستان۔ ہلادر۔ جرمقان زم۔ اسفزار۔

(۲) آذربائیجان = طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبذان مہرجان۔ شہر زور۔ صامغان۔

(۳) فارس = اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کازرون۔ فسا۔ داراب جرد۔ اردشیر خورہ۔ سابور۔ اہواز۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیے تاکہ اُن کے قدم مضبوط نہ ہو جائیں۔ اس انتظام سے ملک بھی آباد رہے گا اور دین و دنیا کی نیک نامی بھی حاصل ہوگی۔

بقیہ صفحہ ۱۹۷: یزد۔ جندے ساپور۔ نہرتیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایزج۔ رام ہرمز۔ عسکر مکرم۔ ارجان۔ سوس۔ ابرقوہ۔ فیروزآباد۔ سیراف۔

(۴) **کرمان**: بردسیر۔ جیرفت۔ سیرجان۔ زرند۔ ہرموز۔

(۵) **عراق**: ہیت۔ حلہ۔ قادسیہ۔ حیرہ۔ کوفہ۔ انبار۔ عکبرا۔ سامرہ (سرمن رائے۔ سامیرا۔ سامرا۔ سرمن رے۔ سارمن رائے۔ سامرّ۔ (بالمد) سرمن راء۔ (ممدود الآخر) سارمن راء) بابل نہروان۔ جلولا۔ واسط۔ حلوان۔ بصرہ۔ عبادان۔ بروان۔ صرصر۔ بغداد۔ مدائن (یہ سلسلہ حد روم پر ختم ہوتا ہے)، چنانچہ عمال میں فارس کا عامل ہزاربد کرمان کا آذر ماہان۔ حیرہ کا منذر ماء السماء نہایت مشہور و معروف ہیں۔

نوشیرواں کو جس چیز نے حیات جاوید بخشی ہے وہ اس کا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہے اگر کوئی ان حالات کو لکھنا چاہے تو الف لیلہ کا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "ولدت فی زمن الملک العادل"۔ اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ، اور زمین کی پیمائش اور لگان وغیرہ کے متعلق جو قاعدے اُس نے بنائے تھے وہ حضرت عمرؓ رضی اللہ جیسے نامور مدبر اور فاتح اعظم نے بجنسہ یا باد نے تغیر قائم رکھے۔ بلکہ عراق کے بعض شہروں میں نوشیروانی اصول مال گذاری کے مطابق آج تک عمل درآمد ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے فوجی سپاہیوں اور عہدہ داروں کا رجسٹر اسی عہد میں تیار ہوا۔ سوار اور پیادے کی تنخواہ مقرر کی گئی۔ یعنی سوار کی جاگیر ۴ ہزار درہم اور پیادہ کی سو درہم۔ روم پر تیس لاکھ کی جمعیت سے حملہ آور ہوا اور قیصر جسٹی نین سطایانس کو باج گذار بنالیا۔ ۲ کروڑ دینار زر خالص اور ۱۲ کرور درہم خراج ٹھہرا (علاوہ تحائف) ۷۴ برس زندہ رہا ۴۸ برس حکومت کی۔ اس کے اقوال حکمت بکثرت ہیں۔ ہم صرف ایک مقولہ لکھتے ہیں۔

سلطنت کا قیام فوج سے ہے اور فوج کا خزانے سے، خزانہ کا خراج سے۔ اور خراج کا عمارت (آبادی) سے اور عمارت کا عدل سے، اور عدل، اصلاح عمال پر موقوف ہے۔ اور عمال کی اصلاح وزرا کی استقامت پر منحصر ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ اپنے فرائض سے واقف ہو۔ نوشیرواں ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۴۸ برس سلطنت کرکے ۷۴ برس کی عمر میں ۵۷۹ء میں انتقال کرگیا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۵۵، وکسریٰ نامہ متفرق مقامات۔ کشف الطرہ صفحہ ۲۸۹-۲۹۰ مطبوعہ بغداد۔

(۷) قاضی خطیب اور محتسب کے فرائض

قاضی بادشاہ کو چاہیے کہ تمام ملک کے ایک ایک قاضی (منصف و جج) سے واقفیت حاصل کرے۔ اور اُن میں سے جو عالم (قانون داں) اور متدین ہوں وہ مقرر کیے جائیں۔ اور جو ایسے نہ ہوں وہ برطرف کیے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ باندازہ معارف مقرر کی جائے تاکہ رشوت کی حاجت نہ ہو۔ یہ سب سے نازک اور مشکل خدمت ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔

لے فصل ششم صفحہ ۲۸-۴۲۔ سیاست نامہ۔ ٹ اسلام نے امور مذہبی کے قیام اور سیاسی حیثیت سے جو عہدے قائم کیے ہیں۔ وہ قاضی، خطیب، اور محتسب، مفتی، موذن، اور امام مسجد کا عہدہ ہے خلفائے راشدین اور شاہان اسلام کے عہد میں ان عہدہ داروں کے انتخاب میں خاص توجہ کی جاتی تھی لیکن ہندوستان میں باستثنا بعض ریاستوں کے نہ اب یہ عہدے ہیں اور نہ ان پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ قاضی کی تعریف میں حکام مال فوج داری اور دیوانی داخل ہیں کیونکہ انفصال مقدمات کا کام ان کے ہاتھ میں ہے اور یہ گروہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔ لہذا عہدۂ قضا کے متعلق چند الفاظ لکھے جاتے ہیں جس کا تعلق ہر فیصلہ کنندہ سے ہے۔

بادشاہ کی طرف سے جو ترازو رعایا کے اعمال تولنے کے لئے ہے وہ قاضی کی ذات ہے اس لئے جس شخص کو یہ خدمت سپرد کی جائے اُس میں کم از کم ان صفات کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی متقی، پرہیزگار، صاحب وقار، راست باز۔ ذکی الطبع، سنجیدہ مزاج، فقیہ (قانون داں) اور اپنے عہدہ کے فرائض سے پورے طور پر واقف ہو۔ ثبوت کے قبل فیصلہ سنانے میں جلدی نہ کرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نہ کرے۔ رعایا کے مذاہب اور قومی رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑھ کر جس کی احتیاط بمنزلہ فرض کے ہے وہ یہ ہے کہ بجز بادشاہ وقت کے کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کرے۔ خلفاء اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ "فصل المقال فی ھدایا العمال" مشہور کتاب ہے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کر کے ۷۰۰ دینار (۵۰ ۱۳ روپیہ) تک پہنچ گئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے سو درہم تنخواہ مقرر فرمائی تھی نفس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ سنے اور دوران تحقیقات میں فریقین کے عذرات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے نہ اُن کو دبائے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت (باقی در صفحہ آئندہ)

جب قاضی غلط فہمی یا لالچ وغیرہ سے فیصلہ کریں۔تو دوسرے حکام کو اس کی سماعت کرنا چاہیئے اور بادشاہ سے اطلاع کرنا چاہیئے کہ وہ موقوف کئے جائیں یا اُن کو سزا دی جائے۔

عمّال کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ قاضیوں کو مدد دیتا رہے تاکہ اُن کے ظاہری اعزاز کی کساد بازاری نہ ہو۔اور اگر کوئی شیخی یا دولت مندی کی وجہ سے قاضی کے حکم سے حاضر عدالت نہ ہو تو عمّال اُن کو بجبر و سختی حاضر عدالت کر دیں اور یہ عہدہ اس قدر معزز ہے کہ خلفائے راشدین نے بنفس نفیس

بقیہ صفحہ ۱۹۹ اور نہ کرے۔قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ گواہوں اور وکلا کی بھی تفتیش کرتا رہے۔چنانچہ اس غرض کے لئے خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا۔جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔اور مقدمہ کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔اس کے علاوہ عام حقوق۔اور مشتبہ جائدادوں قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا۔اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُس کے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔اور اس لئے نہایت مشہور اور راست باز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔لیکن فی زماننا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بداعمالوں کی ضمانت کرانے والے موجود نہ ہوں۔اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور اصلی ملزم ان گواہوں کے صدقہ میں چھوٹ جاتے ہیں۔علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسب ذیل عملہ تھا۔

کاتب القاضی۔حاجب القاضی۔نقیب القاضی۔اُمنا۔القاضی۔

قاضی کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ فیصلہ کے وقت ہنسی مذاق نہ کرے بلکہ چہرے پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کر رہا ہے اور فیصلہ سُنانے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار نہ کرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہوگا۔یہ چند ہدایتیں ایسی ہیں کہ فصل خصومات میں عموماً حکام کے لحاظ کے لائق ہیں۔لیکن جن ممالک میں اسلامی حکومت ہے وہاں قاضی کو فیصلہ مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام اور مفلسوں کی خبر گیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی ترویج (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد ہیں۔ماتحت قاضیوں کے فیصلہ کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے یہاں ہوتا تھا۔اور جس عدالت میں ایسے مقدمات پیش ہوتے تھے اس کا نام تاریخ میں "دیوان المظالم" ہے اور عربی میں بہ زمانہ حال مجلس استئناف۔(عدالت اپیل) کہتے ہیں۔

عربی میں متعدد کتابیں قضاۃ کے حالات میں تحریر ہیں۔جن سے اُن کی روشن ضمیری اور ذہانت اور فیصلہ منفصلات کا ملکہ ظاہر ہوتا ہے۔چنانچہ کتاب عقد الفرید للملک السعید میں قاضی محمد بن عمران۔عاقبۃ بن یزید۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

خدمات قضا کو انجام دیا ہے۔

شاہانِ عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز[2] اور مہرجان کے زمانہ میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں کُل رعایا کو شریک ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہوجاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکے گا تو بادشاہ

بقیہ صفحہ ۲۰۰ ؛ شریک بن عبداللہ کوفی عبید بن ظبیان وغیرہ مشاہیر قاضیوں کے واقعات درج ہیں۔ کتاب الاذکیا ابن جوزی۔ اور المستطرف میں بھی بکثرت روائتیں موجود ہیں۔ شائقین یہ کتابیں مطالعہ کریں۔ انتخاب از سلوک المالک فی تدبیر الممالک۔ ومعید النعم سبکی۔ ومقدمہ ابن خلدون۔

[1] قاضی اور قضاۃ یہ دو لفظ اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ جن پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں قاضی وہ کہلاتے ہیں جو نکاح پڑھاتے ہیں۔ اور جس کو گورنمنٹ ایکٹ قاضیان کے مطابق مقرر کرتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس عہدہ کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوئی تھی اس کو بعض حضرات نے خوب ہی ذلیل کیا ہے۔ مسلمانوں پر گورنمنٹ کا خاص احسان ہوگا۔ اگر وہ اس کے متعلق ایک مکمل دستور العمل مقرر کردے۔ اور ان کے رجسٹر جس میں نکاح درج ہوتے ہیں ایسے مطبوعہ فارم پر ہوں کہ جس میں جعل وفریب اور ترمیم وتنسیخ کا موقعہ نہ ہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے رجسٹر مرتب ہوں تو نکاح وطلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہوجاتے۔

[2] "نوروز" ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جس دن آفتاب عالم تاب برج حمل کے نقطۂ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے۔ اور سبعہ سیارہ کو گردش کرنے کا اسی دن حکم ملا۔ اور یہی وجہ تسمیہ نوروز کی ہے۔ لیکن مورخین کا قول ہے کہ جب جمشید پیش دادی نے اصطخر میں قصر شاہی مسمیٰ بہ تخت جمشید بنایا اور علی الصباح تخت پر بیٹھکر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت وتاج پر پڑی اور جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو انھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور اس نورانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا۔ چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار مانی جاتی ہے۔

منجمین کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ جو دن تحویل آفتاب کا برج حمل میں ہے اس کا نام نوروز عامہ ہے اور اس سے زیادہ ساعت سعید کوئی نہیں ہے (باقی در صفحہ آئندہ)

اُس کو قتل کردے گا۔ غرضکہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (مذہبی سردار) کے سامنے دوزانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلا رو رعایت کیا جائے۔ اور منادی پھر پکارتا کہ جو بادشاہ پر نالشی ہوں وہ سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تاکہ اُن کا فیصلہ کر دیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہو کر کہتا کہ "خدا کے نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں اُن کو ظالم سے بچائیں۔ اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جب بادشاہ ظالم ہوتا ہے تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہو جاتا ہے۔ اور خدا کو بھول جاتا ہے۔ تب اُن پر خدا کا عتاب ہوتا ہے اور اُن کی شامت اعمال سے سلطنت اُس خاندان سے نکل جاتی ہے۔

"اے موبد! میرے معاملے میں رعایت نہ کرنا جب خدا مجھ سے پوچھے گا تو میں تجھ سے سوال کروں گا۔" اس کے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا، اگر دعویٰ سچا ہوتا تو اُس کا انصاف کیا جاتا۔ اگر

بقیہ صفحہ ۲۰۱: اور چھٹی تاریخ ماہ فروردین کا نام نوروز خاصہ ہے۔ کیونکہ اس دن جمشید نے دوبارہ تخت پر اجلاس کیا اور خاص جشن کیا۔ اور غسل و طہارت کے بعد سب عبادت میں مشغول ہوئے اور خاص خاص رسموں کی بنیاد ڈالی گئی چنانچہ اکاسرہ میں مسلسل چھ دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے قیدیوں کی رہائی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی انھیں ایام پر موقوف ہوا کرتی تھی اور عیش و عشرت کا بھی خاتمہ ہو جاتا تھا۔

مہرجان۔ مہرگان (مہرجان) مہینہ مہر (اکتوبر) کی سولھویں تاریخ کا نام مہرجان ہے۔ اور یہ وہ تاریخ ہے کہ جب آفتاب برج میزان میں آتا ہے۔ اور خزاں کو موسم بہار کا جانشین کرتا ہے۔ نوروز کے بعد ایرانیوں میں اس سے بڑا کوئی اور جشن نہیں ہے۔ اس کی بھی مثل نوروز کے دو قسمیں ہیں۔ ابتدائے تاریخ ۱۶ اور انتہائے تاریخ ۲۱ ہے۔ مذہبی فضیلت اس تاریخ میں یہ ہے کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا۔ اور تمام روحیں اپنے قالب میں آئیں۔ اور اُسی دن یزداں نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے کاوہ آہنگر کی مدد کی تھی جس نے ضحاک پر فتح پائی۔ اور جو جشن اس یادگار میں منایا گیا وہ قومی مہر و محبت کا دیباچہ تھا۔ اس لئے مہرگان نام قرار پایا۔ علاوہ اس کے اور بھی متعدد اسباب ہیں جس کے لئے تاریخ عجم دیکھنا چاہئے اور بعض ارباب لغت نے لکھا ہے کہ ہر مہینے کی سولھویں تاریخ کو مہرگان کہتے ہیں۔ انتخاب از انجمن آرائے ناصری و برہان قاطع و تاریخ عجم۔

بادشاہ پر جھوٹا دعویٰ دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کر سکتا، تو اُس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ کہ آئندہ اوروں کو جسارت نہ ہو۔ جب بادشاہ کے معاملات ختم ہو جاتے۔ تب بدستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا، اور سب کو مخاطب کر کے بیان کرتا کہ میں نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لئے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو۔ پھر بلا رو رعایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر[1] کے عہد سے یزدگرد تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو انفصال مقدمات کے لئے خود بیٹھنا چاہیے۔ اور سب کی درخواستیں سُننا چاہیے۔ بادشاہ ترک ہو یا عرب، جب وہ قانون شریعت سے واقف نہ ہوگا تو نائب کی ضرورت پڑے گی۔

---

[1] ساسانیوں میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلۂ نسب اسفندیار پر ختم ہوتا ہے) پہلا بادشاہ ہے۔ اُس کی ماں کا نام گہر آفرید تھا ۲۲۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اور سام بن رضیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اردشیر کو شہنشاہی کا لقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہادری اور محنت کا سبق پڑھاتی ہے کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی حاصل کر کے پادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا اور اس کے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ آردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل مدائن) ہرمزاردشیر (متصل اہواز)۔ اشباوار دشیر۔ (متصل اصطخر) بردشیر کورشیر پانچ سو ۵۵۴ چون شہر اور چھ سو قصبات پر اُس کی حکومت تھی اور مردم شماری اسی کروڑ تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور سیر و سیاحت کی کیفیت درج ہے۔ دوسری کتاب آداب العیش۔ اس میں حسنِ معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لئے بتائے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے۔ قیصر روم اور فغفور چین۔ اردشیر کے باج گذار تھے۔ ۸۰ برس کی عمر ہوئی۔ ۱۴ برس ۱۰ مہینہ سلطنت کی اُس کے احوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں۔ انتخاب از ناسخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

یزدگرد (یزدجرد) خسرو پرویز کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہے۔ اُس کے زمانے میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی تفصیل کے لئے "الفاروق" علامہ شبلی نعمانی دیکھو۔

اور ملک کے تمام قاضی درحقیقت نائب السلطنت ہیں۔اس لئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ قضاۃ کی عزت وتکریم اعلےٰ درجے کی کریں۔

(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیئے جو پارسا اور مفسر ہوں۔کیونکہ امامت کا مسئلہ نازک ہے اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہے۔جب امام کی نماز میں خلل ہو تو مقتدیوں کا خدا حافظ ہے۔

(۹) محتسب

ہر شہر میں محتسب مقرر کرنا چاہیئے۔تاکہ وہ بازار میں باٹ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کرتا رہے۔اور لین دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت نہ ہو۔جو چیزیں دیہات سے فروخت کے لئے آئیں اُس میں یہ احتیاط رہے کہ آمیزش نہ ہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی رہے۔ اس عہدہ دار کی عزت ووقار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اُس کے نائبوں کو ضرور ہے۔کیونکہ یہ اُصولِ سلطنت میں داخل ہے۔اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اٹھانا پڑے گی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہوجائے گا۔بنئے، بقّال، جیسا چاہیں گے من مانا بیچیں گے۔

یہ عہدہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا۔جن سے لوگ ڈرتے تھے۔چنانچہ ذیل کا واقعہ مشہور ہے۔

سلطان محمود غزنوی، ندیمان خاص میں ایک شب محو نشاط تھا۔اور اس کے دو ندیم علی نوشتگیں و محمد عربی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے۔چنانچہ علی نوشتگیں نے کھانے کے وقت گھر جانے کی اجازت مانگی۔چونکہ دن زیادہ چڑھ گیا تھا۔اور یہ نشہ میں چور ہو رہا تھا۔سلطان نے کہا کہ "اس وقت گھر سے باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت ہے یہیں آرام کرو۔نماز ظہر کے بعد چلے جانا"۔اُس وقت تک طبیعت سنبھل جائے گی۔اگر محتسب ان حالوں سے دیکھ لے گا تو وہ حد جاری کرے گا، اور ساری عزت خاک میں مل جائے گی، اور مجھ کو بھی صدمہ ہوگا۔لیکن میں شرع

کے حکم میں دم نہ ماروں گا۔"

علی نوشتگین پچاس ہزار فوج پر افسری کرتا تھا۔ اور خود بھی ایک من چلا بہادر تھا۔ ہزار پہلوانوں کی برابر اُس کی طاقت مشہور تھی۔ اُس کے خیال میں نہ آیا کہ محتسب کون ہے اور کیا کر سکتا ہے؟ اور سپاہیانہ جوش میں کہا کہ "میں تو بغیر گھر جائے نہیں رہ سکتا ہوں" اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ محتسب[1] نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب بدمست جا رہے ہیں، چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ "اس کو گھوڑے پر سے اُتار لو۔" اور اس کے بعد خود گھوڑے سے اُتر کر اپنے ہاتھ سے دُرّے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر منہ کے بل گر گر پڑتا تھا۔ اُردَلی کے سوار پیادے کھڑے منہ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ یہ محتسب سلطان کا خادم اور بوڑھا ترک تھا، اور قدیم نمک خوار، اس لئے اس کے مقابلے میں کوئی چون وچرا نہ کر سکا۔ سپہ سالار مذکور کو سخت ندامت تھی اور راستہ میں کہتا جاتا تھا۔ "جو بادشاہ کا حکم نہ مانے گا اُس کا حال مجھ جیسا ہوگا۔" دوسرے دن سلطان نے پیٹھ کھول کر دیکھی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ ہنس کر فرمایا کہ "توبہ کرو اب کبھی گھر سے جھومتے ہوئے نہ نکلنا۔"

چونکہ محمود اُصولِ سیاست اور نظامِ حکومت کا پابند تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانے میں انصاف خوب ہوتا تھا۔

---

[1] علاوہ اُمور مندرجہ بالا کے محتسب کو ان اُمور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مزدور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہ ہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات مخدوش ہوں اُن کو مالکوں سے گروادے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُن کو سزا دے۔ نان بائیوں کی دوکان کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کرا کے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتسب معہ سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ کے سکرٹری) انجام دیتے ہیں۔ سلطنت اندلس میں اسی عہدہ کا نام خطۃ الاحتساب تھا۔ اور در اصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہے۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

(۱۰) عاملانہ عہدہ داروں کی نگرانی

ہر شہر[1] میں بادشاہ کو اول ایسا دین دار اور خدا ترس آدمی تلاش کرنا چاہئے، کہ جو صاحب غرض نہ ہو۔ اور جب ایسا شخص مل جائے تو شہر کی امانت اُس کے سپرد کر دی جائے۔ اور حکم دیا جائے کہ "اس شہر اور اس کے نواح کی عام نگرانی تمھارے سپرد ہے۔ عامل، قاضی، محتسب، اور تمام رعایا کے حالات سے واقفیت پیدا کرو۔ اور مجھے اطلاع دو۔" ایسے بزرگ جو ان صفات سے متصف ہوں۔ اور اس خدمت کو خوشی سے قبول نہ کریں تو ان پر زور ڈالا جائے۔

(۱) چنانچہ امیر عبداللہ بن طاہر[2] (جس کی قبر کی نیشاپور میں زیارت ہوتی ہے)، کا دستور تھا

---

[1] فصل ہفتم صفحہ ۴۴۔

[2] طاہر بن الحسین ملقب بہ ذوالیمینین، خلیفہ، مامون الرشید عباسی کا نامور سپہ سالار ہے جس کو فتح بغداد اور قتل امین کے بعد، مامون الرشید نے ۲۰۵ھ (۸۲۰ء) میں صوبہ خراسان کا گورنر کر دیا تھا۔ لیکن جس دن مامون کے خلاف طاہر نے بغاوت کا خیال ظاہر کیا اُسی دن اُسے زہر دیدیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ کا ہے۔ لیکن چونکہ طاہر مامون کا قدیم خدمت گذار تھا اس وجہ سے اُس کے حقوق کا لحاظ کیا گیا اور خراسان کی حکومت اُس کے بیٹے کو دی گئی۔ غرضکہ اسی طاہر کا ایک دوسرا نامور بیٹا عبداللہ تھا۔ جو صاحب الشرطہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے ۲۱۰ھ میں مصر کا مستقل گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور اُس کے فضل و کمال کا اندازہ اس طرح پر کیا جا سکتا ہے کہ تقرر کے بعد مامون نے عطائے سند کے لئے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمھاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا، جس کے تم دراصل مستحق ہو۔" طاہر نے یہ مژدہ سُنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہے اُس وقت طاہر فوت ہو چکا تھا۔ اس لئے طاہر نے یہ خط ۲۰۶ھ یا ۲۰۷ھ میں لکھا ہے جب کہ عبداللہ رقہ کا گورنر تھا۔ اور نصر بن شیث کے مقابلے میں نمایاں کارگذاری کر چکا تھا)، جو آئین حکومت، انتظامات ملکی، رفاہ رعایا، کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل ہے۔ یہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں، اور خود مامون نے اس کی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین، "تدبیر رائے، سیاست، اصلاح ملک، وحفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی۔" چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون سلطنت اور سیاست سے ربط (بقیہ در صفحہ آئندہ)

کہ وہ ہر کام دین دار اور پارسا لوگوں کے سپرد کیا کرتا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ بال طیب خزانہ میں

بقیہ صفحہ ۲۰۶ ۔ خاص تعلق ہے ۔ لہٰذا ترجمہ اس خط کا لکھا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ہندوستان کی اسلامی او
غیر اسلامی ریاستوں کے والیِ مُلک اور اُن کے عمّال اس دستورالعمل سے فائدہ اُٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ کے
عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں ۔ اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور اُن کے مخاطب مسلمان ہیں ۔ تا
باستثنا اس کے عام مضامین ایسے ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۔

امیر عبداللہ شجاعت اور تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی داں تھا ۔ اس کی فیّاضیوں کے
سامنے خود مامون الرشید کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی ۔ ابو تمام طائی صاحب الحماسیہ اس کے دربا
کا شاعر تھا ۔ تمام خاندان شاہی اس کی عزت کرتا تھا ۔ چنانچہ ۲۱۱ھ / ۸۲۶ء میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا ۔ تو خود معتص
باللہ اس کے استقبال کو نکلا ۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کرکے غلام آزاد کرائے ۔ اور ان مصارف پر جب م
تو چار کرور درہم خاص اُس کے خزانہ میں موجود تھے ۔ امیر عبداللہ ۲۱۴ھ / ۸۲۹ء میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور ۲۳۰ھ / ۸۴۴ء
میں فوت ہوا ۔ اس کے بعد طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر حکمراں ہوئے ۔ امرائے طاہر یہ جن کو ملوک طاہریہ کہنا
چاہیے ان کی حکومت خراسان میں ۲۰۵ھ / ۸۲۰ء سے شروع ہوئی ۔ اور مسلسل پانچ حکمرانوں کے بعد ۲۵۹ھ / ۸۷۲ء میں ختم
ہوگئی ۔ یہ خاندان اگرچہ خلفاء کا ماتحت تھا مگر برائے نام ۔ تمام مورخین کی رائے ہے کہ دولت عباسیہ کے زوال
کا دیباچہ آل طاہر کی مسلسل حکومت تھی ۔

چنانچہ اس خاندان کا اخیر حکمراں محمد بن طاہر یعقوب صفار کے ہاتھ گرفتار ہوگیا اور خاندان کا خاتمہ ہوا لیکن
جو طرز عمل ان امراء کا تھا وہی صفاریوں کا رہا اور یہ سلسلہ تباہی بغداد تک برابر قائم رہا ۔ انتخاب از المامون، تاریخ الدول
الاسلامیہ ۔ ۱۲

طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اول تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، جو ایک ہے اور
جس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ تم کو رات دن اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اُس کی مرضی پر چلو اور اُس کے غصہ سے
ڈرتے اور کانپتے رہو ۔ تمھارا فرض ہے کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شب و روز سرگرم رہو ۔ جو صحت اور
تندرستی خدا نے تم کو عنایت کی ہے اُس کو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو ۔ یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں
جاؤ گے اور تم سے تمھارے افعال کی نسبت سوال کیا جائے گا، اس لیے جو کام تم شروع کرو ۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

جمع ہوتا تھا۔ اور رعایا پر کسی قسم کی سختی بھی نہ ہوتی تھی۔

بقیہ صفحہ ۲۰۷، اُس کو ایسی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تم کو عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہونا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے تم پر احسان کیا ہے اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تم پر واجب کیا ہے۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ اُن کے ساتھ انصاف کرو اور اُس کا پورا پورا حق ادا کرو اور اُس کی حدود سے سرمو تجاوز نہ کرو۔ اُن کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرو۔ ملک میں امن و امان قائم رکھو اور اہل ملک میں عام راحت و آسودگی پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمھارے ذمہ واجب کئے ہیں اُن کے انجام دینے یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پرس کی جائے گی اور تمھاری نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائے گا اور اُن کا بدلہ دیا جائے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ اس بات کے سوچنے اور سمجھنے کے لئے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل و فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر تمھاری زندگی کا مدار ہونا چاہیئے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو اس اُصول پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تم اس پر عمل کرنا لازم جانو اور اپنے تمام کاموں کی بنیاد اسی اُصول پر رکھو۔

پانچ نمازیں جو خدا نے تم پر فرض کی ہیں، اُن کو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔ نمازیں جو سورتیں پڑھو۔ اُن کو آہستگی اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو۔ رکوع اور سجدہ کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ غرضکہ نماز کے جتنے ارکان ہیں، اُن سب کو نہایت اطمینان سے انجام دو۔ جو لوگ تمھارے مصاحبوں اور ندیموں میں داخل ہوں، یا تمھارے خدمت گار اور ملازم ہوں، اُن کو بھی اس بات کی ترغیب دو کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے اور انسان بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور خلفائے راشدین اور سلف صالح کے طریقہ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمھیں اُس کے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو سجھائے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے طریقے سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد اُس کام پر ہاتھ ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں ہاتھ سے نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا اجنبی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اس کا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اُس فیصلے کو پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ" العدل عز الدنیا وقوت السلطان وفیه صلاح العامة والخاصة"

بقیہ صفحہ ۲۰۸ شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور اُن کو اپنی صحبت میں شریک کرو، کیونکہ ایک انسان کے لئے جو چیز سب سے بڑھ کر مایہ ناز ہو سکتی ہے، وہ دین داری اور خدا شناسی ہے۔ یہ وہ چیز ہے، جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہے اور مہلک برائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کو نیکی کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلند ترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں روحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں ہر شخص تمھارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئے گا، تمھارا رعب اہل دنیا پر طاری ہوگا، وہ تمھارے ساتھ محبت واُلفت سے پیش آئیں گے اور تمھارے انصاف پر بھروسا کریں گے۔

ہر ایک کام میں جس کو تم شروع کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی ہاتھ سے نہ دو اور ہمیشہ خیر الامور اوسطہا پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اس سے زیادہ مفید اور عمدہ اور اطمینان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے، جو ہدایت کے طریقے پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں رہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیکی میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نیکی کرنے سے کوئی مقصد اس کے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُس کے نیک اور مقبول بندوں کا قرب تم کو حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کرو گے تو دنیا میں تمھاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچو گے، اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں۔ پس تم کو بھی اسی طریقے پر چلنا چاہیے، تاکہ تمھارے سب کام درست ہوں اور تمھاری عزت اور وقعت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمھاری رعیت بھی ہمیشہ تمھاری نسبت نیک گمان رکھے گی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی (باقی در صفحۂ آئندہ)

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ۔

(۳) حضرت فضیل[1] بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ۔ اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

---

[1] ابو علی فضیل بن عیاض، نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں۔ ابتدا میں ابیورد اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے۔ لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ توبہ کرکے بمقام کوفہ ریاضت میں مشغول ہوئے اور زمرۂ کاملین اور ارباب طریقت میں شمار ہوئے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں بمقام مکہ معظمہ بحیثیت ایک مجاور ۷ بماہ محرم ۱۸۷ھ/۸۰۲ء انتقال فرمایا تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ صوفیہ اور ابن خلکان دیکھو

بقیہ صفحہ ۲۰۹ ۔ نعمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں، ہر شخص کی نسبت جس کو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اُس کے کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو۔ تمھارا فرض یہ ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُس کی حقیقت معلوم کرو۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرنا اور اُن پر بے جا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُن کے کاموں کی نسبت بدگمانی کرنا اور اُن پر بے جا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُن کے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور اُن پر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمھارے طریقہ زندگی میں کوئی رخنہ نہ پائے، ورنہ وہ تمھاری ادنیٰ کمزوری کو کافی سمجھے گا اور تم کو بدگمانی میں ڈال کر غم میں مبتلا کردے گا۔ اور تمھارے عیش کو مکدر اور تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالے گا۔ خوب سمجھ لو کہ حسنِ ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھوگے تو تمھاری تمام خواہشیں پوری ہوں گی اور سب کام درست رہیں گے اور لوگ تم سے محبت کریں گے، مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر محض حسنِ ظن پر بھروسہ کروگے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آؤگے اور اُن سے باز پُرس نہیں کروگے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھوگے، تو اُس کا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے ہر انتظام میں خلل آجائے گا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمھارا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور اُن کی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور اُن کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے (باقی آئندہ)

یہی دعا مانگوں کہ خداوندا سلطان عادل مرحمت فرما۔

بقیہ صفحہ ۲۱۰ ، جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے ۔جب تم اس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تم کو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کل تم سے تمھارے بُرے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ بُرائیوں پر تم کو سزا دی جائے گی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤ گے۔ خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس تمھارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو اُن کے ساتھ دین داری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اُن سے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قائم کردی ہیں، اُن کو جاری کرو، اور مجرموں کو اُن کے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا دینے میں کوتاہی کروگے، تو عام آدمی تمھاری نسبت بدگمانی کریں گے اور اُن کا خیال تمھاری نسبت اچھا نہیں رہے گا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جو ہدایتیں واضح اور روشن ہیں، اُن کو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو، اُن کو بالکل ترک کردو اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمھارا ایمان قائم رہے گا اور تمھاری دین داری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اُس کو ضرور پورا کرو۔ اور کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو، تو اس کا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے عیبوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی عادت رکھتے ہوں اُن سے تم ہمیشہ دشمنی رکھو چغل خوروں کو بدگوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور اُن کو جھوٹ بولنے پر جرأت دلانے سے تمھارے موجودہ اور آئندہ کاموں میں ضرور خلل آئے گا۔ جھوٹ بولنا تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تہمت لگانا اور غیبت کرنا اُن کی انتہا ہے۔ چغل خور آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ بیہودہ اور خراب عادت ہوتی ہے اُس کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ نیک چلن اور راست باز آدمیوں سے تم کو ضرور محبت کرنی چاہیے۔ شریفوں کی اعانت کرو، مگر اُسی حالت میں جب کہ وہ حق پر ہوں کمزوروں کی غم خواری کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غرضکہ ہر ایک گروہ کے اور ہر قسم (باقی در صفحۂ آئندہ)

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض و سنّت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملّت کی عزّت و حرمت کرتا رہے۔ اور بیت المال سے اُن کو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین

بقیہ صفحہ ۲۱۱، کے آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو۔ مگر ہر وقت اور ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خدا کی خوشنودی اور اُس کے احکام کی فرماں برداری کرنا مقصود ہے اور تم اپنے حسنِ سلوک کی جزا اہلِ دنیا سے نہیں، بلکہ آخرت میں خدا سے پاؤ گے۔

ناجائز ارادے اور ظلم وستم کے ولولے اپنے دل میں پیدا نہ ہونے دو اور اپنے تئیں ہمیشہ اُن سے دُور رکھو اور رعیت پر ظاہر کردو کہ تم ظلم وستم نہیں کرو گے اور اپنے کسی ناجائز ارادہ کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ سیاست کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مدِنظر رکھو، اور رعیت کے معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور اُن کی نسبت پہلے سے ایسی معلومات حاصل کرلو، جو راہِ راست سے تم کو منحرف نہ ہونے دے۔ غصہ کے وقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو، اور کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں، جو چاہوں کرسکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اُس کی عظمت وجبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور آسودگی اور دولت مندی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، اور اُس کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں، تو بہت جلد اُن کی حشمت اور ثروت پر زوال آتا ہے اور بدبختی کا عذاب اُن پر نازل ہوتا ہے۔

حرص و طمع کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو خزانے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ اس لیے ہونے چاہئیں کہ تم اُن کو حق داروں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں اُن کو صرف کرو نیکیوں اور بھلائیوں میں، انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں، لوگوں کی جانیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں (باقی در صفحہ آئندہ)

سے ملا کرے۔ اور اُن سے قرآن وحدیث سیکھے۔ اور شاہان عادل کے قصص وحکایات سُنے۔

بقیہ ۲۱۲۔ کی فریاد سننے میں جہاں تک تم سے ہو سکے، کوشش کرو اور کبھی ان امور سے غافل نہ ہو جب دولت کے انبار لگ جاتے ہیں اور خزانوں میں روپیہ کثرت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو اُس میں کبھی ترقی اور بیشی نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نہ کیا جائے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال رکھو گے تو رعایا کی حالت درست ہوگی، ملک کو رونق اور سرسبزی حاصل ہوگی اور تمھاری حکومت مضبوط اور تمھاری مملکت محفوظ ہو جائے گی۔ تم کو ہمیشہ اپنے خزانوں کو اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور حفاظت میں صرف کرنا چاہیے۔ جو لوگ امیرالمومنین کے خیرخواہ اور وفا دار ہیں، اُن کا اور رعایا کا حق تم کو اپنے خزانوں سے نکالنا چاہیے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے رعیت کو آسائش اور بہبودی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کروگے، تو خدا کی نعمت جو تم کو دی گئی ہے، پائدار اور برقرار رہے گی، بلکہ روز بروز اُس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مطالبہ کا روپیہ حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہو گے اور تمھارے احسان اور انصاف کے سبب سے تمام آدمی تمھاری اطاعت اور فرماں داری پر پہلے سے زیادہ کمربستہ ہوں گے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہو گے اُس کو وہ نہایت آسانی سے قبول کریں گے میں نے یہ نصیحت اس لیے کی ہے کہ تم اُس پر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پائدار رہتا ہے۔

تم کو لازم ہے کہ جو لوگ تمھارے احسان کا شکریہ ادا کریں اور تمھارے ساتھ اطاعت اور خلوص کا اظہار کریں۔ اُن کے ساتھ تم بھی حسنِ سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ اور ایسا نہ ہو کہ دنیا تمھیں دھوکا دے اور ناز ونعمت میں پڑکر اپنی عزت کو بھول جاؤ اور اُن حقوق کے پورا کرنے میں سُستی کرو، جو تمھاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو کہ سُستی کرنے کا نتیجہ افراط وتفریط ہے اور افراط وتفریط کا نتیجہ ہلاکت ہے تمھارا ہر کام صرف اس غرض سے ہونا چاہیے کہ تم اُس کے ذریعے سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع رکھو، یہ میں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے تم پر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تم پر کامل مہربانی کر سکتا ہے۔ وہ اُن لوگوں کو جو اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ زیادہ نعمت عطا کرتا ہے اور نیکی کرنے والوں کو اُن کی نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہے۔

کسی گناہ کو تم ادنیٰ اور حقیر نہ جانو کسی حاسد کے ساتھ نرمی اور دل جوئی سے پیش نہ آؤ۔ کسی بدکار پر رحم نہ کرو، کسی ناشکرے کے ساتھ فیاضی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ ملکنی چپڑی باتیں نہ کرو، کسی بدگو (باقی در صفحۂ آئندہ)

جب یہ صحبت ہو، اُس وقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیے۔ اور ایسے جلسہ میں علما کو حکم دے

بقیہ صفحہ ۲۱۳ = اور چغل خور کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ، کسی بے وفا اور نمک حرام پر احسان نہ کرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی ریاکار کی تعریف نہ کرو۔ کسی فقیر کو محروم اور نا اُمید نہ جانے دے۔ کسی انسان کو حقارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھو۔ بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو۔ کسی کے ساتھ ہنسی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کرو اُس کو پورا کر کے رہو اور فضول باتوں اور احمقانہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نہ کرو۔ جب چلو تو اکڑ کر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کر سکو۔ کسی ظالم سے ڈر کر اُس کے افعال سے چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام تم کو آخرت میں ملے گا، اُس کی دنیا میں خواہش کرنا حماقت ہے۔ جو لوگ فقہ میں کامل مہارت رکھتے ہوں، اُن سے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور اُن کے مشورہ کو تحمل سے سُنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں، اُن کی رائے پر عمل کرو۔

بُخل سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس سے رعیت کی اصلاح و انتظام کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم حریص ہو گے تو رعیت سے زیادہ وصول کرو گے اور ان کو بہت کم دو گے اس صورت میں تمھارے بہت ہی کم کام پورے ہوں گے، کیونکہ رعیت تمھارے ساتھ اسی حالت میں محبت کر سکتی ہے۔ جب کہ تم اُن کی دولت کی پروا نہ کرو اور اُن کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ۔ سب سے پہلے تم اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جو تمھارے دوست اور وفادار ہوں اور تمھاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ اُن کے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقعہ پر ہرگز بُخل نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے، جو انسان سے ظہور میں آئی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بُخل سے بچاتے ہیں، وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت مدِ نظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کر لو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اس کو اپنی عادت اور خصلت بنا لو، مگر تمھاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیے۔

فوج کے متعلق جو اُمور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، اُن پر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ اُن کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ اُن کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال نہ ہوں۔ اس سے اُن کی قوت اور ہیبت میں ترقی ہو گی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری (باقی در صفحہ آئندہ)

کہ وہ مناظرہ شروع کریں، اور جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ دریافت کرے، اس اصول کی پابندی

بقیہ صفحہ ۲۱۴: کے ساتھ تمھارے حکموں پر گردن جھکائیں گے۔ حکمرانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کرو گے اور اس ہدایت کو اپنا شعار بنالو گے، تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں رہو گے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اس قدر پسند ہے کہ اُس کے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے، نہ کوئی چیز اس قدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے، جس میں خدا کے بندوں کے افعال تولے جاتے ہیں۔ انصاف پر فیصلہ کرنے اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے۔ مظلوم اپنی بےکسی اور مظلومیت کی داد پاتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی آسائش اور بہبودی سے بدل جاتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرماں بردار ہوتے ہیں۔ اُن کی عزتیں اور جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

میرے عزیز بیٹے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور اُن کو جاری کرنے میں سختی سے کام لو۔ ظلم و ستم سے اپنے تئیں محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قائم کرو، مگر کسی کام میں جلدی نہ کرو اور گھبراہٹ اور بےقراری کی علامتیں اپنے چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دو، جو تجربے تم کو حاصل ہو چکے ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی میں چوکنے اور ہوشیار رہو اور بولنے میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔ جب کسی معاملے میں تم کو شبہ ہو، تو اُس میں تامل کرو اور صریح حجتوں اور روشن اور واضح دلیلوں کی تلاش میں رہو نہ اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی جنبہ داری اور بےجا حمایت کرو، نہ کسی شخص کی طعن اور ملامت کی پروا کرو۔ تم کو ہمیشہ ہر کام استقلال سے کرنا چاہیے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور اُس کے ہر پہلو کو ٹٹولنا چاہیے۔ تمھارے دل میں اس کے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ جو معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، اُس میں حق کو معلوم کر کے اُس کے موافق فیصلہ کرو اور جو بات ناحق ہے، اُس کو رد کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم اُن پر حکومت کرتے ہو۔ اسی طرح ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تم پر حکومت کرتا ہے۔ کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا بڑا گناہ ہے۔ جس کی برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہے، اُس پر اپنی (باقی در صفحہ آئندہ)

چند روز میں خود بخود ہو جائے گی۔ اور بہت زمانہ نہ گذرنے پائے گا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ صفحہ ۲۱۵ = پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہے جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہے اہلِ اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے مخالفوں کا حسد شعلہ زن ہوتا ہے۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اُن کی ذلت ہوتی ہے۔ جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے وہ اُن پر اس طرح لگانا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہ ہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب سے کہ وہ شریف ہے، نہ کسی دولت مند کو اس سبب سے کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہے، نہ کسی کاتب کو اس سبب سے کہ وہ تمھاری پیشی میں رہتا ہے، نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو اس سبب سے کہ وہ تمھارا مصاحب یا ملازم ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کرو وہ ایسی ہونی چاہیے جو اُس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اُس کے وصول کرنے میں جبر و زیادتی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس برتاؤ سے ہر شخص رضامند ہوگا اور سب یہ سمجھیں گے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی پر سختی ہوتی ہے، تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہے بلکہ سب پر ہے۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو اُن کے تم محافظ اور خزانچی مقرر کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لئے کہلاتے ہیں کہ تم اُن کے راعی اور نگہبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اُس سے یہ غرض ہے کہ تم اُس کو اُن کی اصلاح حالت اور اُن کی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم اُن پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہئیں، جن کی رائے صائب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیانت دار اور نیک دل ہوں۔ اُن کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہے، جس سے تم کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم میری اس نصیحت پر عمل کرو گے اور اپنے فرائض کو جو تمھارے ذمہ ہیں، نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دو گے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کرے گا۔ اُس کی نعمتیں تمھارے لئے روز افزوں ہوں گی۔ تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور اُلفت کے ساتھ پیش آئے گی۔ اُن کی عام بہبودی اور آسائش کو ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیاں تمھارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور پر تمام ملک میں نظر (باقی در صفحہ آئندہ)

احادیث نبوی سے واقفیت پیدا ہو جائے گی۔ اور پھر اگر کوئی چاہے کہ عقائد مذہبی سے اُس کو برگشتہ

بقیہ صفحہ ۲۱۶ = آئے گی۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہے گا۔ تمھارے خزانے بھرپور رہوں گے تمھاری فوج طاقتور ہوگی۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ سے تم مسخر کرسکو گے۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سیاست کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائے گا اور وہ تم کو رشک وحسد کی نظر سے دیکھیں گے۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سرانجام دینے کے لئے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی۔ پس تم کو لازم ہے کہ میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھو اور اس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اُس کے سبب سے تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان پر جاری ہوگی۔ اپنے ملک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو وہاں کے حاکم کی طرز حکومت اور طریقہ انتظام اور اُس کے چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تم کو ہمیشہ مطلع کرتا رہے۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ ہر حاکم اور عامل، جو بطور نائب کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کرے گا کہ تم ہر وقت اُس کے سر پر ہو اور اُس کی کوئی بات ایسی نہیں ہے، جس سے تم خبردار نہ ہوتے ہو، اپنے نائبوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اُس کا کیا انجام تم کو اچھا دکھائی دے، تو اُس کو فوراً جاری کردو، ورنہ تامل کرو، اور اُن لوگوں سے مشورہ کرو جو اہل بصیرت اور صاحب علم ہوں۔ غرض کہ ہر حکم سوچ سمجھ کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرتا ہے تو اُس کا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہے اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہے۔ پھر اُس کو اپنی مرضی کے موافق سرانجام دیتا ہے اور وہ سرانجام دینا اُس کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔ انجام پر نظر نہ ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام بگڑ جاتا ہے اور اُس کی درستی اور اصلاح کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے پس تم کو لازم ہے کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری سے کرو اور ہر کام کو بذات خود انجام دو۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیئے کہ تم اُس کے انجام پانے کی خدا سے دعا مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ آج کا کام تم کو آج ہی انجام دینا چاہیئے اور اُس کو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیئے، کیونکہ کل جو کام تم کو کرنا ہے وہ آج کے کام سے تم کو باز رکھے گا اور اتنی مہلت نہیں دے گا کہ تم اس کے ساتھ اُس کو بھی انجام کرسکو گے۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گذر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لے گیا۔ اگر ایک دن کام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی ہے، تو دوسرے دن دو کام کرنے پڑتے ہیں اور اُن دونوں کا انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے اگر تم ہر دن کا کام اُسی دن کرتے رہو گے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دو گے اور تمھارا کوئی (باقی در صفحہ آئندہ)

کروے تو نہ کر سکے گا۔ اور رعایا کو بھی حصولِ علمِ دین کی رغبت پیدا ہو جائے گی۔ حدیث میں آیا ہے

بقیہ صفحہ ۲۱۷ = کام ادھورا نہیں رہے گا۔

جو لوگ شریف۔ سِن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں، جن کی نیک نیتی، خیر خواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو اُن کو اپنا خالص دوست اور خیر خواہ سمجھو اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اور فیاضی سے پیش آو۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہو گئے ہوں، اُن کی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور اُن کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو، جو اپنے معاملے کو تمھارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جن کو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہے۔ اُن سے نرمی اور دل جوئی کے ساتھ اُن کا حال پوچھو اور اُن کے معاملے کی تحقیق کرو اور اُن کی خبر گیری کے لئے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور اُن کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد اُن کے معاملات کا انصاف اور رحم دلی سے فیصلہ کریں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں، یا مناسب حکم کے لئے اُن کے معاملے کی رپورٹ تمھارے پاس بھیجیں۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہو، اُن کے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لئے اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس باب میں تم کو امیر المومنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ تم اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور اُن کو مدد دو اور اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرو، تاکہ اُن کی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہ ہو اور تمھاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمھیں قیامت کے دن اُس کا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں اُن کو بہ نسبت دوسروں کے بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور اُن کی خبر گیری اور دل جوئی کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لئے شفا خانے تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور اُن کی خدمت اور خبر گیری کے لئے شفا خانوں میں ملازم مقرر کرو، تاکہ جس چیز کی اُن کو ضرورت ہو، وہ فوراً اُس کو مہیا کریں۔ اُن کے علاج کے لئے ایسے طبیب ملازم رکھو، جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔ ان تمام اُمور میں تم کو خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تم پر نہ لگایا جائے۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادا کئے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بذاتِ خود حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں۔ کیونکہ اس طرح اُن کو یہ اُمید (باقی در صفحہ آئندہ)

کہ بادشاہ کے واسطے سب سے اچھی چیز اُس کا پاکیزہ مذہب ہے۔کیونکہ مملکت اور مذہب مثل

بقیہ صفحہ ۲۱۸ = ہوتی ہے کہ اُن کی اچھی طرح حق رسی ہوگی اور اُن کے معاملے پر کماحقہ توجہ کی جائے گی۔اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، جب اُن کے سامنے بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں۔اور بہت سے مقدمات کا انبار ہو جاتا ہے، تو وہ اُن کی کثرت کو دیکھکر گھبرا جاتے ہیں اور پوری توجہ سے ہر معاملے کو طے نہیں کرتے۔اور محنت اور مشقت کرنے سے جی چُراتے ہیں، مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص خدا کے بندوں سے بے پروائی کے ساتھ پیش آتا ہے اور اُن کے معاملات پر پوری توجہ نہیں کرتا، وہ اُس شخص کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جو انصاف کے درپے ہے اور جو نیک نامی اور ثواب کا خواہاں ہے۔پس تم کو لازم ہے کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے پاس آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو اور بالمشافہ اُن سے گفتگو کرو اور اُن کے معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لئے اپنے حواس کو جمع رکھو۔ اور اُن کی ہر بات کو اطمینان سے سُنو اور اُن کے ساتھ نرمی اور مہربانی اور خندہ جبینی سے پیش آؤ جو سوال تم اُن سے کرو، وہ نرمی اور آہستگی سے کرو۔اگر وہ حاجت مند ہوں تو اُن کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دو، تو ہمیشہ ہنس مُکھ ہو کر دو۔ اور اُس پر خوشی کا اظہار کرو اور اُن سے نہ کسی معاوضہ کی توقع رکھو۔ نہ اُن پر کوئی احسان جتاؤ۔اگر تم ایسا کرو گے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جس کا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکمراں تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو قومیں زمانہ سلف میں برباد ہو چکی ہیں، اُن کے حالات کو مطالعہ کرو اور اُن سے عبرت حاصل کرو۔پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرے میں محدود کر دو۔ اُس کے احکام پر گردن جھکاؤ۔اُس کی شریعت پر عمل کرو۔اُس کے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔جو بات سنت الٰہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی نارضامندی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اُس کو یک لخت ترک کر دو۔ تمھارے نائب جو مال جمع کرتے ہیں اُس پر ہمیشہ نظر رکھو۔ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور بے جا طور پر خرچ نہ کرو۔علما کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور اُن سے مشورہ کرتے رہو۔اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کر دو اور نیکیوں کے پھیلانے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کرتے رہو۔تمھارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمھارے عیبوں کو دیکھکر اُن کے ظاہر کرنے میں کبھی باک نہ کریں، اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ نکتہ چینی کرنے سے تم اُن سے ناراض ہو جاؤ گے۔اگر ایسے آدمی تم کو دستیاب ہوں۔تو یہ سمجھ لینا کہ وہ تمھارے نہایت خیر خواہ دوست ہیں اور اُن کی قدر کرنا (باقی در صفحہ آئندہ)

دو بھائیوں کے ہیں۔ جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت پر بھی اُس کا اثر پڑے گا۔ حضرت سفیان[۱] ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب

بقیہ صفحہ ۲۱۹ = تمھارا فرض ہے۔

جو عامل اور محاسب اور کاتب تمھارے پاس روزانہ آتے ہوں، اُن کے لئے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کرسکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے تم کو مطلع کر سکیں، جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت اُس کے سمجھنے اور اُس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو اور پوری توجہ اس بات پر مبذول کرو کہ اُس کا فیصلہ کیا ہونا چاہیے۔ بار بار اُس پر غور و فکر کی نظر ڈالو اور انصاف اور ہوشیاری سے اُس کو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو اُس کو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لئے دوسرے وقت پر اُٹھا رکھو۔

اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو وہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ امیرالمومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تمھاری تمام فیاضیاں جو رعیت کے ساتھ ہوں وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہئیں۔

میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب سمجھ کر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں میں نے اس میں درج کی ہیں اُن پر عمل کرو اور ہر کام میں جس کو تم انجام دینا چاہو، خدا سے مدد مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو، کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں انھیں لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں۔ غرضکہ تمھاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا چاہیے۔ جس سے خدا کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو۔ غیر مذہب اور غیر قوم کے جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اُن کو بہبودی اور رفاہ و آسائش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف اور امن و امان کی روشنی پھیلے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی تم کو توفیق دے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں کامیاب ہو۔ والسلام۔

* منقول از معارف جلد ۴ نمبر ۱ مترجمہ مولوی محمد عزیز الرحمٰن عزیز اصل خط کے لئے دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر

[۱] حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام اور مجتہد ہیں، اور اُن مشاہیر میں ہیں کہ جنھوں نے ابتداءً علم حدیث کی تدوین کی منصور عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ ۱۶۱ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ انتقال یہ ہے۔

آنکہ سفیان ثوریش نام است | مرشد خاص و رہبر عام است

(باقی در صفحہ آئندہ)

سے اچھا بادشاہ وہ ہے جو اہلِ علم سے صحبت رکھتا ہو اور سب سے بُرا وہ عالم ہے کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو۔"

لقمانؑ[1] حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہے۔ اور علم خزانے سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہم کو خزانے کی نگہبانی کرنی پڑتی ہے اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہے۔

حضرت حسنؒ[2] بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ " میں اُس کو عاقل نہیں سمجھتا ہوں جو عربی علم ادب کا ماہر ہو بلکہ عاقل وہ ہے جو مختلف علوم جانتا ہو۔ اگر ایک شخص ترکی، فارسی یا رومی زبان میں تفسیر قرآن کا عالم ہو۔ مگر عربی زبان نہ جانتا ہو تو وہ بھی عالم ہے۔ ہاں اگر اس مقدس زبان سے واقف ہو تو بہت اچھا ہے کیونکہ کلام مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی زبان تھی چونکہ بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کو صاحب علم ہونا چاہیے تاکہ کوئی حکم جہالت پر محمول نہ ہو۔

جو بادشاہ دانشمند ہوئے ہیں دیکھو اُن کا نام آج تک کیسا مشہور ہے! اور حقیقت میں.. یہی وہ ہیں۔ کہ جن کے کارنامے قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندر۔ اردشیر نوشیروانِ عادل امیر المومنین فاروقِ اعظم۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہارون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ۔ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی۔ اور سلطان محمود غزنوی کا نام داخل ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲: مرقد عالیش بہ بصرہ داماں سال ترحیل ادہمای جہاں

ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۱۰ و مفتاح التواریخ صفحہ ۲۸

[1] (لقمان) مورخین نے صراحت کی ہے کہ لقمان نبی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے حبش کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے۔ لیکن اُن کے مالک نے دولت کثیر دے کر آزاد کر دیا تھا۔ یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ لقمان کا ہر قول حکمت اور نصیحت ہے۔ معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۹

[2] حضرت حسن بصری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ علاوہ تبحر علمی کے زہد و پارسائی کا بھی تمغہ رکھتے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز فصحا میں شمار کئے گئے ہیں۔ یہ زمانہ یزید ابن عبدالملک کی حکومت کا تھا۔ چنانچہ عمر ابن ہبیرہ والی عراق و خراسان کے دربار میں بجواب سوال اطاعت یزید، جو تقریر حسن بصری نے کی ہے وہ اُن کی آزادی اور حق پسندی کی بڑی دلیل ہے سنہ ۱۱۰ھ بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔ ابن خلکان صفحہ ۱۲۸۔ جلد اول

یہ وہ جلیل القدر شاہنشاہ تھے، جن کے واقعات سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ لوگ ان کے حالات پڑھتے ہیں اور دُعا سے یاد کرتے ہیں۔ (فصل آٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف)، وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر ضرورت کے وقت بیان کیا کرے۔ اطراف وجوانب میں یہ ناظر اپنے ماتحت خود روانہ کرے گا۔ مگر جو لوگ بھیجے جائیں وہ اپنی رائے کے مستحکم اور دیانت دار ہوں تاکہ اُن کو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ اُن کے مصارف بیت المال سے وقت معینہ پر ادا کیے جائیں، ایسا نہ ہو کہ اُن کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمۂ وقائع نگاری و پرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو، عدم واقفیت کے لئے قرب وبُعد کا عذر معیوب ہے۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہے، اُن پر غفلت اور ستمگاری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو بدامنیاں اور دست درازیاں اُس کے عہد سلطنت میں ہوتی ہیں اُن کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان حالات سے بادشاہ واقف ہے یا بے خبر ہے۔ اگر اُس کو علم ہے اور پھر بدنظمیوں کا تدارک نہیں کر سکتا ہے، تو اوروں کی طرح وہ بھی ایک ظالم ہے۔ اور گویا خود اُس نے علانیہ ظلم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہ واقف نہیں ہے، تو اس سے زیادہ غفلت اور کیا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ واقعہ نگاری[1] کا دفتر قائم کیا جائے۔

---

[1] واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگاروں کی ابتدا شاہان اسلام میں امیرالمومنین فاروق اعظم کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہے اور اُنھوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کے سبب (باقی در صفحہ آئندہ)

زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہرکاروں کے ذریعہ سے ہر قسم کی خبریں جلد جلد بادشاہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ پندرہ سو میل کے فاصلہ پر اگر ایک پولا گھاس یا ایک مرغ کوئی زبردستی چھین لیتا۔ تو اُس کی بھی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم سزایاب ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دھوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی الحقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے کہ جن کی زبان اور قلم بدگمانی کے دھبوں سے پاک ہوں۔ اور اُن میں خود غرضی نہ ہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیے تاکہ ولی اطمینان سے یہ اپنا کام کئے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہرحال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوتِ فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲۲ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ بلکہ گھروں کی چار دیواری کے اندر کسی ملکی معاملہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح پر خلفائے عباسیہ کے عہد میں بھی انتظام تھا۔ چنانچہ مامون الرشید کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ "سترہ" سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چھا اُس کو پہنچاتی تھیں۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اُن کے نام ونشان سے اطلاع نہ تھی۔ ایسا ہی زبردست انتظام دور دراز کے صوبوں اور بڑے بڑے اضلاع کے متعلق تھا اور روزانہ ڈاک براہِ راست مامون الرشید تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ تمام پچھلے مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا۔ اور عہد مغلیہ میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر پر اس انتظام کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ دربار میں عالمگیر کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے تھے جس کا ظہور کچھ دنوں کے بعد ہوتا تھا۔ اور اکثر شاہانِ ہم عصر کے خطوط۔ اور عمال کے عرائض کا مضمون لفافہ کھولنے سے پہلے بتا دیتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ عالمگیر کو ایک روشن ضمیر ولی اور عارف باللہ سمجھتے تھے۔ تمام ہندوستان کی سرحدوں اور مخدوش مقامات پر اُس کے پرچہ نویس مقرر تھے جن میں اکثر صوفی ہوتے تھے اور بعض مجنون و مجذوب کے لباس میں رہا کرتے تھے۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کوچ و بلوچ کے قزاقوں نے رباط دیر کچین پر ڈاکہ ڈالا۔ چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال و اسباب لُٹ گیا۔ اُس نے آکر سلطان سے فریاد کی کہ "یا تو میرا مال دلادے یا اُس کا معاوضہ ادا کر" سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے کہ دیر کچین کہاں ہے؛ بڑھیا بولی کہ اے سلطان! اس قدر ملک فتح کر جس کے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے۔ اور اُس کا انتظام کر سکے"۔ اس عاقلانہ جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو سچ کہتی ہے لیکن یہ بتا کہ یہ ڈاکو کس طرف سے آئے تھے، اور کون تھے؛ بڑھیا نے کہا کہ یہ کوچ بلوچ کے جرگے تھے جو کرمان کے قریب رہتے ہیں۔ یہ سُن کر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے میں اُن کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا ہائے افسوس!! اسی برتے پر شہنشاہی کا دعوٰی ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے؛ پس میرا تنہا اور ضعیف ہونا۔ اور تیرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔ یہ جواب سُن کر محمود آب دیدہ ہوا اور بڑھیا کو اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعد ازاں بڑھیا کو بہت کچھ دے دلاکر

۱؎ کرمان کے پہاڑی جرگوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارت گری میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ اشعار سنداً پیش کئے جاتے ہیں۔

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کوچ و بلوچ	زگیلاں جنگی و دشت سروچ (نام صحرائے کرمان)
سپاہے بکردار کوچ و بلوچ	سگالندہ جنگ مانند کوچ
ز کوہ بلوچ و ز دشت سروچ	برفتند خنجر گذارانِ کوچ

حکیم قطران

ہستند اہلِ فارس ہراساں ز کارِ من	زانسان کہ اہل کرماں ترساں ز دزد کوچ

۲؎ دیر کچیں۔ اصفہان کے قریب ایک پڑاؤ کا نام ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے اتالیق نعمان بن منذر نے مشہور و معروف محل ۳؎ دیر (سدیر) تعمیر کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عوام نے اس کا نام دیر کچیں رکھ دیا۔ المعجم فی آثار عجم حالات بہرام گور۔

رخصت کردیا۔ اور بوعلی الیاس امیر کرمان کو حسب ذیل نامہ لکھا۔

مجھے عراق آنے کی خواہش نہ تھی۔ میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے جہاد میں مشغول تھا۔ لیکن جب میرے پاس متواتر عرضیاں پہنچیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ رہے ہیں اور اُن پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کر رہے ہیں۔ اور سال میں دو تین مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے۔ مجدالدولہ اپنے کو شاہنشاہ کہلانا چاہتا ہے۔ مذہب زنادقہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہے۔ صانع مطلق کا انکار ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سب کو بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اس لئے میں نے ہندوستان کے غزوات کو چھوڑ کر عراق کا قصد کیا ہے۔ میری تلوار نے۔ دیالمہ، زنادقہ، بواطنہ، کی بیخ کنی کردی ہے۔ چنانچہ بہت سے قتل ہو چکے ہیں۔ اکثر بھاگ گئے ہیں، بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت اُن بزرگوں کے سپرد کردی ہے جو اُن کے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کردیا گیا ہے۔ اور مجھے خدا نے محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ ملک کو مفسدوں سے پاک وصاف کرکے اچھے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مفسدان کوچ بلوچ نے رباط دیرگچین پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم اُن کو گرفتار کرو اور ڈکیتی کا مال برآمد کرکے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا اُن سب کو گرفتار کرکے ہمارے حضور میں بمقام رے بھیج دو تاکہ اُن کے حوصلے آئندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چل کر میرے ملک میں لوٹ مار نہ کریں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت قریب ہے۔

ابو علی الیاس سلطان کا نامہ پڑھکر خوف زدہ ہوگیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی عرضی کے ہمراہ جواہرات خوش رنگ، ظرائف و ریا، اور سونے چاندی کی بدریاں بھی روانہ کیں عرضی کا مضمون یہ تھا۔

"میں تو سلطان کا فرماں بردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان کو معلوم نہیں ہے۔ میری طرف سے لٹیروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہے۔ اور کرمان کی رعایا سُنی المذہب ہے۔ اور کوچ بلوچ کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اُس کا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب سے بہت دشوار گذار ہے۔

ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں ۔کیونکہ عموماً چور اور مفسد ہیں اور اُن کی وجہ سے چھ ۶ سو میل راستہ پُرخطر ہے ۔اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا جتھا ہے ۔میں تنہا مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا ہوں ۔اس کی تدبیر سوائے سلطان کے اور کوئی نہیں کرسکتا ہے ۔میں ہر حال میں فرماں بردار ہوں جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں ۔"

سلطان نے بوعلی کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے ۔اور قاصد کو خلعت دے کر رخصت کیا اور امیر سے کہلا بھیجا ۔کہ تم کرمان کی فوجوں کو اکٹھا کرکے اُن کو جا بجا سرحد پر پھیلا دو ۔ اور فلاں مہینے کے خاتمے پر کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ ۔اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اُسی جانب قیام کرو جس وقت ہمارا قاصد معہ فلاں نشان کے تم سے ملے اُسی وقت کوچ کردینا ۔اور اُن پہاڑوں میں گھس کر چھوٹے بڑوں کو قتل کرنا ، اور عورتوں اور بوڑھوں سے جس قدر مال مل سکے وہ سب فراہم کرکے بھیج دینا تاکہ اُن کے مالکوں کو دیدیا جائے ۔" غرضکہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے منادی کرائی کہ "جو سوداگر یزد اور کرمان کو جانا چاہتے ہیں ۔وہ سامان سفر درست کریں ۔اور میں اُن کے ہمراہ بدرقہ روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جس کا مال کوچ بلوچ غارت کریں گے اُس کا تاوان خزانۂ شاہی سے دے دیا جائے گا ۔" منادی کے ہوتے ہی بمقام رے بے انتہا سوداگر جمع ہو گئے اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرا دیا ۔اور ایک سردار کو معہ ڈیڑھ سو سواروں کے بطور بدرقہ کے روانہ کرکے سمجھا دیا کہ میں تمھارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا ۔اور رخصت کے وقت ایک شیشہ زہر قاتل کا اُس امیر کے سپرد کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ ۔جب تمھارا قافلہ اصفہان پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور تخمیناً دس خروار سیب اصفہانی خرید کرکے اپنے ہمراہ رکھ لینا ۔جب دیکھنا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آ گئی ہے اور صرف ایک رات کی منزل باقی ہے اُس وقت کسی تیز آلے سے سیبوں میں سوراخ کرکے زہر پیوست کر دینا ۔اور جن دس اونٹوں پر سیب لدے ہوئے ہوں اُن کو چھوڑ دینا کہ وہ تمام قافلہ میں پھیل جائیں اور خورجیوں میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو نظر آئیں ۔ جب ڈکیتوں سے سامنا ہو تو لڑائی کو ٹال دینا کیونکہ اُن کی تعداد زیادہ ہوگی ۔اور جو سپاہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیڑھ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہے کہ بڑا حصہ اُن کا سیب کھاتے ہی ہلاک ہو جائے گا

تھوڑی دیر کے بعد تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انگوٹھی دیتا ہوں بو علی کے پاس بذریعہ خاص سوار کے بھیج دینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بو علی کو بلانا۔ وہ معہ فوج پہنچے گا۔

میر قافلہ نے عرض کیا کہ "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سلطان کی یہ حکمت علی کارگر ہوگی اور ملک ان لٹیروں سے پاک ہو جائے گا" اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچ کر سیب خریدے گئے۔ پھر قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سن کر بلوچی بھی اول سے تیار بیٹھے تھے۔ اور چونکہ قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو تیار ہوئے۔ جب چور گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اُس وقت لوگوں نے میر قافلہ کو اطلاع دی کہ بلوچی جمع ہو گئے آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ سوداگر یہ خبر وحشت اثر سن کر ڈر گئے۔ مگر میر قافلہ نے اُن کو اطمینان دلایا اور کہا "تمھارے نزدیک جان بہتر ہے یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال، کیا مال ہے۔ میر قافلہ نے کہا کہ میں تمھارے مال پر اپنی جان فدا کرنے کو موجود ہوں اور جب کہ سلطان کی جانب سے تم کو مال کا پورا معاوضہ ملے گا تو اب تردد کس بات کا ہے۔ خدانخواستہ سلطان کو تم سے یا مجھ سے عداوت نہیں ہے کہ وہ ہم کو معرض ہلاکت میں ڈالتا۔ تم مطمئن رہو علی الصباح دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے۔ لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا۔" چنانچہ میر قافلہ نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا اور شب کے وقت تمام سیب زہر آلود کرا دیئے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب قزاق قافلے میں گھس پڑیں اور میں بھاگنے کا قصد کروں۔ اُس وقت تم سیب زمین پر پھینک دینا اور خود بھی بھاگ جانا۔"

غرضکہ میر قافلہ نے انتظام کر کے آدھی رات کو کوچ کر دیا۔ سورج نکلنے پر لٹیروں نے تین طرف سے حملہ کیا۔ میر قافلہ نے نمائشی طور پر دو تین تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا۔ اور جو فوج ڈیڑھ میل کی مسافت پر پڑی ہوئی تھی اُس سے جا ملا۔ اور سب سپاہیوں کو جمع کر کے مقابلے پر آمادہ کیا۔ ادھر قزاقوں نے میدان صاف دیکھ کر اطمینان سے سیب کھانا اور گٹھریاں کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ بلکہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اُن کو بھی اُنھوں نے سیب تقسیم کئے۔ غرضکہ سبھوں نے سیب کھائے۔ مگر ایک گھنٹہ نہ گذرا تھا کہ سب غش کھا کر گرنے لگے۔ حسب ہدایت سلطان جب میر قافلہ نے اُن کو جا کر دیکھا تو اکثر کو مُردہ پایا۔ اور چونکہ امیر بو علی الیاس کی بھی فوج پہنچ گئی تھی۔ لہٰذا نجیبًا

دس ہزار بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امیر ابو علی نے یہ اسباب سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور سلطان نے منادی کرادی۔ چنانچہ تمام ملک سے لوگ آتے تھے۔ اور اپنا مال پہچان کر خوش خوش لے جاتے تھے۔

اس کے بعد سلطان نے پرچہ نویسوں کو مقرر کر دیا۔ تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان اُس کی تلافی کرتا تھا۔

زمانہ قدیم سے محکمہ خبر رسانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا۔ لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ نہیں کی ہے جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابوالفضل سکزی نے پوچھا کہ حضور نے پرچہ نویسوں کو کیوں نہیں مقرر کیا؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جائے۔ اور میرے خیر خواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟

ابوالفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہا سنو۔ جب میں اُن کو مقرر کروں گا تو جو میرے دوست ہیں وہ بہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نہ کریں گے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ اس گروہ سے دوستی پیدا کرلیں گے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وقائع نگار ہمیشہ دوستوں کے مخالف اور دشمنوں کے موافق خبریں سُنائیں گے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو مثل تیر کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیر اندازی کی جائے گی تو آخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشانہ پر لگ ہی جائے گا۔ یعنی دوستوں کی طرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائے گی۔ اور آخر کو یہ نوبت پہنچے گی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائیں گے اور بجائے اُن کے دشمن قریب پہنچ جائیں گے۔

(رائے نظام الملک)، لیکن میری رائے میں اس گروہ کا رکھنا اُصول سلطنت میں داخل ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ لوگ اعتبار کے ہوں۔ (فصل دہم سیاست نامہ)

(۱۴) محکمۂ جاسوسی

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوا فروشوں اور درویشوں کے لباسوں میں جاسوس روانہ کیا کرے۔

اور اُن کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام ملک کی خبریں بادشاہ تک پہنچائیں، اور کوئی واقعہ پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

اس محکمہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملک میں نئے فتنے نہیں اُٹھ سکتے ہیں، کیونکہ اکثر ہوا ہے کہ عمال وغیرہ نے ادھر سر اٹھایا اُدھر جاسوس کی اطلاع پر یکایک بادشاہ نے موقع پر پہنچ کر تدارک کر دیا۔ یا اگر کسی بادشاہ نے دوسری طرف سے ملک گیری کا قصد کیا تو اس بادشاہ نے پہلے سے اپنا انتظام کر لیا ہے۔ اور لبا اوقات رعایا کے بہت سے بگڑے ہوئے کام جاسوسوں کی خبر پر بن گئے ہیں جیسا عضدالدولہ[۲] کا واقعہ مشہور ہے خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں نے عدل وانصاف کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔

---

[۱] دفعہ گیارہ میں جو کچھ خواجہ نظام الملک نے لکھا ہے یہ اُس کا ایک ضمیمہ ہے۔ جاسوسی کا محکمہ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ہے۔ اور اُن کی کارروائیاں نہایت حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صیغہ کی کارروائی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں بھی یہ محکمہ ہے۔ مگر یورپ کے مقابلے میں ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی اہل کار نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ گذشتہ دربار دہلی منعقدہ ۱۹۰۲ء میں اس محکمہ نے قابل تعریف کام کئے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ بریدا اور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہے اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

[۲] شاہان دیالمہ میں عضدالدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک، اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے چنانچہ اس بادشاہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن کسی مخبر نے بادشاہ کو پرچہ لکھا کہ بکار سرکار فلاں مہم پر میں جا رہا تھا۔ شہر کے پھاٹک سے نکل کر دو سو قدم تک گیا ہوں گا کہ راستے میں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جس کا چہرہ زرد تھا۔ اور گردن و رخساروں پر زخموں کے نشان تھے۔ مجھے دیکھکر اُس نے سلام کیا۔ جواب کے بعد میں نے پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کس لیے کھڑے ہیں؛ جواب دیا کہ مجھے ایک ہم سفر کی ضرورت ہے۔ جو ایسے شہر میں لے چلے جہاں کا سلطان عادل اور قاضی منصف ہو۔"

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوئی ہے۔اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی مستقل رائے خواہ وہ کسی معاملہ

بقیہ صفحہ ۲۲۹ = میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ عضد الدولہ سے عادل اور قاضی شہر سے زیادہ ایمان دار اور کون ہو سکتا ہے؟
اُس نے کہا کہ اگرچہ نفسہ بادشاہ عادل اور حالات ملک سے باخبر ہوتا تو اُس کے حکام بھی نیک چلن ہوتے۔لیکن جب کہ
اُس کے حکام برعکس ہیں تو یہ دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ عضد الدولہ عادل بادشاہ ہے۔میری رائے میں وہ ضرور غافل ہے۔
میں نے کہا کہ آپ اپنے واقعات بیان کیجئے جن سے بادشاہ وقاضی کی غفلت ثابت ہو۔اُس نے کہ میرا افسانہ
طولانی ہے۔لیکن اب میں اس شہر سے جاتا ہوں تو قصہ مختصر ہو جائے گا۔اگر آپ میری کہانی سننا چاہتے ہیں۔
تو چلئے راہ میں عرض کروں گا۔غرضکہ میں اُس مسافر کے ساتھ ہولیا۔ایک منزل پر ٹھہر کر اُس نے کہا کہ سُنیئے
جناب! میرا مکان اسی شہر کے فلاں محلہ میں ہے۔اور اپنے باپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیسا
امیر اور کس رتبہ کا شخص تھا۔؛ جب وہ انتقال کر گیا تو چند سال تک میں عیش وطرب کے جلسوں میں پڑا رہا۔
اور اسی زمانے میں ایک مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔چونکہ اُمید زلیست منقطع ہو چکی تھی۔لہٰذا میں نے منت
مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو حج وجہاد کروں گا۔بارے خدا نے مجھے اچھا کر دیا بعد غسل صحت میں
نے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔اور چونکہ شوق جہاد بھی دامن گیر تھا اس لئے لونڈی
غلاموں کو بھی (ایک ایک مکان معہ دیگر سامان کے دے کر) آزاد کر دیا۔اور بقیہ اسباب فروخت کر کے پچاس
ہزار دینار نقد کر لئے۔پھر خیال آیا کہ سفر پُرخطر ہے اس قدر نقدی ہمراہ لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔لہٰذا یہ
فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دینار کافی ہیں۔بقیہ چھوڑ جانا چاہیئے۔غرضکہ میں نے تانبے کے دو کلسے خریدے اور دس
دس ہزار دینار اُن دونوں میں رکھ دیئے اور اس امانت کے لئے میں نے قاضی القضاۃ کو انتخاب کیا۔کیونکہ
بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان ومال کا مالک تھا اس لئے اس کی جانب خیانت کا شبہ تک نہیں
ہوا۔اور زر امانت قاضی صاحب کے سپرد کر کے میں حج کو روانہ ہو گیا۔حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی
پھر روم کو چلا گیا۔وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک اُلجھا رہا۔آخر ایک لڑائی میں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔
دو چار برس تک روم میں قید رہا۔لیکن قیصر کے غسل صحت میں جب قیدی رہا ہوتے اُن میں میں بھی چھوٹ گیا۔
غرضکہ دس برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی۔دو دن تک قاضی صاحب نے میری
طرف کچھ التفات نہ کیا۔تیسرے دن جب مجمع کم ہو گیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور
اپنی معرفی خود ہی کرنے لگا۔جب میں اپنا سفرنامہ بیان کر چکا اور زر امانت طلب کیا اس وقت (باقی در صفحہ آئندہ)

میں ہوا ایک زبردست فوج سے زیادہ طاقتور ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۳۲ ۔ قاضی صاحب بغیر جواب دیئے بحرے میں اُٹھ چلے گئے اور میں غمزدہ چلا آیا۔ چونکہ میری حا
تھی لہٰذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرأت ہوئی ۔ اور میری حالت
رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چھپ کر پڑا رہتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ دو تین بار قاضی صاحب
عرض کیا۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا۔ تب ناچار ہو کر ساتویں دن میں نے سختی کی ۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرا مغ
ہے ۔ اور مالیخولیا ہو گیا ہے ۔ صعوبت سفر سے دماغ میں خشکی آگئی ہے اس لئے ہذیان کا مادہ ہیجان میں
نہ میں تجھے پہچانتا ہوں اور نہ نفس معاملے کی خبر ہے ۔ ہاں جس شخص کا تو نام لیتا ہے اس سے واقف ہوں
تو ایک خوبصورت نوجوان تھا ۔ اور عمدہ کپڑے پہنا کرتا تھا ۔ میں نے کہا جناب عالی میں وہی بدنصیب شخ
البتہ زخموں نے میری صورت بگاڑ دی ہے ۔ لیکن اس کا جواب قاضی صاحب نے یہ دیا کہ " تیری بکواس ۔
دردسر ہوتا ہے ۔ خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلا جا " اس کے بعد میں نے عذاب و ثواب پر طولانی تق
اور یہ بھی کہہ دیا کہ منجملہ بیس ہزار کے پانچ ہزار آپ کی نذر ہیں جب اس پر بھی حامی نہ بھری تو میں نے کہا
طیبًا نصف قبول فرمایئے ۔ اور نصف مجھے دید یجئے ۔ اس وقت نہایت حاجت مند ہوں ۔ اگر میرا کہنا باور
دستاویز لکھا لیجئے اگر قاضی صاحب کچھ ایسے سنگ دل تھے کہ مطلق نہ پسیجے ۔ اور کہا تو دیوانہ ہو گیا ہے
مان اور چلا جا ۔ ورنہ دیوانہ قرار دے کر ابھی بیمارستان (ہسپتال) میں بھجوا دوں گا ۔ جہاں تیرے پاؤں میں
ڈال دی جائیں گی اور جنم بھر وہاں تو پڑا مرے گا ۔

چونکہ اب مجھے یاس ہو گئی تھی ۔ لہٰذا جنم قیدی ہونے کے ڈر سے میں نے ہلکے ہلکے قدم اُٹھا
رخصت ہوا اور سمجھ لیا کہ قاضی صاحب ایک حبہ نہ دیں گے البتہ جو حکم دیں گے اس کی فوراً تعمیل ہو جائے گی اور
یوں سمجھا لیا کہ جب قاضی خود ہی ظالم بن جائے تو پھر کون ایسا ہے جو قاضی کی پرسش کرے ۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر عضدالدولہ عادل ہوتا تو آج میری بیس ہزار کی رقم قاضی کے ہاتھ میں
رہتی ۔ اور میں یوں ننگا ، بھوکا ، خانماں برباد ہو کر دیس سے پردیس کو نہ جاتا "

جب یہ واقعہ جاسوس نے سُنا تو اس مسافر کی حالت زار پر اُس کا دل بھر آیا اور کہا کہ اے بندۂ خد
امیدیوں کے بعد امید پوری ہوا کرتی ہے تو خدا سے لو لگا وہ مسبب الاسباب ہے ۔

پھر کہا کہ یہ گاؤں جو سامنے ہے یہاں ایک میرا مہمان نواز دوست رہتا ہے ۔ براہ مہربانی آپ بھی رات

... کے قریب حملہ آور ہو یا کوئی ضروری اور اہم
ئے تو فوراً ایک کاغذ کے پُرزے پر اُس کی خبر لکھے اور اگلی چوکی کے کبوتر جو اُس کے پاس ہیں اُن
کے بازو میں وہ کاغذ کا پُرزہ باندھ کر چھوڑ دے۔ کبوتر نہایت تیزی سے اُڑتا تھا اور سیدھا اگلی
جاتا تھا جہاں اُس کبوتر کا اصلی مقام ہے اس چوکی کا نگہبان اُس کبوتر کے بازو سے کاغذ کھول کر
کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور نورالدین کے پاس نہایت سرعت سے خبر پہنچ جاتی تھی اور اس سے
ں کے ملک میں کسی قلعہ یا بندرگاہ پر حملہ آور ہو تو نورالدین کی فوج جو مقام حملہ سے قریب ہوتی تھی۔
تے ہی فوراً اُس مقام پر پہنچ جاتی تھی۔ اور دشمن کی غافل اور بے خبر فوج کو پسپا کر دیتی تھی۔ اس
ثر یہ ہوا کہ نورالدین کی تمام قلمرو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بالکل محفوظ ہو گئی اور اُس کی
یاحت کا رُعب خاص و عام کے دلوں میں دوڑ گیا۔
ں خلفائے فاطمیین نے اس محکمہ کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی۔ نامہ بر کبوتروں کے پالنے
پرداخت کے لئے ایک مستقل دفتر تھا۔ بہت سے دفتر تھے جن میں کبوتروں کے نسب نامے
ے۔ ناصرالدین اللہ جو بغداد کے اخیر خلفاء میں نامور ہوا ہے اُس نے بھی $\frac{٥٩١\text{ھ}}{١١٩٤\text{ء}}$ میں نامہ بر
ئے ایک وسیع محکمہ قائم کیا اور اپنی قلمرو میں اخبار نویس پھیلا دیئے۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تلاش
ید کئے جاتے۔ کتابوں میں اُن کے نسب نامے نہایت غور و تفتیش سے لکھے جاتے تھے۔ کبوتروں کے
ت کرنے والے خوب جانتے تھے کہ اُن کے کبوتر کس کس نامی کبوتر کی نسل سے ہیں۔ اعلیٰ نسل کا ایک
رہ ہزار روپیہ) تک قیمت پاتا تھا۔ ناصرالدین اللہ کی اس کوشش اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ
و میں اس سرے سے اُس سرے تک کوئی نیا واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس کی اُس کو خبر
ندوستان والے اُس کے نام سے ایسا ہی ڈرتے تھے جیسا کہ بغداد کے باشندے (جو اُس کی
ت کا مرکز تھا) چین کی سرحد سے اندلس تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کا رعب حکومت
گیا تھا۔
ں الدین بن عبدالظاہر نے ایک مستقل کتاب نامہ بر کبوتروں کے حالات پر لکھی ہے جس کا نام
ہے۔ اُس میں نامہ بر کبوتروں کے نسب نامے۔ اُن کی عادات و خصائل۔ پیغام رسانی اور پیغام
ور اُن کے متعلق بہت سے دلچسپ حالات قلم بند کئے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ

بقیہ ۲۳۳ ۔فی اخبار مصر والقاہرہ" میں چند دلچسپ باتیں اُس کتاب سے نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ خبر جس کاغذ پر لکھی جاتی تھی اُس کو کبوتر کے بازو میں باندھ دیتے تھے تاکہ بارش سے محفوظ رہے ۔آئین سلطنت تھا کہ جب کبوتر آسمان سے شاہی محل پر اُترتا تھا فوراً خلیفہ کو خبر کی جاتی تھی خود خلیفہ خبر کے پڑھنے میں ایک ساعت توقف نہیں کرتا تھا ۔کیونکہ اگر ایک لحظہ بھی غفلت کی جاتی تو بہت سے مہمات ملکی کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔خود خلیفہ اپنے ہاتھ سے کاغذ کھولتا اور پڑھتا تھا اُس وقت اگر خلیفہ کے سامنے خاصہ چُنا ہوا ہوتا تو فوراً کھانے سے دست بردار ہوتا ۔حکم تھا کہ اگر خلیفہ اُس وقت بستر خواب پر ہوں تو فوراً جگا دیے جائیں ۔سوکر اُٹھنے کا انتظار نہ کیا جائے خبر ایک خاص قسم کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جو وَرَقُ الطَّیُر کے نام سے مشہور تھا ۔خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ چنانچہ دو سو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دے کر مسافر کو رخصت کر دیا ۔اور قاضی سے حصول مال کی فکریں کرنے لگا ۔لیکن منظور یہ تھا کہ ملک میں بدنامی نہ ہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحبِ فضل و کمال بھی تھا ۔اگر شاہی اختیارات برتے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہو جاتا ۔اس لئے عضدالدولہ نے حکمت عملی سے کام لیا ۔یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں بلا کر حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

عضدالدولہ: قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے کیوں آپ کو تکلیف دی ؟

قاضی :۔ اس کا علم تو بادشاہ ہی کو ہے۔

عضدالدولہ:۔ مجھے ان دنوں طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں ۔جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہو گئی ہیں۔ دنیا اور اُس کی سلطنت ہیچ نظر آتی ہے ۔حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔اب اس سے چھٹکارا دو ہی طرح ہو سکتا ہے یا تو کوئی غنیم ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے ۔جس طرح ہم نے اوروں سے چھین لیا ہے ۔ یا موت آجائے اور وہ نا شاد و نامراد اُٹھائے تاکہ قصہ تمام ہو ۔اس پچھلی صورت سے کسی کو مفر نہیں ہے اگر میں اپنی اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کروں گا تو لوگ مجھے کلمۂ خیر سے یاد کریں گے اور عذاب قیامت سے بچ کر داخل بہشت ہو جاؤں گا اور اگر بدی کروں گا تو سوائے دوزخ کے اور کہاں ٹھکانا ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے مجھے نیکی کرنا چاہیے ۔مگر جس چیز میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہے وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہے ۔لڑکوں کا چنداں خیال نہیں ہے وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک مُلک سے دوسرے ملک تک جا سکتے ہیں ۔مگر لڑکیوں

کی خرابی ہے اور اُن کو پورا ترکہ بھی نہیں مل سکتا ہے۔اس لئے میں اپنی حیات میں اُن کے لئے کچھ بندولبست کرنا چاہتا ہوں اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے آپ جیسا پارسا، متقی، متدین، ملنا دشوار ہے۔ لہٰذا علاوہ جواہرات کے دو ہزار دینار نقد آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ مگر اس واقعہ سے سوائے علام الغیوب کے اور تیسرا واقف نہ ہو۔ اور اگر وہ زمانہ آجائے جس کا مجھے خدشہ ہے اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ اُنھیں اپنے گھر بلا کر عقد کریں اور یہ مال اُن کو تقسیم کردیں کہ کسی دوسرے کی دست نگر نہ ہوں اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ ایک وسیع تہ خانہ بنوائیں تاکہ میں چُپ چاپ وہاں خزانہ رکھوادوں اور اس غرض کے لئے اول دو سو دینار مغربی دیئے جاتے ہیں۔

قاضی:۔ میں تو حضور کا غلام ہوں۔ جہاں تک ہو سکے گا یہ خدمت انجام دوں گا۔ اور تیاری سرداب کے لئے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو میں اپنے صرفہ سے کرسکتا ہوں۔

عضدالدولہ:۔ نہیں نہیں آپ کی پاک کمائی کا روپیہ میں صرف کرانا نہیں چاہتا۔ اور یہ کون سی فہرِ مروت ہے کہ میرے ذاتی کام کے لئے آپ اتنا روپیہ صرف فرمائیں۔ یہی نوازش کیا کم ہے کہ جو خدمت سپرد کی گئی ہے وہ انجام دیں۔"

غرضکہ قاضی صاحب دو سو دینار لے کر خوشی خوشی رخصت ہوئے اور دل میں کہنے لگے کہ پیرانہ سالی میں قسمت نے پلٹا کھایا ہے اگر بادشاہ مرگیا تو یہ مال میرا ہے۔ کیونکہ کوئی دستاویز مجھ سے نہیں لکھائی گئی ہے۔ اور دو کلسے علاوہ اس رقم کے اور موجود ہیں۔ گو اُس کا مالک زندہ ہے مگر انشاء اللہ وہ مجھ سے ایک حبہ لے نہیں سکتا ہے۔"

اس وقت کے خیال تو گئے گذرے ہوئے اور قاضی صاحب نے ایک مہینہ کے اندر تہ خانہ تیار کرا لیا۔ اور ایک دن عضدالدولہ بہت خوش ہوا اور قاضی صاحب سے زرِ امانت کی تفصیل بیان کردی اور کہا کہ میں کل رات کو ملاحظہ کر کے حکم دوں گا۔

اب عضدالدولہ نے اصفہان سے اُس نوجوان کو طلب کیا۔ اور قاضی سے کہا کہ آپ منگل کو تشریف لائیں۔ اور خزانچی کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ٹوبوں میں مروارید اور چند پیالوں میں یاقوت۔ لعل، فیروزہ، بھر کر خزانے میں رکھدے۔ قاضی صاحب یہ زر و جواہر دیکھکر نہال ہوگئے اور یہ کہکر رخصت کردیئے گئے کہ آپ میری آواز کے منتظر رہیں۔ آج ہی رات کو امانت پہنچ جائے گی۔

(۱۵) تقرری ہرکارہ[1] و انتظام کبوتران نامہ

مشہور مقامات پر ہرکارے رکھنا چاہیئے۔ اور ان کی تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ دن رات میں ڈیڑھ سو میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔

بقیہ صفحہ ۲۳۵ اسی اثنا میں اصفہان سے وہ جوان بھی آگیا۔ اُس کو عضدالدولہ نے حکم دیا کہ اب تم قاضی کے پاس جاؤ اور کہو کہ " میں نے مدتوں صبر کیا۔ اور آپ کی عزت و حرمت قائم رکھی مگر اب مجھ سے صبر نہ ہوگا۔ سارا شہر جانتا ہے کہ میرے باپ کے پاس کس قدر دولت تھی۔ اور تمام شہر میری گواہی بھی دے سکتا ہے۔ لہٰذا اب میری امانت مرحمت فرمایئے۔ ورنہ آج ہی عضدالدولہ سے فریاد کرتا ہوں۔ وہ آپ کے اعزاز کو خاک میں ملادے گا۔ اور ایسی سزا دے گا کہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ دیکھو تو سہی اب قاضی کیا جواب دیتا ہے "۔

چنانچہ نوجوان نے یہی کیا۔ قاضی نے خیال کیا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص میری بُرائی عضدالدولہ سے جاکر بیان کرے تو اُس کو میری ایمان داری میں شبہ پڑ جائے گا۔ اور میں اس خزانے سے محروم رہوں گا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس کا مال واپس کردوں۔ دو آفتابوں سے ایک سو پچاس آفتابے معہ جواہرات کے کہیں زیادہ لاگت کے ہیں غرضکہ یہ سوچ کر اُس نوجوان کو اپنے حجرے کے اندر لے گئے اور بغل گیر ہوکر کہا کہ پیارے عزیز! میں نے تیری تلاش میں ساری دنیا چھان ڈالی، تو اب تک کہاں تھا۔ میں تو تجھ کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اب تک جو کچھ کیا وہ بمقتضائے احتیاط تھا۔ یہ دونوں آفتابے موجود ہیں۔ لو اور جو چاہو کرو۔ نوجوان نے مزدوروں کے سر پہ آفتابے رکھوا دیئے اور در دولت پر حاضر ہوگیا۔ جب عضدالدولہ نے نوجوان کو دیکھا کہ وہ معہ آفتابوں کے حاضر ہے اور قاضی کی خیانت ثابت ہو چکی ہے۔ تب قاضی کا مال و اسباب ضبط کرلیا گیا۔ مگر بڑھاپے کی وجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی۔ البتہ اپنے عہدے سے برطرف کردیا گیا۔

عضدالدولہ فناخسرو شاہنشاہ بنی بویہ، دولت بنی بویہ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۸ھ / ۹۴۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۳۷۲ھ / ۹۸۲ء میں فوت ہوگیا۔ مستقل سوانح عمری لکھنے کے لائق ہے۔

[1] عربی تاریخوں میں ہرکارے کا نام " سعاۃ " ہے۔ اور اس طریقہ ڈاک کا موجد سلطان معزالدولہ ہے۔

[2] افسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے زمانہ کی محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اُس کے ایک جزو پر نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ ۱۶۶ھ / ۷۸۲ء میں خلیفہ مہدی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور (باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ ۲۴۲: خلفائے بنو امیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا۔ اور ناظم اعلیٰ (پوسٹ ماسٹر جنرل) صاحب البرید کہلاتا تھا۔ جس کی مصنف آثار الاول نے یہ تعریف لکھی ہے: اَلْبَرِیْدُ بِاَنَّھَا وِلَایَۃٌ جَلِیْلَۃٌ خَطِیْرَۃٌ وَمُتَعَلِّقٌ ھَا یُحْتَاجُ اِلٰی جَمَاعَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَاِلَی الْمَوَادِ الْعَزِیْزَۃِ وَالتَّوْسُعَۃُ عَلَیْہِ: یعنی یہ عظیم الشان خدمت ہے اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا عملہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کسی قدر عہد قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے۔ مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور میعاد معینہ پر وزارت اعظم، اور عمال اور والیان ملک کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دار الضرب (ٹکسال) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی پڑتال کرنا فوج کا جائزہ لینا اور تقسیم تنخواہ کے وقت موجود ہونا۔ زراعت کے حالات معلوم کر کے خلیفہ سے اطلاع کرنا۔

اگرچہ ناظم ڈاک خانے کے اب یہ فرائض نہیں ہیں لیکن پھر بھی اکثر راز کے معاملات قبل از وقت اس محکمہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتے ہیں (یورپ کے قصہ نگاروں نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں)

شاہی ڈاک کے ہمراہ رعایا کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلتیں روانہ ہوتی تھیں۔ مگر کسی قسم کا محصول لیا جانا ثابت نہیں ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیک (ہرکارہ) ڈاک پہنچاتا تھا۔ اور بعید مقامات کی ڈاک گھوڑے، خچر، اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ ممالک فارس میں گھوڑوں اور حجاز میں خچروں۔ اور شام میں اونٹوں پر ڈاک جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنجیر یا گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی۔ جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک آرہی ہے۔ اور اس آواز کا نام قعقعۃ البرید ہے۔ اب صرف بگل بجایا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر بکثرت جانور رہتے تھے۔ چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاڑیوں کے ذریعہ سے اپنے صدر مقام تک سفر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فوج کو یہ محکمہ مدد دیتا تھا۔ ڈاک کے ہر جانور پر (مثل فوج کے) فرق امتیاز کے لئے داغ دیا جاتا تھا تمام ممالک محروسہ میں کس قدر خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن عہد امیہ میں صرف صوبہ عراق میں عملہ ڈاک خانہ خریداری جانوران، اور اُن کی خوراک میں ایک لاکھ چون ہزار دینار (۲ ½ لاکھ فرانک مطابق ۷ لاکھ ۰۰ ہزار سکہ انگریزی) کا خرچ تھا۔ اور ۹۳۰ چوکیاں قائم تھیں۔ اور ہشام ابن عبد الملک کے وقت میں محض عملہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) چنانچہ ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷
عملہ کی تقرری، موقوفی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے ہاتھ میں تھی۔ اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو پیش کرتا تھا۔ اور وہاں سے حکم ہوتا تھا۔ اور ایک صحیح فہرست (پوسٹل گائڈ) تمام مقامات کے ڈاک خانوں میں موجود رہتی تھیں جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا۔ (فی زمانا سرکاری ڈاک خانہ جات میں بھی اس کی تقلید کی گئی ہے مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ ایک ڈاک خانے کے متعلق کس قدر مواضعات ہیں (یقین ہے کہ یہ نقص جلد رفع کیا جائے گا۔)

جہاں سے جہاں تک ڈاک کا سلسلہ تھا اُن تمام راستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے اندر جو قبائل آباد تھے اُن کی بھی خبر رکھنا پڑتی تھی کہ وہ برسر اطاعت ہیں یا آمادۂ بغاوت ہیں۔ خلفائے عباسیہ میں عموماً خبر کے اول بسم اللہ نہیں لکھتے تھے اور آخر میں دن اور وقت کے سوا سنہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مخاطب کی نسبت تعریف اور القاب کے لمبے چوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف واقعہ کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ عبارت کے آخر میں بطور تفاول کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "حسبنا و نعم الوکیل" اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر اُن میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہنچے تو اُس کے آنے کا انتظار کیا جائے۔

قاضی محی الدین بن عبدالظاہر۔ قاضی فاضل اور عماد کاتب نے جو فن انشا کے امام خیال کئے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور اُن کے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور رنگین مسجع طرز کی نہایت فصیح و بلیغ نثر میں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو ملائکۃ الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا۔ ہے جو اُن کے لئے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقبال قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جس کا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

یا بعد بین غلو ھا و رواحھا	خضر تفرق الھیج فی طیرانھا
لمسیر شھر تحت ریش جناحھا	تاتی باخبار الغداۃ و عشیۃ
نفث الھداایۃ منہ فی ارواحھا	و کانما الروح الامین بوحیہ

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نورالدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفائے عباسیہ کی یادگار تھا برابر دو سو برس تک جاری رہی ہے۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۷۴۹ھ میں وفات پائی التعریف بالمصطلح الشریف میں لکھتا ہے کہ میرے زمانے میں مصر (باقی در صفحہ آئندہ)

کے جنوب اور ملک نوبہ کی سرحد پر توص ناسوان ۔ عنذا اب یک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہوگئی ہے لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور ان میں ڈاک جاری ہے۔ اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں گنوائی ہیں جن کو ضروری اور دلچسپ سمجھکر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے اسکندریہ تک۔	
قاہرہ - سونیر	
قاہرہ - بلبیس	بلبیس مصر کا شہر ہے اور شام کے راستہ پر فسطاط سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔
بلبیس - صالحیہ	
صالحیہ - قطیا	صالحیہ فرات اور دجلہ کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے۔
قطیا - واروہ	قطیا مصر کی راہ میں ایک قصبہ ہے۔ جو ریگستان میں واقع ہے۔
داروہ - غزہ	
غزہ - بلدالخلیل	غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مصر سے ملتی ہے۔
غزہ - بیت المقدس۔	
غزہ - نابلس	نابلس فلسطین میں بیت المقدس سے ۳۰ میل پر ہے۔
غزہ - لد	
لد - قاقون	لد۔ بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے۔
قاقون - جنین	قاقون فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے۔
جنین - صفد	صفد حمص کی حد پر ایک پہاڑی قصبہ ہے۔
جنین - بیسان	بیسان صوبہ اردن کا ایک شہر ہے۔
اربد - طفس	اربد، طبریہ کے قریب صوبہ اردن میں ایک قریہ ہے۔

نام مقام	کیفیت
طفس ۔ ضمین	
ضمین ۔ دمشق	ضمین دمشق سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔
بسیان ۔ اذرعات	اذرعات ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔
طفس ۔ اذرعات	
دمشق ۔ بعلبک	
دمشق ۔ قارا	
دمشق ۔ قریتین	قریتین تدمر سے دو منزل کے فاصلے پر ہے۔
قارا ۔ حمص	اگر حمص سے دمشق کو جائیں تو قارا پہلی منزل پر آتا ہے۔
حمص ۔ حماہ	
حماہ ۔ معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے
معرہ ۔ حلب	
حلب ۔ بیرہ	بیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہے۔
حلب ۔ قلعۃ المسلمین	
حلب ۔ بھنی	بھنی ایک قلعہ ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سمیاط کے قریب واقع ہے
قریتین ۔ تدمر	
تدمر ۔ سخنہ	تدمر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہے۔ سخنہ تدمر کے قریب ہے
سخنہ ۔ قباقب	سخنہ اور قباقب کے درمیان چند روز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہوگئی ہے۔ اور تدمر سے
قباقب ۔ رحبہ	قباقب اور قباقب سے رحبہ کی طرف کبوتر اُڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ

اس میں شک نہیں کہ مصر و شام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے انتظام میں برابر مدد کی جاتی تھی لیکن نہیں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اس وقت سے کب تک جاری رہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صدہا سال تک کبوتروں سے رسانی در

(۱۶) وکیل خاص[۵]

باورچی خانہ، شراب خانہ، اصطبل، محل سرائے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی، جس معتمد کے سپرد ہوا کرتی ہے۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہے۔ اس خدمت کے لئے مشکل سے کوئی ملتا ہے کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہے۔ اس عہدہ دار کا فرض ہے کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے۔ اور بادشاہ کو چاہیے کہ اس کی عزت وحرمت قائم رکھے۔

(۱۷) ندیم ومصاحب[۳]

بادشاہوں کے لئے قابل مصاحبوں کا رکھنا بھی ضرور ہے۔ کیونکہ بادشاہ، اُمرا، دربار اور سپہ سالاران

بقیہ صفحہ ۲۴۴: پیغام رسانی کا کام لیا ہے اور انتظام سلطنت کے لئے حسن تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی نسبت جو شہرت ہے کہ وہ نامہ بر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

انتخاب ونقل از کتاب آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۱۰۰ ومعید النعم سبکی صفحہ ۴۱۔ مسعودی صفحہ ۶۹۔ حاشیہ کامل اثیر جلد ۹۔ وحسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ صفحہ ۱۸۶ جلد دوم۔ ان سائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ اخبار چودھویں صدی نمبر ۲۲۔ مطبوعہ ۱۵ ارجون ۱۸۹۶ء بحوالہ علی گڑھ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ اڈیٹر معارف۔

[۳] فصل ۱۷، صفحہ ۸۰، سیاست نامہ۔

[۵] وکیل خاص، اعزاز و مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہے۔ عہد سلجوقیہ میں نامور اُمرا اس عہدے پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور فرائض کی تفصیل خواجہ نے کردی ہے۔ لیکن خلفائے عباسیہ اور سلاطین ایران وہندوستان کے عہد حکومت میں مثل مشرف اور مستوفی کے وزارت کے ماتحت یہ بھی ایک عہدہ تھا۔ اور جو فرائض وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں اُن پر جداگانہ افسر مقرر تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ خوان سالار۔ میر بکاول۔ ۔۔ داروغہ باورچی خانہ ۲ شراب دار، شربت دار۔ آبدار۔ ۔ داروغہ شراب وغیرہ

۳ میراخور، آختہ بیگی ۔۔ ۔ داروغہ اصطبل ۴ میر بختی۔ ۔۔ ۔ داروغہ شتر خانہ

باقی در صفحہ آئندہ

فوج کے ساتھ بے تکلفی سے ربط ضبط نہیں کر سکتا ہے۔ اور اگر اس طرح پر ملے جلے تو رُعب وداب میں فرق پڑ جائے گا۔

بقیہ صفحہ ۲۴۱: ۵۔ استادالدار ...۔ ناظر حرم

تفصیلی خدمات کے واسطے آئین اکبری علامہ ابوالفضل ومعید النعم سبکی وسلوک الملک شہاب الدین دیکھنا چاہیے۔ ۲ فصل ۱۷، صفحہ ۸۲۔ ۳ ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ شخص بھی بڑا خوش نصیب ہے جو بادشاہ کے سایہ میں ہو۔ لیکن اس سایہ میں پہنچ کر راحت اُٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اونچے پہاڑ کی ایسی چوٹی سے مشابہ ہے جس کی سطح پر سبزۂ زمردیں کا فرش، اور ہرے بھرے میوہ دار درختوں کی قطار بھی ہے۔ صاف وشفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت وخوش رنگ چڑیاں بھی اِدھر اُدھر چہچہاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دلچسپیاں ہیں لیکن ہر گوشے میں شیر وپلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جواں مردی سے اس سرسبز اور سر بفلک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر حظ نفسانی اٹھاتے ہیں۔ غرضکہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ اس لئے ندیم (اڈیکانگ) کا عہدہ نہایت نازک اور خطرناک ہے۔ کیونکہ بادشاہ خرد سال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں اور شیروں کی طرح غضبناک ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ کسی حکیم کا قول ہے: من اراد صحبۃ الملوک فلیدخل کالاعمیٰ ولیخرج کالاخرس فہو طریق السلامۃ: یعنی بادشاہوں کے دربار میں حفظ وامن کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندھوں کی طرح داخل ہو اور گونگوں کی طرح نکل جائے۔ خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتب اخلاق وسیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کے واسطے تحریر ہیں۔ مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دین داری اور با رسائی کے ساتھ فہمیدہ اور سنجیدہ ہو۔
(۲) صحیح الاعضا ہو۔ اور جسم میں اعتدال ہو۔ حسنِ صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔
(۳) خوش پوشاک، طیب الرائحہ، اور معائب سے پاک ہو۔ اور لباس اخلاق وادب سے آراستہ ہو۔
(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

جن کو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی یہ صفت ہے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف رہے اور ندیم کو یہ زیبا ہے کہ وہ شوخ وطرار ہو جس کی بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے۔ مگر ایسی باتوں کے لئے بھی فرصت کا وقت چاہیئے تاکہ سلطنت کے ضروری کاموں میں ہرج نہ واقع ہو۔

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ ندیم بادشاہ کا مونس ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ شب وروز ہمراہ رہتے ہیں اس لئے حفاظت جان بھی کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر خدانخواستہ کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں۔ چوتھے یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے خبردار رہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ بحالت مستی و ہوشیاری، ندیم بہت سی اچھی بری باتیں کہہ جاتے ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔

ندیم کے لئے شرط ہے کہ وہ شریف، فاضل، خوش اخلاق، زندہ دل، رازدار، پاک مذہب، اور واقفِ قصص وحکایت ہو، نرد و شطرنج کا کھیل جانتا ہو، موسیقی کا بھی ماہر ہو۔ اور اگر مرد میدان ہو تو اور بھی بہتر ہے۔ اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اُس کا ہم خیال ہو۔ ندیم کو معلم نہ بننا چاہیئے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کہہ اُٹھے کہ حضور یہ کیجئے اور یہ نہ کیجئے اور یہ کیوں ہوا یا کیوں کر ہوا؟ ایسی باتوں سے بارشاطر بار خاطر بن جاتا ہے۔

مجلس عیش وطرب، سیر وشکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے علاوہ بریں سفر وحضر، جنگ وجدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وہ وزرا وغیرہ سے مشورہ کرنے کی تدبیر کریں تو بہتر ہے۔ بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور طبیب[۵] بھی رکھتے

بقیہ صفحہ ۲۴۲ (۵) نحو، لغت، علم الاشعار۔ تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال، اور لطائف کا ماہر ہو۔

[۵] ارکان سلطنت میں طبیب (ڈاکٹر)، موضوع فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہے، گو شاہان سلجوقیہ کو ذوق والتفات نہ ہو یہ دوسری بات ہے۔ مگر زمانہ گذشتہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر بادشاہ اور شہنشاہ کے دربار میں منتخب روزگار اطبا ہوتے تھے، شہادت کے واسطے مسلمان بادشاہوں میں صرف دربار بغداد (باقی در صفحہ آئندہ)

تھے جس سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں۔ کیونکہ طبیب کا تو یہ

بقیہ صفحہ ۲۴۲ = اور اندلس کی تاریخ کافی ہے۔ ان درباروں میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے۔ اور جو اخلاقی برتاؤ اُن سے کیا جاتا تھا۔ آج اُن کا کوئی ہم مذہب بھی اس قدر نہیں کرسکتا ہے۔ ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء دیکھو۔ بہرحال طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہے۔ البتہ طبیب میں اوصاف ذیل کا ہونا لازمی ہے۔

(۱) طب کی علمی اور عملی شاخ اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھتا ہو۔

(۲) کثیر العلاج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔

(۳) حاسد اور طامع نہ ہو۔ مزاج کا فیاض ہو۔

(۴) خوش پوشاک ہو اور عطریات سے ذوق رکھتا ہو۔

(۵) عقاقیر (جڑی بوٹی) اور ادویہ، اغذیہ سے واقف ہو۔

(۶) مفردات اور مرکبات کی اعلیٰ اور ادنیٰ شاخوں سے ماہر ہو۔

(۷) موسم کی ہر فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔

(۸) پانی اور ہوا کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جس کا تعلق علم طب سے ہے۔

(۹) بعض علما کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جاننا بھی ضروری ہے (زمانہ حال کے اطبا کو ان امور کی طرف توجہ کرنا چاہیے) اور تمام مہذب دنیا میں نہایت وسیع پیمانے پر آج نہ صرف محکمہ طبابت قائم ہے بلکہ ہر شاہی خاندان میں نامور اور مستند طبیب موجود ہیں۔ لیکن منجم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رائے میں وہ آج بھی ہے۔ لیکن قول فیصل سے پہلے نجوم کی ماہیت پر چند سطریں لکھنا ضروری ہیں علوم و فنون کی ہر تاریخ میں علم نجوم کا مجمل یا مفصل تذکرہ ہے لیکن علوم طبیعہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر (جو لازم و ملزوم ہیں) حکماء نے مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دار العلوم اسکندریہ میں جب علوم طبعی کا درس شروع ہوا اور علمی فوائد کا ظہور ہونے لگا تو ایک گروہ نے یہ جدت کی کہ عالم اسباب کے ہر واقعہ کو بجائے اس کے کہ محسوسات اور مشاہدے کے تغیرات سے مطابق کرتے۔ انھوں نے روحانیات اور علویات سے مطابق کرنا شروع۔ چنانچہ افلاطون نے نہایت بلند آواز سے اپنے شاگردوں کو تعلیم کیا کہ حقائق اللہ کا مطالعہ انسان کے دماغ کو بیجے تخیل کا عادی کرتا ہے اور اُس کی پرواز اشیاء مادی اور اجسام (باقی در صفحہ آئندہ

بقیہ صفحہ ۲۴۴ سے بالاتر ہے۔تم علم الاعداد کو تجارت کی غرض سے نہ سیکھو بلکہ عالم ظاہری کے تغیرات سے قطع تعلق کرکے روحانیات کی طرف متوجہ ہو۔

متاخرین نے جو محض متقدمین کے روایت کش ہیں۔ایک کو دس اور دس کو سو کر دکھایا۔اور اعداد کو تقسیم کرکے ہر عدد کے خواص طبعی لکھنا شروع کر دیئے۔مثلاً عدد کے چار مراتب احاد، عشرات، آت، الوف (اکائی دہائی سیکڑہ ہزار) قرار دیئے گو یہ تقسیم نہایت دانشمندی اور اصولی طریقہ پر کی گئی تھی مگر شارحین نے عدد کی طبیعت میں چار مراتب کا ہونا لازمی قرار دیا اور اگر یہ نہ کہتے تو امور طبیعہ سے نہ عدد کے رموز کی مطابقت ہوتی اور نہ یہ کہنے کی جرأت ہوتی۔کہ خدا کو چار کا عدد (مربعات) پسند ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عنصر چار ہیں (آتش، باد، آب، خاک)، طبائع بھی چار ہیں (حرارت، برودت، رطوبت، یبوست)، خلط بھی چار ہیں (دم، بلغم، صفرا، سودا) زمانے بھی چار ہیں (ربیع، خریف، صیف، شتا)، سمت بھی چار ہیں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب)، علی ہذالقیاس چار کی کوئی حد نہیں ہے اور بطور پہیلی کے بوجھو تو لاکھوں چار نکلیں گے بقول شخصے "چار اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار" غرض کہ اسی حیثیت سے ہر عدد کے خواص مرتب ہوتے۔اور امور طبیعہ اور امور روحانیہ میں جہاں تک ہو سکا مطابقت کی گئی۔اور انھیں اعداد نے ہجراں نصیب عشاق کو اپنے معشوقوں سے ملا دیا۔اور ان ہی نے جرار لشکروں کو آن کی آن میں پامال کر دیا اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔بہرحال یونان کے اس جدید فلسفے سے ہندوستان بھی نہ بچ سکا۔اور ان اعداد نے نقش سلیمانی اور لوح سلیمانی کے روپ میں بڑے بڑے کرشمے دکھائے اور آخر کو علم الاعداد کا دوسرا نام سحر اور جادو قرار پایا۔

متاخرین کا طبقہ اگر متقدمین کے نقش قدم پر نہ چلتا تو علوم طبعی کو جو معراج اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہوئی ہے۔یہ بات اب سے چھ سات سو برس پہلے حاصل ہو جاتی۔اور موسیقی جیسے متعدد علوم و فنون ان ہی اعداد سے پیدا ہوتے۔

اعداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلاف وضع واضع کے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔اگرچہ نجوم کی ایجاد کا فخر بابل اور عراق عرب کو ہے۔مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔اور سب سے پہلے انھوں نے جنم پترہ بنایا۔مگر زمانۂ مابعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دھندلی پڑنے لگی۔چنانچہ اٹلی کی سلطنت (شخصی اور جمہوری) نے نجومیوں کو خارج از بلد باقی در صفحہ آئندہ

جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور اُن کا یہ مقولہ ہے کہ طبیب ہم کو نہیں اور خوش ذائقہ کھانوں اور دیگر لذائذ سے روکتا ہے اور بلا سبب بھی دوائیں پلاتا ہے۔ اور نجومی

بقیہ صفحہ ۲۴۵: کرنے کا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم کا دلوں پر پورا قبضہ تھا اس لئے قانون کچھ نہ کرسکا۔ اور سلطنت روم کے اطراف و جوانب میں نجومی مثل سیاروں کے چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے ڈھائی برس اور حکیموں میں سینکا دونوں نجوم کے معتقد اور تاثیر کواکب کے قائل تھے لیکن سرد نے عراق عرب (کالڈیا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کئے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں بادشاہ، تاجر، کاشت کار اور فقیر کے گھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور باوجود اتحاد طالع (وقت) کے پھران سب کا حال مختلف ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ کواکب کی سعادت اور نحوست کا کوئی اثر وقت ولادت پر نہیں ہوتا۔ اگر کواکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب اور ماہتاب کے مقابلے میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اس قدر بُعد سے اُن کی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہوسکتی ہے۔ غرضکہ اسی قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے اس کے جواب بھی دیئے اور سب سے بڑھ کر جو جواب ہوسکتا تھا وہ یہ تھا کہ آئندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو اُن کے قول کے مطابق ہوئیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ مخالفت کم ہوگئی اور کتنے ہی لوگوں کے عقائد متزلزل ہوگئے اور عام رائے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک علم کے نجوم صحیح ہے اور اس پر غلطی کا اطلاق ظلم ہے۔ البتہ احکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی بھول اور قوت عقلی کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ لیکن دنیا سے یہ فرقہ ناپید نہیں ہوا۔ البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی استیصال کردیا۔ اور یہ اثر اس درجہ مستحکم تھا کہ باوجود اقتضائے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے بھی نجوم آج تک باقی ہے۔ اور اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب تک آسمان پر چاند سورج اور ستارے قائم ہیں۔ علم نجوم بھی قائم رہے گا۔ خلفاء عباسیہ اور شاہان اسلام (جس میں ہندوستان بھی داخل ہے) میں بھی دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ نجوم کا معتقد رہا ہے۔ اور ایک مخالف۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں نجومی اکثر رہا ہے، اور آج بھی مہذب سلطنتوں میں موجود ہیں مگر نہ وہ ضمیر بتاتے ہیں نہ انسان کے واقعات زندگی پر پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اصطرلاب 'دُوربین' اور کرۂ اجرام فلکی کے اصلی حقائق سے آگاہ کرتا ہے اور علوم طبیعہ کے معارف اور حقائق دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ جس کے فوائد اصطلاحی نجوم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔"

لیکن "قول فیصل یہ ہے کہ" دونوں اپنی اپنی ضرورت کے وقت بلائے جائیں۔" اگر ندیم کہن سال
صحبت یافتہ ہو تو بہت اچھا ہے۔ بادشاہوں کی عادت و خصال کا اگر اندازہ کرنا چاہو تو اُن کے
مصاحبوں کو دیکھ لو۔ ان لوگوں کی خوش طبعی، فروتنی، اور معاملات وغیرہ سے بادشاہوں کے افعال
کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ندیموں کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بعضوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے اور بعضے
کھڑے رہتے ہیں۔ شاہ غزنیں کے بیس مصاحب تھے۔ جن میں دس بیٹھنے والے اور دس کھڑے
ہونے والے۔ اور شاہان غزنیں نے یہ رسم سامانیوں سے سیکھی تھی۔ لیکن شاہان سلف اور
خلفاء کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ اس قدر ندیم رکھتے تھے جس قدر اُن کے بزرگوں کے عہد میں ہوا کرتے
تھے۔ بادشاہ کے ندیم کو معاش سے مستغنی اور دیگر نوکروں کے مقابلے میں معزز ہونا چاہیئے۔ لیکن
زیادہ ضروری یہ ہے کہ اُن میں خودداری، تہذیب۔ اور جاں نثاری کا مادہ ہو۔

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ[1] دو سو منتخب سواروں کو بارگاہ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیئے جو قد و قامت، شکل
صورت، اور قوت و جسارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دیلمی ہوں
دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہیں گے۔ ان کی وردیاں خوبصو

---

[1] روم اور یونان کی فوجی نظام کی ہم نے تحقیق نہیں کی ہے کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (باڈی گارڈ) مقرر کی
یا نہیں لیکن یزدگرد شہنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہے کہ اس نے خاص اپنے واسطے دیلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا
جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور وہ جُند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی لڑائی کے بعد
فوج ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اُن کو فوج
داخل کر لیا اور کوفے میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔" اور حضرت فاروق اعظم کی فوج میں عجمی۔ رومی۔ یونانی
جاٹ، یہودی، مجوسی، داخل تھے۔ گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں
اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں "مفردان" تھا

ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ بیس ڈھال اور پر تلے طلائی ہوں اور ایک سو اسی نقرئی اور نیزے بھی اعلیٰ قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جائے جو اُن کو کام تقسیم کرے۔ اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں۔ جن کا نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی جماعت ایک جُداگانہ قوم سے ہو جن میں سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لئے رہیں اور بقیہ امیروں، سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دے دیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

(۱۹) فرامین واحکام شاہی کی عظمت

بارگاہ سلطانی سے فرمان بکثرت جاری ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہے، پھر اُس کی عظمت باقی نہیں رہتی ہے۔ اس لئے جب تک کوئی خاص مہم نہ ہو مجلس عالی سے کوئی فرمان شائع نہ ہونا چاہئے اور اشاعت کے بعد اُس کی یہ عزت ہونا چاہیے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو جائے کوئی شخص اُس کو ہاتھ سے زمین پر نہ رکھ سکے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمان شاہی کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے یا اُس کی تعمیل میں لیت و لعل کرتا ہے تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہے اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہے کہ "ایک عورت نے نیشاپور سے غزنیں پہنچ کر سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زمین چھین لی ہے اور اُس پر مالکانہ قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے عامل کے نام پروانہ جاری کیا "کہ اس عورت کی زمین واپس کر دے"۔ لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے حجت کی اور کہا کہ "میں پھر سلطان کو اس زمین کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہے۔" مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جا کر عرض کیا۔ تب سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکم نامہ دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ "ایک ہزار ضرب بید کی سزا دی جائے"۔ عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور اپنے شفیع پیش کئے اور ہر ضرب بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا۔ مگر سلطان نے ایک سماعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ "اگرچہ زمین تمہاری تھی تاہم

لہ فصل ۱۱۔ صفحہ ۷۶۔

سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیئے تھا۔ اُس پر حکم عالی صادر ہو جاتا۔ سلطان محمود نے یہ سزا اس لئے دی تھی کہ دو سروں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ عُمال ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو کام بادشاہ کا ہے وہ اُس کو خود کرنا چاہیئے، یا حکم دینا چاہیئے۔ مثلاً سزا دینا۔ قتل کرنا وغیرہ اور اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیئے کہ اُس کی تنبیہ کرے بہرام چوبیں، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت وجلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عامل ہرات اور سرخس نے تین سو اونٹ (سُرخ بال والے) جن پر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لدی ہوئی تھیں نذر کئے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخش دیئے۔ تاکہ مصارف باورچی خانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُس کے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو میں بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سُن کر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب وہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانچ سو تلواریں منگائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلےٰ درجے کی ہوں وہ علیحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیڑھ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ ان کا بھی انتخاب کرو۔ غرضکہ اخیر میں صرف دو تلواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب ان کو ایک نیام میں رکھو یہ سُن کر بہرام نے عرض کیا کہ "دو تلواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئیں گی"۔ پرویز نے کہا کہ "پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیوں کر رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ بہرام فوراً سمجھ گیا اور خطا کا اقرار کیا۔ پرویز نے کہا کہ "اگر تو میرا خدمت گذار اور آوردہ نہ ہوتا تو میں کبھی معاف نہ کرتا۔ خدائے عزوجل نے زمین کی حکومت صرف مجھ کو مرحمت فرمائی ہے اور میں فیصلے کا مجاز ہوں، آئندہ اگر کسی غلام سے قصور ہو جائے تو اول مجھ سے کہو میں اُس کو مناسب سزا دوں گا"۔

اور مقتضائے[1] احتیاط یہ ہے کہ شاہی فرامین صرف وہی شخص لے جائیں جو اس کام کے لئے مقرر ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے نائبوں کو دے دیں۔

---

[1] فصل ۱۵۔ صفحہ ۸۱۔

(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلا سے مشورہ کرنا چاہیئے

جو شخص[1] کامل العقل تجربہ کار، اور اپنی رائے کا مستحکم ہو اُس سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ[2] یوں تو ہر شخص میں عقل ہوتی ہے مگر کمی بیشی کا ضرور فرق ہوتا ہے۔ جو شخص عاقل، تجربہ کار ہو وہ عاقل

---

[1] فصل ۱۸۔ صفحہ ۸۴۔ ۸۵۔

[2] جب انسان مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اپنی مدد کے واسطے دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور تبادلۂ خیالات کے بعد جو رائے قائم ہوتی ہے، اُسی کا نام مشورہ ہے۔ دنیا میں فقیر سے بادشاہ تک کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو کم و بیش مشکلات کا سامنا نہ ہوتا ہو۔ بلکہ بادشاہ تو ہر دم نئی آفتوں میں مبتلا رہتا ہے مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کو "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کی اسی وجہ سے ہدایت کروی ہے تاکہ پیغمبر کا فعل اُمت کے واسطے سنت قرار پا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طرز عمل یہ تھا کہ آپ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مشورے کے متعلق متعدد احادیث ہیں مثلاً المشورۃ حصن من الندامۃ وامان من الملامۃ" (۲) المستشیر والمستشار مؤتمن" اسی طرح پر حکما، علما، صحابہ کرام اور سلاطین وغیرہ کے متعدد اقوال کتب اخلاق میں تحریر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ مشاورے اور مناظرے کو باب رحمت اور مفتاح برکت سمجھو۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ "من استعان بذوی العقول فاز بدرک المامول"۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہے اُس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہے اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلاشبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور فرزانہ کیوں نہ ہو؟ لیکن اُس کی شخصی رائے تمام مشکلات کے اطراف و جوانب کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوریٰ عمومی (پارلیمنٹ)، مجلس الاشراف (ہاؤس آف لارڈز)، و مجلس العموم (ہاؤس آف کامنز) کا وجود فقط بادشاہوں کی مشکلات اور مہمات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہے۔ اور روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے مفید، مستحکم اور صحیح ہوتا ہے۔ اور انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ شاہنشاہ ایران نے بھی مجلس شوریٰ قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور رعایائے روس بھی انعقاد مجلس کے واسطے بغاوتیں کر رہی ہے جو ایک روز کامیاب ہوگی۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

ناآزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کی یہ مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی
کتاب میں دیکھا ہے۔ اور دواؤں کے نام سے بھی واقف ہے۔ مگر دوسرے شخص نے علاج
کرکے تجربہ حاصل کیا ہے۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہے اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم
نہیں نکالا ہے۔ اس صورت میں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

عقلا کا قول ہے کہ ایک شخص کی تدبیر ایک مرد کی قوت اور دس کی تدبیر دس مردوں کی
قوت کے برابر ہے۔ اور اس پر تو تمام دنیا کا اتفاق ہے۔ کہ انسانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ سے
زیادہ صائب الرائے نہیں ہوا۔ لیکن باوجود اس عقل ودانش کے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ "شَاوِرْهُمْ
فِي الْأَمْرِ یا محمد" جب کہ پیغمبر علیہ السّلام مشورے سے بے نیاز نہ تھے تو پھر ماوشما کی کیا حقیقت
ہے۔ اس لئے بادشاہ جب کوئی کام کرنا چاہے یا کوئی معاملہ پیش آجائے تو اُس کو اپنے کہن سال
خیر خواہوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ لیکن عمل اُس رائے پر کیا جائے جو متفق علیہ ہو۔ اور جو لوگ
مشورہ نہیں کرتے ہیں اُن کو سمجھنا چاہیے کہ وہ ضعیف الرائے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ خود کام کہلاتے ہیں

بقیہ صفحہ ۲۵۰ :

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقلا سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے
ہوتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچ کر نکل جاتا ہے
اور نشانہ خطا کرتا ہے۔ لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اُس کو گھیر کر مار ہی ڈالتے ہیں۔
بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے اُن کی خواجہ نے صراحت کردی ہے لیکن عام طور سے مشورہ میں اُمور ذیل قابل لحاظ ہیں

(۱) مشیر اپنا سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو۔
(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اُس کو نفس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔
(۳) رائے دینے کے وقت اس قدر متوجہ ہو کہ اُس کا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل نہ ہو۔
(۴) حاسد، کاذب، معلم اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکماء کی رائے کے مطابق محض اپنی رائے پر بھروسہ کرنا داخل ضلالت ہے۔ انتخاب از
کتاب ادب الدنیا والدین ابوالحسن بصری ۔ کتاب الذریعہ راغب اصفہانی وغیرہ۔

ت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنے بادشاہ سے رضامند ہے یا ناراض۔ اور ملک
ں کیا حالت ہے۔ بادشاہ فی نفسہ بیدار ہے یا غافل ہے۔ مزاج میں سخاوت ہے یا بخالت
جحان طبعی کا کیا حال ہے یعنی حد و جہد پر مائل ہے، یا ہزلیات کا شیدا ہے۔ عورتوں کی
تا ہے یا غلاموں کا شیدائی ہے۔ اس کے بعد وزیر کو دیکھتے ہیں کہ کس رتبے کا ہے؟ آیا
یر کے ساتھ متدین بھی ہے یا نہیں۔ سپہ سالاران فوج تجربہ کار ہیں یا نوآموز۔ مصاحبین
ڈھنگ کے ہیں کس چیز کو دوست رکھتے ہیں اور کس کو دشمن جانتے ہیں۔
پ اس چھان بین کا یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت میں اُس بادشاہ سے مخالفت ہو جائے
لک پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر میں اپنا
بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ "سلطان سعید الپ ارسلان حنفی المذہب تھا۔ اور اکثر کہا
ہ کاش! میرا وزیر بھی حنفی المذہب ہوتا۔ کیونکہ شافعی ہونے کی وجہ سے اس میں سیاست
یں ہے۔"
ونکہ سلطان متعصب تھا اس وجہ سے میں ہمیشہ اُس سے ڈرا کرتا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے
شمس الملک نصر بن ابراہیم (خان سمرقند) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراءالنہر کا سفر در پیش آیا۔
ں نے سفارت روانہ کی۔ چنانچہ میں نے بھی اپنی جانب سے دانشمند اشتر کو سفیر کے ساتھ
جو واقعات پیش آئیں وہ براہِ راست مجھے معلوم ہو جائیں، چنانچہ واپسی سفارت پر
ب نے اپنا سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ چونکہ یہ بھی آئین سفارت میں داخل ہے
ر سے ملاقات کر کے عرض مطلب کرتے ہیں۔ تاکہ وزیر کے ذریعہ سے بادشاہ تک حالات
ں۔ اور رخصت کے وقت بھی مل کر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھ سے
س وقت جلسۂ احباب میں بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا، اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہاتھ
ں ڈھیلی ہوتی تھی اس لئے میں نے داہنے ہاتھ میں پہن لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پر پہنچ
ں وقت بساط اُلٹ دی گئی۔ اور سفیر بُلا لیا گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں۔ چونکہ میں اُس انگوٹھی کو اُنگلی کے
رف گھما رہا تھا۔ سفیر نے بھی اُس کو دیکھا تھا۔ غرضکہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہو کر چلا گیا۔

اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بجواب سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی میں نے دانشومند اشتر کو ساتھ کردیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے روبرو دربار عام میں پیش ہوئے اُس وقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ "سلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا، فوج کس قدر ہے۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہے؟" سفیر نے ہر چیز کی مدح کرکے کہا کہ "میں نے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو کسی کو مجال سرکشی نہ ہوتی، خاں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعی مذہب ہے۔ کیونکہ وقت ملاقات کے میں نے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنے ہوئے تھا اور اُس کو گھما رہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہے۔ اگر کہیں اُس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس لئے میں نے تیس ہزار دینار صرف کئے اور ہمیشہ کے لئے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کردیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہ ہو۔"

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کی نظر عیب و ہنر پر یکساں پڑتی ہے جو بادشاہ عاقل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ایسا شخص ہونا چاہیے جس کو بادشاہوں کی صحبت میسر ہوئی ہو اور ادائے مطلب میں نہ تو قاصر ہو اور نہ فضول گو ہو۔ کمال علمی کے ساتھ سفیر کا تجربہ کار۔ اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو۔ دیرینہ سال عالم کو دوسروں پر شرف ہے۔

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ اعتبار کے قابل ہے۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سفیر بادشاہ کی عقل و سیرت کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے (کم از کم)، بیس غلاموں کو بیش قیمت لباس اور مرصع اسلحہ سے آراستہ کرکے تخت کے گرد کھڑا کرنا چاہیے۔

برداشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

حالت[1] سفر میں جب منزل پر بادشاہ کا قیام ہونے والا ہے وہاں پہلے سے چارہ گھاس نہیں مل سکتا۔ اور ایک دن کے چارہ گھاس کے لئے بڑی کوشش کرنا پڑے گی۔ لہٰذا جن رستوں سے آئندہ گذرنا ہو یا جن پڑاؤ میں ٹھہرنا ہو وہاں اس کا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں ناکامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کرکے اُس کی قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کردی جائے! اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہے۔

(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج

تمام[3] فوج کی تنخواہ نقد ادا کردی جائے جو جاگیردار ہیں اُن کو بھی فوج کے اندازے پر حساب کرکے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی نہ دیا جائے کہ خزانے سے اس قدر روپیہ برآمد کرلو۔ بہتر یہ ہے کہ تنخواہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے تاکہ دل میں بادشاہ کی محبت پیدا ہو جائے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

---

[1] فصل ۲۰ صفحہ ۸۶۔

[2] ملک شاہ نے تمام ممالک محروسہ کا پانچ مرتبہ دورہ کیا تھا۔ اور بڑی شان وشوکت سے گھر سے نکلتا تھا لہٰذا ان احکامات کا جاری کرنا ضروری تھا۔ مگر اس زمانے میں نہ بادشاہوں کو فوج وحشم کے ساتھ طولانی سفر کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ اور نہ وہ اپنی مجبوریوں سے دارالسلطنت سے باہر جاتے ہیں اُن کی سب سے بڑی جولاں گاہ چند منزل کی شکارگاہ ہوتی ہے۔ اور اس کے واسطے تمام سامان دارالحکومت سے روانہ ہوتا ہے۔ البتہ فوجوں کے کوچ ومقام پر رسد رسانی کا انتظام نہایت وسیع پیمانے پر ہوتا ہے ہر پڑاؤ پر وہی بندوبست کیا جاتا ہے جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔ اور تحصیل داروں کے فرائض میں یہ اہم خدمت ہے۔ البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیل داروں کو پیش آتی ہیں اُس پر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

[3] فصل ۲۳ صفحہ ۹۱۔

قدیم بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ اُن کی تنخواہیں خزانے سے دی جاتی تھیں۔ جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ ملکی حکام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد اُن کی تنخواہ دی جاتی تھی۔ دفتر کی اصطلاح میں اس کو پیشیہ گانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں اب تک جاری ہے۔ اور جاگیرداروں کو ہدایت کی جائے کہ اگر ایک گھوڑا مرجائے یا کہیں غائب ہوجائے تو اُس کی اطلاع کیا کریں۔ اور ہر مہم میں اُن کو مدد کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی گریز کرے تو تنبیہ کے ساتھ اُن سے تاوان وصول کرلیا جائے۔

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج میں جب ایک جنس کے سپاہی ہوں گے تو اُن میں خطرے کا احتمال ہے اور اُن سے جانفشانی بھی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دیلمی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ[۳] سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دیلمی، غوری سپاہی بھرتی تھے۔ اور سفر کی حالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ جس کا اثر یہ تھا کہ ہر گروہ

---

[۱] خواجہ نظام الملک نے بعد تحریر اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجائے نقد تنخواہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواجہ کے اولیات میں لکھدی گئی ہے۔

[۲] فصل ۲۴ صفحہ ۹۲۔ [۳] مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنے کا اصول نہایت مفید ہے اور اس میں متعدد ملکی حکمت عملیاں ہیں جس کی صراحت کا یہ موقعہ نہیں ہے لیکن شاہان اسلام اس اصول پر صدیوں سے عملدر آمد کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء میں مسعود غزنوی نے سلجوقیہ کے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اُس میں ہندوستان کی ایک پلٹن موجود تھی جس کا نامور سپہ سالار جے سنگھ تھا۔ اس کے بعد مورخ نے یہ رائے لکھی ہے "ازیں روایت نیکو پیداست کہ دریں عہد سلاطین اسلامیہ افواج جنگی را از طبقہ ہندوان نگاہ داشتن آغاز کردہ بودند، وہندوان در عبور کردن رود سندہ از برائے جنگیدن از طرف شاہان مظفر اسلامیہ باک نمی داشتند۔ کتاب آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے افعال و عادات اور خواص میں موجود ہے جن کو فوج میں بھرتی کرنا چاہیئے۔" یورپ اور ہندوستان میں اسی اُصول کی پابندی کی جاتی ہے۔ الفاروق شبلی نعمانی بحوالہ فتوح البلدان۔ سیاست نامہ تاریخ ہندوستان مصنفہ جان اسی مارشمن ترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹۔

دوسرے سے ڈرتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر رہتا تھا۔ اور جب دن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے ڈر سے جان لڑا دیتا تھا۔ تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت و سستی کا الزام عائد نہ ہو۔

جب فوج میں اصول سے کام لیا جائے گا تو یقین ہے کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر قدم پیچھے نہ ہٹائے گا، تاوقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب فوج ایک دو مرتبہ نمایاں فتح حاصل کر لیتی ہے تو اس فوج کے ایک سو سوار اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکا یک ایسے فتح یاب لشکر کے مقابلے کی جرأت نہیں پڑتی ہے۔

شیوخ[1] عرب، سرداران کرد، دیلمی و رومی اور ایسے اشخاص جنھوں نے حال میں اطاعت کا حلف اٹھایا ہو۔ اُن کو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اول)، کے حاضر دربار رکھا کریں اور ایک سال کے بعد یہ رخصت کر دیے جائیں۔ لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نہ کریں۔ ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود ملیں گے۔ یہ جماعت پانچ سو آدمیوں سے کم نہ ہونا چاہیے۔

(۲۵) خدمت گار اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

ہر وقت[2] اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب غائب ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آ جاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب، وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں۔ اُن کے افسروں کو حکم دیا جائے کہ ہر روز اس قدر غلام کار خدمت کے لئے بھیجے جائیں۔

زمانہ سابق میں جس دن غلام خرید ہو کر آتا تھا۔ اس دن سے بڑھاپے تک ہر روز اس کی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی۔ اور بہ لحاظ تعلیم و تربیت اُن کے درجے مقرر ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانے میں اُن قاعدوں کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

---

[1] فصل ۲۵ صفحہ ۹۳ [2] فصل ۲۷۔ صفحہ ۹۴۔ لغایت ۱۰۸۔

سامانیوں میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شائستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑھاتے تھے۔ چنانچہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پیادہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندنیچی[1] پہن کر چلتا تھا۔ اور اُن کو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ اور بحالت خلاف ورزی اُن کو سزا دی جاتی تھی۔ ایک سال کے بعد وثاق پاشی کی تحریر پر حاجب، سواری کے لئے ترکی گھوڑا دیتا تھا۔ مگر لگام اور دوال سادہ ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد قراچوری[1] دی جاتی تھی کہ وہ کمر میں باندھیں۔ اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام، وقبائے[1] دارائی اور آہنی گرز دیا جاتا تھا۔ چھٹے سال جامۂ[1] عنوان ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خیمۂ یکسری (جس کی طنابیں سولہ میخوں میں کھینچی جاتی تھیں) اور تین غلام اُس کو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق باشی ہوتا تھا۔ نمد سیاہ کی ٹوپی ہوتی تھی جس پر ہلکی سنہری تحریر کر دی جاتی تھی۔ اور قبائے گنجہ کا لباس ہوتا تھا۔ غرضکہ اسی طرح ہر سال درجہ بڑھتے بڑھتے خیل باشی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

اگر ہر موقعہ پر اُس کے ہاتھ سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شائستگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کہیں پینتیس[۳۵] برس کی عمر میں امارت اور حکومت کا اعزاز بخشا جاتا تھا۔

الپتگیس[2] نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی

---

[1] زندنیچی، سوزن کار سفید موٹا کپڑا۔ قراچوری۔ لانبی تلوار، دارائی۔ ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔ جامۂ عنوان اس اصطلاح کے معنے لغت میں نہیں ملے۔ ۱۲

[2] امیر احمد بن اسمٰعیل سامانی کا پروردہ اور جاں نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا۔ الپتگیس اُس کا پورا نمونہ تھا خراسان میں اُس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہے۔ سبکتگیں (ترکی لفظ ہے "دو سبز تپے" اس کا ترجمہ ہے) کو اسی جگہ خرید کیا تھا۔ اور اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک دن تیس[۳۰] غلام بکنے کو آئے۔ الپتگیس نے سب کو خرید کر لیا۔ ان میں سب سے ممتاز سبکتگیں تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک وثاق باشی مر گیا ہے۔ اُس وقت سبکتگیں سامنے تھا۔ الپتگیں نے کہا کہ اسی کو مقرر کر دو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہے۔ الپتگیں نے کہا کہ میں نے حکم دیدیا ہے اور اس نے سُن لیا ہے اب میں اس عطیہ کو واپس کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ غرضکہ اٹھارہ برس تک سبکتگیں معزز درجوں پر مقرر ہوتا رہا اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے دباقی در صفحہ آئندہ)

عقلا کا قول ہے کہ لائق خدمت گار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور خدا نہ کرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہاتھ سے نکل جائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہے ؎

یک بندہ مطاوع بہ از صد فرزند کیں مرگِ پدر خواہد وآں عمرِ خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کی جائے کہ وہ بغیر حکم شاہی (اور وہ بھی بہ حالت خاص ضرورت)، کسی مہم پر نہ روانہ کئے جائیں کیونکہ اُن کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے دو سو دینار وصول کرنے کا حکم ہے تو یہ پانسو وصول کرلاتے ہیں۔" (فصل ۲۱ صفحہ ۶۸)

بقیہ صفحہ ۲۵۸، کی کارگزاری دکھائی۔ اور الپ تگیں کی موت تک ساتھ رہا۔ ۳۵۰ھ مطابق ۹۶۱ء میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مرگیا۔ اُس وقت الپتگیں نیشاپور میں تھا۔ اُمرائے دارالسلطنت نے قاصد بھیج کر الپ تگیں سے مشورہ کیا کہ آپ کی رائے میں کس کو پادشاہ مقرر کیا جائے۔ الپتگیں نے دو رائیں دیں۔ قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمرائے منصور برادر عبدالملک کو تخت نشین کردیا۔ چونکہ منصور کا انتخاب الپتگیں کے خلاف تھا اس وجہ سے اُمراء دربار نے پادشاہ کو الپ تگیں سے ناراض کردیا۔ جب یہ خبریں خراسان تک پہنچیں تو از راہِ دوراندیشی الپ تگیں نے خراسان چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان کو غزوات کے ارادے سے روانہ ہوا۔ لیکن چونکہ غزنیں الپ تگیں کا مولد اور منشا تھا اس وجہ سے اسی کو دارالحکومت بنایا۔ اس وقت غزنیں ایک معمولی گاؤں تھا۔ یہاں تک پہنچنے میں منصور کی طرف سے سخت رکاوٹیں پیدا کی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں مگر آخر کو الپتگیں کامیاب ہوا۔ اور ساٹھ برس اپنے آقاؤں کی خدمت کرکے تاند از اسی برس کا ہو کر ۳۶۵ھ مطابق ۹۷۵ء میں فوت ہوا۔ آل سامان کا یہ وفادار، صادق القول، شجاع، مدبر، فیاض، خدا ترس، اور خدمت گذار غلام تھا۔ خود مختار ہو کر صرف تیرہ برس زندہ رہا۔ چنانچہ غزنیں میں سلطنت کی بنیاد اس کی ذات سے پڑی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ تین ہزار تو اعد داں غلام خراسان سے الپ تگیں کے ہمراہ چلے آتے تھے۔ اول انھیں کی ذات سے غزنیں کی آبادی ہوئی۔ اس کے بعد افغانی جرگے فوج میں بھرتی کئے گئے۔ اُس کے انتقال پر ابواسحاق اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ لیکن یہ کمزور، ناتوان، اور عیاش شاہزادہ ۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ء میں فوت ہوگیا اور مُلک نے سبکتگیں کو اُس کا جانشین بنا دیا۔ چنانچہ اسی نامور کا بیٹا محمود غزنوی ہے جو شاہان غزنیں میں سب سے نامور شہنشاہ تسلیم ہوا ہے۔" سچ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام تیار کئے اور جس زور کی انھوں نے حکومت کی ہے اُس کی نظیر آج آزاد بادشاہوں میں بھی نہیں مل سکتی ہے۔" انتخاب از تاریخ نامۂ خسروان، ملکم، الفنسٹن، سیاست نامہ۔

(۲۶) دربار

دربار عام

دربار[1] کی ترتیب اس طرح پر کی جائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اس کے بعد ملک کے معزز سردار ارکان فوج ۔ پھر دیگر اشخاص، اور جب تمام گروہوں کا داخلہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضیع و شریف کا امتیاز کر لینا چاہیے ۔ جب دربار شروع ہو تو پردہ اُٹھا دیا جائے ۔ اور حاجب کی روک ٹوک نہ رہے، کیونکہ یہی شناخت دربار عام کی ہے ۔ اور اس علامت کا ہونا ضرور ہے کیونکہ امرار کو بغیر شرف ملاقات بادشاہ واپس جانا نہایت گراں گذرتا ہے ۔ اور دربار میں پہنچ کر شرف حضوری حاصل نہ ہو ۔ اس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں ۔ اور بہت سے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونے سے لوگوں کے کاروبار بند ہو جاتے ہیں ۔ اس لئے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیے ہفتے میں ایک دو روز عام جلسہ ہونا چاہیے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کی جائے ۔ جس دن دربار میں خواص کے جانے کا دن ہو اس دن عوام نہ جائیں ۔ مگر دونوں کو ایسی تاریخوں سے اطلاع ہونی چاہیے ۔ تاکہ یہ نوبت نہ ہو کہ ایک بلایا جائے اور دوسرا نکالا جائے ۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہ ہو ۔

دربار خاص

عیش[2] و طرب کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ آنے والے جام و صراحی اور ساقی لے کر حاضر ہوں ۔ کیونکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہے کہ تمام خورد و نوش کا سامان اُمرا بادشاہ کے گھر سے اپنے گھر لے جاتے ہیں نہ برعکس اس کے ۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہے ۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں ۔ مگر جیسا کہ میں اول بیان کر چکا ہوں، غلام، اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کئے جائیں ۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں ۔ لہٰذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہتے اور تخت کے گرد معزز طبقے کے ارکان کھڑے ہوں ۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہو جاتے تو حاجب کو چاہیے کہ علیحدہ کر دے اسی طرح ہر درجے میں نظر رکھنا چاہیے ۔

---

[1] فصل ۲۸ و ۲۹ ۔ صفحہ ۱۰۹ ۔ [2] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۱ ۔

تاکہ کوئی نااہل شریک[1] نہ ہوجائے۔

(۲۷) اہلِ فوج کی حاجتیں

تمام سپاہیوں[2] کی عرض داشتیں اور اُن کی خواہشات کی اطلاع افسروں کے ذریعے سے بادشاہ تک ہونا چاہیئے تاکہ جو نیکی ہو وہ اُن کے ہاتھ سے ہو۔ اس کارروائی سے فوجی سرداروں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی سپاہی اپنے افسر سے بدزبانی کرے تو اُس کو سزا دی جائے۔ تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے۔

(۲۸) صاحبانِ جاگیر و منصب

جن[3] امیروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیئے جائیں اُن کو یہ بھی تاکید کی جائے کہ اعلےٰ درجے کا فوجی سامان رکھیں۔ اور غلاموں کو خریدکریں، کیونکہ اُن کی شان و شوکت کا یہی ذریعہ ہیں۔ اور محض اپنے مکان کی آرائش سے اُن کی زینت نہیں ہوسکتی ہے۔ جس جاگیردار کو پہلی بات کا خیال ہوگا اُس کا قرب و اختصاص بادشاہ سے اپنے ہم چشموں کے مقابلے میں بڑھتا جائے گا۔

(۲۹) اُن لوگوں کے قصور کی سزا جن کو سلطنت نے درجہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچایا ہے

جن[4] لوگوں کو خود ہی پادشاہ درجہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچاتا ہے۔ اُن کی تربیت میں ایک زمانہ دراز صرف ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگوں سے کوئی قصور ہوجائے تو علانیہ عتاب کرنے سے اُن کی آبروریزی ہوتی ہے اور پھر بہت کچھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے انسب طریقہ یہ ہے کہ اُن کی خطاؤں پر اول چشم پوشی کی جائے اور بُلاکر سمجھا دیا جائے کہ سنو جی! تم نے یہ حرکت نہایت ناشائستہ کی ہے چونکہ ہم اپنے پروردہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے درگذر کی جاتی ہے۔ مگر خبردار اب آئندہ ایسا نہ ہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے اُتارے جاؤگے۔ اور اس میں ہماری

---

[1] زمانہ حال میں درباروداری کے جو قواعد ہیں وہ عہد قدیم سے بالکل جداگانہ ہیں اور ان آداب سے قریباً ہر تعلیم یافتہ واقف ہے لہٰذا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [2] فصل ۳۱۔ صفحہ ۱۱۱۔ [3] فصل ۳۲ صفحہ ۱۱۲۔ [4] فصل ۳۳۔ صفحہ ۱۱۳۔

طرف سے کوئی قصور نہ ہوگا بلکہ وہ تمھارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی۔ امیر المومنین حضرت[1] علی کرم اللہ وجہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ جان باز اور بہادر کون ہے؛ آپ نے فرمایا کہ جو غصّے کی حالت میں اپنے تئیں سنبھالے اور ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس کے بعد پشیمانی اُٹھانا پڑے۔

انسان کی عقل کا منتہا یہ ہے کہ اول تو غصہ نہ آئے۔ اور اگر آجائے تو پھر عقل پر غالب نہ ہونے پائے۔ کیونکہ جب خواہشات نفسانی کا عقل پر غلبہ ہوتا ہے تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور اُس سے دیوانوں کے سے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے سمجھدار آدمیوں کو ایسی حالت سے بچنا چاہیے۔

(۱) روایت ہے کہ حضرت امام حسین[2] رضی اللہ عنہ معزز لوگوں کے ہمراہ خاصہ نوش فرما رہے تھے۔

---

[1] امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ ہاشم کے پوتے اور ابو طالب کے نامور بیٹے ہیں آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (بنت اسد بن ہاشم) اور ہاشمیوں میں سے سب سے پہلے ہاشمی حضرت علی ہیں۔ فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" آپ ہی کی ذات پاک کی تفسیر ہے۔ خلافت کے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپ کا چوتھا درجہ ہے۔ مگر سلسلۂ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عام الفیل کے تیسویں برس تیرھویں رجب کو بمقام مکۂ معظمہ آپ کی ولادت ہوئی اور ۳۵ھ ۶۵۵ء میں مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کے عہد کے اہم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہے۔ اور مسلمانوں کی بدنصیبی سے یہ پہلی نزاع تھی جو خانہ اسلام میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ نہ ہوا مگر روحانی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، فیاضی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عدیم المثال ہے۔ جنوری ۶۶۱ء ۴۰ھ میں بمقام کوفہ ۱۷ رمضان المبارک یوم جمعہ جبکہ آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جا رہے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے زخمی کیا۔ اور اسی صدمہ سے شب یک شنبہ میں بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور نجف اشرف میں دفن ہوئے جو مسلمانوں کا مرجع ومآب ہے تاریخ وفات میں یہ شعر مشہور ہے ؎

ابن ملجم سرِ علیؑ چو برید ۔۔۔ سال فوتش ازاں عیاں گردید

از اتحاف ومعارف ابن قتیبہ وسیوطی والتوفیقات الالھامیہ۔

[2] امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کے تیرہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں مگر حضرت امام حسینؑ اولاد اکبر اور حضرت امام حسینؑ

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے ہوتے تھے۔ اور عمامہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت بندھا تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اُٹھا کر سامنے رکھنا چاہا مگر اُس کے ہاتھ سے یکایک پیالہ چھوٹ

بقیہ صفحہ ۲۶۲ = فرزند ثانی سب سے مشہور تر ہیں۔ ۵ر شعبان ۴ھ میں بمقام مدینہ منورہ آپ کی ولادت ہوئی امیر معاویہ کے انتقال پر اس کے بیٹے یزید سے خلافت پر نزاع پیدا ہوئی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ بمقام کربلا (اراضی عراق ناحیہ کوفہ) بروز جمعہ ۱۰ر محرم ۶۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۶۸۰ء میں آپ معہ کثیر رفقا اور عزیزوں کے شہید ہو گئے۔ شہادت سے تھوڑی دیر قبل آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لائے ؎

انا ابن علی الحبر من آل هاشم — کفانی بهذا مفخرا حین افخر

وجدی رسول الله اکرم من مشی — ونحن سراج الله فی الارض نزهر

وفاطمة امی سلالة احمد — وعمی یدعی ذا الجناحین جعفر

وفینا کتاب الله انزل صادقا — وفینا الهدی والوحی والخیر یذکر

اس دردانگیز واقعہ پر علاوہ مورخین کے عرب، عجم، روم، شام اور ہند کے شعرا نے جس قدر مرثیے لکھے ہیں اُس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور میر انیس اور مرزا دبیر مرحوم نے جس قدر لکھا ہے وہ عام طور سے مشہور ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت ناصرالدین مرحوم شاہ ایران نے اپنے شاہنشاہ کے غم میں چند اشعار لکھے ہیں اُس کے لکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے

خنجر شمر بخون شہ خوباں تشنہ — خنجر شہ بدم خنجر بُراں تشنہ

من چو خضرم و فراتست اگر آب حیات — خضر کے ماندہ لب چشمۂ حیواں تشنہ

آہ ازاں لحظہ کہ اصغر لب دوش پدر — داد خنجر بدم غنچۂ پیکاں تشنہ

کودکانم کہ ہمہ شہد و شکر می خوردند — حال طوطی صفتند در شکرستاں تشنہ

گفت شاہ شہدا با پسر سعد لعیں — آب در کوزہ روا داری و مہماں تشنہ

مہر زہرا بود ایں آب و ہمہ اولادش — کشتہ گشتند و فتادند بمیداں تشنہ

دیو و دد جملہ ازیں آب ہمہ سیراب اند — کس ندیدست لب آب سلیماں تشنہ

گبر و ترسا و نصاریٰ ہمہ زیں آب خورند — بلب نہر مگر گوشۂ عمراں تشنہ

اکبرم کشتہ شد از تیغ شما در میداں — رفت در خلد بریں شاہ جواناں تشنہ

دستہا از تن عباس فگندند بخاک — کس ندیداست کہ سقا سپرد جاں تشنہ

ناصرا آب خوری یاد کن از شاہ شہید
زانکہ فند کشتہ شہنشاہ شہیداں تشنہ

گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہوگیا بمقتضائے بشریت آپ کو غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہوگیا اور اُسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بول اُٹھا کہ اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ؁ خدا کا حکم سنتے ہی آپ کا غصہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اور غلام سے فرمایا کہ جا میں نے تجھ کو آزاد کردیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تنبیہ سے بے خوف رہے گا۔

(۳) امیر معاویہ[۱] کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کرکے گستاخانہ امیر کے سامنے ہو بیٹھا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا۔

نوجوان:۔ امیر المومنین ایک نہایت مشکل کام لے کر آیا ہوں اگر آپ اُس کے ایفا کا وعدہ کریں تو عرض کروں؟

امیر معاویہ:۔ ہاں! تم اپنی حاجت بیان کرو جہاں تک ممکن ہوگا اُس کے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

نوجوان:۔ میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہے۔ اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ اُن کا عقد مجھ سے کردیں تو میں بی بی والا ہو جاؤں اور وہ شوہر والی۔ اور آپ داخل ثواب ہوں گے؟

اور ایک دو جملے ایسے کہے جن کے لکھنے کے لئے تہذیب مانع ہے۔ مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

---

[۱] معاویہ بن ابو سفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور خدمت کتابت پر ممتاز رہے ہیں۔ مگر سفیان اور اُن کی بی بی ہند نے جو بدسلوکیاں آنحضرت سے کی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ معاویہ نے محض اپنی قابلیت سے سپہ سالاری سے امارت کا درجہ حاصل کیا۔ اور خلفائے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بلا مزاحمت امیر بن گئے۔ چنانچہ ۲۷ ربیع الثانی یوم یک شنبہ ۴۲ھ ۶۶۱ء میں بمقام دمشق تخت نشین ہوئے۔ اور دار الخلافت کو دمشق سے شام میں منتقل کردیا۔ ۱۹ برس ۳ ماہ ۵ یوم حکومت کرکے ۷۸ برس کی عمر میں ۶۰ھ ۶۷۹ء میں فوت ہوئے اور یزید تخت نشین ہوا۔ سیاست اور تمدن میں ہزاروں قسم کی ترقیاں اسی عہد میں ہوئیں۔ جن کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ کابل فتح ہوا۔ اور سندھ تک فوج آکر واپس ہوگئی۔ قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ شاہ یونان کو باج گذار بنایا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ۲۷۰ من ۲۲ سیر سونا سالانہ دیا کرے۔ سیوطی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کرلیا کہ امیر معاویہ سے زیادہ حلیم اب کون ہوسکتا ہے؛

عقلا کا قول ہے کہ حلم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اولےاتر ہے۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہے لیکن بحالت شکرگذاری اعلےٰ تر ہے۔ مگر جب علم اور خداترسی بھی ہو تو سبحان اللہ!

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبان اور دربان، اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہو اُسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے۔ کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں۔ ذرا سے لالچ میں آجاتے ہیں، جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پایا جائے تو فوراً اُس کی تحقیقات کرلی جائے اور شب کے وقت ہر نوبت والے کو بہ نظر تجسس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

پادشاہوں کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُس کے پُر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں اُن کو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہ ہو تو بطور خود وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیئے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ صبح کے وقت عام دسترخوان نہ بچھایا جائے سلطان طغرل سلجوقی صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا۔ حتےٰ کہ اگر جنگل میں شکار

---

[۱] فصل ۲۹۔ صفحہ ۱۱۴۔ [۲] فصل ۲۵۔ صفحہ ۱۱۵۔

[۳] شاہان عجم کا دسترخوان جیسا وسیع اور پُرتکلف ہوتا تھا اس کی تقلید تو کسی سے نہیں ہوسکی لیکن اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے عہد سے خلفائے عباسیہ تک اور اُن کے بعد اُن کے جانشین حکمرانوں میں یہ صفت باستثنا بعض مسلسل پائی جاتی ہے اور ان کے واقعات سے تاریخ کے صفحے مزین ہیں۔ حجاج ابن یوسف (جس کا ظلم، حاتم کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے) جو ولید ابن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اس کے دربار میں ہزار خوان نفیس (باقی در صفحہ آئندہ

کھیلنا ہوتا تو اُسی جگہ پر دسترخوان بچھایا جاتا۔ اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے۔ کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ یہی اُصول خواتین ترکستان کا تھا اور اُن کے باورچی خانے کا دروازہ ہروقت کھلا رہتا تھا۔ تاکہ سب فیضیاب ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ہمت اور مروّت اُس کے درجے کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر ہے لہٰذا اُس کو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس معاملے میں اگلے بادشاہوں سے سبقت لے جانا چاہیئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندگانِ خدا کو جو بادشاہ فراخ حوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں اُن کے ملک ومال اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعون[1] بادشاہ مصر کے باورچی خانے میں روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو سو اونٹ ذبح ہوتے تھے اس کے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں ہوتی تھیں۔ اور تمام اہل مصر اور فوج والے شریکِ دسترخوان ہوتے تھے۔ اور جب تک اُس کی سلطنت رہی یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسٰی[2] علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت موسٰی

بقیہ صفحہ ۲۶۵: کھانوں کے اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا۔ امیر معاویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کھانے کے وقت دربان وحاجب کا عمل دخل اُٹھ جاتا تھا اور صلائے عام ہوتا تھا۔ اور آج بھی غازی سلطان عبدالحمید خاں اور مظفرالدین شاہنشاہ ایران خلداللہ ملکہم کا دسترخوان عہد قدیم کی فیاضیوں کا اصلی نمونہ ہے اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں بکثرت نظائر موجود ہیں۔

[1] جس طرح فی زماننا شاہان مصر کا لقب خدیو ہے ویسے ہی زمانہ قدیم میں اُن کا لقب فرعون تھا۔ جس کے معنی متکبر اور سرکش کے ہیں۔ فراعنہ یکے بعد دیگرے دس ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو سو سولہ[۲۱۶] برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے خروج حضرت موسٰی تک ہے) فراعنہ کا سلسلہ نسب علیق بن عو لج بن عاد پر ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسٰی کا جس قدر واقعہ ہے وہ صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ بڑا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بحر احمر میں یہی فرعون غرق ہوا ہے (ناسخ التواریخ جلد اول۔

[2] موسٰی بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ خدا کے ان جلیل الشان (باقی در صفحہ آئندہ)

کی دعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ" میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کرکے اُس کی سلطنت کا تم کو مالک
بنا دوں گا۔" چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گذر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی
تب حضرت موسٰی نے چالیس دن روزے رکھے اور طور سینا پر جا کر مناجات کی اور عرض کیا کہ خدا
عالم تیرا وعدہ کب پورا ہوگا؟

غیب سے آواز آئی کہ اے موسٰی! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ لیکن اُس کے دم سے
میرے ہزارہا بندے پرورش پاتے ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت وجلال کی جب تک اُس کا دستر
وسیع رہے گا، یاد رکھو! کہ میں اُس کو ہلاک نہ کروں گا۔ اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا کہ
اُس کی موت قریب ہے۔" چنانچہ جب حضرت موسٰی نے فرعون کے مقابلے کی تیاریاں شروع
کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُس نے ہامان[1] سے کہا کہ" موسٰی بنی اسرائیل کو میرے مقابلے سے

بقیہ صفحہ ۲۶۶: رسولوں میں سے ہیں کہ جن پر تورات مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکبد، یُوحانند، اباخا
یا یوخابث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ہارون کے بعد اسّی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسٰی ک
اسّی برس کی عمر میں نبوت مرحمت ہوئی تھی اور چالیس برس بنی اسرائیل کو ہدایت وتلقین مذہب کرکے ایک سو بیس برس
کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس وقت مصر کے تخت پر فراعنہ میں سے ولید بن مصعب حکمراں تھا۔ جو مصر کا اخیر فرعون تھا
ایران میں اس وقت منوچہر کی حکومت تھی۔ حضرت موسٰی کی شادی شعیبؑ کی بیٹی صفورا سے ہوئی تھی۔ قارون بن صاق
بن قاہث بن لاوی آپ کا چچازاد بھائی تھا جو اس وقت کے دولت مندوں میں سب سے بڑھکر تھا اور سامری جس ک
نام موسٰی بن ظفر تھا۔ یہ بھی اسی زمانے میں تھا۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں ان سب کے حالات مفصل تحریر ہیں۔ حضرت
موسٰی علیہ السلام طویل القامت تھے۔ اور بال گھونگروالے مزاج میں غصہ بہت تھا اور زبان میں لکنت تھی۔ از معارف ابن
قتیبہ و ناسخ التواریخ جلد اول، ابن خلدون اخبار بنی اسرائیل۔

[1] ولید بن مصعب کا نامور وزیر ہے جس طرح یہ فرعون دعوی الوہیت میں سرشار تھا۔ ویسا ہی یہ وزیر کفر و زند
میں مبتلا تھا۔ حضرت موسٰی کے وعظ سے فرعون ایمان لانے پر رضا مند ہوگیا تھا۔ مگر ہامان نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات
ہے کہ آج تک تو خدائی کرتا تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسٰی کے کہنے سے فرضی خدا کی عبادت
کرے گا۔ اور خدائی کرکے بندوں میں شامل ہوگا۔ اور اسی طرح سے موسٰی کے ہر معجزے کی تردید کرتا تھا۔ بحر احمر میں
فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ہامان تھا۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

لئے جمع کر رہے ہیں۔ انجام کی خبر نہیں ہے کہ کیا ہو۔ اس لئے خزانے کو معمور رکھنا چاہیے۔ تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہ ہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ باورچی خانے کا خرچ نصف کر دیا جائے' چنانچہ اس خرچ میں کمی ہوتی گئی۔ حضرت موسٰی اس خبر کو سُن کر نہایت خوش ہوتے اور خدا کا وعدہ یاد آگیا۔ چنانچہ جس روز فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا ہے اُس دن اُس کے باورچی خانے میں صرف دو بھیڑیں ذبح ہوئی تھیں۔ اور اسی مہمان نوازی کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداوند تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔

حاتم طائیؔ کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زندہ ہے۔ حق تعالیٰ سب کو اسی صفت سے بہرہ یاب کرے۔ آمین وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

جوانمردی از خوئے پیغمبر است ۔۔۔ جوانمردی از کارہا بہتر است
جوانمرد باش و دو گیتی تراست ۔۔۔ دو گیتی بود بر جوانمرد راست

بقیہ صفحہ ۲۶۷ = سیاہ خضاب کا موجد بھی یہی ہامان ہے۔ کیونکہ حضرت موسٰی نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو تیرا شباب لوٹ آئے گا۔ جب ہامان نے سُنا تو یہ کہا' یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور خضاب لگا کر سفید بالوں کو سیاہ کر دیا۔ چنانچہ سیاہ خضاب لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں۔ اور انصافاً ہے بھی فضول کیونکہ ؎

بہ مکر و حیلہ خزاں را بہار نتواں کرد ۔۔۔ خضاب پردۂ پیری نمی شود صائب

ﻪ تاریخ اسلام میں چند نامور حاتم گذرے ہیں' مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاتم طائی ہے۔ اور حاتم کو صرف فیاضی' مروت اور خلق نے عوام و خواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ ایام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہے۔ یہ نامور عرب کے مشہور قبیلے طے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حشرج کا پرپوتا تھا۔ حاتم کی ماں عتبہ بھی فیاضی میں مشہور ہے۔ اس لئے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ حاتم مادر زاد فیاض تھا۔ حاتم کا باپ اپنے نونہال کو شیرخوار چھوڑ کر مرگیا تھا۔ اس لئے دادا نے پرورش کیا ہوش سنبھالنے پر دادا نے اونٹوں کی نگرانی سپرد کر دی اور حاتم جنگل میں رہنے لگا۔ لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۲۹۔ اونٹ عبید بن ابرص' بشر بن ابی حازم اور نابغہ دیبانی کو بحصّہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس جرم پر دادا نے گھر سے نکال دیا۔ مگر خدا نے حاتم کو مال و دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب و غریب ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر میں سے ہے۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور فوت کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاتم کا دیوان بیروت میں ۱۸۷۲ء میں چھپ کر شائع (باقی در آئندہ صفحہ)

(۳۴) خدمت گار اور شائستہ غلاموں کے حقوق

خدمت گاروں میں جو اچھا کام کرے اُس کو صلہ ملنا چاہیئے۔ اور جو قصور کرے اُس کو باندازہ قصور سزا دی جائے تاکہ اوروں کو عمدہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہوا اور یہ دستور ہے کہ سزا یافتہ زیادہ مورتا ہے۔ اس لئے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

حکایت خرداذبہ راوی ہے کہ ملک پرویز اپنے ایک مقرب خاص سے ناراض ہو گیا اور اُس کو اپنے پاس آنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے نہ ملنے پائے۔ مگر باربد مطرب ہر روز اُسے شراب و طعام پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو باربد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبرگیری کا تجھ کو کیا حق ہے۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُس کے ساتھ کیا ہے اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا حضور نے اُس کی جان بخشی کردی ہے۔ یہ سُن کر خوش ہوا اور امیر کو چھوڑ دیا۔

آل ساسان کا یہ دستور تھا کہ اُن کے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ

بقیہ صفحہ ۲۷۰ ہوا ہے۔ سفانہ اس کی بیٹی بھی نہایت مشہور فیاض عورت تھی اور جو آنحضرتؐ کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھی اور آنحضرت کے روبرو ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی جو اس کی قوم کی رہائی کا سبب ہوئی حاتم کی تعریف میں جو فقرے سفانہ نے استعمال کئے تھے اُس کو سُن کر آپ نے فرمایا تھا کہ "ھذہ صفات المومنین حقا" شیخ سعدیؒ نے بوستان میں یہ حکایت لکھی ہے۔ اولاد ذکور میں صرف ایک بیٹا تھا جن کا نام عدی تھا۔ اور جو اپنی بہن سفانہ کی تحریک سے مسلمان ہوا۔ اور رواۃ احادیث میں سے ہے۔ انتخاب از بلوغ الارب فی احوال العرب جلد اول صفحہ ۲، مطبوعہ بغداد و تذکرہ شعراء عرب۔ و درالمنثور فی طبقات ربات الحذور صفحہ ۴۲۷ مطبوعہ مصر۔

[۱] فصل ۲۶ صفحہ ۱۱۰ [۲] خسرو پرویز کا نامور مغنی ہے۔ داد آفرید۔ پیگار گردش خسروانی وغیرہ راگنیوں کا موجد ہے جہرم (فارس) کا باشندہ تھا خسرو کا امیر مغنی جس کا نام "سرکش" تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ باربد دربار میں داخل ہو لیکن ایک باغبان کی مدد سے جس کا نام مردوئی تھا اس کو خسرو کی حضوری نصیب ہوئی۔ اور ایک ہی ترانے کے صلے میں پہلے ہی مرتبہ موتیوں سے منہ بھر دیا گیا۔ دربار کا دوسرا مغنی نکیسا تھا۔ نظامی ؎

نکیسا چنگ را کردہ خوش آواز نگندہ ارغنوں را پردۂ ساز

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۹۰۴۔ تفصیل کے لئے دیکھو شاہنامہ فردوسی حالات خسرو پرویز۔

کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہان اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہان سلف سے فائق تھے اور اُن میں بھی نوشیرواں عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی[1] گوشۂ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہے، اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہیں تو بادشاہ کو اپنے معتمدین میں سے کسی شخص کو نامزد کر کے اس طرف خاموشی سے بھیج دینا چاہیئے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لئے جاتا ہے۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن اطراف میں پھر کر شہر اور گاؤں کی آبادی اور ویرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سُنائی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسے موقعہ پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی باتیں قابل سماعت نہیں۔ اگر ان کے اقوال پر توجہ کی جائے گی تو وہ اور سرکش ہو جائیں گے۔ ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجانے سے رعایا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنا چاہیئے

بادشاہ[2] تک جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے۔ تو اُس میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ آہستگی سے جانچ کرنا چاہیئے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہو جائے۔

جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی روداد بیان کریں اس وقت کسی طرح فریقین پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میلان کس جانب ہے۔ کیونکہ درصورت اظہار جو فریق سچائی پر ہے وہ ڈر جائے گا۔۔ اور عرض مدعا سے قاصر رہے گا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ چنانچہ یہی قرآن مجید میں ہے۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا"۔ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ اَلْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالتَّاَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ بزرجمہر کہتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہو کر بار بار استغفار کرتے ہیں

---

[1] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۹۔ [2] فصل ۳۸ صفحہ ۱۲۰۔

(۳۶) امیر حرس و چوب دار کی خدمات

ہر[1] دور سلطنت میں امیر حرس کا عہدہ نہایت مقتدر شمار کیا گیا ہے۔ اور حاجب کے بعد اس
عہدہ دار کا مرتبہ ہے، کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہے۔ جب بادشاہ کسی پر غصہ ہوتا
ہے تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص کو قتل کر، ہاتھ پاؤں کاٹ ڈال، پھانسی دے
بید لگا، جیل خانے میں لے جا، یا کنویں میں قید کر، اس وجہ سے سب لوگ امیر حرس سے ڈرتے
ہیں اور جان کے خوف سے مال و دولت اس پر نثار کرتے ہیں۔

امیر حرس صاحب نقارہ و نشان رہتا ہے۔ اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ سے
زیادہ خوف ہوتا ہے اور یہ عزت اس کے عہدے کے لئے ضرور ہے۔

چوب دار بارگاہ سلطانی میں کم از کم پچاس چوب دار ہر وقت حاضر رہنا چاہیئے جن میں سے بیس
کے عصا نقرئی ہوں اور بیس[2] کے طلائی اور دس بہت ہی شان دار ہوں۔

(۳۶) خطاب و القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں بُخل کیا ہے۔ کیونکہ جو چیز بافراط ہوتی ہے
اُس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اُس کو اُسی حیثیت کا
خطاب دینا معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ناموس سلطنت میں داخل ہے۔ کیونکہ اگر گنوار اور شہری کو ایک
ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالِم دونوں ایک ہی خطاب سے پکارے جائیں تو پھر اُن کے درجے
میں کیا فرق ہوگا۔ اس لئے بادشاہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ عطائے خطاب میں فرق امتیاز باقی نہ رکھے
پہلے زمانے میں اُمرا اور ترکوں کا لقب حسام الدین، سیف الدولہ، وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ارکان سلطنت
کا عمید الدولہ، ظہیر الملک، قوام الملک، وغیرہ۔ لیکن ہمارے زمانے میں یہ فرق اُٹھ گیا۔ اور ایک دوسرے
کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ القاب و خطاب کیسی عزت
کی چیز ہے۔

---

[1] فصل ۳۹۔ صفحہ ۱۲۱۔ [2] سیاست نامہ صفحہ ۱۳۱ لغایت ۱۳۰ فصل چہلم۔

دارالسلطنت غزنیں میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو امیر المومنین "اَلْقَادِرُ بِاللہِ"[1] عباسی سے عطائے خطاب کی استدعا کی۔ چنانچہ دربار خلافت سے یمین الدولہ کا خطاب مرحمت ہوا لیکن جب سلطان نے ولایت نیمروز، خراسان، ہندوستان، سومنات، تک معہ تمام عراق کے فتح کرلیا۔ اُس وقت دربار کو ایک سفارت معہ گراں بہا تحائف کے روانہ کی۔ اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ یمین الدولہ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے۔ مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ حتیٰ کہ سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور سلطان محمود کی بیتابی کا یہ سبب تھا کہ خاقان ثمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے۔ یعنی ظہیر الدولہ، معین خلیفۃ اللہ، ملک المشرق والصین اور سلطان کو صرف یمین الدولہ کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اس لئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو، جس کو میں نے تخت پر بٹھایا ہے، حضور سے تین لقب عطا ہوتے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ میں نے بڑا کفر توڑا ہے بلحاظ خدمات لحاظ فرمایا جائے۔ خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "لقب حقیقت میں ایک خلعت ہے جس سے مرد کی عزت وعظمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور معزز ہو۔ لہٰذا تمھارے واسطے ایک لقب کافی ہے۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک نادان ترک ہے اس لئے میں نے اُس کی درخواست کو منظور کرلیا ہے۔ اور تمھاری جو عزت میرے دل میں ہے اُس کا اندازہ میں خود ہی کرسکتا ہوں۔ لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا۔ اور محل میں آکر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی۔ شکایتاً کہا کہ "میں نے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے۔ بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور خاقان سمرقند جو دراصل میری رعیت ہے۔ وہ کئی لقب سے ممتاز ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں، جو امیر المومنین نے وقت عطائے لقب مرحمت فرمائی ہیں۔ کوئی چُرا لائے۔ اس کا صلہ میں خاطر خواہ دوں گا۔" چنانچہ اس خواص نے اقرار کیا کہ

---

[1] القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحاق بن مقتدر۔ ۳۸۱ھ ۹۹۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکمت علمی سے اُمرا آل بویہ کا زور توڑا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر دولت عباسیہ کو زندہ کردیا۔ بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کی بیٹی سے اس خلیفہ نے بعوض ایک لاکھ دینار عقد کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور یمین الدولہ کا خطاب اور خلعت مرحمت ہوا۔ ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء میں یہ خلیفہ فوت ہوا۔ طبقات ناصری والفخری۔

میں اس کام کو پورا کروں گی۔ سلطان نے خوش ہوکر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص روانہ ہوگئی
اور واپسی کے بعد سلطان سے اپنا سفرنامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ " میں حضور سے
رخصت ہوکر غزنیں سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین وختا کے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کرکے
معہ چند کنیز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پر پہنچ
کر تین روز کے بعد خاتون (بیگم خاقان سمرقند) کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئی اور حضور
میں پہنچ کر ایک خوبصورت کنیز پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو اپنے
ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر ختا جانے کا قصد تھا۔ مگر ختن پہنچ کر اُس نے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔
تب میں ختن سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو میں نے نذر دی اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان سمرقند
کا غلام تھا۔ اور میں اُس کی کنیز چنانچہ یہ لڑکا اُس مرحوم کا یادگار ہے اور جس قدر سرمایہ باقی ہے
وہ بھی خاقان کا عطیہ ہے۔ ذرہ نوازی ہوگی اگر چند نیک آدمیوں کے ہمراہ مجھ بیوہ اور اس یتیم بچے
کو حضور یوزکند اور سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعاگو رہوں گی۔ چنانچہ خان کاشغر نے
ایک رہبر ساتھ کر دیا۔ اور حاکم یوزکند کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ
حضور کے صدقے میں خدا خدا کرکے یہاں تک پہنچ گئی ہوں۔ اب میری یہ آرزو ہے کہ سرکار
مجھ پر شفقت کا ہاتھ رکھیں اور اپنی لونڈی سمجھ کر حضور میں پڑا رہنے دیں۔ اور میرے شوہر کی بھی
یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچ کر تمام عمر یہاں سے قدم نہ نکالوں گا۔ اور میرے پاس جو سرمایہ ہے
اُس کو بیچ کر کوئی جائداد خرید لوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہوگی۔ خاتون نے
کہا کہ بی بی اطمینان سے رہو۔ جو کچھ مجھ سے ہوسکے گا تمھارے لئے اُٹھا نہ رکھوں گی۔ مکان اور
کھانے کپڑے کا صرفہ میرے ذمے ہے۔ تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاقان
سے بھی تمھاری سفارش کروں گی۔" چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کرکے چلی آئی اور
دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بیگم کے ذریعے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا۔ میں نے
اول ایک ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا نذر کیا۔ اس کے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا۔
پھر آہستہ آہستہ تحفے تحائف اور لطائف وظرائف سے میں نے دونوں کو اپنا کرلیا۔ اور خاقان سے
باوجود اُس کے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب چھ مہینے گذر گئے تو ایک دن میں نے خاقان اور

اُس کی بیگم کے سامنے بعد تمہید دعا و ثنا کے عرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض کروں ۔ دونوں نے کہا ۔ یہ تو ہماری عین خوشی ہے ۔ میں نے کہا کہ میری بڑی پونجی صرف میرا ایک بیٹا ہے ۔ میں نے اُس کو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے ۔ باقبال خداوند یقین ہے کہ وہ صالح ہوگا ۔ اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیر المومنین کے فرمان کا درجہ ہے اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہے اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے واسطے وہ فرامین مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اس کو پڑھ لے ۔ میری استدعا سُن کر دونوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہے ۔ تم کو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہیے تھا ۔ اور فرامین تو ما بدولت کے یہاں پچاس ہوں گے چاہو تو سب لے لو ۔ میں نے کہا نہیں صرف ایک کافی ہے ۔ چنانچہ حسب الحکم خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کر دی گئی ۔ جب میں حصول مدعا میں کامیاب ہوئی تو میں نے سفر کا سامان کیا اور اونٹوں پر اسباب لاد کر اہلِ محلہ سے ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدنے جاتی ہوں ۔ چنانچہ کڑی منزلیں طے کرتی ہوئی ایک ہفتہ میں غزنیں پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک عالم کے ہاتھ خلیفہ قادر باللہ کے حضور میں بھیج دیا ۔ اور عریضے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر سمرقند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا یہ پڑھ رہا تھا اُس نے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ نامہ و فرمان ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے جو اُس کو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے ؛

خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان محمود کا سفیر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا ۔ اُس کو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا ۔ تب سفیر نے جو کہ خود بھی بڑا عالم تھا ۔ قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک مسلمان بادشاہ جس نے محض دین کے واسطے کفار پر جہاد کیا ہو اور جس نے دار الکفر کو دار الاسلام بنایا ہو ۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہے ۔ لیکن بُعد مسافت مانع ہو تو اس صورت میں وہ کسی عباسی کو تخت پر بٹھا کر بطور خلیفہ کے اُس کی پیروی کر سکتا ہے یا نہیں ۔ قاضی القضاۃ نے لکھ دیا کہ ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے ؛

اب اس سفیر نے اپنی عرض داشت کے ہمراہ فتوے کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا اور لکھا کہ

"میں عرصے سے در دولت پر پڑا ہوں۔ سلطان محمود نے لاکھوں ہی منت سماجت سے اضافہ لقب کی درخواست کی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ نامنظور ہوتی۔ اگر سلطان قاضی القضاۃ کے فتوے پر (جو شرع کا حاکم ہے) عمل درآمد کرے تو امیرالمومنین کے نزدیک وہ معذور سمجھا جائے گا یا نہیں؟ خلیفہ نے عرض داشت پڑھنے کے ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ سفیر کو پیش کرو اور اُسے مطمئن کر دو کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ اور محمود کو خطاب ملے گا۔"

غرض کہ محمود جیسے شخص کو باوجود خدمت ہائے پسندیدہ اَمِیْنُ الْمِلَّۃ کا لقب کن مشکلوں سے ملا تھا۔ سلطان جب تک زندہ رہا وہ یَمِیْنُ الدَّوْلَۃ اَمِیْنُ الْمِلَّۃ کے لقب سے مشہور رہا۔ آل سامان جنھوں نے عرصے تک سلطنت کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا۔ مثلاً امیر نوح کا شہنشاہ، اور اُس کے باپ کا امیر سدید، اور اُس کے دادا کا امیر حمید، اور اسمٰعیل بن احمد کا امیر عادل۔

قضاۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مُحْیُ الدِّیْنِ شَرَفُ الْاِسْلَام، سَیْفُ السُّنَّۃ، زَیْنُ الشَّرِیْعَۃ، فَخْرُ الْعُلَمَاء وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علما سے ہے لہٰذا اُن کو ایسے لقب دیے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بن جائے تو اُس کو سلطنت کی طرف سے سزا دی جائے۔ سپہ سالاران فوج اور عمال کو دولہ کا خطاب دینا چاہیے۔ مثلاً سیف الدولہ، حسام الدولہ، ظہیر الدولہ اور وزیروں کو شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک کمال الملک، وغیرہ۔

---

[1] ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود نے خلیفہ قَادِرُ بِاللہ سے علاوہ اضافہ القاب کے یہ بھی خواہش کی تھی کہ دار الخلافۃ بغداد کے سکے اور خطبے میں میرا نام بڑھایا جائے لیکن خلیفہ نے یہ درخواست نامنظور کی تب محمود نے غصہ ہو کر لکھا کہ میری درخواست منظور کی جائے ورنہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور عمارت کا ملبہ ہاتھیوں کی پیٹھ پر لاد کر غزنیں لاؤں گا۔ چنانچہ خلیفہ نے بجواب اس کے ایک خط سربمہر بند کر کے محمود کے پاس بھیج دیا۔ جب خط کھولا تو اُس میں بِسْمِ اللہ کے بعد اول الف ممدودہ (آ) اور وسط میں لام (ل)، اور آخر میں میم (م)، لکھا ہوا تھا۔ اور خاتمے پر تحریر تھا وَالصَّلوٰۃُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یہ تحریر دیکھ کر محمود اور اس کے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت ابوبکر قہستانی دربار میں تشریف لائے اور انھوں نے محمود سے خط کا مضمون پوچھا جس کے جواب میں یہ تحریر آئی ہے تو علامہ قہستانی نے بیان کیا کہ اس خط میں سورہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ۔ اَلَمْ۔ پر اشارہ ہے۔ یہ برجستہ جواب محمود کی سمجھ میں آگیا اور اُس کے دل پر خوف چھا گیا اور اپنی تحریر پر نادم ہو کر خلیفہ سے باادب پیش آیا (آثار الاول حسن بن عبداللہ صفحہ ۸۱) اس قسم کی تحریر کا نام "رمز" ہے۔ اور خود سلاطین اسلام اور ان کے کاتب رازداری کے مواقع پر ایسی تحریریں لکھا کرتے تھے جن کے نظائر تاریخوں میں موجود ہیں۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس عہد کے بعد پھر امتیاز اٹھ گیا۔ اور خطاب گڈمڈ ہو گئے۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمرانان عراق (قونیہ) کا لقب عضد ولۃ اور رکن الدولۃ تھا۔ اور ان کے وزیر استاد جلیل، اور استاد خطیر کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزراء میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اس کا لقب صاحِبُ کافِی الکُفَاۃ سلطان محمود کے وزیر کا لقب شَمسُ الکُفَاۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانۂ سابق میں نہ تھا۔ لیکن سب سے پہلے خلیفہ اَلمُقتَدِیُ بِاَمرِ اللّٰہ نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدُّنیَا وَالدِّین کا لقب عطا فرمایا۔ لیکن سلطان کے انتقال کے بعد یہ لقب موروثی تمغہ ہو گیا۔ کیونکہ سلطان برکیارق رُکنُ الدُّنیَا وَالدِّین اور محمود۔ غِیَاثُ الدُّنیَا وَ الدِّین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ نَاصِرُ الدُّنیَا وَالدِّین اور۔ مُحیُّ الدُّنیَا والدِّین بھی القاب تھے۔ اور بیگمات کو بھی لقب الدُّنیَا وَالدِّین دیا جاتا تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ القاب وخطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین ودنیا کی مصلحت انھیں کی ذات سے وابستہ ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا ہے جب میں ایک معمولی غلام کا لقب معین الدین و تاج الدین سنتا ہوں۔ حالانکہ مذہب کو ان حضرات سے نہایت نقصان پہنچتے ہیں اور ان سے زیادہ بدمذہب کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ماحصل اس بیان کا یہ ہے کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین واسلام کے سزاوار ہیں۔

(۱) • بادشاہ۔ (۲) وزیر۔ (۳) عالم۔ (۴) امیرؔ اور امیر بھی عام طور سے نہیں، بلکہ وہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو۔ اور اُن کے علاوہ جو کوئی دین واسلام اپنے لقب

لہ المقتدی بامراللہ ابوالقاسم عبداللہ۔ سنہ ۴۶۷ھ میں اپنے باپ القائم بامر اللہ کے انتقال پر تخت نشین ہوا۔ اس خلیفہ کے وقت میں دولت بنی بویہ کا تو خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر آل سلجوق اب بجائے اُن کے حکومت کرتے تھے خلفاء عباسیہ میں اَلمُقتَدِی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا۔ مذہبی احکام کی اشاعت پر خاص توجہ تھی۔ سنہ ۴۸۷ھ میں یکایک انتقال کیا۔ سلطان ملک شاہ اور المقتدی کے تعلقات کو ہم نے کسی قدر حصہ اول کے صفحہ میں لکھ دیا ہے لہٰذا اس موقعہ پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہیں اضافہ کرے اُس کو سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور عطائے خطاب سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے۔ مثلاً ایک مجلس میں دس آدمیوں کا نام محمد ہے اب اگر ہم اُن میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکار اُٹھیں گے کہ لبیک گو خطاب ایک ہوگا مگر ہر شخص سمجھے گا کہ مجھ کو بلاتے ہیں۔ اور جب اُن میں سے ایک کا موفق۔ دوسرے کا کامل تیسرے کا سدید۔ چوتھے کا رشید لقب ہوگا تو آواز دینے پر صرف وہی ایک شخص بولے گا۔ اور لقب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک درجے و مرتبے میں بہ لحاظ خرد و بزرگ تمیز ہوتی ہے۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیئے کہ آئین قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں اور کوئی کام بغیر غور و فکر نہ کریں[1]۔

---

[1] جو شکایت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہے بجنسہ وہی شکایت آج بھی موجود ہے کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب پانے والوں کی فہرست چھپتی ہے تو اُس میں عجیب قسم کا فرق نظر آتا ہے! اور کوئی خاص اُصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ کیونکہ عام نگاہوں میں جو شخص بہمہ وجوہ خطاب کا مستحق ہوتا ہے وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہے اور ایسے شخص کو خطاب مل جاتا ہے جس کی نسبت وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ سلطنت نے عطائے خطاب کے واسطے کسی خاص سفارش پر لحاظ فرمایا ہو جس کی عوام کو خبر نہ ہو۔ دوسری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ جو جس خطاب کا مستحق ہے اُس کو وہ خطاب نہیں ملتا ہے بلکہ دوسرا خطاب دیا جاتا ہے جس کو پانے والا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ مثلاً علما کو بجائے شمس العلما کے خان بہادر کا خطاب ملتا ہے اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں وہ شمس العلما ہو جاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اس وقت ایسے باکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدردانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو اپنے علما سے بھی ہے کہ وہ خود اپنے لیے چوڑے القاب تجویز کر لیتے ہیں اور بجائے مختصر ناموں کے مُہر میں طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اور اُن سے زیادہ اُن کے حال پر افسوس ہوتا ہے جن کے ناموں کے قبل "علامہ" اور "ابوالفضل" وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوتے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیتے گئے ہیں بلکہ خود انھیں کے دماغ اور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطائے القاب میں نہایت ہی بخل سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے کے فرضی "علامہ" اور "ابوالفضل" بوعلی سینا سے بڑھ کر نہیں ہیں جن کو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا یعنی "شیخ"۔ مگر انصاف یہ ہے کہ جو عظمت و جلال "شیخ" کے لفظ سے ہویدا ہے وہ مطلا و مینا کار تمغوں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ہے۔

(۳۷) ہر کسے را بہر کارے ساختند
لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ

شاہان بیدار اور وزرائے تجربہ کار نے کسی زمانے میں یہ نہیں کیا ہے کہ ایک شخص کو دو خدمتیں سپرد کی ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے حسن و خوبی کے ساتھ صرف ایک ہی ہوگا اور ایک یا تو کلیتہً خراب ہو جائے گا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ غرض کہ بااُصول نہ یہ ہوگا اور نہ وہ۔ اور جب تم خود غور سے دیکھو گے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ جنجال میں پھنسا ہوا پاؤ گے اور خرابی کام پر تم اُس کا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؛ اور اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ "جس گھر میں دو بیبیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دی جاتی ہے۔

دخانہ بدو کد بانو نارفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی ناقابلیت کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ دفتر وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جائے۔ اس انتظام سے علاوہ دیگر مشکلات کے ایک دقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ بہت سے کام والے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔

زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا، اور مذہب میں راسخ الاعتقاد ہوتے تھے اُنھیں کو خدمتیں دی جاتی تھیں۔ اس معاملے میں میں پھر کہوں گا کہ ملک کا سب سے بڑھ کر وہ دشمن ہے کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور اُن کا کام تنہا ایک شخص کرتا ہے۔ سلطنت کے ایسے دشمن کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ خداوند نعمت ملک میں ہر طرف امن و امان ہے۔ اس وقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہے۔ شاہی فوج کی تعداد قریباً چار لاکھ ہے۔ مگر میرے نزدیک صرف ستر ہزار کافی ہے۔ اگر بقیہ رسالے اور پلٹنیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اس قدر روپیہ کی توفیر ہو جائے گی اور چند سال کے بعد خزانہ پورے طور سے معمور ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر سمجھو کہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضۂ حکومت میں آج ملک خراسان، ماوراءالنہر کاشغر، بلا ساغون، خوارزم، نیم روز، عراق، فارس، شام، آذربائیجان، ارمن، انطاکیہ، اور بیت المقدس ہے۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہے۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے تو سندھ، ہند

ؔ صفحہ ۱۳۸ سلفاتیت ۱۵۶ - فصل ۴۴۔

ترکستان، چین، ماچین، حبش، بربر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم اگر ان میں سے مجمو
تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتائیے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہے کہ وہ
سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو اپنا افسر بنا کر سارے ملک میں تاخت وتاراج شروع کریں
گے اور اُن کی ذات سے اس قدر شورش پیدا ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے بھی خالی ہو جا
گے۔ جیسا کہ فخرالدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہے اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہے۔ اب
جو شخص اس کے خلاف ہوگا وہ ملک کا دشمن ہے۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہے اسی طرح اُن عمال کی بھی جو اپنے فرائض سے سبک
دوش کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے عہدہ داروں سے جب اُن کی خدمتیں لے لی جائیں تو اُن کی خورد و نوش
کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اُن کے حقوق کو نظرانداز کرنا مصلحت ملکی، اور اخلاق و مروت کے بھی خلا
ہے۔ تیسرا گروہ علما۔ و فضلا کا ہے۔ یہ بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں۔ میں اُس وزیر کو
اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا رہے۔ کیونکہ جب اُن کا وظیفہ
بند ہو جائے گا تو پھر سلطنت کے خیر خواہ نہ رہیں گے اور (ارباب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کے) ملک
کے بیرونی دشمنوں سے سازش کر جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ" اس کا مطلب
یہ ہے کہ سلطنت میں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، درجے کے کام ہوتے ہیں اس لئے ہر عامل اور حکمراں کو
بہ لحاظ اُس کے علم وفضل اور شائستگی کے عہدہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی عہدہ دار ایک کام کے ہوتے
ہوئے دوسرے خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کی جائے۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص برسرکار ہو جاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی میں
ترقی ہو جاتی ہے۔

وزیر جو تمام عمال اور والیان ملک کا افسر اعلیٰ ہے۔ اس کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ مرتشی اور
خائن نہ ہو۔ کیونکہ افسر کا اثر ماتحتوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں۔ وہ بادشا
کو اپنا جیسا کر لیتے ہیں، اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے دراصل یہ وہی ہیں جن کے وزیر
نیک تھے۔ مثلاً

	نام بادشاہ		نام وزیر
۱	حضرت سلیمان علیہ السلام	۱	آصف بن برخیا
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲	ہارون علیہ السلام
۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳	شمعون
۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵	کیخسرو	۵	گودرز
۶	منوچہر	۶	سام
۷	افراسیاب	۷	پیران پسرویسہ
۸	گشتاسپ	۸	جاماسپ
۹	بہرام گور	۹	خوردہ روز
۱۰	نوشیرواں	۱۰	بزرجمہر
۱۱	ہارون الرشید	۱۱	برامکہ (یحییٰ، فضل، جعفر)
۱۲	سلطان محمود	۱۲	شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی
۱۳	فخر الدولہ دیلمی	۱۳	اسمٰعیل عباد (ملقب بہ صاحب)
۱۴	سلطان طغرل سلجوقی	۱۴	ابونصر کندری

یہ چند نام میں نے بطور مثال کے لکھدیئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طولانی فہرست تیار ہوسکتی ہے وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا، عقائد کا مستحکم، اور بادشاہ کا جان نثار ہو۔ اور اگر وزیر خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ!

لہ وزرائے اسلام وغیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہے۔ اگر ملک کے نامور مصنف ان میں سے ایک ایک وزیر کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بیش قیمت تاریخی ذخیرہ جمع ہوجائے۔ خواجہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہے اور برامکہ کی مکمل سوانح عمری اس سے قبل شائع ہوچکی ہے۔

اس دفعہ میں جو بحث خواجہ نظام الملک نے کی ہے وہ زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہے اور ہندوستان کی مشہور ومعروف انجمن نیشنل کانگرس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ جو حکام دو قسم کے اختیارات رکھتے ہیں اُن کا جداگانہ بندوبست کیا جائے۔

چنانچہ اردشیر بابکان کے زمانہ سے یزد جرد اخیر شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا جس طرح بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا ۔ اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا۔ لیکن زوال سلطنت کے ساتھ ہی وزرا، عجم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جس کے سپرد کیا جائے وہ اُس کا اہل ہو۔ اور دو خدمتیں ایک شخص کو نہ دی جائیں۔ بادشاہ ہمیشہ رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا رہے اور لڑکوں کو کبھی اعلیٰ درجہ نہ دیوے اور بوڑھے اور عقیل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا رہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے تمام کاموں کو تولتا رہے ۔

(۳۸) بیگمات شاہی کے اختیارات

بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے زیردستوں کو حاوی نہ ہونے دے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بادشاہ کی عزت و منزلت گھٹ جاتی ہے۔ خصوصاً بیگمات کہ یہ پردہ نشینوں کا گروہ ہے اور ان میں اعلےٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ سیپیاں صرف موتیوں کے گون کی ہیں ۔ (گوہر نسل مقصود ہے) چنانچہ مشہور قول ہے۔ کہ ہرچہ اصیل تر شائستہ تر، ہرچہ مستور تر ستودہ تر۔ بیگمات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اہل غرض اُن کو سمجھا دیتے ہیں۔ کیونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو برائے العین دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا ہے بلکہ اُن کی پیش خدمتیں، کان بھرتی رہتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں، جن سے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

زمانہ سابق میں کبھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہے تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جس کی نظیر سوداؔبہ[۲] اور کیکاؤس کا معاملہ ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہے کہ وہ کبھی عورتوں کے فرماں بردار نہیں ہوئے ہیں اور نہ کبھی اُن کے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں ۔

---

[۱] دفعہ ۴۲۔ صفحہ ۱۵۶

[۲] شاہ ہاماوران کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہے۔ یہ اپنے سوتیلے بیٹے سیاوش پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ پ[illegible] قصہ شاہنامۂ فردوسی میں درج ہے۔

کے حرم سرا کی سیر نہیں کی۔ علی ہذالقیاس زمانہ بنی اسرائیل میں یوسف وکرسف اور عجم میں شیریں خسرو
فرہاد کا قصہ مشہور ہے۔ بزرجمہر سے لوگوں نے پوچھا کہ آل ساسان میں تجھ ایسا مدبر اور فرزانہ وزیر موجود تھا
پھر اُن کی بربادی کا باعث کیا ہوا؟ حکیم نے جواب دیا کہ اس زوال کے دو سبب تھے ایک یہ کہ آل
ساسان نے بڑے کام چھوٹوں کے سپرد کر رکھے تھے۔ دوسرے یہ کہ ارباب دانش کا کوئی خریدار نہ تھا اور سلطنت
کے کام عورتوں اور لڑکوں پر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اور جب اُمور سلطنت اس گروہ کے سپرد ہوں تو جان لو
اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔

مامون الرشید عباسی کا قول ہے کہ کوئی بادشاہ ایسا نہ ہونا چاہیئے جو پردہ نشینان حرم کو
سلطنت اور فوج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا مداخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی
بت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو برطرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی
مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اس وقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا
ہوں گے۔ اور اس کا اثر سلطنت پر پڑے گا۔

کیخسرو کا قول ہے کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو اُس
کو چاہیئے کہ بیگمات کو سر نہ چڑھائے اور سوائے اپنی لونڈی باندیوں کے اُن کو اس قدر موقعہ نہ دیا جائے
کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں۔

امیرالمومنین فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ "عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں رہنا چاہیئے
یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُن کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کھلم کھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں
سن سکتا ہے"۔ یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔

---

۵ یوسف وکرسف کا قصہ مثنوی مولانا روم میں مفصل تحریر ہے۔ اور اُردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی ایک مثنوی اس پر موجود
ہے جو چھپ گئی ہے۔ شیریں، خسرو، فرہاد کے حالات بھی مشہور ہیں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہے۔
ہ ہمارے زمانے کے سعدی اور عمر خیام شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اس مضمون
کو ایک رباعی میں نہایت ہی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو جس سلطنت کی حالت برہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

سکندر اعظم نے جب دارائے عجم پر فتح پائی اور دارا کو اُس کے ایک نمک حرام خدمت گار نے
الا تو مصاحبوں نے سکندر سے کہا کہ دارا کا محل پریوں کا مسکن ہے اور اُس کی بیٹی تو اس بلا کی
ت ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ "میں نے اُن کے مردوں پر
ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کی عورتیں مجھے شکست دیں" چنانچہ محض اس خیال سے سکندر نے

ا کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندر اعظم بھی ہے یہ نامور اور بلند اقبال فاتح صوبہ مقدونیہ (یونان کے
ی کے شہر پلا میں ۳۵۵ برس قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اس کا باپ فیلقوس مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ اور اس کی ماں کا نام
ا سکندر بچپن ہی سے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی سکندر کی پہلی معلمہ اس کی دایہ
ی اس کے بعد لیونٹس، میالوس، اتالیق مقرر ہوئے۔ اور تکمیل ارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا
ر کی سوانح عمری میں سب سے تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اس نے بیس سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور بتیس سال کی عمر میں
یا اور صرف ۱۲ بارہ سال میں دنیا کا اس قدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہے سکندر کی فتوحات میں
عظیم الشان دارا کا مقابلہ ہے جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کل فوج پچاس ہزار
ارائے عجم کو بمقام اربیلا (اربیل) ۳۳۱ قبل مسیح میں شکست ہوئی اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ
اس کے بعد سکندر نے اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈینوب اور دریائے اندس کے درمیان واقع ہے اور
توحات کا سیلاب بیاس اور ستلج کے سنگم تک پہنچا۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی فتوحات سے سکندر کا
اجاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ پن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی۔ لباس و پوشاک
رت، اور عیش و عشرت میں سکندر ایرانیوں کا مقلد ہو گیا تھا۔ اور قومی شعار آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے۔
ی سوانح عمری سے انسان کو نہایت مفید سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ سکندر نے یونانی تہذیب و زبان کو فتوحات
ساتھ ترقی دی۔ علم جغرافیہ، اور خواص الاشیا کے عجیب نکات قدیم دنیا کو صرف سکندر کے ذریعہ سے معلوم
یں۔ اس نے کم از کم ستر شہر آباد کئے اور ایسے موقعہ پر جس کے ذریعے سے تجارت اور شائستگی میں از حد ترقی ہوئی۔
ان عجم کے سلسلۂ کیاں میں دارا نواں تاج دار ہے۔ یہ داراب کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی
۔ چودہ برس حکومت کر کے دنیا سے سدھارا۔
ا کی بیٹی کا نام روشنک تھا۔ اور حقیقت میں یہ حسن و جمال کی دیوی تھی۔ اگرچہ لڑائی کے موقعہ پر سکندر نے دارا کے
ا کو نہیں دیکھا لیکن بعد میں دارا کی وصیت کے مطابق روشنک کو بی بی بنایا۔

اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیردست کے کیا معنی ہیں ۔ خلّاق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیردست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہے۔ لہذا اُن کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ فرماں بردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں۔ ایک دن حکیم بزرجمہر[۱] نے نوشیروان عادل سے کہا کہ ملک وسلطنت بادشاہ کے لئے ہے لیکن بادشاہ نے ملک فوج کو دے رکھا ہے ۔ حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہے ۔ اگر فوج والے رعایا پر مہربان نہ ہوں

---

[۱] بزرجمہر (بوزرجمہر، زرمہر، بزرگ مہر) نوشیروان عادل کا مشہور وزیر ہے جو عام طور پر حکیم بزرجمہر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے باپ کا نام "سوخرا" ہے اور لقب "بختکاں" اور اسی مناسبت سے بزرجمہر کو ابن بختکان کہتے ہیں ۔ سوخرا کا سلسلۂ نسب طوس بن نوذر تک پہنچتا ہے ۔

آثارالوزرا کی روایت ہے کہ دربار نوشیرواں میں بزرجمہر کی رسائی اس تقریب سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے ایک شب میں تین مرتبہ خواب دیکھا کہ اس کے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہے ۔ اور ایک سور (خوک) آکر اُس کو پی جاتا ہے"۔ یہ خواب دیکھکر وہ بدحواس ہوگیا ۔ اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر نہ بتا سکا ۔ تب اطراف ملک سے اور معبر طلب ہوئے ۔ چنانچہ سرد آزاد نامی ایک موبد بزرجمہر کو مرو سے لایا ۔ اور اُس نے نوشیرواں کو بتایا کہ حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہے ۔ اور کوئی بیگم اُس سے ناجائز تعلق رکھتی ہے "۔ چنانچہ تحقیقات سے قیصر روم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی ایک بیگم تھی) یہ جرم ثابت ہوا۔

اس واقعہ کے بعد نوشیرواں نے بزرجمہر کو اپنا مصاحب بنا لیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دے کر درجۂ وزارت تک پہنچایا۔ نوشیرواں کو خوش نصیبی سے جیسے ارکان سلطنت مل گئے تھے اس کی نظیر سے ساسانیوں کا اخیر دور خالی ہے اس نامور اور مدبر وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کئے ہیں جن کے سبب سے نوشیرواں کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ مزدک کا قتل اور مذہب مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا۔ ہندوستان کے راجہ پرتاب چند نے بزرجمہر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جس کے جواب میں بزرجمہر نے "نرد" ایجاد کر کے بھیج دی تھی۔ اخیر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرجمہر کو پھانسی دیدی۔ اس حکیم کے اقوال کتب تواریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں۔ چنانچہ علامہ بہاء الدین عاملی نے اپنی کتاب کشکول اور المخلاط میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔

انتخاب از کتاب آثارالوزرا سیف الدین ۔ و ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۸۷ ۔

اور صرف اپنے فوج کی خیر منائیں اور ان کو ہر قسم کی سیاست کا حکم دیدیا جائے تو پھر بادشاہ اور فوج میں کیا فرق باقی رہے گا۔ احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے رہے ہیں۔ فوج کو کبھی حد سے زیادہ اختیار نہ دیا جاتے۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہے کہ سلاطین سابق پر سبقت لے جائے تو اُس کو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور یہ اس طرح پر ممکن ہے کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، لجاجت، بخل، ظلم خودکامی، ناسپاسی، اور دروغ گوئی کو چھوڑ دے۔ اور حیا، حلم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات سے آراستہ ہوتا ہے اُس کو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایۂ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ، جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خراج اور تمام آمدنیاں سرمایۂ دوامی میں جمع کی جاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا، اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جس بادشاہ کو یہ خیال نہ ہوگا اُس کا خزانہ ہمیشہ خالی رہے گا اور مہم کے وقت وقت اٹھانا پڑے گی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیے کہ جو محصول وقت پر آنے والے ہوں اُن کو کسی دوسری رقم میں محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئے گی۔ چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمود نے اپنے حاجب امیر التونتاش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خراج خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التونتاش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایک سال ہو گیا تو سلطان کی خدمت میں عرض داشت روانہ کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خراج ہے۔ وہ میرے وظیفے میں محسوب کر دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے۔" وزارت پر اس وقت شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی تھا۔ اُس نے عرضی کو پڑھکر یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امیر التونتاش کو واضح ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جس قدر

خراج کی ادائیگی تمہارے ذمّے ہے وہ کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ لہٰذا محصول ملکی خزانے میں داخل کرو اور تمہارے وظیفے کی دہانید ملک سیستان سے کرائی جائے گی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اُس نے ایسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اس نے محمود کو بہ نظر حقارت دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہرحال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے"

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ یہ خط بھیج دیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کئے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ مازو اور پوست انار اور روئی خوارزم کو بھیج دے۔

(۴۰) فیصلہ مقدّمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں، اور جب تک اُن کی داد رسی نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھے گا تو وہ خیال کرے گا کہ اس ملک میں یوں ہی ظلم وستم ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد سماعت واقعہ اور اجرائے احکام فریادی فوراً رخصت کر دیئے جائیں۔

مشہور ہے کہ یزدگرد شہنشاہ عجم نے امیرالمومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہے۔ اور جس قدر ساز و سامان ہے وہ بے نظیر ہے"

امیرالمومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہے کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہے، مگر وہ ستم رسیدہ فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہے مگر وہ حرام کا مال ہے۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہے گی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئے گا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں"

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اُس کا اثر پڑے گا۔ جیسا کہ سلطان محمودؒ[1] غزنوی کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا

---

[1] اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہے "یمین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غازی بن امیر

کہ میں پردیسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں۔ گھر جانا چاہتا ہوں لیکن نہیں جا سکتا۔ کیونکہ شہزادے نے ۶۰ ہزار دینار کا مجھ سے سودا خریدا ہے اور قیمت نہیں ادا کرتا ہے' میں

بقیہ صفحہ ۲۸۶: ناصر الدین سبکتگین بن جوق قرابحکم بن قرار ارسلان بن قرا ملت بن قرالنعمان بن فیروز بن یزد جرد شہریار فارس؛ یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۳۶۱ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۷۱ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سبکتگین کے سایہ عاطفت میں سن رُشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھبیس ۲۶ برس کی عمر میں بمقام غزنین ۳۸۷ھ ۹۹۷ء تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یک شنبہ ماہ صفر ۳۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (یہ منصب سلاطین سامانیہ کی طرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبد الملک بن نوح سامانی کا نام خارج کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کو یمین الدولہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ جب ملک کے اندرونی انتظامات سے اطمینان ہو گیا تو سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا اور متواتر حملے کر کے کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ فتوحات ہند میں سب سے مہتم بالشان سومنات کا کارنامہ ہے۔ سلطان اس مہم پر ستمبر ۱۰۲۴ء میں غزنین سے روانہ ہوا تھا اور اکتوبر ۱۰۲۴ء میں بمقام ملتان پہنچا تھا۔ چنانچہ مسلسل لڑائیوں کے بعد بروز دوشنبہ ماہ شعبان ۴۱۶ھ (مطابق ۱۷ ستمبر ۱۰۲۵ء) سومنات کا مندر فتح ہوا۔ شعرائے مبارکباد کے قصائد پڑھے۔ عسجدی مروزی کے چند شعر پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد   آثارِ غزورا علمِ معجزات کرد

نبرود نام کفر جہاں رازلوحِ دیں   تکرودعائے خویشتن انداجات کرد

شطرنج ملک باخت ملک باہزار شاہ   ہر شاہ را بلعبِ دگر شاہ مات کرد

محمود شہریار ملک آنکہ ملک را   بنیاد بر محامدو بر مکرمات کرد

شاہا تو از سکندر بیشی بداں جہت   کو ہر سفر کہ کرد بدیگر جہات کرد

عین الرضائے ایزد جوئے تو در سفر   باز او سفر بجستن عین الحیات کرد

تو کارہا بہ نیزہ و تیر و کماں کنی

او کارہا بحیلہ و کلک و دوات کرد

سلاطین غزنویہ میں محمود سے زیادہ جاہ و جلال والا کوئی اور بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ خراسان، خوارزم، طبرستان، عراق، بلاد خیروز، فارس، خیال، غور، طخارستان (ہندوستان صوبہ پنجاب)، پر اس کی حکومت تھی۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں شہزادہ مسعود قاضی کے سامنے بھیجا جائے" محمود کو سوداگر کا واقعہ سُن کر نہایت رنج ہوا اور مسعود سے کہلا بھیجا کہ" یا تو سوداگر کا تصفیہ کرو۔ یا اُس کے ساتھ کچہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہو۔ تاکہ شرعی حکم جاری کیا جائے" چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا۔ جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا۔ اُس نے فوراً تحویل دار سے پوچھا کہ خزانے میں کس قدر نقد موجود ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ بیس ۲۰ ہزار دینار۔ شہزادے نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دے کر بقیہ کے لئے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بیس ہزار دینار میں نے اس وقت ادا کر دیئے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کر دوں گا۔ میں کپڑے پہن کر تیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا نہ جاؤں" سلطان نے کہلا بھیجا کہ" میں کچھ نہیں جانتا۔ جب تک سوداگر کا روپیہ بے باق نہ کرے گا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا" مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ ادھر اُدھر سے قرض لے کر دوسری نماز کے وقت تک، ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کر دیئے۔ جب یہ خبر سوداگروں کے ذریعے سے ملک چین، خطا، مصر اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی تب ہر طرف کے سوداگر غزنین میں جھک پڑے۔ اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزنین کے بازار میں موجود نہ ہو۔

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز[1] کو درخواست بھیجی کہ شہر کی فصیل گر گئی ہے

بقیہ صفحہ ۲۸۷: اور ملوک ترکستان اس کے فرماں بردار تھے۔ دربار میں ہر علم و فن کے اہل کمال موجود تھے ۳۶ برس سلطنت کر کے چہارشنبے کے دن بماہ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (مطابق ۳۰ر اپریل ۱۰۳۰ء) میں بمقام غزنین انتقال کیا۔ "انتخاب از طبقات ناصری صفحہ ۹-۱۱ و مجمع الفصحا صفحہ ۴۰۳، تاریخ الفنسٹن حالات محمود، و التوفیقات الالہامیہ"

[1] عمر بن عبدالعزیز بن مروان، سلسلہ خلفائے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں لیکن بلحاظ صفات و تقدس آپ کا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہے چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں ۶۲ھ/۶۸۱ء میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں ہے) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام عاصم، فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہو گا کہ جس کے عدل سے دنیا بھر جائے گی" وہ عمر ابن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے بمقام دمشق آپ کا عقد کیا۔ اور سلیمان ابن عبدالملک کے انتقال پر ۹۹ھ/۷۱۷ء میں تخت نشین ہوئے حکمرانی میں فاروق اعظم کے مشابہ تھے اور سلطنت سے اپنے اہل و عیال کے واسطے صرف دو درہم (آٹھ آنہ) باقی در صفحہ آئندہ

مرمت کے لئے جیسا حکم ہو اُس کی تعمیل کی جائے۔ خلیفہ نے جواب میں [illegible]
سے دیوار کا بنانا فضول ہے۔ شہر کی چار دیواری عدل و انصاف سے بنا اور راستوں کو ظلم و خوف
سے پاک کر۔ خداوند تعالےٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ
فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ یعنی اے داود میں نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے کہ تم میرے بندوں پر
سچائی سے حکومت کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنِ اسْتَعْمَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ
عَامِلاً وَّھُوَ یَعْلَمُ اِنَّ فِی الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْہُ فَقَدْ خَانَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ تفسیر اُس کی یہ
ہے کہ پارسا لوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر
ایسا نہ کرے تو گویا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔

یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزنامچہ ہے اگر وہ یہاں نیکی کریں گے تو نیکی سے یاد

بقیہ صفحہ ۲۸۸ ؎ روزہ لیا کرتے تھے۔ بیت المال مسلمانوں پر وقف تھا۔ اور اُس میں یہاں تک احتیاط تھی کہ جب تک سلطنت کا کام انجام دیتے تھے اُس وقت تک شمع سامنے جلتی تھی اور بعد ختم کام گل کر دی جاتی تھی آپ کی بی بی فاطمہ کو ہمیشہ تنگ دستی کی شکایت رہی مگر آپ پند و نصائح سے راضی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن تر و تازہ انگور بکنے آئے۔ بی بی نے کہا کہ ایک دینار ہو تو لا دو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ جب آپ خلیفہ ہو کر ایک دینار پر قادر نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں؟ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی سے ایک سیب تک ہدیتے میں قبول نہیں کیا۔ جو لباس زیب تن رہتا تھا اُس میں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ اور انتقال کے وقت جو قمیص پہنے ہوئے تھے بجز اُس کے دوسرا موجود نہ تھا۔ ذمیوں کے ساتھ جو برتاؤ اس عہد میں ہوا وہ ضرب المثل ہے مسجد نبوی کو بہت وسیع کیا۔ باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا۔ اور امیر معاویہ کے وقت سے حضرت علی اور اُن کے طرف داروں پر خطبہ میں جو لعن طعن ہوا کرتی تھی وہ حکماً بند کر دی اور یہی موت کا سبب ہوا۔ لوگوں نے غلام کو ایک ہزار دینار دے کر زہر دلوا دیا۔ چنانچہ غلام نے جب تنہائی میں یہ واقعہ بیان کیا تو دینار لے کر بیت المال میں بھیج دیئے اور غلام کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جاؤ ورنہ لوگ تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ دیر سمعان میں بتاریخ ۲۵ ماہ رجب ۱۰۱ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۷۲۰ء میں ۳۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ۲ برس ۵ مہینے ۱۴ دن حکمرانی کی۔ آپ کی مفصل سوانح عمری "سیرۃ العمرین" ہالینڈ میں چھپ چکی ہے خدا کسی مسلمان کو توفیق دے تو اُردو میں بھی ایک مکمل سوانح تیار ہو سکتی ہے۔ آپ کی بی بی کی مدح میں یہ شعر مشہور ہے ؎

"بنت الخلیفہ والخلیفہ جدہا ؛ اخت الخلائف والخلیفہ زوجہا" انتخاب از تاریخ سیوطی و مختصر الدول وغیرہ

کئے جائیں گے اور اگر بد ہیں تو بُرائی سے یاد کئے جائیں گے۔ اور لوگ اُن پر نفرین کریں گے۔ حکیم عنصری نے خوب لکھا ہے۔

هم سخن خواهی شدن گر بندی از گردون کمر — هم سمر خواهی شدن گر سازی از گردوں سریر
رنج بر تا چوں سمر گردی نکو باشد سمر — جهد کن تا چوں سخن گوی توی باشد سخن

(۴۱) مداخل و مخارج

ملک کی آمدنی و خرچ قلمبند کرنا چاہئے، خاص کر خرچ کی رقموں کو بہ نظر تامل دیکھنا چاہئے۔ جو رقم قابل مجرائی نہ ہو وہ کاٹ دی جائے۔ اور اگر آمدنی میں زیادتی ہو یا کمی تو عامل سے باز پرس کی جائے اگر اُس کا بیان صحیح نہ ہو تو بہ صورت کمی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مال کے حصول میں بادشاہ کو منصفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتی الوسع آئین ملک اور قدیم اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہ ہو۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ عُمّال کی جانچ کرے اور آمدنی وخرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت و بچاؤ کی غرض سے خزانہ معمور رہے۔ بادشاہ کی زندگی ایسی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُس کو بخیل کہے۔ اور نہ اس قدر صَرف کرے کہ لوگ اُس کو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقعہ پر لینے والے کی حیثیت پر نظر رہے۔ جو شخص ایک دینار کا مستحق ہے اُسے سو دینار نہ دینا چاہیئے۔ اور جو سَو کا مستحق ہے اُسے ایک دینار نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں امتیاز نہیں رہتا ہے۔ اور لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں پہنچانتا۔ اور بلا سبب رنجیدگی بڑھ جاتی ہے اپنے دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا ملا جُلا رہے کہ جب چاہے الگ ہو جائے۔ اور جب چاہے مل جائے۔ نہ ہمیشہ خوش طبعی کرے اور نہ ایک دم سے ترش رو ہو جائے، اور اگر کبھی سیر و شکار و لذات دنیاوی میں مشغول ہو جائے تو کبھی کبھی خدا کا شکر ادا کرے، صدقہ دے، روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے۔ تاکہ دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا رہے اور ہمیشہ خیر الامور اوسطھا پر عمل کرے۔ حتی الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اُس کا ہر کام دنیا میں یادگار رہ جائے۔ اور انصاف یہ ہے کہ دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیک نامی کے واسطے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں

بی پوری تو ... ں کرتا ہے

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہوچکا۔قبل اس کے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں۔بطور یادگار ایک شاعر کے قصیدے سے چند اشعار نقل کرتے ہیں جس کو نظم میں مختصر تقریظ کہنا چاہیے وہو ہذا۔

بحر لیست ایں کتاب پُراز گونہ گوں گہر — یا باغ جاں فزائے پراز گونہ گوں ثمر
باغ ست گر بباغ بود موضعِ شمار — بحر ست گر بہ بحر بود موضع دُرر
ہر فصل اندرو چو درختے ست از نہاد — بارش ہمہ غرائب و برگش ہمہ غُرر
گنجے ست پر عجائب وکا نیست پُر طرف — درجیبت پر بدائع و درجے ست پر گہر
اصلش ہمہ نوادر و فرعش ہمہ مفید — فصلش ہمہ معانی وشرحش ہمہ عبر
حداست وپند وحکمت وامثال وداستاں — بے حد درو حکایت و بیمر درو سمر
الفاظ او مہذب و عالی چو آسماں — معنی ازو چو زہرۂ تاباں گہہ سحر
آئین و رسم و سیرتِ شاہان تاج دار — ترتیب ملک و ملت و تقدیر خیر وشر
بینی درو عیاں صفتِ بزم و بارگاہ — یابے درو نہاں صفتِ رزم و کروفر
تحصیل مال و مملکت آئین و داد و دیں — تدبیر کار لشکر و تقدیر روز گر
پیدا درو طریقت بدخواہ و نیک خواہ — ہنجار جرّ منفعت و رائے دفع ضر
ہر لفظ و ہر معانی کاندر فصول اوست — نیکو تراز جوانی و شیریں تراز شکر
صافی ز ہزل و بدعت و پاکیزہ از ہوا — شائستہ ہم چو دانش و بائستہ چوں مط
از خواندنش نگیر و خوانندہ را ملال — گردد بصیر ہرکہ گمارد برو بص
ہر قصہ راز آیتِ قرآں یکے دلیل — ہر فصل را ز قولِ پیمبر یکے خبر
از ہر سخن کہ یاد کنے اندرو نشان — از ہر ہنر کہ نام بری اندرو اث
قانون رسمہائے بزرگان نام دار — فہرست کارنامہ شاہان تاجو
ہرکس کہ ایں بخواند و بود کاربند ایں — اقبال جاوداں بودش بیگماں ب
اندر خورِ شہنشہِ دیندار و داد ور — تالیفِ یادگار نظام نکو
ہرگز شہ ندید وزیرے دگر چنیں — ہرگز کسے نہ کرد کتابے چنیں د
ایں دفتر مبارک و دستور خسرواں — فرخندہ باد بر شہ دیندار و داد

خاتمہ

سیاست ملکی، اور نظم و نسق سلطنت پر، خواجہ نظام الملک نے جس قدر لکھا ہے۔ اگرچہ اُس عہد ترقی میں اس کو کسی خاص صیغہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاہم سلطنت اور رعایا کے جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں، اُن کی صحیح تفسیر ان اوراق میں موجود ہے۔ اور نظام حکومت کے لئے جن محکموں کی ضرورت ہے بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیئے ہیں۔ البتہ وزارت اور اُس کی مشکلات و متعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ اس موضوع پر کتاب الوصایا میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد[1] قانونِ سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کرنے کا موقعہ ملے گا۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۷، حصہ اول کتاب ہذا۔

دستورُ الوزرا

مرتبہ

خواجہ نظام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزندارجمند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو اُنھیں کان لگاکرنہ سنے گا اور نہ کسی طرح سے تیری طبیعت اُن کو قبول کرے گی (لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں) کیونکہ سمجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہے۔ جب میں عمر میں تمھارے برابر تھا۔ اگر اس وقت مجھ کو بھی تنو مخبر عادل اور مشیر صادق سمجھاتے تو بھی میں اُن کی بات کو ہرگز ہرگز نہ سنتا اور نہ کچھ مجھے احساس ہوتا۔ لیکن تم میرے فرزند ہو! بہ لحاظ مروّت اور رشتۂ پدری میرا فرض ہے کہ میں تم کو اُن حقائق سے آگاہ کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہٰذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

(۱) ترک وزارت پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے بعد وزارت اختیار نہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے دولت جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا و فریفتہ نہ ہو جانا، کیونکہ اوّل کی لذتیں آخر کی حسرتوں کی برابر قیمت نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غرور ہے کہ ذرا دیر میں سب کچھ ہے اور پھر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مؤاخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہے لہٰذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگانِ دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے، لہٰذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تمہیداً بیان کرتا ہوں۔

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطر ہے خصوصاً وزارت کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم کو وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کردوں۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے سلطنت کے بعد سب سے بڑھ کر وزارت کا درجہ ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ منصب بے انتہا خطرناک بھی ہے۔ اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل لکھی جائے تو طوالت ہوگی۔ لہٰذا ایسی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر کلی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہوں گے" انشاءاللہ تعالیٰ"

(۱) پہلا خطرہ

صبح سے شام تک بلا ناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الٰہی یوں ہے "فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْل" یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جائے تو اس ایک لحظہ کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں نہیں ہو سکتی ہے۔

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الٰہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں۔ لیکن ہر موقعہ پر عدل کا قائم رہنا قریب قریب محال کے ہے۔ چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں یہ خیال بہت کچھ ترقی کر گیا تھا۔ اور اُس کا یہ سبب ہوا کہ ایک عامل کے ذمے سرکاری مطالبہ تھا۔ اور وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ بعلت بقایا اُس کا ایک انگور کا باغ ضبط کر لیا گیا۔ لیکن اُس کے لڑکوں نے دعویٰ کیا کہ یہ باغ ہم کو ماں کی طرف سے ورثتاً ملا ہے۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیں۔ تب میں نے حکم دیا کہ یتیموں کے حق میں باغ واگذار کر دیا جائے کیونکہ انگور کی پھلت سے سرکار فائدہ اُٹھا چکی ہے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی یتیموں کو ملنا چاہیے۔ لیکن چند روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہے کہ تو نے یتیموں کا حق کیوں باطل کر دیا۔ اس کے بعد عذاب کے فرشتے مجھ کو ایک غار کے کنارے گھسیٹ کر لے گئے۔ جو حد سے زیادہ تاریک، ہولناک اور عمیق تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس غار میں ڈھکیل دیں تب میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے؟

انھوں نے کہا کہ اس کو ویل کہتے ہیں (نام طبقۂ جہنم) ویل کا نام سُن کر میں چیخ اٹھا اور فوراً

ہونے پر بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور اُن یتیموں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلادیا گیا۔ لیکن اس خواب کا میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایام حکومت ملک شاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور جب تک معاملے کی تحقیقات انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہے میں قطعی فیصلہ نہیں سُناتا ہوں۔ اور جب کسی مقدمے میں زیادہ اُلجھن ہوتی ہے تو اُمرا سے مشورہ کرلیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابواسحٰق فیروزآبادی کا معتقد تھا اس لئے ایک دن اُن سے عرض کیا کہ "قبلۂ عالم! میں ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو؛ میں نے عرض کیا کہ: سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں انصاف کا خون نہ ہوجائے"

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر یہ عقدہ درمیان میں نہ ہوتا تو وزیر بھی طبقہ اولیاء اللہ میں شمار ہوتا اور وزارت کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہے اس لئے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے) عمل میں دو رکعت نفل کے برابر ہے۔ لیکن سخت مشکل ہے کہ کبھی ایک آدمی صرف انگور کے غلط فیصلہ کرنے کے جرم میں جہنم کے طبقہ وَیل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دے دیتا تو ضرور قعرِ جہنم میں ڈال دیا جاتا اور پھر کبھی رہائی نصیب نہ ہوتی"

چونکہ شیخ نے میرا ہی معاملہ اپنے صفائے باطن سے بیان کر دیا تھا۔ لہٰذا میں نے ان کے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیا اور معلوم ہو گیا کہ شیخ بھی اصحاب مقامات اور ارباب کرامات میں سے ہیں اور رحمۃ یہی واقعہ میرے مزید ارادت کا باعث ہوا۔

دوسرا خطرہ سب سے بڑھ کر یہ خطرہ ہے کہ بعض اوقات محض ایک فردِ واحد کی رضامندی کے خیال سے ہزاروں آدمیوں کو (جن میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں جو مختلف ملک و دیار میں رہتے ہیں) آزردہ اور رنجیدہ کرنا پڑے گا اور پھر بھی یہ اطمینان نہ ہوگا

ے شیخ کے حالات صفحہ ۱۱۴۔ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

دراصل وہ شخص دل سے بھی رضا مند ہے یا نہیں ، بلکہ بجائے ملاطفت وعنایت کے ہمیشہ بلا وجہ ناراضی اور کدورت ہی پائی جائے گی اور یہی پلہ ہمیشہ گراں رہے گا۔ ایک دن میں نے ابوالمعالی، امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب ومحبت کا اعزاز حاصل تھا۔ عرض کیا کہ" اے امام مسلمانان! مجھکو آپ کی کمال ذکاوت وذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے اپنی ایک مشکل جس میں عرصۂ دراز سے گرفتار ہوں لااور جس کو میں نے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہے) حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک زمانہ دراز سے میں اس بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجام فرائض میں اس قدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقت بشری سے زیادہ ہے۔ اور اپنی کارگذاریاں اس درجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے سے نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور جہاں تک غور وتامل سے دیکھتا ہوں تو مہات ملکی میں (ظاہر وباطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطان اظہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہے بلکہ سالہا سال سے ایسی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کردیا ہے اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محسود خلائق بنادیا ہے۔ اور یقین واثق ہے کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر وتبدل نہ ہوگا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعت سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہے۔ مگر اس دقیقے سے سوائے میرے کوئی اور واقف نہیں ہے۔ اب فرمایئے کہ آپ کی رائے میں اس کا کیا باعث ہے؟

امام نے فرمایا کہ" اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل وعقل میں بہت بڑھ کر ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مال وملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہے۔ خاص کر ملوک وسلاطین۔ پس جبکہ تو نے کسی کے معشوق ومحبوب پر قبضہ کرلیا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اُس کا دل تجھ سے صاف ہو؛ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرتا رہتا ہے کہ جو چیز میری ہے وہ تمام وکمال فلاں شخص کے قبضہ تصرف میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں خیانت کرجائے۔ چنانچہ اس تصور کے آتے ہی ایک ہلکا سا غبار اُس کے آئینہ دل پر چھا جاتا ہے۔ اور پھر جس قدر دن گذرتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق صفت ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر جس قدر دن گذرتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق

لہ امام الحرمین کے حالات صفحہ ۱۰۶ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

صفت ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رضا مندی پر بدل ...
مثلاً بیماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے اور بہت کچھ دبی رہتی ہے۔ لیکن جب کہنہ ہو کر طول پکڑ جاتی ہے تو پھر ہر چند طبیعت اُس کو دفع کرتی ہے، لیکن اُس کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ ایسی صورت ہے کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیر خزانہ دکھلا کر بھی اس کا تدارک نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ مادہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہ کے کسی مد میں پچاس ہزار دینار کا خرچ ہے۔ لیکن اُس کو یقین ہے کہ اس میں سے پانچ ہزار کی رقم بھی افسردگی خاطر کے لئے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال پانچ ہزار سے بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ جائے تو خیال کرو کہ رنج کس قدر ترقی کر جائے گا۔"

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ سلاطین بعض کام وزراء سے ایسے لینا چاہتے ہیں کہ جو بمنزلہ محال کے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیانِ حضرت اور مقربان دولت ملک سلطنت کے معاملے میں دخیل نہ ہونے پائیں اور شہزادے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے رد کے جائیں اور ان میں سے اگر کسی معاملے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُن سے باز پُرس بھی کرے۔ اور باوجود اس کے یہ شرط ہے کہ کوئی ناراض نہ ہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُس کی خدمات کے نتائج بھی سامنے ہوں اور بدیہی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی درایت وفراست سے مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سدھر گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے خزانے میں بھی توفیر ہوئی ہے۔ تب بھی اس کا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ کیا بھی تو اوپری دل سے۔ اور اگر شاذ و نادر حسن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ دیرپا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اس کی خدمات کا ذکر آ گیا تو ارکان مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر اس کے برخلاف کوئی صورت ہوئی اور ذرا سا بھی اوضاع ملکی میں خلل پڑا یا جزئی نقصان امور مالی میں ہو گیا تو پھر شکایت کے دفتر کھل جاتے ہیں اور مدتوں نہیں بھولتے ہیں، بلکہ بادشاہ کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ غرضکہ یہ وہ حالتیں ہیں جن کا آخر نتیجہ نقصان و مضرت ہے۔ اس لئے قناعت بہتر ہے۔ کیونکہ اس کے

صدقے میں تمام تردّدات سے کامل استغنا میسّر ہو جاتا ہے۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو زہے قسمت۔

(۳) "فضل[1] بن ربیع" کچھ دنوں کے لئے خلیفہ ہارون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہو گیا تھا اتفاق سے اُسی زمانے میں حج کا موسم قریب آگیا۔ خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحب محمل (قافلہ سالارِ حج) کون ہو گا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ سالار قافلہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جس پر اعتبار ہو، کیونکہ ناموس امیرالمومنین اور بیگمات شاہی کے محل بھی ساتھ ہوں گے۔ اور عراق سے مکہ معظمہ تک کا سفر ہے" فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھئے تو مجھ سے زیادہ اور کون اس عزت کا مستحق ہو سکتا ہے؛ امیرالمومنین اپنی فیاضی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ غرضکہ بڑی منت سماجت سے فضل کی درخواست منظور ہوئی۔ لیکن بعد واپسی حج کے فضل کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی اُس نے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الٰہی میں معروف ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اُس کو یہ خیال ہوا کہ فضل میرا قدیم خدمت گذار ہے اگر میں اس زاویہ نشین سے جا کر ملوں تو مرحمت شاہانہ سے کچھ بعید نہ ہو گا۔ چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اثنائے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ تمھارے ترک وزارت کا کیا سبب ہے۔ فضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ اچھا تم اب تمھاری کیسی گذرتی ہے؛ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں۔ عہد وزارت میں جس بادشاہ کا میں فرماں بردار تھا۔ وہ میری دس خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا۔ اور اب ایسے شہنشاہ کی اطاعت کرتا ہوں۔ کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع و محل کی دیکھ بھال میں بہت کچھ سختیاں اُٹھانا پڑتی تھیں۔ اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہے۔ جو میرے دل میں ہے

---

[1] ابوالعباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبداللہ دربار ہارون الرشید عباسی کا ایک نامور رکن ہے۔ برامکہ کے عہد وزارت میں حاجب کے درجے پر ممتاز تھا۔ بعد کو چند روز کے واسطے وزیر بھی ہو گیا تھا۔ برامکہ کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر حصہ لیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو البرامکہ و ابن خلکان جلد اول) ذیقعدہ ۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔

وہ خود جانتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" پہلے مجھ کو بادشاہ کے ...
تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمّہ دار ہے۔ پہلے جب بادشاہ خواب راحت میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا۔ اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہے "لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ" پہلے میں یہ جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے "وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا" جب فضل نے ایسی طولانی تقریر کی تو خلیفہ ہارون الرشید کو رقت طاری ہوئی اور فضل کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! پہلے تو میرا خدمت گار تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے۔"

فضل نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزت حاصل نہ ہوتی۔

اس لئے اے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعین۔"

تیسرا خطرہ

شاہزادوں کے ملال اور آزردگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور اُن کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور اُن کے عروج وکمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہے، اس لئے شروع زمانے میں جب اُن کی کامیابی میں دیر ہوتی ہے۔ (مثلاً مالی وملکی اختیارات کا نہ ملنا جس کا اجر خاص بادشاہ کے ہاتھ میں ہے) تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہے۔ جس طرح طبیب تشخیص مرض میں مادّے کو بیرونی اسباب سے تمیز نہیں کرتا ہے۔ عَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنْھَا۔

شہزادوں کا میلانِ خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب اُن کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے تو وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ ہر خواہش کے بڑھنے پر رنج و ملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے اور بعض اوقات شہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن نوجوان اور ناتجربہ کار ملازم اپنے بیہودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے بہکا کر سیدھے راستے سے پھیر لاتے ہیں۔ بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شاہزادوں کی تالیف قلوب اور اُن کی رضامندی حاصل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ان کی اکثر خواہشیں ممکن الحصول نہیں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ یک بارگی ادنیٰ درجے

سے مقربان حضرت پناہی کے مرتبے میں پہنچ جاتیں یا مدارج مال و جاہ میں اُن کے ہم پلہ بن جائیں۔ علی ہذالقیاس اور معاملات بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کی جائے تو پھر وزارت کی بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن تجربے سے ثابت ہے کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔

حکایت سلطان ملک شاہ نے شمس الملک[1] خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ[2] شکست دے کر یہ ارادہ کیا کہ ترکستان نے ملک شاہ کا نخشب[3] تک استقبال کیا۔ اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ از سرِ نو معاہدہ کیا۔ اُس وقت سلطان کا غصہ دھیما ہوا۔ اور نخشب سے ملک شام کا قصد کیا۔ لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رائے قرار پائی: کہ موسم سرما، رے میں بسر کیا جائے، اور اسی مقام پر ہر طرف سے فوجیں آکر جمع ہو جائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جائے۔ خیر یہ تمہید تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ نفس مطلب یہ ہے کہ اسی زمانے میں بمقام بسطام[4] شہزادۂ محمد کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام

---

[1] شمس الملک ابوالحسن ابراہیم بن نصر ایلک خاں بادشاہ ماوراءالنہر کا بیٹا تھا۔ جس کو ملک شاہ نے اپنا باج گذار بنا لیا تھا۔ یہ واقعہ ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳ء کا ہے۔ الوانی جلد اول صفحہ ۹، ۳ و کامل اثیر صفحہ ۳۲ جلد ۱۔ [2] ترمذ دریائے جیحوں کے کنارے ماوراءالنہر کے شہروں میں سے نہایت قدیم اور مشہور رہے، اس شہر کی آب و ہوا ضرب المثل ہے ؎ گفتم اے بخت بہشت ست سواد ترمذ گفت راضی مشو از روضۂ رضواں بگیاہ۔ بازاروں کا فرش اینٹ کا کھرنجہ تھا۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی صاحب صحیح اسی خاک سے ہیں۔ مراصد الاطلاع صفحہ ۹۴ و گنج دانش صفحہ ۱۴۲ و معجم البلدان یاقوت صفحہ ۳۸۲ جلد ۲۔ [3] نخشب ماوراءالنہر کا مشہور شہر ہے دریائے جیحوں اور سمرقند کے درمیان میں ہے مراصد الاطلاع صفحہ ۹۹ و معجم البلدان صفحہ ۲۷۳ جلد ۸۔ [4] بسطام کو تقویم البلدان ابوالفدا میں کورہ تومس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہے اور بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سڑک پر واقع ہے ایران کے آباد شہروں میں ہے۔ قطب العارفین حضرت بایزید کا مولد و مدفن یہی شہر ہے شیخ کے حالات تذکرۂ صوفیہ میں دیکھو آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً ؎

اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را | سودائے تو کم کردہ نکو نامی را
ذوق لب میگوں تو آوردہ بروں | از صومعہ بایزید بسطامی را

تفصیلی حالات کے دیکھو سفرنامہ خراساں ناصرالدین شاہ مرحوم، از مراصد و مراۃ البلدان ناصری و معجم البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد دوم۔

رکھا ہے۔ چنانچہ یہ نام پسند فرمایا اور حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور دائی اور گہوارہ وغیرہ کے
کے لئے بسطام کی آمدنی مرحمت کی جاتی ہے۔ لیکن اتفاق سے دو دن کے بعد یہ لڑکا فوت ہوگیا۔
اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں۔ لیکن شاہزادہ محمد چاہتا ہے کہ بحوالہ
فرمان سابق، اس آمدنی سے نفع اٹھاتا رہے۔ لیکن خود اس قدر جرأت نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض
کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہے (کیونکہ کھٹکا ہے کہ جواب باصواب نہ ملے گا) اور نہ
اس پر رضا مند ہے کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ
سلطان سے اس کا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شاہزادے کے خلاف ہوگا اور وہ سمجھے گا
کہ میں نے کچھ سعی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان سے اُلٹی شکایت کی ہے۔ غرضکہ ہر سال اپنی جاگیر تومس[1]
سے بسطام کی آمدنی شہزادے کے نذر کیا کرتا ہوں لیکن پھر بھی میری طرف سے اُس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔
میرے بیٹے! تجھے یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ شہزادوں کے حصول مقاصد کے لئے تکلیف اُٹھانا چاہئے
اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ اُن کے ملال کا سمندر موج زن نہ ہو۔

سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہے، لیکن عادتاً ممتنعات سے ہے کیونکہ جو صورتیں اُن کی رضامندی
کی ہیں۔ اکثر اُنھیں سے اپنی کساد بازاری ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اپنے ہاتھوں برباد ہونا پسند
نہیں کرتا ہے۔ جس کی نظیر ذیل کا واقعہ ہے۔

جب سلطان الپ ارسلان کو معلوم ہوا کہ شام، و روم، اور فرانس کے عیسائیوں نے قیصر روم[2]
کے بل پر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہے کہ بغداد سے دولتِ عباسیہ کے تاج دار کو خارج کر
کے بجائے اُس کے کسی جاثلیق[3] کو تخت نشین کریں۔ اور دار السلام بغداد کی تمام مسجدیں، دیر و

---

[1] تومس۔ اصلی نام کومس ہے عربوں نے قومس کر دیا ہے جبل طبرستان کے ذیل میں ہے۔ اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جن میں سے رَے اور نیشاپور کے مابین قصبہ دامغان بہت مشہور ہے۔ اور دامغان سے دو منزل بسطام ہے مراصد و معجم البلدان صفحہ ۱۸۵ جلد ۷۔ [2] قیصر ارمانوس اور الپ ارسلان کا یہ تاریخی واقعہ بہت مشہور ہے۔ ذی قعدہ ۴۶۳ھ ۱۰۷۱ء میں یہ لڑائی ہوئی تھی تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے تحریر ہے اور مسٹر گبن نے بصراحت لکھا ہے۔ [3] جاثلیق = یونانی کتلکوس Katholikos - فرقہ ایست از نصاری کہ بمذہب قدیم ست بفارسی کاتولیک (کیتھلک) خوانند۔ سواء السبیل الی معرفۃ المعرب والدخیل۔ صفحہ ۲۶ "عیسائی علما اور مجتہدین کے متعلق حسب ذیل الفاظ یا درکھنے کے قابل

کلیسا کر دی جائیں، اور اس پر بھی بس نہ کیا جاوے، بلکہ تمام ممالک اسلام مساجد کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے، اُس وقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لئے دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتح یاب ہوکر اُس کو گرفتار کرلیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے اور اُس کا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہے کہ "اگر تو قصاب ہے تو ذبح کر ڈال، اور اگر سوداگر ہے تو بیچ ڈال، اور اگر بادشاہ ہے تو بخش دے"، چنانچہ سلطان مرحمت شاہانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جب کہ فوجیں دارالسلطنت کو واپس جارہی تھیں۔ سلطان سے کہا کہ میں تو یہاں قید میں پڑا مر رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہے! اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہوجائے گا اور اُس کے دفع کرنے میں سلطان کو دوبارہ تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ اور ابھی تو خیریت ہے کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر مجھ کو سلطان جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرمان برداروں کے میں بھی خراج ادا کرتا رہوں گا"

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے ہر سال مقررہ خراج بھیجا کرتا تھا۔ اور اُس کے وزراء علیحدہ بیش قیمت رومی تحائف اور زرنقد بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ ایک سال یہ خراج اور تحائف روم سے آرہے تھے اور سلطان الپ ارسلان اُس وقت مرو میں مقیم تھا اس لئے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ عہد شباب کا ہے)، مصلحت ملکی کی وجہ سے معہ مختصر فوج کے بمقام رے موسم سرما بسر کر رہا تھا۔ اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ رے میں ہے، جو لوگ ممالک روم ولایت کرخ،

بقیہ صفحہ ۳۰۱ =

(۱) بطرک و بطریق (معرب رومی) Patricius سردار اعظم (پوپ روم) دس ہزار پر افسر۔

(۲) جاثلیق۔ بلاد اسلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطریق کا نائب۔

(۳) مطران رئیس الکہنہ (۴) اسقف، مطران کا نائب (۵) طرخان، پانچ ہزار پر افسر

(۶) قومس، دو سو پر افسر معرب Comes = از فرائد اللغہ جلد اول مصنفہ ہنری کوس مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۴۲-۳۳

دیارِ شام اور بلادِ عراق سے آویں اُن کے حالات کی تفتیش کرے اور اُن کی معروضات کو سُنتا
اور اپنے معتمد کے ہمراہ اُن کو میرے پاس بھیج دیا کرے۔

چنانچہ اُس زمانے میں ملک شاہ کا کاتب عمید منصور تھا۔ یہ شخص حد سے زیادہ نادان
ناتجربہ کار تھا۔ اور اس پر بھی اپنی عقل و دانش پر اُس کو بڑا ناز تھا۔ غرضکہ اسی زمانے میں
کی سفارت حسب معمول پہنچی۔ یہ زمانہ فصل بہار کا تھا۔ اور شہزادہ سلطان کی خدمت میں حا
کے ارادہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ اس لئے عمید منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضو
میں روانہ ہو جاتے اور تحائف کو دیکھ لے۔ چنانچہ عمید نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ تو تحا
میں ہر قسم کے صوف بھی تھے۔ اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ چنانچہ اس
کوتاہ اندیش نے سفید رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے
ہے (مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ شہزادے سے اس واقعہ کی اطلاع بھی کر دی تھی یا نہیں) لیکن سف
کو کسی نہ کسی طرح رضامند کر لیا تھا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ گویا اس کو بھول جائیں۔ اور
واقعہ سے پہلے مجھے رے کے کاتبوں (پرچہ نویس) نے یہ اطلاع دی تھی کہ شہزادے کی مجلس م
ایک شب میری کارگزاری اور کفایت شعاری کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادے نے فرمایا کہ نہایت تعجب
کہ باوجود اس قدر وسعت سلطنت کے یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی گوشہ ملک میں کوئی ایک د
پر تصرف کرے اور وہ خواجہ (نظام الملک) کو معلوم نہ ہو جائے" عمید نے کہا کہ یہ سب سلطا
الپ ارسلان کے اقبال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے بیل (گاؤ طوسی) کو بیچ بھی ڈا
تو اُسے خبر نہ ہو" غرضکہ عمید سفارت کے ہمراہ مرو تک پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذرا
او تحفے پیش ہونے لگے۔ چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کئے گئے۔ اُس وقت مجھے خیا
آیا کہ اور تو سب رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے ایلچی سے اس کا سب
پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھیجنے والے جانیں! تب میں عمید کی طرف متوجہ ہ
تو اُس کے چہرے پر مجھے کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کو
رنگ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ خواجہ صاحب! اس وقت مسائل حکمت سے کوئی بحث نہیں ہے
کہ حکمائے بیاض (سفید) کو الوان میں شمار کیا ہے یا نہیں؛ بلکہ اس وقت تو گفتگو اس پر ہے کہ جب

ایک بادشاہ نے محض زیب و زینت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور یہ محض میرا خیال ہے جو دل میں کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ بعداز رخصت سفارت میں نے فوراً دو ایک آدمی اُن کی قیام گاہ پر بھیجے اور فہرست تحائف لے کر اُن میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور نہایت احتیاط سے باتوں باتوں میں میں نے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی۔ غرضکہ میں نے معذرت کے بعد اُس کو واپس کیا۔ لیکن عمید منعرور نے دربار کے واقعہ سے شہزادے کو بایں الفاظ اطلاع کی کہ "طاؤس آنحضرت بجبرئیل امین منافشہا نمود و بسے دیگراز ہدیانات بآں اضافہ کردہ"۔

چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکام رہا تھا اس وجہ سے تمام شب اسی اُدھیڑ بُن میں رہا صبح کی نماز پڑھ کر میں مصلے پر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصر روم نے سلطانہ (بیگم الپ ارسلان) کے لئے علیحدہ تحائف روانہ کئے ہیں۔ اور تحائف کی ایک فہرست بھی ان لوگوں کے پاس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفید صوف کا تذکرہ یہ لوگ اُس جماعت سے کردیں اور کچھ ردوبدل ہو جائے۔ سلطانہ ان دنوں مرغزار رادکان[1] میں جلوہ فرما تھیں۔ کیونکہ انھیں ضعف قلب ہو گیا تھا اور پہلے بھی یہ عارضہ اسی پرفضا جگہ میں جاتا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد طوس کو روانہ کیا اور وہاں سے وہ اُردوئے حرم میں داخل ہوا۔ چنانچہ نواب حرم نے تمام کاغذات ایک خریطے میں سربمہر کرکے میرے پاس بھیج دیئے اور سفارت کا ایک آدمی بھی ہمراہ کردیا۔ سب سے پہلا کاغذ جو خریطے سے برآمد ہوا وہ تحائف کی مفصل فہرست تھی۔ اُس میں بھی تمام صوف باعتبار رنگوں کے تھے۔ تب میں نے افسر سفارت کو طلب کرکے خلوت میں صحیح صحیح حال پوچھا۔ اب چونکہ انکار کا موقعہ باقی نہ تھا اس لئے اُس نے صاف صاف بتا دیا۔ لیکن میں نے خود اس معاملے کے اخفا اور اظہار میں تامل کیا۔ کیونکہ معاملے کے اظہار میں ولی عہد سلطنت کی ناراضگی کا خوف تھا۔ لیکن یہ وہ فعل شنیع تھا کہ اس کا چھپانا بھی مجھ پر مشکل تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ یہ سفید صوف کیا عجب ہے کہ عمید کے تحت میں ہو۔ لہٰذا میں نے خصومت کا پہلو بچا کر عمید کو یہ رباعی لکھ بھیجی ؎

---

[1] دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۷ حصہ اول کتاب ہذا۔ معجم البلدان میں اس کو راذکان لکھا ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن ہاشم وحسن بن احمد بن محمد راذکانی مشہور محدث وفقیہ یہاں گذرے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۰۹ جلد ۴۔ معجم البلدان۔

از سر بنہ این نخوت کاؤسی را بگزار بجبرئیل طاؤسی را
یعنی ہمہ صوفہائے تیروسی را پیش آر۔ دگرگاو گمو طوسی را

باوجود ثبوت کے پھر بھی عمید کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں نے مجبور
یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے۔ کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں ولی عہد کی ناراضگی کا

چوتھا خطرہ

ہمیشہ دیوان و دفتر کے مہتمم بالشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمراء دولت سے
وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں
اُن سے ان امور میں وزیر تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس گروہ
نہ تو پوری پوری دوستی ہی ہو سکتی ہے اور نہ دشمنی کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی
پر خطر ہیں لہٰذا میں ہر دو پہلوؤں پر الگ الگ بحث کروں گا۔

دوستی کے خطرے

یہ خوب سمجھ لو کہ سچے "عشق" اور خالص محبت کی بنیاد صرف انہیں لوگو
میں مستحکم طور پر پڑ سکتی ہے جن کے دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی
نباہ کا خیال ہو۔ لیکن جن کو ہمیشہ اوروں کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دامن گیر رہتی
اُن میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ تو کل ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہے اور نہ کس
فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے۔ لیک
چونکہ یہ سب اصل مزاج میں ایک دوسرے سے بہ لحاظ غیرت و نفرت الگ تھلگ رہتے ہیں
اس لئے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا بیٹھے بٹھائے عداوت مول لینا ہے یعنی جس
طرح جمع بین الضدین ممتنع ہے۔ اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہے۔ اور نفاق خود
کیا کم بُری خصلت ہے۔ اور جب کوئی اُس پر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہے

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس محبت میں ہیں وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضر
کا بیان کرتا ہوں جو بالفرادہ کی جاتی ہے۔

جب کسی ایک شخص سے محبت ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ خود اُس کی عداوت پر تُل جا
ہیں اور قبل اس کے کہ اس دوستی سے کوئی ثمرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سو طرح کے نقصان پہنچ
جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں ہیں وہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہے

کیوں کہ کبھی کوئی بادشاہ وزیر اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہے بلکہ اُن کے اتحاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔

حکایت

الپ ارسلان کے ابتدائی دور حکومت میں قتلمش[1] سلجوقی نے باغی ہو کر تمام ملک رے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے سلطان نیشاپور سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ جب لشکر وادی الملح میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام خزانہ، جو فوج کے ساتھ جارہا ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ میں سعید عارض کے ہمراہ فوج نظام کی جانچ پرتال میں ہر طرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاق سے امیر التونتاش کے خیمے کی طرف جا نکلا۔ چونکہ درباریوں میں یہ امیر نہایت محترم اور معزز تھا۔ اس لئے تعظیماً اور نیز امیر کے فرمانے سے تھوڑی دیر کے لئے میں وہاں ٹھہر گیا۔ چنانچہ اس کی اطلاع اُسی وقت سلطان کو کر دی گئی۔ اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوا۔ حالانکہ التونتاش ایک ناتجربہ کار، کم عقل، اور سیدھا سادہ ترکمان تھا۔ اور اکثر معاملات میں میری اور اُس کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ میں نے قلم دان وزارت اُٹھا دیا۔ اور اُس نے کمر سے تلوار کھول کر سلطان کے سامنے رکھ دی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہو چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اُس کے نقصان کا اثر بھی مجھکو محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ

جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہے وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا۔ اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہے۔ اور خاص کر ایسی جماعت جس کو دربار شاہنشاہی میں وثوق اور اعتماد کا درجہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھ کر اپنی جان، مال اور عزت کا برباد کرنا ہے۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہے یا کوئی بڑی ضرورت پیش آجاتی ہے تو وہ اپنے دشمن پر غالب ہونے کے لئے تمام عمر کی دولت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

---

[1] قتلمش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ طغرل بیگ نے اس کو اپنی حیات میں روم پر بغرض فتوحات روانہ کیا تھا چنانچہ شاہان قونیہ، قیصریہ، ملطیہ، واقصرا کا یہ مورث اعلی تھا۔ الپ ارسلان اور قتلمش میں ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ ابو الفدا کی روایت ہے کہ علم نجوم میں اس کو بڑا ملکہ تھا۔ تفصیلی حالات تاریخ آل سلجوق و کامل ابن اثیر میں تحریر ہیں۔

کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض وغایت سے واقف ہو جاتا ہے اور دشمن کو شکایت کا موقعہ نہیں
اس ذریعہ سے کچھ دنوں تک امن واماں رہتا ہے۔ لیکن آخر کو بُرے نتائج ضرور پیدا ہوتے ہیں

حکایت

سلطان محمود غزنوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد[1] عہدۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتمد رشتہ دار امیر علی خویشاوند حاجب تھا۔ چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس عداوت سے واقف تھا اس لئے امیر علی کی گہری چالیں خالی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھاتا تو سلطان اُس کو حاجب کی شرارت سمجھتا تھا۔ غرضکہ جب امیر کو یقین ہوگیا کہ اب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ہے تب خاموش ہو کر موقعہ کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خواجہ کی حالت خود ہی درجۂ تنزل کو پہنچ گئی۔ اور اس تنزل کا سبب یہ ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عمال مقرر کر رکھے تھے۔ جنھوں نے رعایا کو ان کی طاقت اور قوت سے زیادہ ستا رکھا تھا۔ خصوصًا صوبۂ خراسان کی حالت نہایت ابتر تھی۔ علاوہ مظالم کے قحط کی شدائد نے وہ مصیبتیں برپا کی تھیں کہ العظمۃ للہ! غرضکہ جس قدر محاصل درج جمع بندی تھے ان سے ایک حبہ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہو کر خانہ بدوش ہوگئی۔ ان حالات کو دیکھ کر ابوالعباس خود بھی پریشان ہو رہا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا بجز اس کے کہ اپنی تدبیریں ناکامی کا اقرار کرے۔ اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوئی تھی اس لئے سلطان کی ناراضگی کی متواتر خبریں خواجہ تک پہنچ رہی تھیں۔ اخیر کو بے قرار اور حیرت زدہ ہو کر خواجہ نے سلطان کی حضور میں وزارت سے استعفا بھیج دیا۔ سلطان نے فرمایا کہ "خواجہ سے کہہ دو کہ میں تم پر نہ تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جس قدر رقم وصول کی گئی ہے اور جس کی تصدیق دفتر وزارت سے ہوتی ہے وہ خزانہ شاہی میں داخل کر دی جائے۔ اور وزارت سے علیحدہ ہو جایئے۔ لیکن اس کے

---

[1] خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی دربار عمید الملک فائق میں عہدہ کتابت پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فائق، امیر ناصر الدین سبکتگین کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علمی فضل وکمال کے نہایت نامور مدبر تھا۔ لیکن امرا کی سازش اور جوڑ توڑ سے عہدہ وزارت جلد ختم ہو گیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔

بعد خواجہ ابوالعباس سے وزارت کا قلم دان ابواسحٰق محمد بن الحسن رئیس بلخ کو دلا دیا گیا۔
شمس الکفاۃ خواجہ احمد حسن میمندی سلطان اور وزیر کے مابین سفارت کا کام کرتا تھا۔ غرضکہ بڑی کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابوالعباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے۔ چنانچہ عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جس قدر نقد اور لونڈی و غلام اور دیگر جائداد منقولہ و غیر منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تاوان میں سلطان کے نذر ہو گئی۔ جب خواجہ ابوالعباس مفلس ہو گیا۔ اور نوبت فاقے کی پہنچ گئی تب سلطان سے اپنی تباہ حالت کا اظہار کیا سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کر کے کہا کہ "ابوالعباس میری جان اور سر کی قسم کھا کر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہو گئے ہو اور تمھارے پاس کچھ باقی نہیں ہے اگر سچ سچ کہدو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائے گا۔" خواجہ نے کہا کہ اس وقت قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل و عیال سے تحقیق کر لوں اگر ان کے پاس کچھ بھی ہو گا تو میں داخل کر دوں گا اس کے بعد قسم کھاؤں گا۔ چنانچہ گھر جا کر سب کو ڈرا دھمکا کر اور بڑی بڑی قسمیں دے کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک ناکت خدا لڑکی کا اسباب جہیز کسی سوداگر کے یہاں امانتاً رکھا ہے۔ چنانچہ وہ بھی لا کر داخل خزانہ کر دیا اور پھر بادشاہ کی جان و سر کی قسم کھائی کہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن امیر علی خویشاوند کو ہنوز عناد باقی تھا، اور وہ اس قسم کا حال بھی سُن چکا تھا۔ اس لئے ایک دن تخلیے میں جب کہ سلطان ہندوستان کا سفر کر رہا تھا۔ عرض کیا کہ مجھے مدت سے ابوالعباس کی خیانت کا حال معلوم ہے اور ہر وقت میں اس کے اظہار کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن سلطان کے نزدیک شکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور! بلا وساطت میرے ابوالعباس کی خیانت کھل گئی۔ اور اس پر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھا چکی ہے۔ حالانکہ چند چیزیں اس وقت بھی ایسی نادر الوجود اُس کے پاس ہیں جن سے اکثر بادشاہوں کے خزانے خالی ہیں۔ یہ سُن کر سلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو ابوالعباس ضرور سیاست کا مستوجب ہو گا۔ امیر نے کہا کہ اگر ان چیزوں کے برآمد کرنے کا مجھ کو اختیار دے دیا جائے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہے کہ جب تک تمھارے قول کی سچائی ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اُس کی جان کے خواہاں نہ ہونا۔ چنانچہ معاہدے کے بعد

امیر رخصت ہو گیا اور اس زمانے میں خواجہ ابوالعباس ایک قلعے میں قید تھا۔ اب امیر کا حال سنیئے کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اُس کو ایک خنجر مل گیا تھا جس کے قبضے پر ساٹھ مثقال کا یاقوت رمانی جڑا ہوا تھا۔ اور نبی سامان کے دفینے سے ایک پیالہ فیروزے کا اڑا لیا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا۔ اور بادشاہ کے خوف سے یہ دونوں چیزیں مخفی رکھتا تھا۔ غرضکہ ان چیزوں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لیتا گیا اور خواجہ کو حراست میں لے کر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں خنجر اور پیالہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئی ہیں جن میں سے ایک شاہانِ ہند کا تحفہ ہے جو حضور میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور دوسرا وقت ملنے دفینے نبی سامان کے خیانت کیا گیا ہے۔ اب بقیہ مال کے لئے اگر حکم ہو تو سختی کی جائے سلطان نے ناراض ہو کر یہ چیزیں امیر علی خویشاوند کو بخش دیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہو گیا اُس وقت امیر علی نے خواجہ کو اُس کے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مر گیا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ منجر بفساد ہوا کرتا ہے۔ واللہ الحافظ الرقیب ۱۲

پانچواں خطرہ

وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصہ دار بنانا چاہیے وہ عامل، کاتب، سفیر، دبیر، اور اہل کاران دفتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہے۔ اسی طرح وزارت کی مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممتنع ہے۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کی جائے تو یہ جان کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ لہٰذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فقر، ثروت سے۔ عجز، قوت سے۔ محنت، دولت سے اور گمنامی شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع واصناف کے انعام واکرام سے یہ مالامال کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے نہ ہوں۔ اور اگر کبھی ان سے رعایتیں نہ کی جائیں یا اُن کے جائز حقوق ہمیشہ کے لئے میٹ دیئے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب نفاق وخلاف پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اُن کو بھڑکا کر آمادۂ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد اور متفق ہو جاتے ہیں۔

میرے بیٹے! تمہارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں، اور معتمدان خاص کے ہاتھ میں ہوگی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہوگی اور یہ نقصانات وجود پذیر نہ ہوں گے سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و مہات ملکی کا سرانجام ہونا، غیروں کی خدمات سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے۔ تم دیکھتے ہو! کہ میں نے بسبب مزید اعتقاد امانت و دیانت کے تمہارے بھائیوں پر تمام سلطنت تقسیم کر دی ہے اور اُن کو بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا ہے جس سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ تمام مصالح و مفاسد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور ضرور ہے کہ وہ اپنے نام اور خاندانی عزت میں داغ نہیں لگائیں گے۔

بادشاہ بیگم (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُن کے بیٹے محمود کو ولی عہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار بہت زیادہ ہیں۔ اور بادشاہ بیگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اس ولی عہدی میں حارج ہوں۔ اس لئے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈھ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہو جائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں۔ اور ایسی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن ابھی تک کوئی نقص نہیں ملا ہے۔ اور وہ سلطان سے بجز اس کے اور کچھ کہہ نہیں سکتی ہیں کہ میں نے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہے۔ مگر یہ وہ راز ہے کہ جس کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا ہے لیکن مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کر لیا ہے خدا انجام بخیر کرے

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز و رشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کر کے خود اپنی ذات کو اتہام کا نشانہ بنانا ہے۔ اور لوگ اس کو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کر دیا جائے تو اس کی بھی مضرتیں بہت ہیں چنانچہ حسن بن صباح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں پہنچیں اور پہنچ رہی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئیں وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

---

[1] دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ حصہ اول۔ جس میں محمود اور برکیارق کی ولی عہدی کی بحث ہے۔

اسبابِ وزارت

اب تک میں نے جس قدر بیان کیا ہے چونکہ وہ تمھارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) اس لیے اس کا کوئی اثر تم پر نہ پڑے گا۔لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کروں گا کہ جو لوازمہ وزارت ہیں اور انشاء اللہ تم اُن سے بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤ گے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، لیکن پھر بھی وہ اُصول سے خالی نہ ہوگا۔خصوصًا وزارت کا کام کہ جس پر ملک و ملت، اور دین و دولت کا انحصار ہے۔اس میں بدرجہ اولیٰ شرائط کی پابندی چاہیئے۔

منصب وزارت میں چار شرطیں ہیں جس کی بجا آوری واجب اور جس کا لحاظ رکھنا فرض ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) خداوند تعالےٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کے ملنے والوں کی رعایت (۴) عامۂ خلائق کے حفظ مراتب کا خیال۔

سنو! انسان بمقتضائے فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، کہ جس میں اُس کا کوئی مطلب نہ ہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُس کا مناسب حال ہوا کرتا ہے۔کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہو سکتا ہے اس کے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کرے گا۔ لہذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہے) لباس، سواری، اور کھانے پینے کے "کلفات پر نظر نہ ڈالنا چاہیئے۔کیونکہ ادنیٰ ترین شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔لیکن مقصود اس منصبِ عالی سے یہ ہے کہ دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہو اور اس کا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورۂ بالا محال ہے۔

پہلی شرط۔۱ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جائے تو کل قیامت کے دن حسرت و ندامت سے کہنا پڑے گا۔"یَا حَسْرَتیٰ عَلےٰ مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ"

اس شرط میں جو چیز سب سے مہتم بالشان ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مذہبی عقائد میں مستحکم و مضبوط ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اہلِ بدعت کی لمع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سخن آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑو۔کیونکہ ارباب دولت کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔لیکن

بہت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو محقق کہتے ہیں۔ اور حکمت، عرفان، توحید اور تحقیقات مذہب کے پیرایے میں بہت سے معتقدات باطلہ بیان کر جاتے ہیں۔ جس کے سننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑ جاتا ہے۔ لہذا۔ اس امر کی ضرورت ہے، کہ تم راسخ العقیدت بن جاؤ۔ اور فرض و سنن کی پابندی میں مستعدی کرو۔ طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ اور مدارج دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو۔ لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو۔ اور خوب سمجھ لو! کہ جب تک عمدہ اخلاق نہ ہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جائے اُس وقت تک خدائے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ان اُمور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہے۔ جہل بُرا ہے۔ عدل محمود ہے، ظلم مذموم ہے، سخاوت مقبول ہے، اور بخل مکروہ ہے۔ اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہے۔ اور ناپسندیدہ خصائل کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عذاب کا باعث ہے۔"

حکایت

جب سلطان ملک شاہ کی شادی[۱] خلیفہ بغداد کے یہاں قرار پا گئی اور سب جھگڑے طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نیوتہ دیا جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکۂ معظمہ، مدینہ طیبہ، بلاد شام، روم، عراق، فارس، خراسان، ماوراءالنہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز مہمان براہ راست بغداد تشریف لائیں چنانچہ اس قدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ بغداد کے مغربی حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ نکاح کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دارالخلافۃ کو روانہ ہوں اور ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں (ترکوں کا دستور تھا کہ عین برات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد برات روانہ

---

[۱] المقتدی بامراللہ ابو القاسم عبداللہ عباسی سے ملک شاہ نے ۴۷۵ھ (۱۰۸۲ء) میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا اور اس شادی کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے واقعات قتل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ کی روایت پر لکھا گیا ہے کیونکہ تاریخ کامل اثیر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن (باقی در صفحۂ آئندہ)

ہوتی تھی، چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے' ارکان دولت بہ لحاظ عظمت حریم خلافت تک پیادہ روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ "نظام الملک سوار ہو کر آئے" چنانچہ صرف میں سوار تھا اور جملہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے جب آستانہ خلافت پر پہنچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بقیہ حضرات میرے داہنے بائیں کھڑے ہوئے۔ خلیفہ کی جانب سے سب کو خلعت تقسیم ہوئے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا اُس پر نقش تھا "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیر المومنین"

ابتدائے دولت اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو "رضی امیر المومنین کا خطاب نہیں ملا تھا میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ" اُس وقت شیطان میرے نفس میں عظمت اور جبروت کے خیالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان چیزوں کی بے وفائی اور ناپائیداری کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور باوجود اس اعزاز کے مجھے اپنا ضعف اور عجز نظر آرہا تھا۔ اور یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ منصب یا اسی قسم کے ایک لاکھ۔ ایک درجہ (ڈگری) بخار یا ایک مرتبہ کے درد سر کے لئے وجہ تسکین نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور میری زبان پر اُس وقت کلمہ لاحول جاری تھا۔ یہ واقعہ تو دن کا تھا جب رات ہوئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر بچھی ہوئی ہے۔ اور میں اُس پر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں۔ مگر تنہائی کی وجہ سے خوف وحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدشکل اور کریہہ منظر آدمی میرے برابر آن کر بیٹھ گیا۔ جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ اس کے بعد اور لوگ بھی اُسی شکل وصورت کے آئے اور مسند پر بیٹھتے چلے گئے، اور یہ آنے والے بدصورتی میں اگلوں سے بھی فوق رکھتے تھے۔ غرضکہ اس قدر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں پڑ گیا۔ بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے سر کے بل گر پڑوں اور اُن کی بدبو سے دم نکل جائے، چنانچہ غایت اضطراب سے میں جاگ اُٹھا اور خدا کا شکر کیا، اور صبح کو صدقہ دیا گیا۔ لیکن جب رات آئی تو پھر وہی اگلا سماں پیش نظر تھا۔ اور آج میں اس قدر بدحواس ہوا کہ بدن کانپنے لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام عمر سوتا ہی رہ جاتا۔ الغرض جب تیسری رات آئی تو میں ڈر کے مارے قصداً جاگتا رہا۔ لیکن پچھلے پہر نیند کے حملوں نے

بقیہ صفحہ ۳۱۲: قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی المقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی خلفائے عباسیہ میں المقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا جس کا عہد حکومت ۴۶۸ھ ۱۰۷۵ء لغایت ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء ہے۔

مجھے مغلوب کردیا اور وہی گذشتہ نظارہ سامنے آگیا۔ اور میں اپنے کو مسند سے گرایا ہی چاہتا تھا۔ کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اور جیسے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا ویسے ہی اُن میں سے ایک شیطان رفوچکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے مہمانوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہوگئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہوگیا تو میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؛ جواب دیا کہ ہم تمھارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات ذمیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ بلکہ تمام عمر کا ساتھ ہے۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ "ہم میں سے کون رہے اور کون جائے؟ خواب وخیال کی باتوں میں جو لطف میں نے اٹھایا اُس کا پورا بیان کیوں کر کروں۔

مختصر یہ کہ واقعہ کچھ ایسا عجیب وغریب تھا کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ نوکروں نے سوتے سے جگا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان مسند وزارت، اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اُس کو لوازمۂ وزارت سمجھیں اور بُری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں۔

طریق عبودیت دوسری بات واجب العمل یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ نہ سمجھے گو حصول اس کا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اُس کو خدا کے فضل وکرم پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہے کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کی جائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کی جائے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہے۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنائے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی بدیہی ہے کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بسا اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوئے ہیں جس کو میں "اتفاق حسنہ" سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت (۱) قزل ارسلان[۱]، امیر فارس وکرمان کی بغاوت کا حال سُن کر جس سال سلطان

---

[۱] قزل ارسلان اور فضلویہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

الپ ارسلاں نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہے ۔ اُس وقت ملجہ کا حاکم فضلویہ تھا ۔ چونکہ اُس نے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضامند کر لیا تھا ۔ لہٰذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھدی گئی تھی ۔ لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فوج لے کر چلا گیا ۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا ۔ لہٰذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لئے مجھے مامور کیا ۔ چنانچہ ہماری فوجیں فصیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچ گئیں ۔ لیکن خیرخواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور نیز قلعے کے حالات سے آگاہ تھے اُنھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہے ۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ فضلویہ کو خوف دلایا جائے ، اس وقت بآہستگی انتظام ہو جائے گا ۔ چنانچہ میں نے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا مفر کرنا چاہیئے ؛ لیکن مرجح پہلو نہ نکلا ۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہے ۔ اگر میری کوشش کامیاب ہو گئی تو بہتر ہے ورنہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہوں گا ۔ غرضکہ یہ رائے قطعی ہو گئی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا ۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرف سے نظر نہ آتے تھے اور میں نے بھی مستحکم ارادہ کر لیا کہ محاصرہ نہ اُٹھاؤں گا ۔ بلکہ اسی غرض سے ایک سال کی رسد کے لئے احکام جاری کر دیئے تھے ۔ مختصر یہ کہ صرف ایک رات محاصرہ رہا اور صبح کو چاشت کے وقت یکایک قلعے سے الامان کی صدا آنے لگی ۔ تب میں نے امن و امان کا حکم جاری کیا ۔ فضلویہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا ۔ اور بہت سے تحفے تحائف روانہ کیے ۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا ۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی ۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہے جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہو سکتا تھا ۔ پھر کیا سبب ہوا کہ اس قدر جلد قبضے میں آگیا ؟ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہے اس رات کو خود بخود قلعے کے تمام تالاب اور حوض خشک ہو گئے تھے ۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا ۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آسکتا تھا ۔ اس لئے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الٰہی کے ماتحت ہیں ۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لئے کی گئی تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اس میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا ۔ میں نے ایسے بہت

کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہے۔

حکایت ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچ کر سلطان تو روم کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہٰذا شاہزادہ کرخ کی طرف بڑھا۔ اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا یہ نہایت بلند اور مستحکم قلعہ تھا۔ اور اس کے چاروں طرف نہریں تھیں، نام اس قلعہ کا مریم نشینؔ تھا[1] اور ملک کے مشہور علماء ومشائخ (قسیس ورہبان)، وہاں موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ قلعہ بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہے۔ اور کرخ والے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرضکہ اس قلعے کے چاروں طرف گردآوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں یہ حال دیکھ کر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ قلعہ کا بحال خود چھوڑ دینا اور اہالیانِ کرخ سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور قلیل فوج سے قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلیف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال وقتال کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بے عزتی کا خیال ان سب پر مستزاد تھا۔ اس لئے میں نے ملک شاہ کو سمجھایا کہ آپ پریشان نہ ہوں بادشاہوں کی مہمات اور ہی صورت سے سر ہوا کرتی ہیں۔ اور اُن کو عامۂ خلائق کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی آدمیوں کی طرح ہو جایا کریں تو پھر تائید ذوالجلال کیونکر معلوم ہو، اور کافۂ انام پر ترجیح کا پہلو کیوں کر نکلے؟

القصہ دوسرے دن مقابلے کی تیاری کی گئی۔ اور بہادروں نے بذریعہ کشتیوں کے خندق سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہو گئے اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک برج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے کمندیں پھینکی گئیں یہ موقعہ نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچا لیا۔ اور برج کے نیچے سے نکل کر یہ لوگ دور چلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھکر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ہنوز حیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تاریکی نے ساری دنیا کو ظلمت کدہ بنا دیا اور اس کے بعد ہولناک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔

---

[1] اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا خلاصہ فتوحات کے ذیل میں درج ہے۔

جب مطلع صاف ہوگیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے ۔چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہوگئی ۔فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہوگئے ۔اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلاد کرخ پر قبضہ ہوگیا ۔
میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہے کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں ۔بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربّانی بھی کوئی چیز ہے ۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت، اور بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے ۔اور جب کہ یہ فرماں برداری عامۂ خلائق پر عموماً فرض کی گئی ہے ۔تو جو لوگ مقربین اور خاص الخاص ہیں ۔ان پر تو بدرجۂ اولےٰ ہونا چاہیے ۔اور سب سے بڑھ کر اُس شخص پر، جس کے ہاتھ میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ دیدی گئی ہو اور جو سلطنت کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور امور مملکت کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو ۔اس قسم کی اطاعت اس وقت تک نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت وجلال کا سکہ دل پر نہ بیٹھ جائے ۔اور جب تک ایسا نہ ہوگا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم وتکریم کا نتیجہ ہے طرفین میں پیدا نہ ہوگی، اور انجام کار غیر مستحسن نتائج ظہور پذیر ہوں گے ۔اب رہے تعظیم سلاطین کے اسباب وہ کئی نوع پر تقسیم ہیں ۔

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہے یعنی بادشاہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے ۔لیکن یہ صفت عامۂ خلائق میں مشترک ہے ۔اس لئے وزیر کو سب سے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں بخشتا ہے ۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہے جس کو کنایۃً اُمید کہتے ہیں اور جس طرح نوع اول میں ساری خلقت سہیم وشریک تھی ۔اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص وخواص مشترک ہیں اس لئے جب تک خوف ورجا کا پردہ درمیان سے نہ اُٹھ جائے، اور خالص محبت اور سچی ارادت نہ پیدا ہو اُس وقت تک خاطر خواہ ثمر مترتب نہیں ہوتا ہے ۔اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جائے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑ جائے تو نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہے ۔بلکہ کامیابی جلد ہوسکتی ہے ۔
اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جس کے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بن جاتا ہے ۔

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیق الٰہی اور تائید سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہے ۔اور

نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرماں بردار بنا سکتا ہے اگرچہ غلبہ اور تسلّط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہ ہوں؛ لیکن فی الحقیقت سب کا مرجع تائید غیبی ہے۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ارادت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ سلطان عادل کی اطاعت فرض ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ (ظل اللہ فی الارض)

حکایت روایت ہے کہ ابن[1] اعلم رصدی سے جو مشاہیر منجموں سے تھا خلیفہ ہمیشہ ضمیر[2] کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہم پلہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ناصر[3] بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی الطبع شاگرد تھا۔

ایک دن خلیفہ نے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھکر قالین کے نیچے (جس پر بیٹھا ہوا تھا) دبادیا اور ابن اعلم

[1] مامون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان و شوکت میں زوال آ گیا تھا اور عنان حکومت مختلف شخصوں کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ القاہر باللہ ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو جو یزدجرد کی اولاد میں تھا اس کے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بڑے نامور ہوئے اور ان کا اقتدار دربار میں بڑھنے لگا۔ چنانچہ المستکفی باللہ کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آئندہ یہی خاندان تخت بغداد کا مالک تھا۔ جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جس کو چاہتے تھے اُتار دیتے تھے۔ چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ، بنی بویہ میں سب سے بڑھ کر نامور ہوا ہے۔ اور یہ فارس کا حکمراں تھا (اس کا عہد حکومت ۳۳۸ھ / ۹۴۹ء لغایت ۳۷۲ھ / ۹۸۲ء ہے) اس کا زمانہ علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حمایت علم کا عَلَم لے کر نہ اُٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گل ہو جاتا۔ چنانچہ اس کے دربار میں منجملہ مشاہیر علمائے ہیئت کے ایک ابن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہے۔ ہیئت میں عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد صمصام الدولہ اُس کے بیٹے نے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور ۳۷۵ھ میں حج کو روانہ ہوا اور واپسی کے وقت بمقام عسیلہ انتقال کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جس واقعہ کو لکھا ہے یہ خلیفہ المطیع یا الطائع کے وقت کا ہے۔" انتخاب از مختصر الدول عبری ۳۰۴ و تاریخ عرب موسیو سیدیو فرانسیسی۔ بیان ترقی علم ہیئت"

[2] ضمیر = سائل کا مافی الضمیر جب خود نجومی بیان کرتا ہے تو اس سوال کو ضمیر کہتے ہیں۔

[3] بنان = مرو شاہجہاں کا ایک مشہور قریہ ہے" مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۲۹۵ معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۸

سے پوچھا کہ بتاؤ میں نے کیا لکھا ہے؟ (اس وقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراج ضمیر کے قاعدے سے بتایا کہ "اس کاغذ پر خداوند جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہے" لیکن ناصر نے ابن اعلم سے اختلاف کیا اور کہا کہ "اس پر بادشاہ کا نام نامی ہے" تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا کہ "تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "دلائل اور علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رفعت وشان کا نام ہے اور تمام علامتوں سے خاص ہیبت ٹپکتی ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ وہ خدائے تعالےٰ کا نام ہے" پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمھاری کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا کہ "جناب استاذی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگایا ہے وہ مجھے بھی معلوم ہیں۔ اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ صفات الٰہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوا پھر میں نے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیرالمومنین اس کو قالین کے نیچے نہ دباتے۔ اس لیے میں نے نہایت یقین سے کہا کہ اس پر بادشاہ کا نام ہے" اس مباحثے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اس پر تحریر تھا "سلطان عادل" اس معرکہ آرا حکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا۔ اور ناصرؔ بنائی کو خلیفہ نے صلہ و انعام سے مالا مال کر دیا۔

اس روایت سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہے کہ عقل نے صفات الٰہی سے اوصاف بادشاہی پر استدلال کیا۔ اور اقبال ربانی کی علامتوں کو اس نے اوضاع سلطانی سمجھا اس لئے اس شخص کو جس کی دانشمندی وفرزانگی پر سلطان عادل نے اعتماد کر کے دنیا کا سب سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارت) سپرد کر دیا ہو' زیبا ہے کہ وہ سچائی اور امانت کا مسلک اختیار کرے۔ اور ایسے کام کرے جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل وانصاف قائم رہے۔ اور دلچسپی کے بیہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ کیونکہ ذرا سی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جدوجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہو جاتا ہے۔

وزیر کو چاہیئے کہ اپنے عیش وعشرت کو صرف بادشاہ کی رضامندی پر منحصر رکھے۔ اور یہ یقین کرے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودیِ مزاج کی برابر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہے اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لئے کی جاتی ہے، ابتدائے ملازمت میں دل لگا کر کام کرنا چاہیئے کیونکہ

آگے چل کر اُس کی لیاقت اور کارگذاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جن کی اطلاع بادشاہ تک پہنچے گی۔ لیکن حکومت ملنے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عمل درآمد نہ کرنا چاہیے جو ترقی ملک کے لئے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جائے۔

(۲) جب معلوم ہو جائے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان و متردد ہے تو اُس کی اصلاح کی فوراً فکر کی جائے اگر کامیابی ہو جائے تو وزیر کی یہ سعی قابل شکر گذاری ہوگی۔

ایسے تفرقے جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں وہ دو نوع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی

تفرقہ ملکی۔ ا | تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن بسبیل اجمال سمجھ لینا چاہیے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو رضامند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ ہشیار رہے۔ دوستوں کو تالیف قلوب اور مہربانی سے اس طرح رکھنا چاہیے کہ وہ دن بدن خیر خواہ ہوتے جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالف نہ ہوں، باقی رہے دشمن وہ حصر عقلی کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ۔ مساوی۔ ادنیٰ۔ جو دشمن درجۂ اعلیٰ کا ہے اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور پُر حذر رہنا چاہیے۔ اور جو درجۂ ادنیٰ کا ہے نہ اُس کو باقی رکھنا چاہیے نہ مہلت دینا چاہیے۔ اور برابر والے سے جہاں تک ہو سکے صلح و آشتی قائم رکھی جائے۔

بادشاہ کو عموماً بدعہدی اور نقض معاہدے سے بچانا چاہیے اور اہل اسلام سے خصوصاً۔ کیونکہ بدعہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہے۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہے ہیں اُن کو بمقابلے اُن فوائد کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے، اپنے قول پر قائم رہنے سے (منجانب اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہے۔

حکایت | نواح بلخ میں جب امیر اسمٰعیل سامانی[1] اور عمرو لیث کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے کہ امیر اسمٰعیل نے

---

[1] آل سامان، خراسان اور ماوراء النہر میں سامانیوں کی حکومت ۲۶۱ھ / ۸۷۴ء لغایت ۳۸۹ھ / ۹۹۹ء رہی ہے۔ اس خاندان میں نو بادشاہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے۔

نہ تن بودند ز آل ساماں مشہور — ہر یک بحکومت خراساں مغرور

اسمٰعیلی و احمدی و نصری — دو نوح و دو عبدالملک دو منصور

چنانچہ امیر اسمٰعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمرو لیث صفاریہ خاندان سے تھا۔ از نگارستان

عمرولیث کو گرفتار کرلیا تھا۔ اور اُس کے خزانے کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ لیکن جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمرولیث سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ "مہتمم خزانہ میرا ایک عزیز تھا جس کا نام سام ہے۔ اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہے تو معلوم ہوگا" چنانچہ چند روز کے بعد امیر اسمٰعیل ہرات پہنچا۔ تو رعایائے ہرات امن و امان کی طالب ہوئی اور اُن کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُن سے سام اور خزانے کا حال دریافت کیا گیا تو تمام رؤسانے قسمیں کھائیں اور کہا کہ ہم کو کچھ علم نہیں ہے۔ غرضکہ جب خزانہ ہاتھ نہ لگا تو فوج میں بے دلی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے اب تک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُن کے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اہالیان ہرات نے ندرانہ پیش کیا۔ لہٰذا سب کی یہ رائے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں مطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کریں گے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہوکر امیر اسمٰعیل سے عرض کیا کہ اس وقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہے۔ لبطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جائے تو تینتیس ۳۳ من سترہ[۱] سیر آٹھ چھٹانک سونا وصول ہوگا اور اگر اس کا نصف فوج کو دیدیا جائے تو بہت کچھ ان کی حالت درست ہوسکتی ہے۔ امیر نے فرمایا "کہ میں نے مسلمانوں کو امان دی ہے اور قسم کھا چکا ہوں اب اس کے خلاف کوئی تاویل نہ کروں گا" اور فوراً ہرات سے کوچ کردیا تاکہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو نقض معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچ کر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس مُلک پر ہمارا قبضہ رہے یا نہ رہے۔ اس حالت میں یہاں سے ناکام جانا مصلحت ملکی سے بعید ہے۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس قادر مطلق نے عمرولیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُس کو گرفتار کرادیا۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاخت و تاراج کے میری فوج کا کفیل ہوجائے۔ یہ مایوسی کا جواب سُن کر ارکان دولت رخصت ہوگئے، اور اُسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کنیز غسل خانے میں تھی اور اُس کی مرصع حمائل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل حمائل کے لعلوں کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر لے اُڑی۔ چنانچہ اسی وقت سوار دوڑائے گئے۔ انھوں نے چیل کا تعاقب کیا۔ جب وہ ایک جگہ جا کر ٹھہری تو سواروں نے اُس کو گھیر لیا اور حمائل پنجے سے چھوٹ گئی۔ لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس

---

[۱] بشرح نرخ موجودہ ستائیس روپیہ فی تولہ بیس لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوا۔

میں جا گری۔ چنانچہ ایک شخص رسیوں کے ذریعے سے، کنوئیں میں اُتارا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُس کے اندر اور ہے اور اس میں صندوق رکھے ہوئے ہیں، پاس جا کر دیکھا تو خزانہ نکلا۔ اور معلوم ہوا کہ سام مذکور بلخ سے بھاگ کر لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لا کر چھپا دیا۔ غرضکہ جس قدر عمرولیث کے خزانے کی اُمید تھی اور جتنا کہ فوج رعایا سے ہرات سے وصول کرنا چاہتی تھی اُس کا دو چند مل گیا۔ اور یہ عہد و پیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا۔

تفرقہ مالی۔۲ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متردد ہو۔ مثلاً فوجی مصارف زمانہ جنگ میں، یا اسی قسم کے دیگر اخراجات۔ اس وقت وزیر کو سعی کرنا چاہیے کہ عمدہ ذریعوں سے یہ مصارف نکل آئیں۔ بلکہ وزیر کی غیبت میں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کر دے تو بہت ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا منجملہ خزانوں کے ایک مخزن قلعہ گیو، تھا یہ قلعہ لزاح فراہان[1] میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانے کا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جس قدر کمی معلوم ہوتی اس کا فوراً تدارک کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ دوسری مرتبہ جب روم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام رے پہنچیں اس وقت فوج کی تنخواہ اور وظیفے باقی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کئی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک روم پر پورا قبضہ نہ ہو جائے گا واپسی نہ ہوگی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑے گا۔ اس لئے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارف ادا کئے جائیں۔ چنانچہ جب یہ مہم ختم ہو گئی تو واپسی کے وقت سلطان نے لزاح فراہان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم نکل گئی ہے۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دس لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کی جائے۔ چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھکر میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگیر خالصہ کے ایک سو عمال کی فہرست مرتب کر کے اُن کے نام یہ حکم بھیج دیا کہ ہر عامل

---

[1] فراہان جس کو فرہان بھی کہتے ہیں لزاح ہمدان میں ایک مشہور گاؤں ہے "ابو نصر صاحب نصاب اسی گاؤں کا باشندہ تھا" حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہے جو ۱۲ میل لمبی چوڑی ہے۔ ایام خریف میں یہ پانی سے پُر رہتی ہے۔ اس کے بعد جب خشک ہو جاتی ہے تو نمک کا ذخیرہ چھوڑ جاتی ہے صفحہ ۳۰۷ جلد ۶۔ معجم۔

دس ہزار درہم رہ یہ جدید اضافہ داخل جمع بندی نہ تھا۔ بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بند وبست سے چھوٹی ہوئی تھی، بمیعاد تین ماہ داخل کرے اور چونکہ مسلسل فصلوں (فصل زائد یا دو فصلا) کی ادائے لگان کا زمانہ نہ تھا۔ لہٰذا میعاد کے اندر خزانہ عامرہ میں یہ رقم داخل ہو گئی۔

اس کے بعد میں ایک ضرورت سے رَے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو وہ از حد خوش ہوا اور خواجہ ابو علی شاداں کو کلمات خیر سے یاد کیا۔

دوسری شرط۔۲ بادشاہ کے ساتھ یہ بھی بھلائی ہے کہ اُس کے حق میں وزیر کی سعی سے نیک دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا رہے۔ مگر یہ مقصد عدل واحسان کی فیاضی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکر جمیل باقی رہے۔ لیکن یہ بقائے دوام حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہے۔ جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام پر ثبت ہے اور وہ نیکی سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر برعکس ہو تو خود ہی قیاس کرلو۔

اور یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بادشاہ کتنا ہی مہربان ہو تاہم اُس کے لطف وعنایت پر کسی طرح اعتماد نہ کرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہو سکے ان امور میں احتیاط کی جائے۔ اور جو اسباب بادشاہ کی مہربانیوں کے باعث ہوں اُس کے بڑھانے کی فکر کی جائے۔

وزیر کو ہمیشہ یہ فکر رکھنا چاہیے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہے اور جب معلوم ہو جائے تو اپنی پوری قوت حصولِ مقصود میں صرف کر دے، اس سعی سے بادشاہ رضا مند ہوگا۔ تم جانتے ہو! کہ اُس بادشاہ حقیقی جل شانہٗ کی (جس کی ذات میں نہایت درجے کا استغنا، اور انتہائے مرتبہ کا تقدس ہے)، خوشنودی بھی بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہو سکتی ہے، چہ جائیکہ بادشاہ مجازی، جو فی نفسہٖ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہے؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغائر معلوم ہو تو اُس کو کھلے ہوئے لفظوں میں نصیحت نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اور پر مثالوں اور نظائر سے نقصان ومضرت سمجھا دینا چاہیے۔ تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اُس کے مزاج کا رُخ بھی ادھر سے اُدھر پھر جائے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلان کے عزیز ورشتہ داروں کا دربار میں مجمع ہو گیا تھا اور اُن کے انعامات ومصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑتا جاتا تھا۔

لہٰذا امرائے دربار کی یہ رائے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلعے کی حکومت پر بھیج دیا جائے اس کارروائی سے اُن کو بھی فارغ البالی نصیب ہوگی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہیں گے اور مصارف بھی گھٹ جائیں گے۔ اس رائے کو سلطان نے بھی مصلحتاً منظور فرما لیا لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نہ اُصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُن کے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری رائے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی منصور تھی اور خزانہ اُن کے ہاتھوں میں دے دینا آئندہ کی خرابیوں کا باعث تھا۔ لیکن چونکہ میں سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کہوں یا نہ کہوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسئلے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اسی کا ہم شکل ایک واقعہ خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ علامہ اصمعیؒ[1] کی روایت ہے کہ عمرو بن عمید بغداد کے مشہور مشائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ منصور عباسیؒ[2] اس کا مرید تھا۔ اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تمام مملکت میں آل عباس حکمراں تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے ظلم و ستم کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصور اُن کے تدارک میں سُستی کیا کرتا تھا۔

اُسی زمانے میں شیخ نے منصور کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا۔ تو وہاں کی رعایا نے بمنت و سماجت شیخ کو ٹھہرا لیا۔ اس درمیان میں متواتر قاصد خلیفہ خلیفہ کے آتے۔ مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا۔ تب مجبور ہو کر خلیفہ نے اپنا ایک معتمد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو آپ کے دل میں ہے وہی آپ کی زبان پہ ہوگا۔ لہٰذا ارشاد فرمائیے کہ بغداد سے بیزاری کا باعث کیا ہے؟ جب معتمد حق سفارت ادا کر چکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا۔ کہ بغداد جناب کا اصلی وطن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ

---

[1] ابو سعید عبد الملک بن علی بن اصمع مشہور بہ اصمعی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار۔ نوادرات کا امام ہے ۱۲۳ھ میں پیدا ہوا ۲۱۶ھ میں فوت ہو گیا۔ عربی علم لغت کا ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق مضمون کے اشعار میں صرف رجز کے بارہ ہزار شعر یاد تھے تصنیفات میں سے ۲۵ مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں درج ہے تذکرہ شعرائے عرب صفحہ ۱۰۴۔

[2] ابو جعفر منصور دوانیقی خلافت عباسیہ میں دوسرا تاجدار تھا ۱۳۶ھ میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح (باقی در صفحہ آئندہ)

سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت پر ترجیح دی گئی ہے ؟ شیخ نے فرمایا کہ "رقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں۔ اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے ہیں۔ اب مجھ میں اس قدر قوت نہیں ہے کہ بالتصریح منصور سے اُس کی شکایت کروں، اور عمال کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں۔ اور فی سبیل اللہ منصور کی خیرخواہی کا جس قدر خیال ہے اِس اعتبار سے اشارتاً و کنایتاً بھی کہتا ہوں مگر منصور نہ اس پر التفات کرتا ہے اور نہ توجہ سے سنتا ہے۔ چند مرتبہ تنبیہاً میں نے کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہ ہو مگر وہ دوسروں کو منع کر سکتا ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قادر ہو کر تدارک نہ کرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائے گا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ کسی کو اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے۔

القصہ خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول و قسم کے بعد کہلا بھیجا کہ آیندہ شیخ کی تمام تعریضوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائے گا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کرے گا۔ شیخ حرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو واپسی بغداد کے لئے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کر کے عمرو بن عبید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جس دن تشریف لائے اُسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا (شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا) شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک ضائع ہوگیا اور باقی خیر و عافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آتے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اٹھائے تھا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لئے ہوتے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا۔ لیکن ایک پڑاؤ پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہو کر گر پڑا۔ چونکہ وہ ہمارا ہم سفر

بقیہ صفحہ ۳۲۴ = کے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت بہادر، منتظم، اور شائق علم و کمال تھا۔ مورخین نے اس کو "فاتحہ الخلفاء" کا لقب دیا ہے۔ اس کے عہد میں ملک اور فوج کا باقاعدہ بند و بست ہوا ہے۔ مزاج کا سخت اور خوں ریز تھا۔ انتہائے بخل کی وجہ سے دوانیقی کہلاتا تھا۔ مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا۔ اس نے اس عقیدے پر بہت زور دیا کہ خلیفہ نائب خدا ہے۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے ۱۵۸ھ میں فوت ہوا۔

تھا ۔لہٰذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے ۔ ہر چند اُس نے سمجھایا کہ یہ منزل خطرناک ہے میرے واسطے آپ تکلیف نہ اٹھائیں ۔بہرحال وہ اُسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا خلیفہ نے کہا ایسے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہے ۔جب کہ وہ اپنے ہی اسباب سے گراں بار ہو رہا تھا تو اُس نے دوسروں کا بار کیوں اُٹھایا ؟

شیخ نے خلیفہ کا جواب سُن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ الحمدللہ کیا خوب بات کہی۔

اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہوگیا ۔ اور ظالم عمالوں کے اختیارات چھین لیے اور آئندہ جب تک امانت و دیانت کی تصدیق نہ ہو جاتی ۔کوئی شخص ملکی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا۔

جب میں نے سلطان الپ ارسلان سے یہ واقعہ بیان کیا ۔تب وہ سوچتا رہ گیا ۔پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عمرو بن عمید خدا کا نیک بندہ تھا۔ مجھے اُس کا قول نہایت پسند ہے ۔اس کے بعد اپنے ارادے کو فسخ کر دیا۔

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہے کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہے تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہے۔

وزیر میں اس قدر استعداد اور قابلیت ہونا چاہیئے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھڑ جائے تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو ۔کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو گو ندیم کے لئے یہ صفت ضروری ہے ۔لیکن جس کو دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لئے جس کو متعدد مقدمات اور مہمات کے لئے سر دربار گفتگو کرنا پڑتی ہے ۔بدرجۂ اولیٰ واجب ہے ۔اگرچہ تمام کمالات علمیہ کا حاصل کرنا وزیر کے لئے لازم نہیں ہے ۔ مگر دو فن میں اعلےٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہے اور اُمور مالی و ملکی میں بغیر اس کے چارہ نہیں ہے اور وہ فنِ حساب اور تاریخ ہے ۔

حساب کی امور مالی میں جس قدر حاجت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔اور اس فن کے فوائد و ثمرات بھی بدیہی ہیں۔

تاریخ کو تدابیر ملکی میں بہت کچھ دخل ہے کیونکہ عالم اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہے بلکہ وہی ہوتا ہے جو بارہا ہو چکا ہے اور جس کے نظائر موجود ہیں ۔اور چونکہ پچھلے واقعات پڑھے

ہوئے، سمجھے ہوئے سُنے ہوئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہے تو یقین رکھو کہ اس کا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص[1] کو شاہ بخارا کی فوجی حالت اور الپتگین کا حیلہ معلوم ہے کہ کیونکر شاہ بخارا کو شکست ہوئی تھی تو ایسے موقعہ پر دشمن اُس کو شکست نہیں دے سکتا ہے۔ اور اسی قسم کے اکثر نظائر ہیں۔ بہرحال گذشتہ تاریخ کے واقعات سے ملازمان شاہی کو جن کو دربار سے تعلق رہتا ہو، بڑے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک برجستہ مثال خود بادشاہ سے صدائے آفرین ولغرۂ تحسین بلند کرا دیتی ہے۔

حکایت رمضان المبارک میں، نماز عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں نامور علماء کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اور مذاکرۂ علمیہ کے بعد قریب افطار، یہ جلسہ برخاست ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان ہی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراء النہر کے مشہور عالم تھا اور خاقان ترکستان کے دربار میں معزز عہدہ رکھتے تھے) بقصد سفر حجاز ترکستان سے مرو میں تشریف لائے۔ ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا لیکن بڑھتے بڑھتے مناقشے کی نوبت پہنچ گئی مضمون زیر بحث یہ تھا کہ الخالق، البارئ، المصور، متحد المعنی الفاظ ہیں۔ اور یہ دعوی امام صاحب کا تھا لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر لفظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ چنانچہ آداب مناظرے کے موافق بحث ہو رہی تھی اور ہر فریق اپنے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کر رہا تھا لیکن قطعی فیصلہ نہ ہوتا تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی

---

[1] یہ پورا واقعہ تاریخوں میں بالتفصیل تحریر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منصور سامانی کی پندرہ ہزار فوج نے الپتگین کے سات سو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا لیکن الپتگین اس وقت کوہ ہندوکش کے ایک درے میں مقیم تھا۔ الپتگین نے دو سو جوان درے پر پھیلا دیئے اور پانچ سو کی پانچ صفیں بنا کر مقابلہ کیا اور میدان کارزار میں برائے نام مقابلہ کر کے قصداً درے کی جانب مع فوج کے چلا گیا منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا۔ چونکہ درہ تنگ اور عمیق تھا۔ لہٰذا بڑا حصہ فوج کا یوں ضائع ہو گیا اور جو باقی رہے اُن کو پھیل کر لڑنے کا موقعہ نہیں ملا اور الپتگین نے درے کے اوپر سے تیر اور پتھروں کی بارش شروع کر دی چنانچہ جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں تلف ہو گئی۔ خواجہ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس واقعہ سے واقف ہوگا وہ ہرگز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دے گا۔ انتخاب از نگارستان صفحہ ۱۰۱، حالات آل سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپتگین کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ خُلم اور بلخ کے درمیان جو مشہور و معروف پہاڑی درہ ہے وہاں لڑائی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی سُبکتگین نے کی تھی جو الپتگین کا نامور غلام تھا۔ سیاست نامہ باب ۲۷

تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جمے ہوئے اور وہ آفرینندہ، ہست کنندہ اور نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور مغائرت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کا قول تھا کہ عدم مفارقت مانع مغائرت نہیں ہے۔ اور سلطان بھی قاضی کا طرف دار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہو جائے۔ اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھا تھا، جب میں نے سلطان کے تیور دیکھے تو عرض کیا کہ تینوں الفاظ کے معنی میں جو فرق ہے وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مثال سب سے پہلے جس بادشاہ کے سر پہ چتر اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز[1] کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم گرمی دھوپ کا تھا اور شدت سے لو چلتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اُس وقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پہ سایہ کرلے۔ آردشیر۔ (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوئے جاتے ہیں، تب اُس نے حکم دیا کہ سپر بالائے نیزہ رکھکر ایک شخص ہم رکاب چلے پشوتن جو ایک نامور مہندس تھا اس نے خیال کیا کہ سائے کے واسطے ایک جداگانہ تجویز کی جائے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جلتا ہوا اُس نے چتر بنایا۔ اس لئے مجازاً بہمن کو باری چتر (یعنی ہست کنندہ) اور آردشیر کو مصور (یعنی نگارندہ) کہیں گے کیونکہ چتر کی خاص صورت کا خیال اسی کے دل میں پیدا ہوا اور پشوتن آفرینندہ قرار پایا۔

جب میں نے یہ مثال بیان کی تو ساری مجلس نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ اور سلطان الپ ارسلان حد سے زیادہ خوش ہو۔ اور جب مجھ پر خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ شناخت تھی کہ خواجہ علی شاداں

---

[1] ملک نیمروز، ولایت سجستان کا نام ہے۔ جس کو عام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقعہ ہے جس میں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہے دہرات کے جنوب میں، جس کو کرشاسف پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اس کا فارسی نام زریک ہے اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگ رواں کا دریا تھا۔ لہٰذا ایک زبردست بند ریگ سے بچاؤ کے لئے بنادیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو از سر نو آباد کیا اور رُسکان نام رکھا۔ جس کو عوام شکستکان کہنے لگے۔ یہی لفظ عربی میں جاکر سجستان اور فارسی میں سیستان ہو گیا ہے اور بجائے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ انتخاب از نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی۔ تفصیل کے لئے دیکھو معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲، ۳ و جلد ۶ صفحہ ۳۶۸

کو ذکر خیر سے یاد کرتا تھا۔ چنانچہ اُس وقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو۔

تیسری شرط ۳

بادشاہ کے حفظ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کر چکا ہوں۔ اب اس مسئلہ کے متعلق مختصراً بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کے فتنے جن کے اٹھنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بانی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیئے۔ اور جن لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) **بیگمات** (۲) **شاہزادے** (۳) **امیر الامراء** (۴) **باقی ملازمان**۔ ان لوگوں کی موافقت کے نتائج اور مخالف گروہ سے احتراز کے شرائط اجمالاً و تفصیلاً بکثرت ہیں۔ لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہے کہ مہات سلطنت میں اس درجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے۔ یعنی اگر کسی مقام پر چند احباب اُس کا تذکرہ کر رہے ہوں تو کوئی اُن پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہاتھ آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں۔ اور خدا اُس وقت سے بچائے کہ اپنے ہواخواہ مضرت کے درپے ہوں۔ اور دشمنوں کا عروج ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلک راستی سے پھر جائے گا تو اُس کا یہی انجام ہوگا۔ یعنی وہ احباب کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہوں گے وہ جھوٹے سمجھے جائیں گے (اور یہ زوال کی کھلی ہوئی علامت ہے) اور جو دشمن ہماری بُرائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ سچے مانے جائیں گے (اور یہ کمال کی شناخت ہوگی) غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر شہرہ ہو جاتا ہے تب دوستوں کو خیر خواہی کا بڑا موقعہ ملتا ہے۔ اور دشمنوں پر بد اندیشی کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اُصول موضوعہ پر رکھنی چاہیئے کہ حصول مقاصد میں کامیابی ہوتی جائے۔ مذکورہ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترتیب وار حسب ذیل ہے۔

رعایت بیگمات حرم ۱

عہد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگمات و خواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اُن سے کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ لیکن خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگمات سے مشورہ کرتے تھے اور بالآخر اُن کی رائے سب پر غالب ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پروردہ ہیں لہٰذا وہ بھی ان ہی اُصول کے پابند ہیں اس لئے بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضرور ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان پر قبضہ کیوں کر ہو؟ اس کا آسان طریق یہ ہے کہ محل کی خواصوں سے ملتا جُلتا رہے اور اُن کو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جس کو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملائے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو۔ اور جس کے ساتھ احسان وسلوک کیا جائے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ اس قسم کی فیاضی سے بڑے کام نکل جاتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہے۔ بلکہ اصناف اربعہ میں ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہے۔ میں آگے چل کر اسی کی صراحت کروں گا۔

جب اس گروہ پر قبضہ ہو جائے تو دیکھو کہ وہ کون سے اسباب ہیں، جس کے سبب سے ہم پر یہ مہربانیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اس کے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب تمھاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں غفلت نہ کرو کیونکہ زمانہ سابق میں اکثر ہوا ہے کہ بڑے بڑے اُمرا ایک ادنے کنیز کی فتنہ پردازیوں کے مقابلے میں عاجز آگئے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا۔ تو ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لئے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اُس کو پیش کرو۔ چنانچہ چند روز تک امرا میں مشورہ ہوتا رہا۔ آخر سب سے بڑے سردار امیر التونتاش نے ضمناً وکنایتاً خود اپنے واسطے تحریک کرائی۔ لیکن بظاہر بہ زبان سے انکار کرتا رہا۔ اور چونکہ خواجہ احمد حسن میمندی کو امیر مذکور سے ازحد محبت تھی۔ لہذا اُس نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عطائے سند میں ساعی ہوا۔ (کیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی)، لیکن سلطان کی جانب سے اس حکم کی منظوری میں سب کو تعجب تھا۔ کیونکہ التونتاش امیر الامرا کے منصب پر فائز تھا۔ لیکن خوارزم چونکہ سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اس لئے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دے کر التونتاش کو رخصت کر دیا۔

امیر التونتاش اور امام ناصرالدین گرامی (غزنین کا ایک نامور رئیس)، میں بڑی محبت تھی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصرالدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملازمت کی ازحد آرزو ہے۔ مگر میرا غزنین آنا نہیں ہو سکتا ہے لہذا بہ نظر حقوق محبت اور بقصد زیارت مقابر بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں۔ چنانچہ ناصرالدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التونتاش کی ملاقات کی آرزو تھی لہذا فوراً روانہ ہو گیا۔ امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان رکھا۔

ایک دن ناصرالدین نے امیر سے سوال کیا کہ" جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلائق تھا۔ اور وہ اعزاز بہ لحاظ مال و دولت و شہرت خوارزم کی حکومت سے" سو گنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؟ امیر التونتاش نے قسم کھاکر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جس کو میں نے آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہے۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے صرف جمیلہ قندھاری کی وجہ سے یہ حکومت اختیار کی ہے اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہاتھ میں ہے۔ مگر یقین جانیے کہ اس عرصے میں جو انتظام میں نے کیا کہ وہ اُس نے پلٹ دیا۔ لیکن جو اُس نے کیا میں اُس کو درہم برہم نہ کر سکا۔ چنانچہ اس پیچ و تاب سے دنیا مجھ پر تاریک ہو رہی تھی۔ مگر مجھ سے کوئی تدارک نہ ہو سکتا تھا اور اسی وجہ سے میں نے گوشہ گیری اختیار کرلی ہے۔ اب انشاء اللہ اُس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

یہ واقعہ تو بیگمات حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب اُن کی موافقت کے منافعے بیان کرتا ہوں جو شخص ان کا رفیق ہے وہ گویا سب سے بڑا مربی اور حامی رکھتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُسی قدر مؤثر ہوتی ہے کہ جس قدر اُس کو بادشاہ کے مزاج میں دخل و تصرف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بیگمات کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ لہٰذا ان کی حمایت کی چار دیواری ایک چلتا ہوا تعویذ، اور اُن کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم "قلعہ کی برابر ہے۔ اور صحیح نظیر اس کی ذیل کا واقعہ ہے۔

حکایت سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ تھا۔ چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ[1] **حسنک میکال** وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ "مہد چگل" (یہ خان ترکستان کی بیٹی تھی)، خواجۂ احمد کی حامی تھی۔ اس وجہ سے

---

[1] سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر ہے جس کا نام ابو علی حسن بن محمد ہے۔ مگر تاریخ میں حسنک میکال کے نام سے مشہور ہے حسنک میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات تک وزیر رہا۔ کفایت شعاری اُس کا خاص اصول تھا۔

کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیلہ قندھاری، جو تھد چگل کی ایک خواص تھی۔ اس کی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التونتاش۔ جس کو لوگ امیر سبکتگیں کا قائم مقام سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ ان ہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات سلطنت کے انصرام کے لئے غزنیں گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشمینہ کے لئے ترکستان جانے والا ہے۔ اور شروع موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئے گا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لئے بہت سے اونی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔ اور وہ غزنیں سے چند اقسام کا مال ترکستان لے جائے اور اُس کے معاوضے میں وہاں سے پشمینہ خرید کر لائے تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مخبروں نے اُسی دن خواجہ حسنک سے اطلاع کی۔ اور اُس نے التونتاش کے گوش گذار کر دیا۔ یہ خوش خبری سن کر التونتاش پھڑک اُٹھا اور خواجہ حسنک سے کہا "کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہے کہ مجھے دنیوی اُمور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جس قدر ہے وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ جھوٹی خبر ہو اور اُلٹی ندامت اٹھانا پڑے" خواجہ حسنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ راز کھُل جاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُس کا دفعیہ دشوار تھا۔

غرضکہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس نے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہدیا (اب ان دونوں کے ملنے جُلنے کا حال سُنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہے۔ اور خود بیگم سے جا کر سارا قصہ کہدیا۔

۱؎ چگل بکسر تین چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ ایں لالہ رخاں کہ اصل شاں از چگل است ؛ یارب کہ سرشت پاک شاں از چہ گل است
ترکستان کا مشہور شہر ہے یہ شہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہے۔ جہد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا۔

جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کی جائے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہے وہ بطور تحفہ وہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جائے۔ اور علاوہ اس کے چند چیزیں ایسی بھی بھیج دی جائیں کہ جو خاص بیگمات کے پہناوے سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے راستے سے یہ چیزیں راتوں رات پہنچا دی جاتیں۔ اور زبانی پیام دیا جائے کہ جب امیر التونتاش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں۔ لیکن دربار میں پہنچ کر میر قافلہ ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہد چگل کا فرستادہ ہوں۔ اور جو تحائف خواتین کے نامزد ہیں وہ معہ تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کر دے۔

المختصر خواجہ حسنک کے یقین دلانے پر التونتاش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان :۔ (التونتاش کی گفتگو سنکر) ایسا نہ ہو کہ خلاف واقع ہو۔

التونتاش :۔ نہیں! میں نے خوب اطمینان کر لیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہے۔

سلطان :۔ اس واقعہ کی سچائی کیوں کر ظاہر ہو سکتی ہے۔

التونتاش :۔ اگر فرمان عالی شرف نفاذ پائے تو تاجر معہ مال کے دربار میں حاضر کر دوں۔

سلطان :۔ بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التونتاش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لئے روانہ کیا اور وہ قافلے کو واپس لایا۔ لیکن افسر قافلے نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادہ سلطانہ ہوں اور لفافہ سربمہر پیش کیا۔ اور مقنعہ اور حمائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کرائیں۔ اُس وقت امیر التونتاش کی جماعت کو ازحد شرمندگی ہوئی۔ اور سب کے سب خوف زدہ ہو گئے اور اُن سے کوئی بات بنائے نہ بن پڑی۔ جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہد چگل بیٹر ہو گئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی "کہ برسوں کے بعد میں نے اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُس پر بھی میرے بھیجے ہوئے آدمی کو یوں خجالت اور ندامت اُٹھانا پڑے اور میری حمائل اور مقنعہ سب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی اُلٹی سیدھی باتیں سُنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

رجو اس نقشے کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بے گناہ ہیں ۔لہذا اُسے بھی یہ گوارا نہ ہوا کہ خون ناحق ہوں ۔اور سلطان سے کہدیا کہ ان لوگوں سے آئندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہوں گے۔ لہذا مجھے منظور نہیں ہے کہ میرے باعث سے یہ قتل کیے جائیں ۔غرض التونتاش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ حسنک بھی ذلیل ورسوا ہوا ۔اس پر یہ طرّہ ہوا کہ وہ تاجر بڑے تزک واحتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تم کو واضح ہوا ہوگا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار ۔۲

یہ عقل وتجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضگی پر وزیر کا نفع ونقصان موقوف ہے (خواہ اس کا ظہور کسی وقت میں ہو) ان کی ذراسی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔اور ادنےٰ تغیر مزاج سے ویسے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین ابتدا میں کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ درپردہ ان ہی پر نظر رہتی ہے ۔کیونکہ یہی ملک ومال کے وارث ہوتے ہیں اور جب کہ عامۂ خلائق میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے۔

اس گروہ کی محافظت کا مجمل قاعدہ یہ ہے اور احتیاط اور دوراندیشی کا مقتضا بھی یہی ہے کہ سب چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتا رہے ۔بلکہ چھوٹوں کی کچھ اور ہی خاصیتیں ہیں ۔کیونکہ بادشاہ ان کی خاطر داری کو عین محبت سمجھتا ہے اور کسی قسم کے خوف اور اُمید کا خیال نہیں کرتا ہے (خصوصًا وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لاڈلا اور منظور نظر معلوم ہو)

بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نہ کرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جائیں۔ یہ کم سن بچے کیوں کر رضامند رکھے جائیں۔اس کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے ؛ بلکہ جیسا زمانے کا چلن ہو اُس کی پیروی کی جائے ۔البتہ جو شاہزادے بڑے ہوں اُن کے حصول مقصد میں جہاں تک ممکن ہو کوتاہی نہ کرنا چاہیے ۔جس چیز کی انھیں ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جائے ۔اگر کُل نہ ہو سکے تو جزو ہی سہی ۔اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں مضائقہ کیا جاتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ لیکن دوسری صورت بہت مفید ہے کیونکہ اول میں گو فوائد ہیں مگر بُرائیاں بھی ہیں۔ بخلاف دوسری صورت کے؛

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہے کہ جو نوکر منہ لگے ہوں اور جن کی باتیں بقدر اُن کے اعزاز کے سُنی جاتی ہوں اُن کو اپنی فیاضیوں سے خوش رکھا جائے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجبات ملال سے الگ تھلگ رہے۔

حکایت سلطان محمود غزنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن[1] اگرچہ اس حسن و ملال کو پورے طور سے دفع نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اُس کی حسن سعی سے زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ مگر باوجود اس کے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضامندی کا خیال نہ رہتا ہو جب خواجہ معزول ہو گیا۔ تو اس کی جگہ حسنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض ناتجربہ کار تھا اور اُس کو یہ بھی غرور تھا کہ میں سلطان کا طرف دار ہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا۔ مگر مدتوں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی ولیعہدی پر یہ راز کُھل گیا۔

مدعائے بیان یہ ہے کہ حسنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت والوں کا

---

[1] سلسلہ وزرا اسلام میں احمد بن حسن میمندی بھی نہایت نامور وزیر گذرا ہے۔ سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ خواجہ احمد ابتدا سے شاہزادہ مسعود کا طرف دار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی ولیعہدی ہوتی تو عام طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دراصل خواجہ، شاہزادہ محمد کا بدخواہ ہے۔ اس لئے امیر التونتاش، علی خویشاوند، اور حسنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرادیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہو گیا۔ مگر حمایت مہد چگل سے خواجہ کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کالنجر میں قید کر دیا گیا۔ اور حسنک میکال وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن باکمال وزرا میں ہے۔ جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہے ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کردیئے، جس سے مسعود رنجیدہ ہوگیا۔ انھیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی۔ شہزادے نے اپنی مجلس میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ نہایت تیز اور جوہر دار ہے اور لوہے کو کاٹ جاتی ہے جب درباری رخصت ہوگئے اور چند مصاحب رہ گئے تو اُن سے پوچھا کہ یہ تلوار کس لائق ہے؟ کسی نے کہا کہ جہاد کے لئے، کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پر دار کے لئے موزوں ہے۔

غرضکہ ہر ایک نے ایک بات کہی شاہزادے نے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ صبح کو کمر سے باندھوں اور جب حسنک سلام کے لئے حاضر ہو تو اُس کے سر پر ایسا ہاتھ لگاؤں کہ سینے تک کاٹتی ہوئی چلی جائے۔ سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے رہے۔ اور اس پر پورے طور سے آمادہ ہوگیا لیکن ہم نشینوں نے بمنت عرض کیا۔ کہ اس قتل سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اور معلوم نہیں کہ سلطان کس درجہ برہم ہوں۔ لہٰذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو اُس نے کہا کہ خدا نے بڑا فضل کیا۔ اور خیر ہوگئی۔ کیونکہ عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہوچکی تھی جسم میں آدھی جان باقی تھی وہ خواجہ حسنک کے نذر ہوجاتی۔ غرضکہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد تخت وتاج کا مالک ہوکر بمقام غزنیں سریر آرائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت مسعود اصفہان میں تھا۔ فوراً آیا اور بھائی سے آمادہ پیکار ہوگیا۔

سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لئے زیادہ موزوں سمجھا۔ اس لئے شہزادہ محمد کو خود ہی گرفتار کرکے ایک قلعہ میں قید کردیا۔ اور ہرات تک مسعود کے استقبال کے لئے گئے۔ اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حسنک میکال جیسے ہی گھوڑے سے اُترا طرف داران مسعود نے اس کو سولی پر چڑھا دیا اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کردیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑھ گیا۔

خواجہ اکثر کہا کرتا تھا کہ الحمدللہ میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور دشمنوں کو غم سے گھلنے کا موقعہ ملا۔

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہے کہ شہزادوں کی مہربانی کا ثمرہ اور اُن کے قہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہے۔ گو کتنا ہی

زمانہ گذر جائے۔

۲- امیروں کی خاطر تواضع

جس زمانے سے سلطنت کی بنیاد پڑی اُس وقت سے یزدگرد کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزرا کیا کرتے تھے۔ اور صرف وزیر دوسرا بادشاہ یا اُس کا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو انھیں میں محدود رہتا تھا۔ لیکن سلاطین تُرک کے عہد میں امور سلطنت کے دو حصّے ہو گئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد ہے وہ اُمرا کہلاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد ہے وہ وزرا کہلاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اصُول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تمامیٔ اُمور سلطنت میں وزرا عجم کا پیرو تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا، **علی خویشاوند، ارسلان حاجب** اور **سبکتگین حاجب** کو جو امیر کبیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خویشاوند نے جو ان میں سب سے بالاتر تھا، عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں۔ تدبیر مملکت کیا جانیں ؛ اگر حکم ہو تو دہکتی ہوئی آگ میں گر پڑیں، بہتے دریا میں کود پڑیں، ہوا میں گرہ لگا دیں۔ پہاڑ کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن سفر کے معاملے میں حضور خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُس کا کام ہے۔ باوجود اس وقار کے اُمرا کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اُمرا کی اعزاز و تکریم میں بقدر اُن کے مراتب کے کوتاہی نہ کی جائے۔ گو بادشاہ وقت کی عنایت بھی شامل حال ہو۔ تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرتا رہے۔

یہ آداب وزارت میں داخل نہیں ہے کہ دربار شاہی کے سوا وزیر کہیں اور جائے۔ لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی مہم سلطانی کا حیلہ کر کے کسی امیر کے گھر جانا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہاں تک ممکن ہو سارے حالات سے واقفیت پیدا کرے۔ لیکن اُمرا کے جمع خرچ کے جو ذریعے ہوں اُن کی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جائے۔

تیسرے یہ کہ سب کے سامنے اُمرا کے قصور نہ بیان کئے جائیں۔ اور خدا نخواستہ اگر ضرورت آ پڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے۔ بلکہ خوش نما پیرائے میں بہ لطائف الحیل کہہ گذرے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

جو بڑے درجے کے امیر ہوں اُن کو اعلےٰ خدمتیں برابر دی جائیں۔ اور فائدوں کے دروازے اُن پر بند نہ کئے جائیں۔ اور جہاں تک ہو سکے اُن سے نہ اُلجھے۔ اور اگر اتفاقیہ کوئی اُن میں سے مقابلے پر آجائے تو بجائے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جائے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہے کہ بلا سبب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ اُن کی خرابی کے درپے ہو، خصوصًا ایسے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم پلہ ہو۔

جس کو خدا نے عظمت وعزت دے رکھی ہے اُس کی ہر ادا سے شائستگی ٹپکتی ہے۔ اور کبھی ایسوں سے عداوت پھلتی نہیں ہے اور تجربہ ہو چکا ہے کہ خود محرکِ عداوت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اور فریق مخالف دولت سعادت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ جس کی ٹھیک نظیر داشلیم ہندی کا واقعہ ہے۔

حکایت سومنات[1] کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر افراط نادر و نایاب اشیا کے لوازحِ سومنات

[1] سومنات: جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاواڑ) کے جنوبی کنارے پر سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو سومنات دیوتا کے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی مورت ایک عالی شان قلعے کے اندر تھی۔ جس کا ایک ایک برج سر بفلک تھا۔ اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدم بوسی کیا کرتی تھیں۔ عہدِ قدیم میں سومنات دیوتا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرتھ تھا۔ چندر گرہن اور سورج گرہن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے اور عقیدت مند راجاؤں نے دو ہزار گاؤں اخراجات کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ دو ہزار پانڈے اور پانسو ناچنے والے اور تین سو بھجن گانے والے مستقل طور پر ملازم تھے۔ دیوتا کا ہر روز تازہ گنگا جل سے اشنان ہوتا تھا (گنگا اس مقام سے چھ سو کوس کے فاصلے پر ہے) جس مقام پر سومنات کا مجسمہ (استیچو) نصب تھا۔ قلعہ کا وہ حصہ تمام عمارت کی جان تھا یعنی چھپن ستونوں پر بیضۂ عنقا کی طرح گنبدی چھت دھری ہوئی تھی۔ اور ہر ستون ایک ڈال سنگِ مرمر کا تراشا ہوا تھا۔ اور از سرتاپا جواہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گل کاری چین کے نقش ونگار مٹاتی تھی اور کندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی۔ وسط میں ایک طلائی زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ دن رات دھڑ دھڑ جلتا تھا۔ اور خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا جس کی قسمت میں محمود کے حملے سے گل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے دیوتا کھڑے تھے جن کا قد پورے پانچ گز کا تھا۔ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ اور جس طلائی زنجیر میں گھنٹہ لٹکتا تھا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ محمود کا یہ (باقی در صفحہ آئندہ)

میں سونے کی کانیں کثیں اور سراندیپ جو تمام ہندوستان میں یاقوت کا معدن تھا وہ سومنات کی قسمت میں تھا۔

ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جو بڑی لڑائیوں کے بعد قبضے میں آیا ہے اُس کو چھوڑ کر سومنات کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا عزم کیا۔ لیکن اُن سے پوچھا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جائے؟

سب نے کہا کہ غیر قوم کی حکومت کو استحکام نہ ہوگا۔ لہذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز پر مشورہ ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حسب و نسب کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی دابشلیم کی برابری نہیں کر سکتا ہے۔ اور ابھی ایک شخص ان میں موجود ہے۔ جو برہمنوں کے طریقے سے حکمت وریاضت میں مشغول ہے اور وہی یہاں کا راجہ ہو سکتا ہے۔ اس رائے سے بعضوں نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بداخلاق ہے اور غضب الٰہی میں مبتلا ہے۔ اُس کی گوشہ نشینی حقیقتاً نہیں ہے۔ بلکہ چند مرتبہ وہ بھائیوں کے ہاتھ میں گرفتار رہا اور اُن سے جان کی پناہ مانگ کر ایک جگہ بیٹھ رہا ہے۔ لیکن اس خاندان میں ایک شخص اور بھی ہے جو بڑا عاقل اور عالم بھی ہے۔ اور برہمن اُس کی حکمت کے معتقد ہیں۔ اور ایک حصہ ملک پر اُس کی حکومت بھی ہے۔ اگر سلطان کی طرف سے سند حکومت اس شخص کو دی جائے تو وہ ملک کو آباد رکھے گا اور چونکہ قول کا سچا اور عہد کا پورا ہے۔ لہذا جس قدر سالانہ خراج طے پائے گا وہ باوجود بُعد مسافت کے ہر سال غزنیں بھیجتا رہے گا۔ سلطان نے فرمایا "اگر وہ حضور میں آکر استدعا کرتا تو اُس کی درخواست قبول کی جاتی۔ لیکن جس نے اپنی خیرخواہی کا اظہار نہ کیا ہو، اور ہندوستان جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اُس کو اتنی بڑی سلطنت کیسے دی جا سکتی ہے۔

القصہ دابشلیم مرتاض طلب ہوا اور سومنات کی حکومت اُس کی سپرد کر کے خراج ٹھہرا لیا گیا چنانچہ دابشلیم[۵]

بقیہ صفحہ ۳۳۸: حملہ سلاطین اسلام کے اُن مشہور واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ (انتخاب از الفنسٹن و قصص ہند آزاد)

۵ تاریخ ہندوستان میں دابشلیم کے حالات تحریر ہیں۔ یہ دابشلیم گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا۔ اور غالب یہ ہے کہ چاورا خاندان سے تھا۔

نے اقرار کیا کہ "تمام عمر اطاعت کروں گا، اور سونا، اور یاقوت اور دیگر معدنی اشیاء خزانہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا۔ لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہے جو مجھ سے انتہا درجے کی عداوت رکھتا ہے اور چند مرتبہ ہنگامۂ کارزار بھی گرم ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سلطان کی واپسی کی جب اُس کو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض بے سروسامانی کی ہے میں مغلوب ہو جاؤں گا اور وہ کل ملک پر غالب ہو جائے گا۔ اس لئے حضور عالی اس طرف کوچ فرمائیں اور اُس کے شر کو دفع کردیں تو کابلستان، زابلستان اور خراسان کے برابر سالانہ خراج، خزانے میں بھیجتا رہوں گا۔ (اور یہ وہی شخص ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور جس کی بابت لوگوں نے کہا تھا کہ والشلیم مرتاض سے زیادہ مستحق ہے) سلطان نے ارشاد فرمایا کہ " میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہو چکے ہیں کہ غزنین پہنچنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ گو چھ مہینے اور گذر جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ مہم پر روانہ ہو گیا۔ اُس ملک کے لوگوں نے والشلیم سے کہا کہ تو نے بُرا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک کی خدا نے جس کو معزز کیا ہے وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذلیل نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہدیا۔ اگرچہ سلطان بھی متردد تھا۔ لیکن چونکہ سامان سفر کر چکا تھا اس لئے نقض سفر پر رضامند نہ ہوا۔ اور اُس ملک کو فتح کر کے راجہ کو گرفتار کیا اور والشلیم مرتاض کے سپرد کر دیا۔ والشلیم نے کہا کہ " ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہے اور تمام فوج اُس بادشاہ سے مخالف ہو جاتی ہے جو بادشاہ کے قتل کا فتویٰ دے۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہے کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اپنے ملک میں لاکر اُس جگہ جہاں تخت شاہی ہوتا ہے ایک سرداب بناتے ہیں اور اُس کو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ مگر ایک جھروکا اتنا بڑا رکھا جاتا ہے جس سے ہر روز کھانے کا تھال جا سکے۔ اور یہ قیدی اُس وقت تک حوالات میں رہتا ہے کہ جب تک اُس کا فاتح حکمراں رہے۔ چونکہ مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اس کو اس طرح قید رکھوں۔ اس لئے اگر سلطان اپنے ہمراہ غزنین لے جائیں تو مناسب ہے۔ جب ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے اُس وقت سلطان کو اختیار ہے کہ میرے پاس بھیج دے۔ تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جائے۔"

سلطان نے منظور کیا۔ اور غزنیں کو روانہ ہوگیا۔ داشلیم سومنات کے تخت پر بیٹھا۔ اور سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجتا رہا۔ اور ارکان سلطنت کو بھی انواع نفائس، اور تحفہ تحائف سے رضامند رکھا۔ جب ملک پر اقتدار ہوگیا تب اپنے دشمن کو طلب کیا۔ لیکن سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا۔ اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جائے۔ لیکن چونکہ ارکان سلطنت داشلیم سے ملے ہوتے تھے سب نے بالاتفاق کہا۔ سلطان کے واسطے ایفائے وعدہ ضرور ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہے۔ اور ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غرضکہ قیدی داشلیم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور سرحدی راجاؤں کے نام بغرض انتظام پروانے جاری کر دیتے گئے کہ قیدی کو سرحد سومنات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قید خانہ بنانے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ جب دشمن ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لوٹا اور تھالی اُس کے سر پر رکھکر گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اس کے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور دشمن قید میں بھیج دیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے داشلیم بھی شہر کے باہر نکلا۔ لیکن چونکہ قیدی کے آنے میں وقفہ تھا داشلیم شکار کے شوق میں آگے بڑھ گیا۔ مگر دھوپ کی شدت سے ایک درخت کے سایے میں سو رہا اور سرخ رومال منہ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری جانور ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنجے سخت ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اُڑ رہا تھا۔۔ سُرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر ہوا سے اُترا اور زور سے منہ پر چنگل مارا جس کے صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہوگیا۔ اتنے میں قیدی بھی آپہنچا۔ مگر چونکہ داشلیم اندھا ہوچکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق حکومت نہ تھا۔ سب نے اس کی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے اُن کو سزا دیدی گئی اور وہ رسم بدخود اس بدنصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہے وہ دشمن کی سعی سے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقیہ کوئی قصور اُس سے ہوجاتا ہے تو آخر میں خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اُس کی عزت کے درجے کو دو چند کر دیتی ہے۔ اور جو اُس کی بُرائی کے درپے

ہوتا ہے وہ خدا کے غضب میں پڑ جاتا ہے۔

رعایت ملازمان شاہی۔۴

ندیم مجلس سلطانی اور اصحاب سیف وقلم بھی رعایت کے مستحق ہیں۔ مگر فرقہ اول خاص کر ہے۔ جو لوگ حضور رس ہیں اور جن کو شرف گفتگو حاصل ہوتا ہے۔ اُن کی خاطر مطابق پیمانۂ التفات شاہی کرنا چاہیے۔ اور مقتضائے تدبیر یہ ہے کہ یہ رعایتیں علانیہ نہ ہوں، بلکہ چپ چاپ، اور جہاں تک ہوسکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کی جائے۔ اور اس گروہ کی کمی مرتبہ واقتدار پر نہ جانا چاہیے۔ بلکہ محض ان کے آنے جانے اور گفت وشنید کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیے۔ گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عداوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ تو ہوسکتا ہے کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جائے۔ مثلاً یہ کہ جو اپنا مددگار ہے وہ بدخواہ ہو جاتے یا یہ کہ وہ شخص اپنی درجے سے اعلےٰ پر ترقی کر جائے۔ بہرحال یہ تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ اور توہمات کا علاج عقلاً واجب ہے اور وہ بھی اس قاعدۂ کلیہ پر منتہی ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیے اور وہ کیا ہیں؟ آگ، بیماری، دشمن، یہ ممکن ہے کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہے۔ یا بیماری کا مادہ کہ ابتدا میں کم ہو۔ مگر انتہا پر وہی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔ یہی حال دشمن کا ہے کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہے مگر انجام کار قوی اور زبردست ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُس کے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیے۔ اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہے اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھکر فوراً تدارک کرے گا تو اُس کا دفعیہ ہو جائے گا ورنہ غفلت سے اُس کی نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

حکایت

فضل بن ربیع، ایک دن ابوالحسن معبّر (ابن سیرین کا نواسہ تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف جھپٹا اور لپٹ گیا۔ میں نے بھی ساری قوت سے اُس کا مقابلہ کیا اور آخر اُسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دُبلا پتلا آدمی مقابلے کو اُٹھا۔ میں نے اُس کی لاغری دیکھکر خیال کیا کہ جب میں نے ایسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہے اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہاتھ ملاتے ہی اُس نے مجھ کو ایسی ٹنگنی دی کہ مرتے مرتے بچ گیا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ ابوالحسن نے فرمایا کہ "یہ تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے

آیا۔ پہلے شخص کو تو نے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہوگیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھکر اس کے دفعیہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اس نے تجھ کو قریب المرگ کر دیا۔ اور ٹھیک یہی مثال دشمن کی ہے۔

رعایت اہل سیف وقلم۔ ۵ جو تلوار کے مالک ہیں اُن کو امور وزارت کے اصلاح وفساد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکر گذار ہو جاتے ہیں لیکن خاطر ومدارات میں ارباب قلم کو میں مقدم اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور تاکیداً پھر کہتا ہوں کہ تخت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور مسند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ مہات سلطنت کے مدارج کا کاتبوں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اس کے سپرد کر دو اور اپنی طرف سے ناامید نہ کرو اور نہ اُمیدواروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میل جول اور نشست برخاست سے اکثر فساد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت یہ مشہور واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرجمہر سے ایک خاص وقت میں کچھ اسرار سلطنت بیان کئے تھے جس کو دوسرے وقت لوگوں نے بجنسہٖ آکر دہرا دیا۔ بلکہ چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرجمہر سے ہوتی تھی وہ بجنسہٖ نوشیرواں تک پہنچ جاتی تھی اس لئے نوشیرواں کو نہایت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرجمہر سلطنت کا رازدار ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ وہ ایسے راز فاش کر دے۔

اس لئے خود بزرجمہر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرجمہر نے بڑی غور وفکر کے بعد کہا کہ "حاشا! اس معاملہ میں میری زبان بھی ہمراز نہیں ہے مگر ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ دربار میں ان دنوں ارباب ذکاوت وفراست کا جمگھٹا ہے جس وقت حضور میں میری طلبی ہوتی ہے، تو یہ سب مل کر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں غلبہ آرا سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ مخفی اُمور طشت از بام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جائے چنانچہ اس کارروائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیے کہ جن کے چہروں سے حسن اعتقادی اور محبت جھلکتی ہو وہ خلعتِ خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو اُس سے یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ وزیر کو کس شخص سے خاص محبت ہے یا کس پر اعتبار ہے۔ لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔ جن لوگوں سے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دو گروہ ہیں۔

ایک تو وہ ہے کہ جن کو بادشاہ اور ارکان سلطنت کے نزدیک وقعت اور اعزاز حاصل ہے۔ اور دوسرا برعکس اس کے۔

طبقہ اول سے وزیر کو اعزاز و اکرام برتنا چاہیے۔ لیکن نہ اس قدر کہ لوگ بزدلی اور خوف پر محمول کریں اور اظہار عداوت سے جہاں تک ہو سکے بچتا رہے۔ اور اُن کو ہمیشہ کاموں میں لگائے رکھے۔ اور بعد عطائے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیان حضرت سے کرتا رہے تا کہ خوش اعتقادی جاتی رہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا نہ کرے۔ کیونکہ عقلاً و مذہباً یہ بُری عادت ہے۔ اور اس کا مرتکب دین و دنیا میں قابل ملامت اور موجب نفرت ہے۔

حکایت ناصر میکال کو غزنیں جاتے ہوئے بمقام کمیاباد۔ معلوم نہیں کس نے قتل کروایا۔ جب یہ خبر غزنیں پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قتل خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہے۔ کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا۔ دانشمند حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُس نے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ "دنیا کبھی اہل استحقاق سے خالی نہ ہو گی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے آپ کامیابی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ کوئی قابل آدمی موجود نہ تھا اس وجہ سے اضطراری حالت میں آپ کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ بلکہ دراصل کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے، بلکہ اگر کسی شخص کو معرض ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہ ہوتا ہم اُس کے قتل پر رضامند نہ ہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور ہرگز خون ناحق پر راضی نہ ہونا چاہیے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کیا جائے۔ گو وہ کیسے ہی اور کتنے ہی معقول طریقے پر بیان کریں۔

تم کو معلوم ہے! (خطاب بفرزند) کہ سلطان الپ ارسلان نے کندری پر غضبناک ہو کر اُس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اُس کی خیانت اور خباثت کا پورے طور پر امتحان ہو چکا تھا۔ اور اُس کی دلیری

اور سیہ کاری کی پورے طور پر خبریں پہنچ رہی تھیں، اور امیرالمومنین بھی ناراض تھے۔ اور دارالخلافہ کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جائے۔ سلطان کو میں اس فعل سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر میں نے منع نہیں کیا۔ اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جس دن یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ منہ کا نوالہ کڑوا ہو جاتا ہے اور رات کو نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق تاکیداً تم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جس کا اب تک میں نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے۔

حکایت کندری کے قتل کے ایک سال بعد میں نے خواب دیکھا کہ گویا اُس کو قید خانے (جیل) کی طرف کشاں کشاں لئے جاتے ہیں اور میں بھی رسن در گردن اُس کے پیچھے چلا جا رہا ہوں۔ پھر ہم دونوں کو ایک ہی حیثیت سے نکال کر مقتل لے گئے۔ کندری کے سارے رشتہ دار تلواریں سونت کر مجھ پر بڑھے، لیکن یہ ہولناک منظر دیکھتے ہی میں چیخ اٹھا اور آنکھ کھل گئی۔ مگر پھر بہت جلد بیہوش ہو گیا۔ غرض کہ اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کی گئی۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

طبقہ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور اُن کو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقعہ پر ایسے لوگ جمع ہو جائیں تو اُن کو باہم لڑا دینا چاہیے اور پھر اُن کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دینا چاہیے تاہم یہ ایسا گروہ ہے کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی چھوٹی سی خدمت دیدی جائے اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور میری رائے میں یہ برتاؤ سب سے بہتر ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلاں کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گذری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں اول سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ "اگر یہ تحریر سچی ہے تو اپنی عادت و سیرت کو بدل ڈالو تاکہ پھر ایسی شکایت نہ ہو۔ اور اگر

---

[1] خواجہ نظام الملک کے دامن پر وزیر ابو نصر محمد عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ ہے۔ اور اس کا کوئی مورخ نہیں دھو سکتا ہے! اور اس کی تمام سوانح عمری میں صرف یہی ایک داغ نظر آتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۷۰ حصہ اول کتاب ہذا۔

جھوٹ ہے تو اُن لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ افترا پردازی کی اُن کو فرصت نہ ملے، اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں۔ میں اٹھا اور دُعائیں دیتا ہوا باہر نکل آیا اور سلطان کی نصیحت کے مطابق اُن کو برسرکار کردیا۔ پھر اُن سے ایسی ہذیان سرائی ظہور میں نہ آئی۔

ارباب سیف وقلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزرا، سلف کے اخبار وآثار سے بطریق امثال ونظائر بیان کرچکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامۂ خلائق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامۂ خلائق سے رعایت کرنا ہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ دین ودنیا دونوں میں اس کے فوائد وثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ۔ اوامر الٰہی (خدا کے احکام) کی تعظیم کے بعد، حسنات کے جو درجے ہیں اُن میں سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے، وہ اسی کا ضمیمہ ہے۔ جس طرح طبیب مشفق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہے اور جو طریقہ مریض کے سود وبہبود کا ہوتا ہے۔ اُسی پر توجہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حق سے علیحدہ ہوجائے۔ اسی طرح خلائق کی مہات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر وباطن میں سب اُس کے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزرا (جَعَلَ اللّٰهُ سَعْيَهُمْ مَشْكُوْرًا) کا یہ چلن تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو مرحمت وشفقت کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے جس کی برکت سے رعایا امن وچین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور خود ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔

حکایت جس زمانے میں سلطان الپ ارسلان، روم کی مہم پر جانے والا تھا اس وقت ضرورتاً رعایا سے بطریق استمداد، خراج پیشگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دور تھا۔ اس وجہ سے لوگ پریشان تھے۔ اور مرو میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے۔ چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا۔ سلطان نے کہا کہ موت تو ایک بلا ہے بے درماں ہے نہ اُس کو مال فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ سلطنت وسپاہ سے کام نکل سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "اگر کچھ تدارک ہوسکتا ہے تو وہ صرف عدل ومرحمت ہے۔ اور قدیم تاریخ میں میں نے پڑھا ہے۔ کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کرکے اطلاع کی جائے کہ کس قدر ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشا کیا ہے؟ مگر وزرائے سلطنت نے باحتیاط تحقیقات کرکے خزانے کی

کیفیت سے مطلع کردیا۔ چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیانِ دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے یا کسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا سفر پیش آئے تو اُس کے واسطے یہ خزانہ کافی ہے۔ لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائے گا۔ اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز وضعیف سمجھا جائے گا۔ تمام رعایا اسباب معاش کے مہیا کرتی ہے اور سلطنت کو بڑا حصہ اپنے مال کا دیتی ہے لہٰذا ہر شخص زراعت وتجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے۔ اور جاگیر خالصہ میں میں بھی یہی کروں گا۔ اور فرمان جاری کردیا کہ باج وخراج یک قلم اٹھا دیا گیا ہے۔ اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ زبردست سے زبردست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی آبادی اس مدت میں کہاں تک ترقی کر گئی ہوگی۔

یہ حکایت سُن کر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کردیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کردی گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہے جس کی برکت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی۔ اور خود اپنی ذات کے واسطے بھی دعائے خیر کا ذخیرہ کرتے رہے۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی مہتم بالشان یادگاروں میں سے ایک فارسی شاعری بھی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں، کہ فارسی شاعری نے اس زمانہ میں جنم لیا ہو اور اس عہد کے پہلے شاعری کا وجود نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں شعرا پھیلے پڑے تھے اور اُن کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن عربوں کی فتوحات کے بعد نظم فارسی کا دفتر ابتر ہو گیا اور سیلاب فنا اُن کو بہا کر خدا جانے کہاں لے گیا؟ کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعرا کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ[۱] بھی نمونے کے طور پر پیش نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس[۲] مروزی نے فصحائے عرب کے سامنے سب سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مدح میں لکھکر فارسی کی مُردہ شاعری میں جان ڈال دی۔ اور پھر اُسی بنیاد پر آنے والی نسلوں نے نہایت رفیع الشان عمارتیں بنائیں۔

مامون الرشید کی تخت نشینی (۱۹۸ھ - ۸۱۳ء) سے اگرچہ فارسی شاعری کی دوبارہ بنیاد قائم ہوئی اور پھر ہر صدی میں ترقی ہوتی گئی لیکن شاہان سامانیہ[۳] اور غزنویہ[۴] کی سرپرستی اور علمی فیاضی نے فارسی

---

۳ شعراء آل سامان: اُستاد ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی[۱]، ابوالعباس[۲] بن عباس رازی، ابوالمثل[۳] بخاری (باقی آئندہ)

۱ قدیم فارسی کا لٹریچر اس زمانے میں اس قدر ناپید ہو گیا ہے کہ آج اُس زمانے کی دو سطریں بھی نہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی تجسس اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ حال میں مسٹر مارگلٹ نے جو اکسفورڈ کے پروفیسر ہیں۔ قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو اُن کو سُریانی خط میں دستیاب ہوتے ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ان اشعار کی تفسیر اور شرح بھی لکھی ہے "الندوہ نمبر ۶ جلد اول ۱۳۲۲ھ" ۲ عباس مروزی کے حالات کے لئے تذکرۃ مجمع الفصحا دیکھنا چاہیئے۔ جو قصیدہ اس نے مامون الرشید کی مدح میں لکھا ہے۔ اُس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین | گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین

مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را | دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین

کس بدیں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت | مر زبانِ پارسی راہست بایں نوع بین

شاعری کو بے انتہا وسعت دی۔ اور صرف اس عہد میں جس قدر فارسی علم ادب مرتب ہوا ہے اگر اُس کی تاریخ لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے لیکن جب یہ خاندان برباد ہو گئے اور آل سلجوق کی حکومت کا دورہ آیا تو اُس وقت بھی فارسی شاعری خوب پھلی پھولی۔ کیونکہ سلاجقہ عموماً شعر و سخن کے دل دادہ تھے۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلاں سلجوقی جو بحیثیت ایک فوجی افسر کے حکمرانی کرتے تھے اُن کے دربار میں بھی عمادی شہریاری، اور عیہری غزنوی جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے جس طرح ان بادشاہوں کے جود و کرم نے علوم و فنون کو پھیلایا اور شعراء کو دولت سے مالا مال کر دیا۔ اسی طرح اس گروہ نے بھی اپنے پاکیزہ کلام سے ان کو بقائے دوام کی سند دی۔ شریف مجدی گرگانی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

که ماند از آل ساماں آل ساماں   ازاں چندیں نعیم جاودانی

لواتے باربد ماندست و دستاں   ثنائے رودکی ماندست و مدحش

الپ ارسلاں کے بعد جب جلال الدین ملکشاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی، برہانی، کافی ہمدانی، ابوالمعالی نحاس، اور امیر الشعراء معزی اور لامعی وغیرہ تشریف لائے اور قصیدہ خوانی کے بعد دربار وزارت میں حاضر ہوتے۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ مدحیہ قصائد سننا چاہتا تھا، لیکن وزیر ہو کر یہ محال تھا کہ دربار میں فقہا، صوفیہ، محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعراء دروازہ پر کھڑے رہیں۔ چنانچہ اُسی اُصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف اُن شعراء کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں جن کو خواجہ سے خصوصیت تھی اور اُن کے کلام کا محض وہ حصہ نذر ناظرین کیا جاتا ہے جس کا تعلق خواجہ سے ہے۔

(۱) امیر معزی

یہ نامور شاعر عبدالملک بُرہانی سمرقندی کا بیٹا تھا، اصلی نام محمد تھا۔ برہانی چونکہ خود صاحب

بقیہ صفحہ ۳۴۸ = ابو اسحاق جوئباری، ابوالحسن و اخبازی نیشاپوری، ابوالحسن الکسائی ۔ شعراء غزنویہ۔ عنصری، عسجدی، فرخی، فردوسی، بہرامی، زینتی۔ بزرجمہر، قائنی، منظفر، خشوری، منوچہری، مسعودی، غضائری، ابوحنیفہ اسکاف، راشدی، ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان، محمد ناصر، شاہ ابورجا، احمد خلف، عثمان مختاری، سنائی۔

فضل و کمال تھا۔ اس لئے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم و فنون کے لئے خراسان بھیج دیا اور یہاں کی درس گاہوں سے بہ حیثیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی ذخیرہ حاصل کیا۔

بُرہانیؒ سلطان ابراہیم غزنوی[1] کے دربار سے متعلق تھا۔ لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد بمقام اصفہان، ملکشاہ کے حضور میں آیا اور ملازم ہوگیا۔

افسوس ہے کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہے اور ذیل کے دو مصرے اس کے نام سے تذکروں میں ملتے ہیں۔

من رفتم و فرزند من آمد خلف الصدق

اورا بخدا و بخداوند سپردم

تذکرہ نویسوں نے اس کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ "حالت نزع میں برہانی نے سلطان ملک شاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا یہ اخیر شعر ہے۔ بہرحال یہ روایت صحیح ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہے کہ قلعۂ قزوین میں جب برہانی نے انتقال کیا تو سلطان نے برہانی کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد ملک شاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب سے ممتاز ہوکر درجۂ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ چنانچہ معزی کے اس واقعہ کو ہم حسب روایت امیر معزی بیان کرتے ہیں۔

نظامی، عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ امیر معزی کا نہایت نامور شاگرد ہے وہ دوسرے مقالہؒ[2] میں لکھتا ہے کہ "ایک دن میں نے اپنی تکلیف اور مصیبت کا امیر معزی سے ذکر کیا اُنھوں نے مجھکو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت رائیگاں نہیں جاتی ہے۔ اگر ابتدا میں فروغ نہ ہو تو اخیر میں اُس کا ستارہ ضرور چمکتا ہے۔ اور اسی قسم کی نصیحت آمیز گفتگو کے بعد امیر معزی نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسب ذیل ہے:"

میرے والد امیر برہانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُن کے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا۔ اور میں ملک شاہ

---

[1] سلطان ابراہیم غزنوی نے سنہ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء سے ۴۸۱ھ/۱۰۸۹ء تک حکومت کی۔ یہ بادشاہ بڑا متقی اور عابد تھا۔ اس نے اُن تمام دعووں سے ہاتھ اُٹھالیا تھا جن کی بدولت سلجوقیوں سے روز تلوار چلتی تھی۔ ترجمہ تاریخ الفنسٹن صفحہ ۵۷۵

[2] چہار مقالہ صفحہ ۸۸ لغایت ۹۲ مطبوعہ اصفہان۔

کا شاعر مشہور ہو گیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام بھی میسر نہیں ہوا۔ اور نہ حضوری کی عزت حاصل ہوئی۔ بلکہ میں دور سے اپنے خداوند نعمت کے درشن کر لیتا تھا۔ مصارف کے لئے ایک من غلہ اور ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھا۔ مگر یہ وظیفہ خرچ کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرّہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی وقت پر نہیں ملتا تھا۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعراء سے بداعتقاد تھا اور اُس کو شعر و سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیائے کرام سے صحبت رکھتا تھا۔ غرضکہ اسی زمانہ میں ماہ صیام آگیا اور جس دن چاند نکلنے کو تھا، اُس دن میرے پاس خرچ کو بھی کچھ نہ تھا۔ اس لئے میں اپنے مہربان محسن امیر علاؤالدولہ علی بن فرامرز (شاہان عجم کی اولاد میں تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ امیر شعر دوست سلطان کا داماد اور ندیم خاص تھا اور اس اعزاز کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا چنانچہ میں نے علاؤالدولہ سے عرض کیا "(خداوند تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے) کہ جو کام باپ کرتا ہے۔ یہ کوئی ضرور نہیں ہے کہ بیٹا بھی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو میرا باپ ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور الپ ارسلان اُس کا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا تھا مجھے اُس کے کرنے میں شرم دامن گیر ہے۔ میں نے حضور کی ایک سال خدمت کی ہے اور اس وقت ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ اگر اجازت ہو تو نیشاپور چلا جاؤں۔ اور ادائے قرض کا بندوبست کروں۔" جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ "بے شک مجھ سے قصور ہو گیا ہے۔ اب آئندہ ایسا نہ ہوگا آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لئے محل سرا سے برآمد ہوں گے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! تو زمانہ کیا کروٹ بدلتا ہے۔" اور مجھے ایک سو دینار نیشاپوری دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ "اسے ماہ رمضان میں خرچ کرنا۔" چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے دردولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤالدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھکر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ "اچھے موقعہ پر آئے۔" غرض کہ جب آفتاب غروب ہو گیا، تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤالدولہ سلطان کی دائیں طرف تھا۔ سلطان ہاتھ میں ایک کمان کروھہ لئے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے، چاند پر سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤالدولہ نے مجھ سے کہا "اس واقعہ پر کچھ کہو۔" چنانچہ میں نے فوراً یہ رباعی عرض کی ؎

اے ماہ چو ابروان یارے گوئی | یا ہم چو کمان شہریارے گوئی
نعلی زدہ از زر عیارے گوئی | در گوش سپہر گوشوارے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤالدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ "جاؤ اصطبل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لے لو" مگر میں نے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کر کے میرے نوکر کے سپرد کرا دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار نیشا پوری قرار پائی) سلطان ملک شاہ تو حکم دے کر نماز مغرب کے واسطے مصلّے پر کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤالدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اس وقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام تم کو ملا ہے اب اُس صلہ کی شکر گذاری میں کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے برجستہ یہ رباعی عرض کی ؎

چوں آتش خاطر مرا شاہ بدید | از خاک مرا بر زبر ماہ کشید
چوں آب یکے ترانہ از من بشنید | چوں باد یکے مرکب خاصم بخشید

جس کو سُن کر امیر بہت خوش ہوا۔ اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ "کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑوں گا کہ وہ تمھاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور غلہ کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیج دیا جائے۔"

وزارت کا اقتدار دیکھو

سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤالدولہ! تم یہ کر سکتے ہو! کسی اور کی تو یہ جرأت نہیں ہے۔ کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے" اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس کا تخلص میرے نام پر معزی رکھو۔ (جلال الدین و معز الدین ملک شاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤالدولہ نے اُسی وقت مجھکو خواجہ معزی کہکر پکارا۔ جب سلطان نے سُنا تو فرمایا کہ نہیں اس کو امیر معزی کہو اور میں اُسی وقت درجۂ امارت پر ممتاز[1] ہو گیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایک ہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کئے گئے۔ چنانچہ عید کے بعد میں دربار سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور ندیموں میں داخل ہو گیا اور

---

[1] ایشیائی درباروں کا قاعدہ ہے کہ جس دن کوئی معزز خطاب کسی کو دیا جاتا ہے۔ اُسی دن درجہ کے مطابق جاگیر اور تمام سامان بھی مرحمت ہوتا ہے۔ تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہو سکے۔ اس قاعدہ کا عمل درآمد ہر ایشیائی سلطنت میں ہے ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا یہی آئین ہے۔

تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دورِ کامل ختم ہوگیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور
نیز حکومت چہار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا۔ جب
کہ آفتاب عالمتاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ
ایران میں نہیں ہے۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لئے تختِ[1] جمشید کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں
دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پاگئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخ
عجم میں اس جشن کا نام "نوروز[2] اکبری" ہے اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہے،
موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہے کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سنا کر خزاں اسی وقت سے
رخصت ہو جاتی ہے۔ پچھلے دور میں یزدجرد بن شہریار جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گذشتہ شاہوں
کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرہ فروردین
میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار نیا ڈالا گیا اس وجہ سے کبیسہ کا آٹھواں دور جو ماہ آبان میں ختم ہونے والا
تھا، وہ غیر مختتم رہ گیا اور بدنصیبی سے اُنیس[1] جنوری ۶۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۳۱ھ یوم
پنج شنبہ کو بمقام مرو شاہجہاں یزدجرد قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہٰذا
ایرانیوں نے ماہ ابان مذکورہ سے جس پر کبیسہ ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور
چونکہ ابان میں خمسہ مسترقہ موجود تھا اس وجہ سے منجموں نے اپنے زیچ کا حساب ابان سے شروع کیا۔
(ورنہ عام طور سے خمسہ مسترقہ کا عمل ورآمد اسفندار سے ہوتا ہے) اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا
اور آج تک چلا جاتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے ایک سو بیس[1] برس کے کبیسہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسہ
مسترقہ اس کا قائم مقام رہ گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایک[2] سو بیس برس کے برابر ہو سکتی
ہے نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے جشن نوروزی میں بھی فرق آگیا۔ اور وہ اپنے مرکز سے دُور
ہٹ گیا۔

[1] تخت جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات فائل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہیے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس
رسالے میں ہے [2] نزہت القلوب حمداللہ مستوفی صفحہ ۴۸۔ ۴۹ [3] غرہ فروردین کو بروز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور
سنہ یزدجردی کا پہلا سال بائیس ربیع الاول ۱۱ھ ہجری اور ۶۳۲ء کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجموں کے عقائد
کے مطابق دو بدفالیاں ہوئیں تو یہ کہ وہ منگل کے دن تخت نشین ہوا جو نحوست میں سنیچر کا بھائی ہے۔ دوسری (باقی در صفحہ آئندہ)

پر عمل درآمد کیا جائے گا تو ہر تینتیسویں سال پر حساب میں فرق پڑ جائے گا، آخرالامر عمر خیام کو حکم دیا

بقیہ صفحہ ۳۸۵ ۔ وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

برس حرام (اور اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو چار مہینے) کئے ہیں (اپنی گنتی سے، اُس گنتی کو مطابق کرکے اللہ کے حرام کئے ہوئے (مہینوں) کو حلال کرلیں۔ ان کی بدکرداریاں اُن کو بھلی بھلی کرکے دکھائی گئی ہیں اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (توفیق) ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام الفیل جاری تھا۔ اس سنہ میں ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے اور اس کا نام نسی تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوا کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو اور جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ نسی کا اعلان حج میں دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب، ذوقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور خوں ریزی کو حرام سمجھتے تھے یہ وہ شرعی حکم تھا کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السّلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس اگر نسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام کا کوئی مہینہ مکرر واقع ہوتا تو خطیب اعلان کردیتا تھا کہ یہ مہینہ قوم پر حلال کردیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کبھی حلال کا مہینہ حرام کردیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لئے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دو۔ علامہ فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری قرار دیں گے تو ان کا حج کبھی گرمی میں ہوگا اور کبھی جاڑے میں اور کو پسند نہ تھا۔ کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت بعیدہ طے کرکے بجز اوقات معینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اور چو قمری سال کی ترتیب ان کے دنیاوی فوائد کے منافی تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنے کاروبار کے لئے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبیسہ جا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لوند کا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جس کا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی میں چنانچہ جب قرآن شریف نازل ہوا تو دو نئی شکلیں پیدا ہوگئیں، ایک یہ کہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی، دوسرے اشہر حرم میں تفرقہ پڑ گیا حضرت ابراہیم کے عہد سے رسوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہے لیکن جب عربوں نے دنیاوی فوائد کے لئے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کو منع فرمایا اور اُن کے اس طرز عمل کو زیادہ فی الکفر قرار دیا۔ اس آیت سے شمسی سال قائم کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی ہے۔ کیونکہ کلام مجید کوئی مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہے اور اسی بنا پر فقہا نے ملک شاہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ نسائۃ کا قاعدہ مصری عربوں میں آج تک جاری

نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی تاریخ سنین و شہور صفحہ ۵۰ وضاحبۃ الطرب نوفل آفندی طرابلسی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۷ ۔۔۔ مطبوعہ مصر ۱۳۰۸

مشاہیر منجموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کی جائے۔ اور ملک شاہ کے منشا کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور سات نامور حکما کو اپنا مشیر بنایا۔ جن کے اسما گرامی حسب ذیل ہیں۔

ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی۔ محمد خازن۔ حکیم ابوالعباس لوکری۔

ـــــــــــــــ

ـلہ کشاف اصطلاحات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۵۹ مطبوعہ کلکتہ۔ مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابو العضیا کامل اور شہر زوری لکھے گئے ہیں۔

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ اسفزار سجستان کا ایک شہر ہے۔ جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابوحاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جس کا نام "میزان ارشمیدس" تھا۔ اس میں وزن کرنے سے چاندی، اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہوجاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہوگیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری خیانت کھل جائے گی، محض اس لئے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اس کے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابوحاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مرگیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ نسبۃ اللذۃ المحسنۃ الی اللذۃ العقلیہ کنسبۃ المشم الی المطعم۔ از چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکما شہرزوری۔

(۲) ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی مسکویہ ابوعلی خازن رئیس مو کا عبدالرحمٰن خازنی رومی بڑا پایا اغلام تھا۔ علوم ہندسہ میں کامل تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیچ لکھی تھی۔ جو تاریخوں میں زیج السنجری کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر عمر میں گوشہ نشین ہوگیا تھا۔ اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار سلطان سنجر نے ایک ہزار دینار (پانچ ہزار روپے) اس کے پاس بھیجے سب واپس کر دیئے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپے) ہے۔ صبح کو دو روٹیاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جادیں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے۔ گھر میں بجز ایک بلی کے اور کچھ نہ تھا۔ حکیم حسن سمرقندی اس کا نامور شاگرد ہے۔ از تاریخ ملطی وغیرہ

میموںؒ بن نجیب واسطی ۔ محمدؒ بن احمد معموری بیہقی ۔ ابوالفتحؒ ابن کوشک ۔

چنانچہ اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۴۶۷ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۰۷۵ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے ۔

سنہ جلالی ملک شاہی عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن پانچ ساعت اور انچاس دقیقہ میں طے کرتا ہے اس لئے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال پر ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر دبجائے چار کے، پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے ۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق

بقیہ صفحہ ۳۸۷ : (۳) محمد خان کے حالات نہیں معلوم ہوئے ۔

(۴) حکیم ابوالعباس لوکری ، نہر مرو پر قریب پنج دیہہ لوکر ایک مشہور قریہ ہے جو حکیم کا وطن تھا ۔ بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہے ' ابوالعباس لوکری ، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہے ۔ جو خراسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا ہے ' دولت کی طرف سے مالامال تھا ' نواح مرو میں بہت سی ذاتی جائداد بھی تھی ۔ حکیم عمر خیام ' ابن کوشک اور واسطی جو اس کے ہم عصر تھے ۔ ان میں سے کوئی بھی علوم حکمیہ میں اس کی جوڑ کا نہ تھا ۔ شاعر بھی تھا ۔ ایک دیوان یادگار ہے ۔ نہایت دقیق و بلیغ اشعار لکھتا تھا ۔ اخیر عمر میں اندھا ہو گیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علمی ترقی نہ کر سکوں گا ۔ اب دن رات اس کو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن بھنی ہوئی سری اور پائے خوب کھائے اور اسی دن شاگرد حمام میں لے گئے ۔ حمام سے آکر بستر پر گرا طبیب علاج کے لئے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہو گیا تو اس کی رضا اور اگر مر گیا تو اس کا حکم اور آخر الامر اسی علت میں فوت ہو گیا تاریخ الحکما شہرزوری ۔ (۵) میموں بن نجیب واسطی ۔ مشہور کامل حکیم اور طبیب ہے بعض کے نزدیک اس کا مولد خوز تھا ۔ اور بعض کے نزدیک واسط ۔ مگر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں رہا کرتا تھا ۔ سلاطین اور امرا کی ملاقات سے اس کو بالطبع نفرت تھی ۔ کامل ابن اثیر وغیرہ (۶) ، محمد بن احمد معموری بیہقی ریاضی کا مشہور عالم ہے ۔ جس کی کتاب مخروطات میں بے نظیر ہے ۔ ملک شاہ نے اس کو اصفہان میں رصد بندی کے واسطے بلایا تھا ۔ خیام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا ۔ سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا ۔ شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا ۔ کامل اثیر ۔ شہرزوری ۔ (۷) ابوالفتح ابن کوشک ' کان عارفا باجزاء علوم الحکمۃ ' مشہور حکیم ہے ' سلطان سنجر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی کتب خانہ میں اس کی تصنیفات تھیں ' (شہرزوری)

لہ التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا صفحہ ۲۳۰ ۔

پورے تینتیس برس میں نکل جاتا ہے۔

جب یہ مسئلہ حل ہوگیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملک شاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو زیچ[1] طیار کی اُس کا نام زیچ ملک شاہی قرار دیا۔ اور مہینوں کے نام بدستور ہی

---

[1] زیچ معرب زیگ۔ رشتۂ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات بداں معلوم شاید و نختہ کہ منجمان طالع کسی از جدا ول آں معلوم می نمایند۔ خفاجی می گوید کہ معرب زہ است (سواد السبیل)، زیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جن سے اوضاع کواکب اور خطوط طول و عرض اور مقادیر حرکات مرکز کواکب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور انھیں جدولوں سے اوج و حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم ہمیشہ زیچ کی مدد سے تیار ہوتی ہے۔ چنانچہ زیچ ملک شاہی اسی قسم کی کتاب ہے۔ اور جس کا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہے۔ اور اس کے قبل بھی حکما راسلام وغیرہ نے متعدد زیچ لکھے ہیں جن میں سے مشہور تحریہ ہیں، اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا ظاہر کرنا مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔

زیچ ابراہیم بن حبیب فزاری۔ زیچ ابن حماد اندلسی۔ زیچ ابن السمح ابوالقاسم اصبغ بن محمد غرناطی متوفی ۴۲۶ھ۔ زیچ ابن الشاطر الفاری دمشقی فلکی متوفی ۷۷۷ھ۔ زیچ ابن یونس، ابوالحسن علی بن ابوسعید عبدالرحمن منجم متوفی ۳۹۹ھ۔ زیچ ابو معشر، جعفر بن محمد بن عمر بلخی منجم متوفی ۲۷۲ھ۔ زیچ الاشنا ؤ جمال الدین ابوالقاسم بن محفوظ منجم بغدادی در عہد المقتدر باللہ عباسی، زیچ الوغ بیگ محمد بن شاہرخ۔ زیچ ایلخانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۶۷۲ھ۔ زیچ ثاون اسکندرانی۔ زیچ الجامع والسائع، کوشیار۔ زیچ حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ مروزی بغدادی در عہد مامون الرشید، زیچ السنجری، ابوالفتح عبدالرحمن خازنی۔ زیچ الصفانی، بتانی۔ زیچ الشامل، شیخ ابوالوفا محمد بن احمد بوزجانی۔ زیچ الشاہی نصیر الدین طوسی۔ زیچ شاہی، علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بعلا المنجم الخوارزمی، زیچ شمس الدین محمد بیلی خواجہ الوابکنوی۔ زیچ شمس الدین، محمد بن محمد حلبی۔ زیچ شہریار۔ زیچ الشیخ، ابوالفتح صوفی۔ زیچ العمدہ۔ زیچ العلائی، نظام اعرج۔ زیچ محمد بن ابوبکر فارسی۔ زیچ المصطلح فی کیفیۃ التعلیم والطرق الی وضع التقویم۔ محمد بن محمد فارقی محاسب۔ زیچ کوشیار بن کنان حنبلی۔ زیچ الکبیر الحاکمی، زیچ الہمدانی، حسن بن احمد یمنی متوفی ۳۳۴ھ۔ زیچ فی معانی العین، تاج الدین علی بن محمد مشہور بہ ابن الدریہم موصلی شافعی متوفی ۷۶۲ھ۔ زیچ المفرد۔ زیچ المعدل۔ زیچ المعنی۔ زیچ المفتن۔ زیچ الآفاق فی العلم الاوفاق۔ وغیرہ تفصیلی حالات کے لئے دیکھو کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۲-۱۷ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب و عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کرکے انتخاب کرے تو ایک طولانی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ ملطی، تاریخ عرب موسیو سیدیو فرانسیسی اور رضاحۃ الطرب وغیرہ میں مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھنا چاہئے۔

رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔

سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہے وہ مبارک دن جمعہ کا تھا، اور رمضان المبارک کی دسویں تاریخ اور ۴۷۱ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں داخل ہوتا تھا اُس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطۂ اعتدال ربیعی سے مطابقت دے کے سنہ جلالی کو یکم فروردین سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں آتا ہے۔ حالانکہ اُس وقت فروردین کے اٹھارہ دن گذر چکے تھے۔ مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطۂ ربیعی پر لیل و نہار کا تساوی واقع ہوا تھا۔ اور جس کا نام خیام نے نوروز سلطانی رکھا تھا۔

پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہے اور جس کو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں۔ یہ سنہ در اصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہے اور جس کو ہم فخریہ خیامی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سنہ الٰہی اکبر شاہی ہے۔ جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔

خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہیئت کا اُس وقت صحیح اندازہ ہوسکتا ہے جب سنہ جلالی کا "گری گورین[3] رول" سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں میں نکلتی ہے وہ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱۷، صفحہ ۱۱۔ حالات عمر خیام شاعر و منجم۔

[2] تقویم ابوالضیاء ترکی، ۱۳۰۱ھ صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ قسطنطنیہ۔

[3] گری گورین رول۔ گری گوری روم کے تیرھویں پوپ کا نام ہے جس نے ۱۵۸۲ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی۔ ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثناء روس اور یونان تمام یورپ میں جاری ہے۔ اور اس کے قبل جو تقویم جاری تھی اُس کو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیالیس برس پہلے منسوخ کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جس کا نام انگریزی میں جولین کلنڈر تھا لیکن امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر ہو گیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصًا ایسٹر میں بہت فرق پڑ جاتا تھا اس لئے گری گوری نے اُن نقائص کو دور کر کے اپنا کلنڈر جاری کیا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہے خیام کی تحقیقات میں جو روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر باقی رہ گئی تھی، گری گوری اُس کو مٹانا چاہتا تھا، چنانچہ چند نجوموں کی رباعی در منظومہ آئندہ

خیام نے تینتیس برس میں نکال دی تھی اور برائے نام ہر روز میں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آیندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔!!

علمائے مشرق اور مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بہ حیثیت انتظام اور صحت اور تطبیق ہیئت کے اقوام سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی مقدس تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اس وجہ سے دوام و قیام اُس کو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملک شاہ کی زندگی تک چلتا رہا۔ اور اُس کے بیٹوں ہی کے زمانے میں نسیاً منسیاً ہو گیا۔ مگر یہ واقعہ ملک شاہ اور خیام دونوں کو قیامت تک زندہ رکھے گا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اصلاح تقویم کے بعد ملک شاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکما کو

بقیہ صفحہ ۲۹۰ = مددسے اُس نے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی پورے چار عدد پر تقسیم ہو سکے اُس کا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہ ہوسکیں اُن کا فروری مہینہ ۲۸ یوم کا ہوگا۔ اور بجنسہٖ یہی قاعدہ ہر ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لئے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گورین رول" کہتے ہیں گری گورین سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے ۴۹ انچاس منٹ اور بارہ سیکنڈ کا ہے اور اس سنہ کا عمل درآمد ۱۵۸۲ء سے شروع کیا گیا ہے۔ گری گوری نے دور قمسی کے تفاوت زمانے کی اصلاح کے لئے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیتے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ ۱۵ سے تبدیل کر دیا تھا اسپین پرتگال، اٹلی، فرانس، سوئٹرلینڈ، جرمن، نیتھرلینڈ کے کیتھولک فرقوں میں گری گورین رول اسی سال جاری ہوگیا تھا، لیکن پولینڈ میں ۱۵۸۶ء ہنگری میں ۱۵۸۷ء میں پروٹسنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں ۱۷۰۰ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے عمل درآمد کیا۔ روس کے علماء ہیئت نے اب اس قاعدہ کی بھی غلطیاں نکالی ہیں اور وہ گری گورین رول کو ترمیم کر کے اپنے موجودہ شاہنشاہ کے نام سے نیا کلنڈر اجاری کرنا چاہتے ہیں، مگر ملکی رقابت سے کامیابی کی امید نہیں ہے، انتخاب از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا طبع جدید و پاپولر انسائیکلو پیڈیا طبع اول حرف جی لفظ گری گورین رول"۔

ـہ ۱۰۷۹ء میں ملک شاہ سلجوقی نے اُن تحقیقات کا حکم دیا جن سے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چھ سو برس کی "گری گوری" کی اصلاح سے بمدارج بہتر تھی۔ گری گوری کی سال میں دس ہزار برس کی مدت میں تین دن کا تفاوت ہوتا ہے برخلاف اس کے عربوں کے سال میں اسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہے۔ دیکھو تمدن عرب صفحہ ۲۲۴ و گبن امپائر جلد ۶ مطبوعہ ۱۹۰۰ء حالات ملک شاہ و تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۲۳ ـہ تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۲۲۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اُصول وقواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کرسکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُس کو عین ملک شاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیے، علاوہ اس کے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ لکھتا ہے "خیام در نوبت جہاں داری سلطان ملک شاہ بمرو آمد و در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایتہا فرمود، و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را با شد رسید۔

عمر خیّام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عُمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخر ہے ویسا ہی نیشاپور خیام پر فخر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعۂ افتخار نہیں ہے۔ بلکہ شاعری اُس کے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوئے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرز نرالا ہے خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود و ہستی کے نکات جس دل ربا طریقہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اس کا حصہ ہے۔

عام شعرا کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی۔ بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لئے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا۔ کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ بڑے بڑے مطالب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے۔ علاوہ اس کے یہ مختصر نظم خزانۂ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حکما، اور فلسفی شعرا اور

اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے۔ چنانچہ خواجۂ ابوسعید ابوالخیر، مولانا روم، ملا سحابی نجفی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں رباعیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا تمغہ خیام کو ملا ہے

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اُس شخص کا کام ہے۔ جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خیام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مختلف اندازسے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے کسی رباعی میں تلمیحات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکمار کا انتخاب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئے گی۔

(۱) متصوفین کا (کسی مذہب وملت کے ہوں) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہوسکتا ہے نہ اس کا صحیح علم ممکن ہے۔ اور یہی حال عالم کا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک راز سربستہ ہے۔

(۱)

جز حیرتم از حیات چیزے نفزود | آورد باضطرابم اول بوجود
زیں آمدن و بودن و رفتن مقصود | رفتیم باکراہ و ندانیم چہ بود

(۲)

نہ کفر، و نہ اسلام، نہ دنیا و نہ دیں | رندے دیدم نشستہ برخنگ زمیں
اندر دو جہاں کرا بود زہرۂ ایں | نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت نہ یقیں

(۳)

دیں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من | اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من | ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو

(۲) تصوف کا دوسرا اہم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی نیستان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں آوارہ وطن ہوکر پردیس میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخودم چو آشنا می کردی آخر زخودم چرا جُدا می کردی
چوں ترک منت نبود از روز نخست سرگشتہ بعالم چرا می کردی

(۵)

اے دل زغبارِ جسم اگر پاک شوی تو روح مجردی بر افلاک شوی
عرش ست نشیمن تو شرمت بادا کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے۔ بے وفا ہے۔ دھوکا باز ہے۔ ہر قدم پر رنج و غم کا سامنا ہے۔ آسودگی برائے نام ہے۔ جو شے ہے وہ غم سے خالی نہیں ہے۔

(۶)

ایں دہر کہ بود مدتے منزلِ ما نامد بجز از بلا و غم حاصلِ ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکلِ ما رفتیم و ہزار حسرت اندر دلِ ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصلِ عمر دمے است ہر ذرہ زخاک کیقبادے و جمے است
احوال جہاں و اصل ایں عمر کہ ہست خوابے و خیالے و فریبے و دمے است

(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے۔

(۸)

چوں حاصل آدمی دریں شورستاں جز خوردن غصہ نیست یا کندن جاں
خرم دلِ آں کزیں جہاں زود برفت آسودہ کسی کہ خود نیامد بجہاں

(۵) رباعیات مندرجۂ بالا (۶، ۷، ۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس افسردہ دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خیام کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہے۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اُداس مت رہو۔ بلکہ اُس کو ہنسی خوشی میں گذار دو، اور خوب دل کھول کر اور ٹوٹ کر شرابیں اُڑاؤ، اور رنج و غم کو پاس نہ آنے دو۔ قضا و قدر، جو مصیبتیں تم پر ڈالے اُن کو صبر و تحمل سے برداشت کرو۔

اور صرف یہی ایک اُصول ہے جس سے عیش وطرب کی زندگی حاصل ہوسکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چوں عہدہ نمیکند کسے فردا را — حالے خوش کن تو ایں دل شیدا را
مے نوش بنور ماہ اے ماہ، کہ ماہ — بسیار بتابد و نیابد ما را

(۱۰)

می خوردن و شاد بودن آئین منست — فارغ بودن زکفر و دیں دین منست
گفتم، بعروس دہر کابیں تو چیست — گفتا۔ دلِ خرّمِ تو کابیں منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمہات شبِ خوں آرند — فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زر نۂ اے غافل ناداں کہ ترا — در خاک نہند و باز بیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ زجام و بادہ دل شاد کنیم — وز نامدۂ و گذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے حیات زندانی را — یک لحظہ ز بندِ عقلِ آزاد کنیم

(۱۳)

تاکےٗ زغمِ زمانہ محزوں باشی — با چشم پُر آب و دل پُر خوں باشی
مےٗ نوش و بعیش کوش و خوش دل می باش — زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت — در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی ز کجا آمدۂ — مے نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیر گل بسے خواہی خفت — بے مونس و بے حریف و بے ہمدم و جفت
زنہار بکس مگو تو ایں رازِ نہفت — ہر لالۂ پژمردہ نخواہد بشگفت

—

(۱۶)

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت | از اہل بہشت گفت یا دوزخ زشت
نوتے دبنے و بادہ برلبِ کشت | ایں ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از جہان و می زی خورسند | وز نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
می برکف و زلف دلبرے گیر کہ زود | ہم بگذرد و نماند ایں روزے چند

(۱۸)

ایں قافلہ عمر عجب می گذرد | دریاب دمے کہ باطرب می گذرد
ساقی غم فردائے حریفاں چہ خوری | در دہ قدح بادہ کہ شب می گذرد

(۱۹)

روزیست خوش و ہوا نہ گرم است و نہ سرد | ابر از رخ گلزار ہمی شوید گرد
بلبل بہ زبان پہلوے با گل زرد | فریاد ہمی زند کہ مے باید خورد

(۲۰)

ماہِ رمضاں برفت و شوال آمد | ہنگام نشاط و عیش و قوال آمد
آمد گہ آنکہ خیکہا اندر دوش | گویند کہ پشت پشت حمال آمد

(۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں۔

(۲۱)

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید | کاں بیم مرا خوشتر ازاں نیم آید
جان است مرا بعاریت داد خدا | تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

(۲۲)

از آتش آخرت نمی داری باک | در آب ندامت نشدی ہرگز پاک
چوں باد اجل چراغ عمرت بکشد | ترسم کہ ترا زنگ پنذیرد خاک

تا ظن نبری کہ از جہاں می ترسم ۔۔۔ وز مُردن وارزفتن جہاں می ترسم
مردن چو حقیقت است زاں باکم نیست ۔۔۔ چوں نیک نزلیستم ازاں می ترسم

(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہے جو فقر وغنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد ۔۔۔ وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے ۔۔۔ گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(۲۵)

یک نان بدو روز گر شود حاصل مرد ۔۔۔ در کوزۂ شکستہ دمے آبِ سرد
مامور کسے دگر چرا باید بود ۔۔۔ تا خدمت چوں خودی چرا باید کرد

(۲۶)

گر دست دہد ز مغز گندم نانے ۔۔۔ از مے کدوے و گوسفندے رانے
وآنکہ من و تو نشستہ در ویرانے ۔۔۔ عیشے بود آں نہ حد ہر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہے وہ ان کی ریاکاری اور نمائش کا خوب خاکہ اڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرقع اند ایں خامے چند ۔۔۔ نا رفتہ رہ صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند ۔۔۔ بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۲۸)

پندے دہمت اگر بمن داری گوش ۔۔۔ از بہرِ خدا جامۂ تزویر مپوش
عقبیٰ ہمہ ساعتست و دنیا یک دم ۔۔۔ از بہرِ دمے ملک ابد را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنے فاحشہ گفتا مستی ۔۔۔ ہر لحظہ بدامِ دگرے پیوستی

گفتا شیخا ہر آنچہ گفتی ہستم — اما تو چنانچہ می نمائی ہستی؟

(۹) اخلاق و آداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے۔

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دلے را دریاب — در کوئے حضور مقبلے را دریاب

صد کعبۂ آب و گل بیک دل نرسد — کعبہ چہ روے برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن و دوست فعل نیکو، نیکوست — بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست

با دوست چو بد کنی شود دشمن تو — با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبتِ ابرار رسد — مپسند کہ کس راز تو آزار رسد

از مرگ میندیش و غمِ رزق مخور — کیں ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

(۳۴)

بد خواہِ کساں ہیچ بہ مقصد نہ رسد — یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد

من نیک تو خواہم تو بخواہی بد من — تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

(۳۵)

با مردم پاک اصل و عاقل آمیز — وز نا اہلاں ہزار فرسنگ گریز

گر زہر دہد ترا خرد مند بنوش — ور نوش رسد ز دست نا اہل بریز

(۳۶)

(۱۰) عشق و محبت۔

اے وائے براں دل کہ در و سوزی نیست — سودا زدۂ مہر دل افروزی نیست

روزی کہ تو بے عشق بسر خواہی برد — ضائع تر ازاں روز ترا روزی نیست

(۳۷)

پیرانہ سرم عشق تو در دام کشید — ور نہ زکجا دست من و جام نبید

آں توبہ کہ عقل واد جاناں بشکست وآں جامہ کہ صبر دوخت ایام درید

(۳۸)

عشقے کہ مجازی بود آبش نبود چوں آتش نیم مردہ تابش نبود
عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز آرام و قرار و خور و خوابش نبود

(۱۱) انقلاب ہستی

(۳۹)

ہر جا کہ گلے و لالہ زاری بودست از سُرخی خون شہریاری بودست
ہر شاخِ بنفشہ کز زمیں می رویند خالی ست کہ بر رخ نگاری بودست

(۴۰)

ایں کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است در بندِ سرِ زلفِ نگاری بودہ است
ایں دستہ کہ بر گردن وی می بینی دستیست کہ در گردن یاری بودہ است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ بر کنار جوی رُستست گوئی زلبِ فرشتہ خوی رُستست
تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی کاں سبزہ ز خاک ماہ روی رُستست

(۴۲)

خاکے کہ بزیر پائے ہر نادانیست زلف صنمے و عارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانیست انگشت وزیرے و سر سلطانیست

(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت نہ ہو۔

(۴۳)

با تو بخرابات اگر گویم راز! بہ زانکہ بہ محراب کنم بی تو نماز
اے اوّل واے آخر خلقاں ہمہ تو خواہی تو مرا بسوز خواہی بنواز

(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف و طمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسه و صومعه و دیر و کنشت — ترسنده ز دوزخ اند و جویائے بہشت
آں کس کہ ز اسرار خدا باخبر است — زیں تخم در اندرون دل ہیچ نہ کشت

(۱۴) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ طبقۂ صوفیائے کرام میں داخل ہے اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دیدینا وضع الشی فی غیر محلہ کا مصداق ہے۔ عموماً متصوفین اور شعرائے ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں، کہنا چاہیے۔ مگر علماء شریعت اُنہی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی، مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں، کیونکہ مشرقی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی اُبالی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے، لقمۂ تر کی طرح، خوش گوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر کھاتے ہیں، شراب اور اُس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہے لہٰذا اُس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیام اور اُس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

مے می خورم و مخالفاں ازچپ و راست — گویند مخور ز باد کہ دیں را اعدا ست
چوں دانستم کہ مے عدوئے دین است — واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصل گل وطرف جوئبار و لبِ کشت | با یک دو سہ اہل و لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح | آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

(۴۷)

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود | مے خوردن من بنزد او سہل بود
مے خوردن من حق بازل می دانست | گر مے نخورم علمِ خدا جہل بود

(۴۸)

در میکدہ جز بے وضو نتواں کرد | داں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردۂ مستوریٔ ما | بدریدہ خیال شدہ کہ رفو نتواں کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست وے تا کہ خورد | آنگاہ چہ مقدار، و دگر با کہ خورد
ہر گاہ کہ ایں سہ شرط شد راست بگو | پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہے، موحد ہے، رسالت کی تصدیق کرتا ہے، حشر و نشر کا قائل ہے، عذاب وثواب کو جانتا ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ خدا سے معافی کا طالب ہے، اور اس کو عالم الغیب جانتا ہے، احکام قضا و قدر کا قائل ہے۔ اور یہی اصول مذہب کے اعضائے رئیسہ ہیں، اور ان ہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہے۔

(۵۰)

بت خانہ و کعبہ خانۂ بندگیست | ناقوس زدن ترانۂ بندگیست
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب | حقا کہ ہمہ ہمہ نشانہ بندگیست

(۵۱)

گر گوہرِ طاعتت نہ سفتم ہرگز | گرد گنہ از چہرہ نہ رفتم ہرگز
با ایں ہمہ نومید نیم از کرمت | زاں روئیکہ یکے را دو نگفتم ہرگز

(۵۲)

(تصدیق رسالت)

ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات — جز روئے تو نیست در جہاں آب حیات
ازجان وجہاں وہرچہ در عالم ہست — مقصود توئی و بر محمد صلوات

(۵۳)

(حشر و نشر)

از خالق کردگار رو از رب رحیم — نومید مشو بجرم عصیان عظیم
گرمست وخراب مردہ باشی امروز — فردا بخشد براستخواں ہائے رمیم

(۵۴)

(اقرار گناہ)

من بندۂ عاصیم رضائے توکجاست — تاریک دلم نور صفائے توکجاست
ماراتو بہشت اگر بہ طاعت بخشی — ایں بیع بود لطف وعطائے توکجاست

(۵۵)

(خدا عالم الغیب ہے)

اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس — در حالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

(۵۶)

(مغفرت)

یک یک ہنرم بین وگنہ دہ دہ بخش — ہر جرم کہ رفت حسبۃ للہ بخش
ازباد ہوا۔ آتش کیں را مفروز — مارا بسر خاک رسول اللہ بخش

(۵۷)

(احکام قضا و قدر)

اے دل چو حقیقت جہاں ہست مجاز — چندیں چہ بری خواری ازیں رنج ونیاز
تن را بہ قضا سپارو باوقت بساز — کیں رفتہ قلم ز بہر تو ناید باز

رباعیات مندرجہ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہوگیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعۂ رباعیات کی سیر کرو، اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد انڈیا آفس لنڈن، نیشنل لائبریری پیرس، کتب خانہ مسٹر باڈلی آکسفورڈ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور وغیرہ کے

قدیم کتب خانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں ان میں پندرہ سے آٹھ سو
ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جُداگانہ ہے۔ جنھوں نے بہ لحاظ ابجد
ترتیب دیا ہے اُن میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے

(۵۸)

آمد سحرے ندا زمیخانہ ما — کاے رندِ خراباتی و دیوانہ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے — زاں پیش کہ پُر کنند پیمانہ ما

اکسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہے۔

گر گوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز — ور گرد رہت ز رخ نہ رفتم ہرگز
نومید نیم ز بارگاہ کرمت — زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

علی ہذا القیاس ہر ایک نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہے۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ
نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخہ مطبوعہ طہران میں صرف دو سو تیس
رباعیاں ہیں۔ انگریزی تراجم میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ پچھتر لغایت
پانچ سو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن تحقیقات سے اس وقت تک عمر
خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

رباعیات کا اثر یورپ میں ایک منجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے
شہرت ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترھویں صدی کے ابتدا
میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی میں، فردوسی اور حافظ سے بھی نام
آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خیام کے فدائیوں نے بطور دوامی یادگار
کے دارالسلطنۃ لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہے۔ جس کی سالانہ روئداد ہر سال چھپتی اور شائع
ہوتی ہے۔ اور چونکہ اخباری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہے لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں
علمی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ
سنہ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۴۶ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں
یا تو ضمناً تذکرہ ہے یا صرف، ونحو، عروض و قافیہ، اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں جو انگریزی میں لکھی

گئی ہیں) رباعیات کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ لیکن وان ہمبر یہ گستال سرگور اوسلی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فٹیز جرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہوگیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ یہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے سابق[1] وائسرائے نواب لارڈ کرزن بہادر، اپنے سفرنامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے ہوں گے کہ یہ ایران کے اس ہیئت داں (اسٹرانومر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے جس کا نام اور جس کا کلام موجودہ نسل کو فٹیز جرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں میں نے یہ منکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ "کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لے جاکر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھاوے"۔

بہ حیثیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فٹیز جرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہے)، کہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اُس کو شریعت و طریقت سے خارج سمجھکر نہ تو اُس کے کلام کی قدر دانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں اول مرتبہ لندن کے کسی مطبع نے صرف چھپتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جو ہر گرانمایہ کا خریدار نہ ہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہ ہوئی تب مجبور ہو کر تمام نسخے مستعمل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لئے رکھدیئے گئے اور بجائے پانچ شلنگ (ہے ۲/۸) اصلی قیمت کے صرف ایک پنی (۱/۱) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص واقعہ ہے لہذا مورخوں نے ان کے نام بھی لکھ لئے ہیں اور وہ یہ ہیں [1] مسٹر ڈنٹی۔ [2] جبرائیل راسٹ

---

[1] ترجمہ سفرنامہ موسومہ خیابان فارس جلد اول صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن ۱۹۰۲ء

سر رچرڈ برٹن، اور سوئن برن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تحقیقات اول اُس کی مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک دنیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض ارکان خمسۂ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے پھر تو ان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سوئن برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رُکن قرار پایا۔

سنہ ۱۸۶۸ء میں جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فٹیز جرلڈ نے بہ ترمیم و اضافہ خاص طور سے مرتب کر کے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کر کے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُس کو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتھوں میں لے کر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور لومۃ لائم کا خوف باقی نہیں تھا اس وجہ سے انگلینڈ اور امریکہ دونوں میں رباعیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فری میسنری کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ اور شائع ہوا۔ اور اسی طرح سنہ ۱۸۷۹ء میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباعی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل یورپ خیام کو مشرق کا والٹائر کہتے ہیں (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض روما کا لکریشس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہے۔ بہرحال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپی کورس، ڈیو جانس کلبی، مہاتما بدھ سے بہت ملتا جلتا ہے، اور فلاسفران یورپ

---

[۱] محض انگریزی تراجم اور انگریزی معہ اصل، دونوں قسم کے نسخہ جات تھیکر، نیومن، رادھا بائی تاجران کتب کلکتہ اور بمبئی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکہ نے تیار کیا ہے جس میں یہ التزام ہے کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صناعی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے تخمیناً پچاس روپیہ اس کی قیمت ہے۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

[۲] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبری، صفحہ ۱۷۰۔ فائل کالج میگزین سنہ ۱۹۰۸ء بحوالہ کلکتہ ریویو۔

بائرن، سوئن برن، شوپن ہیور اسی سلسلہ میں داخل ہیں، اور بقول محققین "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" پی سٹی۔ مسلک فلسفہ بھی انہی حکما کے حکما کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہٖ کوئی نو ایجاد فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ "مے خوردن و شاد بودن آئین من است" اُس کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی علم و حکمت کے راز سربستہ حل کرتا ہوگا، یا اصطرلاب[2] و دوربین سے کام لیتا ہوگا؛ مگر نہیں، حکیم عمر خیام ہمارے فائدے کے لئے کنج عزلت میں بیٹھکر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر و مقابلہ — جبر و مقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر ان کو اس درجہ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجد قرار پائے اور یورپ نے جبر و مقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھکر "الجبرا[3]" نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم و فنون نے حکما کی گودوں میں پرورش پائی، وہاں جبر و مقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابو عبداللہ[4] محمد بن موسیٰ خوارزمی

---

[1] حکما کا جو گروہ دنیا کو مصائب و آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہے۔

[2] اصطرلاب ایک بہت ہی سادہ آلہ ہے، اس میں ایک فلزی حلقہ ہے جس پر درجے کندہ ہیں اور اس دائرہ پر ایک مشیر گردش کھاتا ہے جس کے آرپار سوراخ ہے آلہ کو کندے پر لٹکا دیتے ہیں اس وقت آلہ عمودی حالت پیدا کرتا ہے تب مشیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سوراخ سے پار ہو کے حلقہ پر پڑتی ہے اور اس درجے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہو جاتا ہے یہ لفظ عربی میں یونانی سے آیا ہے اور دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لابین (لینا)، یعنی وہ آلہ جس سے تاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ لفظ عربی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۲۶ ضمیمہ، تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

[3] الجبر و المقابلہ۔ جبر اصل میں کسی نقصان کا برابر کر دینا ہے۔ کسر الید ہاتھ ٹوٹنا جبر الید ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو بٹھا دینا۔ حساب میں کسی عدد کو اس غرض سے بڑھانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہو جائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس علم کا نام اَلْجَبْرُ وَالْمُقَابَلَۃُ ہوا۔ ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۲۔ [4] ۲۰۵ھ میں یہ نامور عالم فوت ہوا اس کی کتاب جبر و مقابلہ انگریزی ترجمہ کیا تھا لندن میں ۱۸۳۱ء میں چھپی ہے

اس فن سے واقف ہوا اور آیندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہوا جس کو آہستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبداللہ پر فخر ہے تو عہد دولت ملک شاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز کر سکتا ہے، کیونکہ جبر و مقابلہ وہ لطیف فن ہے جو عقل انسانی کی مخترعات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علما۔ یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے۔ اور ۱۷۴۲ء میں کتب خانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہے اور غالباً ۱۸۱۵ء میں اسی نسخہ کی نقل علمائے فرانس نے معہ ترجمہ فرنچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہے۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں اس کو "اسٹنڈرڈ ورک ان الجبرا" لکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہے۔ البتہ علم المساحۃ و المکعبات اور اقلیدس کی شرح کا اس وقت تک پتہ نہیں ہے۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جا سکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۴) **میزان الحکم**۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہے، اس میں خیام نے وہ اصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہے اور بغیر زیور توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہے۔

(۵) **لوازم الامکنہ**۔ فصول اربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس رسالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) **کون** اور مسئلہ تکلیف پر ایک رسالہ۔

(۸) **"رباعیات"** رباعیات خیام کی مختصر تاریخ، ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام، محض رباعیات سے ہوئی ہے لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ اور پنجاب کے مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخ میں سب سے بہتر نسخہ "بوڈلیلس لائبریری" کا ہے۔ جس میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہے۔ اور جس نسخہ کا یہ عکس ہے وہ بمقام شیراز لکھا گیا ہے خاتمہ کی یہ عبارت ہے "شیخ محمود، عشرہ آخر ماہ صفر ۸۶۵ھ مقام شیراز۔"

لہ تصنیفات کا حال تاریخ الحکما، اور گنج دانش سے ماخوذ ہے۔

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام فضل و کمال، امام غزالی سے مناظرہ، مذہبی علوم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطعہ فارسی مورّخ اور تذکرہ نویس، اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام، اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اصُولی، لُغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سَو برس تک اُس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے۔ لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیّل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ البتہ علاوہ رباعیات کے اور کسی قسم کا کلام تذکروں میں درج نہیں ہے۔ صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم ناداری میں یہ بھی گرانمایہ ہے۔

قطعہ

دوشش با عقل در سخن بودم   کشف شد بر دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش   دارم الحق بتو سوالے چند
چیست ایں زندگانی دنیا   گفت خوابیست یا خیالے چند
گفتم ازوے چہ حاصل ست بگو   گفت درد سرو وبالے چند
گفتم ایں نفس کے شود رامم   گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند   گفت گرگ و سگے شغالے چند
گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست   گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہل زمانہ درچہ فن اند   گفت در بند جمع مالے چند

---

[۱] دیکھو تاریخ الحکماء شہرزوری حلات خیام۔

[۲] خطیرۃ القدس صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۷ھ

حکیم عمر خیّام نیشاپوری

حضرت بہاء اللہ

گفتمش چیست، کد خدائی، گفت	ساعتے عیش و غصہ سالے چند
گفتم او را مثال دنیا چیست	گفت زالے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست، گفتہ ہائے خیام	گفت پندست حسب حالے چند

۱	یدبرلی الدنیا بل السبعة العلی	بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری	۱
۲	اصوم علی الفحشاء جہرًا و خفیة	عفافًا و افطاری بتقدیس خاطری	۲
۳	وکم عصبة ضلت عن الحق فاهتدت	لطرق الهدی من فیضی المتقاطر	۳
۴	فان صراط المستقیم بصائر	نصبن علی وادی العمی کالقناطر	۴
۵	اذ قنعت نفسی بمیسور بلغة	یحصلها بالکد کفی و ساعدی	۵
۶	امنت تصاریف الحوادث کلها	فکن یا زمانی موعدی او مساعدی	۶
۷	ولیس اتخذت الشعر بین منازلی	وفوق مناط الفرقدین مصاعدی	۷
۸	متی باعدت دنیاک کان مصیبة	فوا عجبا من ذا القریب المباعد	۸

۱؎ اخبار العلماء باخبار الحکماء علامہ قفطی اور تاریخ الحکماء شہر زوری سے یہ اشعار منقول ہیں۔ یہ دوسری کتاب نایاب ہے قلمی نسخہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے۔

۱۔ میری طبیعت جب جوش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتوں آسمان بلکہ افق اعلیٰ تک کی تدبیر کراتی ہے۔

۲۔ پاک دامنی کی وجہ سے میں ترک معصیت کا روزہ رکھتا ہوں، اور پاکیزگی قلب سے افطار کرتا ہوں۔

۳۔ بہت سی جماعتیں جو راہ راست سے ہٹ گئی تھیں۔ میرے برستے ہوئے فیض سے ہدایت پاگئیں۔

۴۔ راہ راست، مثل ان نشان میل کے ہیں۔ جو وادی ضلالت میں پل کی طرح قائم کئے گئے ہیں۔

۵۔ جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کرلیتا ہے۔ تو میری ہتیلی اور میرا بازو اس کو کوشش سے حاصل کرلیتا ہے۔

۶۔ چونکہ میں گردش زمانہ سے بے پرواہوں۔ تو اے زمانہ خواہ مجھے دھمکا یا میری موافقت کر (مجھے اس کی کچھ پروانہیں ہے)

۷۔ میں نے مانا کہ میں گھر میں شعر کہتا ہوں۔ مگر میرا رتبہ فرقدین ستارہ سے بالاتر ہے۔

۸۔ جب دنیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔

۹	اذا کان محصول الحیاۃ منیۃ	فستان حالا کل ساع و قاعد
۱۰	رضیت دھراً طویلاً فی لتماس اخ	یرعیٰ ودادی اذا ذوخلۃ خانا
۱۱	فکم الفت و کم اجبت غیر اخ	وکم تبدلت بالاخوان اخوانا
۱۲	وقلت للنفس لما عز مطلبھا	باللہ ما تالفی ما عشت انسانا

فضل وکمال ایشیا۔ اور یورپ میں بوعلی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہے وہ مسلم ہے لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے۔ اور یہ دعویٰ اُن مورخوں کا ہے جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالیؒ سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی' اس کے فضل وکمال کی ایک روشن دلیل ہے

امام غزالی سے مناظرہ حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علماً فقہا کی عامیانہ تقلید سے آزاد رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کرجاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اس بنا پر مذہبی گروہ، خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہم عصروں میں امام غزالی، علماء ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن' خیام کے پاس مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے تمام احزار متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزار قطبین قرار پائے "خیام نے سوال سُن کر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں از حد بُخل تھا) یہ معمولی جواب دیا۔ کہ میں نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس النفائس میں لکھا ہے؛ مگر یہ جواب ایک سائل کے

۹۔ جب حیات کا اخیر نتیجہ موت ہے تو پھر کوشش کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

۱۰۔ بیں عرصہ تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی اس وقت رعایت کرے جب دوست خیانت کرجاتے ہیں۔

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ میں نے اجنبی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر میں نے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب خاطر خواہ کوئی دوست نہ ملا تو میں نے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب نایاب ہے۔ لہٰذا تا زیست کسی سے دوستی ہی نہ کر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

لہ امام خراسان وعلامۃ الزمان یعلم علم یونان الخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ تاریخ الحکما شہر زوری

واسطے کافی نہ تھا لہٰذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کر کے اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے"۔ اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز ظہر کی اذان ہو گئی۔ اور بحث ہنوز ناتمام تھی لیکن امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہو گئے کہ "جاء الحق وذھق الباطل ان الباطل کان زھوقا"۔ افسوس ہے کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تحصیل زبان یونانی بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کیے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس زیادہ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ انہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہٰذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن قاضی عبدالرشید بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کیے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں مکرر کیوں آئے ہیں؛ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کر دیئے، دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کیے کہ اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بن جاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی نہ تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کر دی۔ اُس میں کس قدر عبور ہوگا۔

قرأت شہاب‌الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابوالحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرأت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام آگیا۔ وزیر نے خیام کو آتا ہوا دیکھکر کہا "علی الخبیر سقطنا" (واقف کار آگیا) بعد ازاں مسئلہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرأتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابوالحسن فیصلہ سُن کر فرمانے لگے "کہ حکماء کا کیا ذکر ہے۔ خود قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہو سکتی ہے"۔

قوت حافظہ تاریخ الحکما شہرزوری میں لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی، اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور آیا پوری کتاب زبانی لکھوا دی۔ جب اصل سے

---

[۱] اخبار العلما صفحہ ۱۶۲۔ [۲] شہرزوری۔ [۳] شہرزوری۔

متقابلہ کیا گیا، تو برائے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز

ملک شاہ سلجوقی[1] نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل رصد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملک شاہ میں خیام کو ندیموں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا (حالانکہ ایک خاص واقعہ سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور ہلاکو خاں سے یہ واقعہ بیان کر کے فخریہ کہا[2] تھا کہ "فضل من صد برابر فضل عمر خیام است اما تعظیم علماء دریں روز گار نماندہ۔"

علم نجوم

یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکماء یونان میں سے ہر ایک مصطلح نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا۔ مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفاء عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام[3] بھی نجومی تھا لہٰذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عروضی[4] سمرقندی لکھتا ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ کے "کوچہ بردہ فروشاں" میں خواجہ مظفر اسفرازی اور خواجہ امام عمر خیام، امیر ابوسعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الحق عمر خیام نے فرمایا کہ "میری قبر ایسی جگہ بنے گی کہ جس پر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یہ یقین تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہے چنانچہ ۵۲۰ھ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس گذر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لئے اس لئے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستان حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ جب میں

---

[1] شہر زوری و گنج دانش۔ [2] تذکرہ دولت شاہ [3] وکان عالماً بالقرآن فی علم النجوم والحکمۃ وبہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۳۔ [4] نجم الدین احمد بن عمر بن علی نظامی سمرقندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب شاعر، طبیب منجم تھا۔ اور چونکہ عروض میں خاص مہارت تھی لہٰذا عروضی مشہور ہوا۔ سیر و سیاحت کا بڑا شائق تھا اول سلاطین غور کا مداح رہا پھر سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چہار مقالہ یادگار ہے۔ نظامی میزی سمرقندی اور نظامی اثیری نیشاپوری اس کے ہمعصر تھے نظامی گنجوی اس کے بعد ہوئے ہیں جن کا ۵۹۶ھ میں انتقال ہوا ہے۔ انتخاب از مجمع الفصحا۔

گورستان کے بائیں طرف پھرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہے۔ جس پر امرود اور زردآلو کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہے اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہے۔ اُس وقت مجھے یاد آیا کہ بمقام بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کرکے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک وتعالےٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)[1]

عروضی[2] کہتا ہے کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر۔ رئیس مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر، میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف وباراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہدیا اور دو دن کے غور و فکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکل کر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے لوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضور مطمئن رہیں ابھی مطلع صاف ہو جائے گا۔ اور پانچ دن تک پُھہار بھی نہیں پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحب نگارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچنیں علم جملہ محتاجند!	خاصہ آنانکہ صاحب تاجند
ہست در بزم و رزم و وقت شکار	اختیارات حکم شاں درکار

خانگی زندگی

خاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ خاقانی[3] کہتا ہے۔

زیں کلبہ بکلبہ بقا رفت	زاں عالم بود و باز جا رفت
یک عطسہ بداد و روئے بہ نہفت	صد یرحمک اللّٰہش ملک گفت
آنجا شس نکاح بست حورا	چہل سال غرب نشست ایں جا

---

[1] چہار مقالہ نظامی صفحہ ۸۳ مطبوعہ اصفہان [2] نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی ابوریحان بیرونی، حکیم موصلی وغیرہ کے متعدد احکام نقل کئے ہیں جو نجومیوں کے بیان کے مطابق ہوتے ہیں لیکن مذہبا بقول نظامی یہ حکم قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ احکام نجوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں۔ نجومی کو لازم ہے کہ حکم لکھکر قضا وقدر کے سپرد کردے۔ [3] مثنوی تحفۃ العراقین مطبوعہ آگرہ۔

آنکس کہ چناں عروس بیند | برحق بود از غرب نشنید

موت حکیم[1] عمر خیام ۱۰۱۹ء ۴۰۸ھ میں بمقام نیشا پور پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۱۲۲ء ۵۱۵ھ میں راہی ملک بقا ہوا اور نیشا پور کے گورستان حیرہ میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک سو سات برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک رباعی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدائے غفور الرحیم سے مغفرت چاہتا ہے ۔

(۵۹)

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو | صد سالہ شدم بناز در نعمت تو
صد سال بہ امتحاں گنہ خواہم کرد | تا جرم من است بیش یا رحمت تو

خیام کی موت کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشفا پڑھ رہا تھا۔ جب وحدت و کثرت کی بحث آئی تو کتاب بند کر دی اور طلائی خلال جس کو ہر وقت پاس رکھتا تھا۔ اسی ورق پر رکھکر اٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللھم تعلم انی عرفتک علی مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک ۔ اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخش دے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

(۶۰)

خیام کہ خیمہائے حکمت می دوخت | در کورۂ غم فتادو ناگاہ بسوخت
فراش اجل طناب عمرش چو برید | دلال قضا برائگانش بفروخت

حکیم عمر خیام کی موت پر عوام و خواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثیئے لکھے اس کی کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثہ عظیم پر اشکبار ہوکر مرثیہ نہ لکھیں۔ چنانچہ حکیم[2] خاقانی نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا۔ جس کو بطور یادگار ہم بھی درج کرتے ہیں۔

گر بقدر سوزش دل چشم من بگریستے | بر دل من مرغ و ماہی تن بہ تن بگریستے
انچہ از من شد گر از دست سلیماں گم شدے | بر سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

---

[1] چہار مقالہ نظامی [2] کلیات خاقانی۔

تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دورِ کامل ختم ہوگیا تو اس عظیم الشان واقعہ او
نیز حکومت چار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا۔ جب
کہ آفتاب عالمتاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان وشوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ
ایران میں نہیں ہے۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لئے تختِ[1] جمشید کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں
دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پاگئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخ
عجم میں اس جشن کا نام "نوروزِ[2] اکبری" ہے اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہے،
موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہے کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سُنا کر خزاں اسی وقت سے
رخصت ہوجاتی ہے۔ پچھلے دور میں یزدجرد بن شہریار جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گذشتہ شاہوں
کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرۂ فروردین[3]
میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار نیا ڈالا گیا۔ اس وجہ سے کبیسہ کا آٹھواں دور جو ماہ آبان میں ختم ہونے والا
تھا، وہ غیر مختتم رہ گیا اور بدنصیبی سے اُنیس[4] جنوری ۶۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۳۱ھ یوم
پنج شنبہ کو بمقام مروشاہجہاں یزدجرد قتل کردیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہٰذا
ایرانیوں نے ماہ آبان مذکورہ سے جس پر کبیسہ ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور
چونکہ آبان میں خمسۂ مسترقہ موجود تھا اس وجہ سے منجموں نے اپنے زیچ کا حساب آبان سے شروع کیا۔
(ورنہ عام طور سے خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد اسفندار سے ہوتا ہے) اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا
اور آج تک چلا جاتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے ایک سو بیس برس کے کبیسہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسۂ
مسترقہ اس کا قائم مقام رہ گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایک سو بیس برس کے برابر ہو سکتی
ہے نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے جشن نوروزی میں بھی فرق آگیا۔ اور وہ اپنے مرکز سے دُور
ہٹ گیا۔

---

[1] تختِ جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات فائل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہیے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس رسالے میں ہے [2] نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی صفحہ ۴۸-۴۹ [3] غرہ فروردین کو بروز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور سنہ یزدجردی کا پہلا سال بائیس ربیع الاول ۱۱ھ ہجری اور ۶۳۲ء کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجموں کے عقائد کے مطابق دو بدفالیاں ہوئیں تو یہ کہ وہ منگل کے دن تخت نشین ہوا جو نحوست میں سنیچر کا بھائی ہے۔ دوسری (باقی در صفحہ آئندہ)

پر عمل درآمد کیا جائے گا تو ہر تینتیسویں سال پر حساب میں فرق پڑ جائے گا، آخر الامر عمر خیام کو حکم دیا

بقیہ صفحہ ۳۸۵ ۔ وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

برس حرام (اور اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو چار مہینے حرام کئے ہیں (اپنی گنتی سے، اُس گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے (مہینوں) کو حلال کرلیں ۔ ان کی بدکرداریاں اُن کو بھلی بھلی کر کے دکھائی گئی ہیں اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (توفیق) ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام الفیل جاری تھا۔ اس سنہ میں ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے اور اس کا نام نسی تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوا کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو اور جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ نسی کا اعلان حج میں دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب، ذوقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور خوں ریزی کو حرام سمجھتے تھے۔ یہ وہ شرعی حکم تھا کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السّلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس ۔ اگر نسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام کا کوئی مہینہ مکرر واقع ہوتا تو خطیب اعلان کر دیتا تھا کہ یہ مہینہ قوم پر حلال کر دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کبھی حلال کا مہینہ حرام کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لئے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دو۔ علامہ فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری قرار دیں گے تو ان کا حج کبھی گرمی میں ہوگا اور کبھی جاڑے میں اور یہ ان کو پسند نہ تھا۔ کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت بعیدہ طے کر کے بجز اوقات معینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اور چونکہ قمری سال کی ترتیب ان کے دنیاوی فوائد کے منافی تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنے کاروبار کے لئے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبیسہ جاری کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لوند کا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جس کا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی صفر میں، چنانچہ جب قرآن شریف نازل ہوا تو دو نئی شکلیں پیدا ہو گئیں، ایک یہ کہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی، دوسرے اشہر حرم میں تفرقہ پڑ گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے رسوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہے لیکن جب عربوں نے دنیاوی فوائد کے لئے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کو منع فرمایا اور اُن کے اس طرز عمل کو زیادہ فی الکفر قرار دیا۔ اس آیت سے شمسی سال قائم کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی ہے۔ کیونکہ کلام مجید کوئی مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہے اور اسی بنا پر فقہا نے ملک شاہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ نسارۃ کا قاعدہ مصری عربوں میں آج تک جاری ہے۔

نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی تاریخ سنین و شہور صفحہ ۵۰ وضاحتہ الطرب نوفل آفندی طرابلسی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۷۳، ۴۷۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۸

مشاہیر منجموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کی جائے۔ اور ملک شاہ کے منشا کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور سات نامور حکماء کو اپنا مشیر بنایا۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی۔ محمد خازن۔ حکیم ابوالعباس لوکری

ٰ کشاف اصطلاحات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۵۹ مطبوعہ کلکتہ۔ مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابوالعبا کامل اور شہر زوری لکھے گئے ہیں۔

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابو حاتم المظفر اسفرازی۔ اسفرار سجستان کا ایک شہر ہے۔ جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابو حاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جس کا نام "میزان ارشمیدس" تھا۔ اس میں وزن کرنے سے چاندی، اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہو جاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری خیانت کھل جائے گی، محض اس لئے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اس کے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابو حاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ نسبۃ اللذۃ الحسیۃ الی اللذۃ العقلیہ کنسبۃ المشم الی المطعم۔ از چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکماء شہر زوری۔

(۲) ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی مسکویہ ابو علی خازن رئیس مو کا عبدالرحمٰن خازنی رومی بڑا پایا اعلام تھا۔ علوم ہندسہ میں کامل تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیج لکھی تھی۔ جو تاریخوں میں زیج السنجری کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر عمر میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار سلطان سنجر نے ایک ہزار دینار (پانچ ہزار روپے) اس کے پاس بھیجے سب واپس کر دیئے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپے) ہے۔ صبح کو دو روٹیاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جادیں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے۔ گھر میں بجز ایک بلی کے اور کچھ نہ تھا۔ حکیم حسن سمرقندی اس کا نامور شاگرد ہے۔ از تاریخ ملطی وغیرہ

میمون بن نجیب واسطی ۔ محمد[6] بن احمد معموری بیہقی ۔ ابوالفتح[7] ابن کوشک ۔

چنانچہ[1] اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۴۶۷ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۱۰۷۵ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا ۔ جس کی تفصیل یہ ہے ۔

سنہ جلالی ملک شاہی

عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن پانچ ساعت اور انچاس دقیقہ میں طے کرتا ہے اس لئے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال پر ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر (بجائے چار کے) پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے ۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق

بقیہ صفحہ ۳۸۷ : (۳) محمد خان کے حالات نہیں معلوم ہوئے ۔

(۴) حکیم ابوالعباس لوکری ۔ نہر مرو پر قریب پنج دیہہ لوکر ایک مشہور قریہ ہے جو حکیم کا وطن تھا ۔ بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہے ، ابوالعباس لوکری ، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہے ۔ جو خراسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا ہے ، دولت کی طرف سے مالامال تھا ، نواح مرو میں ، بہت سی ذاتی جائداد بھی تھی ۔ حکیم عمر خیام ، ابن کوشک اور واسطی جو اس کے ہم عصر تھے ۔ ان میں سے کوئی بھی علوم حکمیہ میں اس کی جوڑ کا نہ تھا ۔ شاعر بھی تھا ۔ ایک دیوان یادگار ہے ۔ نہایت دقیق و بلیغ اشعار لکھتا تھا ۔ اخیر عمر میں اندھا ہو گیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علمی ترقی نہ کر سکوں گا ۔ اب دن رات اس کو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن بھنی ہوئی سری اور پائے خوب کھائے اور اسی دن شاگرد حمام میں لے گئے ۔ حمام سے آکر بستر پر گرا طبیب علاج کے لئے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہو گیا تو اس کی رضا اور اگر مر گیا تو اُس کا حکم اور آخر الامر اسی علت میں فوت ہو گیا " تاریخ الحکما شہرزوری " (۵) میمون بن نجیب واسطی " مشہور کامل حکیم اور طبیب ہے بعض کے نزدیک اس کا مولد خوز تھا ۔ اور بعض کے نزدیک واسط ۔ مگر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں رہا کرتا تھا ۔ سلاطین اور اُمرا کی ملاقات سے اس کو بالطبع نفرت تھی ۔ کامل اثیر وغیرہ (۶) ، محمد بن احمد معموری بیہقی ریاضی کا مشہور عالم ہے ۔ جس کی کتاب مخروطات میں بے نظیر ہے ۔ ملک شاہ نے اس کو اصفہان میں رصد بندی کے واسطے بلایا تھا ۔ خیام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا ۔ سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا ۔ شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا ، کامل اثیر شہرزوری ۔

(۷) ابوالفتح ابن کوشک " کان عارفا باجزاء علوم الحکمۃ ، مشہور حکیم ہے ، سلطان سنجر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی کتب خانہ میں اس کی تصنیفات تھیں " (شہرزوری)

[1] التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا صفحہ ۲۳۴ ۔

پورے تینتیس برس میں نکل جاتا ہے۔

جب یہ مسئلہ حل ہو گیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملک شاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو زیچ[1] طیار کی اُس کا نام زیچ ملک شاہی قرار دیا۔ اور مہینوں کے نام بدستور ہی

---

[1] زیچ معرب زیگ۔ رشتۂ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات بداں معلوم شناسند و تختہ کہ منجمان طالع کسی از جدا ول آں معلوم می نمایند۔ خفاجی می گوید کہ معرب زہ است (سواء السبیل)، زیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جن سے اوضاع کواکب اور خطوط طول و عرض اور مقادیر حرکات مرکز کواکب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور انھیں جدولوں سے اوج و حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم ہمیشہ زیچ کی مدد سے تیار ہوتی ہے۔ چنانچہ زیچ ملک شاہی اسی قسم کی کتاب ہے۔ اور جس کا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہے۔ اور اس کے قبل بھی حکما اسلام وغیرہ نے متعدد زیچ لکھے ہیں جن میں سے مشہور تحریہ ہیں، اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا ظاہر کرنا مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔

زیچ ابراہیم بن حبیب الفزاری۔ زیچ ابن جماد اندلسی۔ زیچ ابن السمح ابوالقاسم اصبغ بن محمد غرناطی متوفی ۴۲۶ھ۔ زیچ ابن الشاطر الفاری و مشقی فلکی متوفی ۷۷۷ھ۔ زیچ ابن یونس، ابوالحسن علی بن ابوسعید عبدالرحمن منجم متوفی ۳۹۹ھ۔ زیچ ابومعشر، جعفر بن محمد بن عمر بلخی منجم متوفی ۲۷۲ھ۔ زیچ الاشنا فو جمال الدین ابوالقاسم بن محفوظ منجم بغدادی (عہد المقتدر باللہ عباسی)۔ زیچ الوغ بیگ محمد بن شاہرخ۔ زیچ ایلخانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۶۷۲ھ۔ زیچ ثاون اسکندرانی۔ زیچ الجامع والسائغ، کوشیار۔ زیچ حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ مروزی بغدادی (عہد مامون الرشید)۔ زیچ السنجری، ابوالفتح عبدالرحمن خازنی۔ زیچ الصابی، بتانی۔ زیچ الشامل، شیخ ابوالوفا محمد بن احمد بوزجانی۔ زیچ الشاہی نصیر الدین طوسی۔ زیچ شاہی، علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بعلا المنجم الخوارزمی۔ زیچ شمس الدین محمد بملی خواجہ الواکبوی۔ زیچ شمس الدین، محمد بن محمد حلبی۔ زیچ شہریار۔ زیچ الشیخ، ابوالفتح صوفی۔ زیچ العمدہ۔ زیچ العلائی، نظام اعرج۔ زیچ محمد بن ابوبکر فارسی۔ زیچ المصطلح فی کیفیۃ التعلیم والطرق الی وضع التقویم۔ محمد بن محمد فارقی محاسب۔ زیچ کوشیار بن کنان حنبلی۔ زیچ الکبیر الحاکمی، زیچ الہمدانی، حسن بن احمد یمنی متوفی ۳۳۴ھ۔ زیچ فی معانی العین، تاج الدین علی بن محمد مشہور بہ ابن الدریہم موصلی شافعی متوفی ۷۶۳ھ۔ زیچ المفرد۔ زیچ المعدل۔ زیچ المعنی۔ زیچ المفتن۔ زیچ الآفاق فی علم الاوفاق۔ وغیرہ تفصیلی حالات کے لئے دیکھو کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۲-۱۷ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب و عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کر کے انتخاب کرے تو ایک طولانی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ ملطی، تاریخ عرب موسیو سیدیو فرانسیسی اور رضاحۃ الطرب وغیرہ میں مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھنا چاہئے۔

رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔

سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہے وہ مبارک دن جمعہ کا تھا۔ اور رمضان المبارک کی دسویں تاریخ اور ۴۷۱ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں داخل ہوتا تھا اُس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطۂ اعتدال ربیعی سے مطابقت دے کے سنہ جلالی کو یکم فروردین سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں آتا ہے۔ حالانکہ اُس وقت فروردین کے اٹھارہ دن گذر چکے تھے۔ مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطۂ ربیعی پر لیل و نہار کا تساوی واقع ہوا تھا۔ اور جس کا نام خیام نے نوروز سلطانی رکھا تھا۔

پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہے اور جس کو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں۔ یہ سنہ دراصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہے اور جس کو ہم فخریہ خیامی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سنہ الٰہی اکبرشاہی ہے۔ جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔

خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہئیت کا اُس وقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب سنہ جلالی کا "گری گوریَن رول" سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں میں نکلتی ہے وہ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱۷ صفحہ ۱۱۔ حالات عمر خیام شاعر و منجم۔

[2] تقویم ابوالضیاء ترکی، ۱۳۱۰ھ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ قسطنطنیہ۔

[3] گری گرین رول۔ گری گوری روم کے تیرھویں پوپ کا نام ہے جس نے ۱۵۸۲ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی۔ ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثنائے روس اور یونان تمام یورپ میں جاری ہے۔ اور اس کے قبل جو تقویم جاری تھی اُس کو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیالیس برس پہلے منسوخ کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جس کا نام انگریزی میں جولین کلنڈر تھا لیکن امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر ہو گیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصاً ایسٹر میں بہت فرق پڑ جاتا تھا اس لئے گری گوری نے اُن نقائص کو دور کر کے اپنا کلنڈر جاری کیا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہے خیام کی تحقیقات میں جو روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر باقی رہ گئی تھی گری گوری اُس کو مٹانا چاہتا تھا، چنانچہ چند منجموں کی دباتی درصفحہ آئندہ

خیام نے تینتیس برس میں نکال دی تھی اور برائے نام سہر روز میں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آیندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔!!

علمائے مشرق اور مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بہ حیثیت انتظام اور صحت اور تطبیق ہیئت کے اقوام سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی مقدس تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اس وجہ سے دوام و قیام اُس کو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملک شاہ کی زندگی تک چلتا رہا۔ اور اُس کے بیٹوں ہی کے زمانے میں نسیاً منسیاً ہو گیا۔ مگر یہ واقعہ ملک شاہ اور خیام دونوں کو قیامت تک زندہ رکھے گا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اصلاح تقویم کے بعد ملک شاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکما کو

بقیہ صفحہ ۲۹۰ مدد سے اُس نے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی پورے چار عدد پر تقسیم ہو سکے اُس کا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہ ہو سکیں اُن کا فروری مہینہ ۲۸ یوم کا ہوگا۔ اور بعینہ یہی قاعدہ ہر ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لئے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گورین رول" کہتے ہیں گری گورین سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے ۴۹ اُنچاس منٹ اور بارہ سیکنڈ کا ہے اور اس سنہ کا عمل درآمد ۱۵۸۲ء سے شروع کیا گیا ہے۔ گری گوری نے دور شمسی کے تفاوت زمانے کی اصلاح کے لئے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیتے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ سے تبدیل کر دیا تھا اسپین پرتگال، اٹلی، فرانس، سوئٹزرلینڈ، جرمن، نیتھرلینڈ کے کیتھولک فرقوں میں گری گورین رول اسی سال جاری ہو گیا تھا، لیکن پولینڈ میں ۱۵۸۶ء ہنگری میں ۱۵۸۷ء میں پروٹسٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں ۱۷۰۰ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے عمل درآمد کیا۔ روس کے علمائے ہیئت نے اب اس قاعدہ کی بھی غلطیاں نکالی ہیں اور وہ گری گورین رول کو ترمیم کر کے اپنے موجودہ شاہنشاہ کے نام سے نیا کلنڈر اجاری کرنا چاہتے ہیں، مگر ملکی رقابت سے کامیابی کی امید نہیں ہے، انتخاب از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا طبع جدید و پاپولر انسائیکلو پیڈیا طبع اول حرف جی لفظ گری گورین رول۔

[1] ۱۰۷۹ء میں ملک شاہ سلجوقی نے اُن تحقیقات کا حکم دیا جن سے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چھ سو برس کی "گری گوری" کی اصلاح سے بمدارج بہتر تھی۔ گری گوری کی سال میں دس ہزار برس کی مدت میں تین دن کا تفاوت ہوتا ہے برخلاف اس کے عربوں کے سال میں اسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہے۔ دیکھو تمدن عرب صفحہ ۴۲۲ و گبن امپائر جلد ۶ مطبوعہ ۱۹۰۰ء حالات ملک شاہ و تقویم ابو الضیا صفحہ ۲۲۳ [2] تقویم ابو الضیا صفحہ ۲۲۲۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اُصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُس کو عین ملک شاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیے، علاوہ اس کے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ لکھتا ہے "خیام در نوبت جہاں داری سلطان ملک شاہ بمرو آمد و در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایتہا فرمود، وبا عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را باشد رسید۔

عمرؔ خیام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عُمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخر ہے ویسا ہی نیشاپور خیام پر فخر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعۂ افتخار نہیں ہے۔ بلکہ شاعری اُس کے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوئے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرز نرالا ہے خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود ہستی کے نکات جس دل ربا طریقہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اس کا حصہ ہے۔

عام شعرا کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی۔ بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لئے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا۔ کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ بڑے بڑے مطالب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے۔ علاوہ اس کے یہ مختصر نظم خزانۂ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حکماء اور فلسفی شعرا اور

اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے۔ چنانچہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر، مولانا روم، ملا سحابی نجفی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں رباعیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا تمغہ خیام کو ملا ہے۔

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اُس شخص کا کام ہے۔ جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خیام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے کسی رباعی میں تلمیحات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکمار کا انتخاب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئے گی۔

(۱) متصوفین کا (کسی مذہب وملت کے ہوں) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہو سکتا ہے نہ اس کا صحیح علم ممکن ہے۔ اور یہی حال عالم کا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک راز سربستہ ہے۔

(۱)

آورد باضطرابم اول بوجود جز حیرتم از حیات چیزے نفزود
رفتیم باکراہ و ندانیم چہ بود زیں آمدن و بودن و رفتن مقصود

(۲)

رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمیں نہ کفر، و نہ اسلام، نہ دنیا و نہ دیں
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت نہ یقیں اندر دو جہاں کرا بود زہرہ ایں

(۳)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من ویں حرفِ معمّا نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(۲) تصوف کا دوسرا اہم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی نیستان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں آوارہ وطن ہو کر پردیس میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخودم چو آشنا می کردی | آخر ز خودم چرا جُدا می کردی
چوں ترک منت نبود از روز نخست | سرگشتہ بعالم چرا می کردی

(۵)

اے دل ز غبار جسم اگر پاک شوی | تو روح مجردی بر افلاک شوی
عرش ست نشیمن تو شرمت بادا | کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے ۔ بے وفا ہے ۔ دھوکا باز ہے ۔ ہر قدم پر رنج و غم کا سامنا ہے ۔ آسودگی برائے نام ہے ۔ جو شے ہے وہ غم سے خالی نہیں ہے۔

(۶)

ایں دہر کہ بود مدتے منزلِ ما | نامد بجز از بلا و غم حاصلِ ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکلِ ما | رفتیم و ہزار حسرت اندر دلِ ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصلِ عمر دمے است | ہر ذرہ ز خاک کیقباد ے و جمے است
احوال جہاں و اصل ایں عمر کہ ہست | خوابے و خیالے و فریبے و دمے است

(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے ۔

(۸)

چوں حاصل آدمی دریں شورستاں | جز خوردن غصہ نیست یا کندن جاں
خرم دلِ آں کزیں جہاں زود برفت | آسودہ کسی کہ خود نیامد بجہاں

(۵) رباعیات مندرجۂ بالا (۶ ، ۷ ، ۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس افسردہ دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ لیکن حقیقت میں خیام کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہے ۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اُداس مت رہو۔ بلکہ اُس کو ہنسی خوشی میں گذار دو ، اور خوب دل کھول کر اور لوٹ کر شرابیں اُڑاؤ ، اور رنج و غم کو پاس نہ آنے دو ۔ قضا و قدر ، جو مصیبتیں تم پر ڈالے اُن کو صبر و تحمل سے برداشت کرو۔

اور صرف یہی ایک اُصول ہے جس سے عیش وطرب کی زندگی حاصل ہوسکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چوں عہدہ نمی‌کنند کسے فردا را — حالے خوش کن تو ایں دل شیدا را
مے نوش بنور ماہ اے ماہ، کہ ماہ — بسیار بتابد و نیابد ما را

(۱۰)

می خوردن و شاد بودن آئینِ منست — فارغ بودن ز کفر و دیں دینِ منست
گفتم، بعروسِ دہر کابیں تو چیست — گفتا۔ دلِ خرّمِ تو کابیں منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمہات شبِ خوں آرند — فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زرنۂ اے غافل ناداں کہ ترا — در خاک نہند و باز بیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ ز جام و بادہ دل شاد کنیم — وز نا مدہ و گذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے حیات زندانی را — یک لحظہ ز بندِ عقلِ آزاد کنیم

(۱۳)

تا کےٗ ز غمِ زمانہ محزوں باشی — با چشم پُر آب و دل پُر خوں باشی
مےٗ نوش و بعیش کوش و خوش دل می‌باش — زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت — در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی ز کجا آمدۂ — مے نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیرِ گل بے خواہی خُفت — بے مونس و بے حریف و بے ہمدم و جفت
زنہار بکس مگو تو ایں رازِ نہفت — ہر لالۂ پژمُردہ نخواہد بشگفت

—

(۱۶)

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت
از اہل بہشت گفت یا دوزخ زشت
قوتے و بتے و بادہ بر لب کشت
این ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از جہان و می زی خورسند
وز نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
می بر کف و زلف دلبرے گیر کہ زود
ہم بگذرد و نماند این روزے چند

(۱۸)

این قافلہ عمر عجب می گذرد
دریاب دمے کہ با طرب می گذرد
ساقی غم فردائے حریفاں چہ خوری
در دہ قدح بادہ کہ شب می گذرد

(۱۹)

روزیست خوش و ہوا نہ گرم است و نہ سرد
ابر از رخ گلزار ہمی شوید گرد
بلبل بہ زبان پہلوے با گل زرد
فریاد ہمی زند کہ مے باید خورد

(۲۰)

ماہ رمضاں برفت و شوال آمد
ہنگام نشاط و عیش و قوال آمد
آمد گہ آنکہ خیکہا اندر دوش
گویند کہ پشت پشت حمال آمد

(۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں۔

(۲۱)

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید
کاں بیم مرا خوشتر از اں نیم آید
جان است مرا بعاریت داد خدا
تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

(۲۲)

از آتش آخرت نمی داری باک
در آب ندامت نشدی ہرگز پاک
چوں باد اجل چراغ عمرت بکشد
ترسم کہ ترا زنگ پذیرد خاک

تا ظن نبری کہ از جہاں می ترسم | وز مُردن وار رفتن جہاں می ترسم
مردن چو حقیقت است زاں باکم نیست | چوں نیک نزلیستم ازاں می ترسم

(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہے جو فقر و غنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

درد ہر ہر آنکہ نیم نانے دارد | وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے | گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(۲۵)

یک نان بدو روز گر شود حاصل مرد | در کوزۂ شکستہ دمے آبِ سرد
مامور کسے دگر چرا باید بود | تا خدمت چوں خودی چرا باید کرد

(۲۶)

گر دست دہد ز مغز گندم نانے | از مے کدوے و گوسفندے رانے
وآنکہ من و تو نشستہ در ویرانے | عیشے بود آں نہ حد سر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہے وہ ان کی ریاکاری اور نمائش کا خوب خاکہ اڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرقع اند ایں خامے چند | نا رفتہ رہ صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند | بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۲۸)

پندے دہمت اگر بمن داری گوش | از بہرِ خدا جامۂ تزویر مپوش
عقبٰی ہمہ ساعتست و دنیا یک دم | از بہرِ دمے ملک ابد را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنے فاحشہ گفتا مستی | ہر لحظہ بدامِ دگرے پیوستی

گفتا شیخا ہر انچہ گفتی ہستم | اما تو چنانچہ می نمائی ہستی؟

(۹) اخلاق وآداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے۔

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دے را دریاب | در کوئے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب وگِل بیک دل نرسد | کعبہ چہ روے برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن و دوست فعل نیکو، نیکوست | بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو | با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبتِ ابرار رسد | مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غمِ رزق مخور | کیں ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

(۳۳)

بدخواہِ کساں ہیچ بہ مقصد نہ رسد | یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم تو بخواہی بد من | تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

(۳۵)

با مردم پاک اصل و عاقل آمیز | وز نا اہلاں ہزار فرسنگ گریز
گر زہر دہد ترا خرد مند بنوش | ور نوش رسد ز دست نااہل بریز

(۳۶)

(۱۰) عشق و محبت۔

اے وائے براں دل کہ درو سوزی نیست | سودا زدۂ مہر دل افروزی نیست
روزی کہ تو بے عشق بسر خواہی برد | ضائع تر ازاں روز ترا روزی نیست

(۳۷)

پیرانہ سرم عشق تو در دام کشید | ورنہ ز کجا دست من و جام نبید

آں توبہ کہ عقل داد جاناں بشکست	وآں جامہ کہ صبر دوخت ایام درید

(۳۸)

عشقے کہ مجازی بود آبش نبود | چوں آتش نیم مردہ تابش نبود
عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز | آرام و قرار و خورو خوابش نبود

(۱۱) انقلاب ہستی

(۳۹)

ہر جا کہ گُلے و لالہ زاری بودست | از سُرخی خوں شہریاری بودست
ہر شاخِ بنفشہ کز زمیں می رویند | خالی ست کہ بر رخ نگاری بودست

(۴۰)

ایں کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است | در بندِ سرِ زلفِ نگاری بودہ است
ایں دستہ کہ بر گردن وی می بینی | دستیست کہ در گردن یاری بودہ است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ بر کنار جوی رُستست | گوئی زلبِ فرشتہ خوی رُستست
تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی | کاں سبزہ ز خاک ماہ روی رُستست

(۴۲)

خاکے کہ بزیر پائے ہر نادانیست | زلف صنمے و عارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانیست | انگشت وزیرے و سر سلطانیست

(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت نہ ہو۔

(۴۳)

باتو بخرابات اگر گویم راز! | بہ زانکہ بہ محراب کنم بی تو نماز
اے اول و اے آخر خلقاں ہمہ تو | خواہی تو مرا بسوز خواہی بنواز

(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف و طمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسہ و صومعہ و دیر و کنشت | ترسندہ ز دوزخ اند وجویائے بہشت
آں کس کہ ز اسرار خدا باخبر است | زیں تخم در اندرون دل ہیچ نہ کشت

(۱۴۰) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ طبقۂ صوفیائے کرام میں داخل ہے اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دیدینا وضع الشی فی غیر محلہ کا مصداق ہے۔ عموماً متصوفین اور شعرائے ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں، کہنا چاہیے۔ مگر علماء شریعت اُنہی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی، مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فردِ جرم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں، کیونکہ مشرقی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی اُبالی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے، لقمۂ تر کی طرح، خوش گوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر کھاتے ہیں، شراب اور اُس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہے لہٰذا اُس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیام اور اُس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

مے می خورم و مخالفاں از چپ و راست | گویند مخور بادہ کہ دیں را اعداست
چوں دانستم کہ مے عدوئے دین است | واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصل گل وطرف جوئبار ولبِ کشت | بایک دو سہ اہل و لعبتے حورسرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح | آسودہ زمسجدند و فارغ زکنشت

(۴۷)

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود | مے خوردن من بنزداو سہل بود
مے خوردن من حق بازل می دانست | گرمے نخورم علمِ خدا جہل بود

(۴۸)

در میکدہ جز بے وضو نتواں کرد | واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردۂ مستوریٔ ما | بدریدہ خیال شدہ کہ رفو نتواں کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست وے تاکہ خورد | آنگاہ چہ مقدار، ودگر باکہ خورد
ہرگاہ کہ ایں سہ شرط شد راست بگو | پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہے، موحد ہے، رسالت کی تصدیق کرتا ہے، حشر ونشر کا قائل ہے، عذاب وثواب کو جانتا ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ خدا سے معافی کا طالب ہے، اور اس کو عالم الغیب جانتا ہے، احکام قضا وقدر کا قائل ہے ۔اور یہی اصول مذہب کے اعضائے رئیسہ ہیں، اور ان ہی پر کفرو اسلام کا فیصلہ ہے۔

(۵۰)

بت خانہ وکعبہ خانۂ بندگیست | ناقوس زدن ترانۂ بندگیست
محراب وکلیسا و تسبیح وصلیب | حقا کہ ہمہ ہمہ نشانہ بندگیست

(۵۱)

گر گوہرِ طاعتت نہ سفتم ہرگز | گرد گنہ از چہرہ نہ رُفتم ہرگز
بااین ہمہ نومیدنیم از کرمت | زاں روی کہ یکے را دو نگفتم ہرگز

(۵۲)

ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات   (تعریف رسالت)   جز روئے تو نیست در جہاں آبِ حیات
ازجان و جہاں وہرچہ در عالم ہست   مقصود توئی و بر محمد صلوات

(۵۳)

ازخالق کردگار و از رب رحیم   ([illegible])   نومید مشو بجرم عصیان عظیم
گرمست وخراب مردہ باشی امروز   فردا بخشد براستخواں ہائے رمیم

(۵۴)

من بندہ عاصیم رضائے توکجاست   (اقرار گناہ)   تاریک دلم نور صفائے توکجاست
مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی   ایں بیع بود لطف وعطائے توکجاست

(۵۵)

اے واقفِ اسرار ضمیر ہمہ کس   (عالم الغیب)   در حالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر   اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

(۵۶)

یک یک ہنرم بین وگنہ دہ دہ بخش   (نعت)   ہر جُرم کہ رفت حسبۃً للہ بخش
ازباد ہوا۔ آتش کیں را مفروز   مارا بسرِ خاک رسول اللہ بخش

(۵۷)

اے دل چو حقیقت جہاں ہست مجاز   (قضا و قدر)   چندیں چہ بری خواری ازیں رنج ونیاز
تن را بہ قضا سپار و باوقت بساز   کیں رفتہ قلم ز بہر تو ناید باز

~~~~~~~~

رباعیات مندرجہ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہوگیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعہ رباعیات کی سیر کرو، اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد انڈیا ہاؤس لنڈن، نیشنل لائبریری پیرس، کتب خانہ مسٹر باڈلی اکسفورڈ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور اورینٹیل پبلک لائبریری بانکی پور وغیرہ کے
~~~~~~~~

قدیم کتب خانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں ان میں پندرہ سے آٹھ سو
ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جُداگانہ ہے۔ جنھوں نے بہ لحاظ ابجد
ترتیب دیا ہے اُن میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے

(۵۸)

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما ۔ کاے رند خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے ۔ زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

اکسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہے۔

گر گوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز ۔ در گرد رہت ز رخ نہ رفتم ہرگز
نومید نیم ز بارگاہ کرمت ۔ زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

علی ہٰذالقیاس ہر ایک نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہے۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ
نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخۂ مطبوعہ طہران میں صرف دو سو تیس
رباعیاں ہیں۔ انگریزی تراجم میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ پچھتر لغایت
پانچ سو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن تحقیقات سے اس وقت تک عمر
خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

رباعیات کا اثر یورپ میں ایک منجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے
شہرت ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترھویں صدی کے ابتدا
میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی میں، فردوسی اور حافظ سے بھی نام
آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خیام کے فدائیوں نے بطور دوامی یادگار
کے دارالسلطنۃ لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہے۔ جس کی سالانہ روداد ہر سال چھپتی اور شائع
ہوتی ہے۔ اور چونکہ اخباری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہے لہٰذا تفصیل کی ضرورت نہیں
علمی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ
سنہ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۴۶ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں
یا تو ضمناً تذکرہ ہے یا صرف، و نحو، عروض و قافیہ، اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں جو انگریزی میں لکھی

گئی ہیں) رباعیات کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ لیکن وان ہمبر پرگستال سرگور اوسلی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فٹیز جرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہوگیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ یہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے سابق[1] وائسرائے نواب لارڈ کرزن بہادر، اپنے سفرنامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے ہوں گے کہ یہ ایران کے اس ہیئت داں (اسٹرانومر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے۔ جس کا نام اور جس کا کلام موجودہ نسل کو فٹیز جرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں میں نے یہ منکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ "کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لے جاکر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھا دے"۔

بہ حیثیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فٹیز جرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہے)، کہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اُس کو شریعت و طریقت سے خارج سمجھکر نہ تو اُس کے کلام کی قدر دانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں اول مرتبہ لندن کے کسی مطبع نے صرف پچھتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گرانمایہ کا خریدار نہ ہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہ ہوئی تب مجبور ہوکر تمام نسخے مستعمل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لئے رکھدیئے گئے اور بجائے پانچ شلنگ (للعہ ۳ روپے) اصلی قیمت کے صرف ایک پنی (۱/) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص واقعہ ہے لہذا مورخوں نے ان کے نام بھی لکھ لئے ہیں اور وہ یہ ہیں: [1] مسٹر ڈنٹی۔ [2] جبرائیل راسٹ

---

[1] ترجمہ سفرنامہ موسومہ خیابان فارس جلد اول صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن ۱۹۰۲ء

سر ریچرڈ برٹن، اور سوئن برن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تحقیقات اول اُس کی مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک دنیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض ارکان خمسۂ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے پھر تو ان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سوئن برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رُکن قرار پایا۔

سنہ ۱۸۶۸ء میں جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فٹز جرلڈ نے بہ ترمیم و اضافہ خاص طور سے مرتب کر کے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کر کے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُس کو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتھوں میں لے کر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور لومۃ لائم کا خوف باقی نہیں تھا اس وجہ سے انگلینڈ اور امریکہ دونوں میں رباعیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فری میسنری کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ اور شائع ہوا۔ اور اسی طرح سنہ ۱۸۷۹ء میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباعی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل یورپ خیام کو مشرق کا والٹائر کہتے ہیں (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض روما کا لکریشس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہے۔ بہرحال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپی کورس، دیو جانس کلبی، مہاتما بدھ سے بہت ملتا جلتا ہے، اور فلاسفران یورپ

لہ محض انگریزی تراجم اور انگریزی معہ اصل، دونوں قسم کے نسخہ جات تھیکر، نیومن، رادھا بائی تاجران کتب کلکتہ اور بمبئی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکہ نے تیار کیا ہے جس میں یہ التزام ہے کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صناعی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے تخمیناً پچاس روپیہ اس کی قیمت ہے۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

لہ انسائیکلوپیڈیا جلد نمبری، صفحہ ۱۷۔ فائل کالج میگزین سنہ ۱۹۰۸ء بحوالہ کلکتہ ریویو۔

بائرن، سوئن برن، شوپن ہیور اسی سلسلہ میں داخل ہیں، اور بقول محققین "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" پی سٹی۔ مسلک فلسفہ بھی انہی حکما کے حکما کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہ کوئی نوایجاد فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ "مے خوردن وشاد بودن آئین من است" اُس کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی علم و حکمت کے راز سربستہ حل کرتا ہوگا، یا اسطرلاب[2] و دوربین سے کام لیتا ہوگا؛ مگر نہیں، حکیم عمر خیام ہمارے فائدے کے لئے کنج عزلت میں بیٹھکر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر و مقابلہ جبر و مقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر ان کو اس درجہ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجد قرار پائے اور یورپ نے جبر و مقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھکر "الجبرا"[3] نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم و فنون نے حکما کی گودوں میں پرورش پائی، وہاں جبر و مقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابو عبداللہ محمد بن موسٰی خوارزمی

---

[1] حکمار کا جو گروہ دنیا کو مصائب و آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہے۔

[2] اسطرلاب ایک بہت ہی سادہ آلہ ہے۔ اس میں ایک فلزی حلقہ ہے جس پر درجے کندہ ہیں اور اس دائرہ پر ایک مشیر گردش کھاتا ہے جس کے آرپار سوراخ ہے آلہ کو کندے پر لٹکا دیتے ہیں اس وقت آلہ عمودی حالت پیدا کرتا ہے تب مشیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سوراخ سے پار ہو کے حلقہ پر پڑتی ہے اور اس درجے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہو جاتا ہے یہ لفظ عربی میں یونانی سے آیا ہے اور دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لابین (لینا)، یعنی وہ آلہ جس سے تاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ لفظ عربی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۲۶ ضمیمہ، تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

[3] الجبر و المقابلہ۔ جبر اصل میں کسی نقصان کا برابر کر دینا ہے۔ کسر الید ہاتھ توڑنا جبر الید ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو بٹھا دینا۔ حساب میں کسی عدد کو اس غرض سے بڑھانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہو جائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس علم کا نام اَلْجَبْرُ وَالْمُقَابَلَۃُ ہوا۔ ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۲۔ [4] ۲۰۵ھ میں یہ نامور عالم فوت ہوا اس کی کتاب جبر و مقابلہ انگریزی ترجمہ کیا تھ لندن میں ۱۸۳۱ء میں چھپ گئی ہے

اس فن سے واقف ہوا اور آیندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہوا جن کو آہستہ آہستہ عربوں نے
مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابوعبداللہ پر فخر ہے تو عہد دولت ملک شاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز
کر سکتا ہے، کیونکہ جبر و مقابلہ وہ لطیف فن ہے جو عقل انسانی کی مخترعات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ خیام
کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علما۔ یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے۔ اور ۱۷۴۲ء میں کتب
خانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہے اور غالباً ۱۸۱۵ء میں اسی نسخہ کی نقل علمائے فرانس نے
معہ ترجمہ فرنچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہے۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں اُس
کو "اسٹنڈرڈ ورک ان الجبرا" لکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہے۔
البتہ علم المساحۃ و المکعبات اور اقلیدس کی شرح کا اس وقت تک پتہ نہیں ہے۔ ریاضی اور نجوم میں
خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جا سکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ
کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۴) **میزان الحکم**۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہے، اس میں خیام نے وہ
اصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہے اور بغیر زیور
توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہے۔

(۵) **لوازم الامکنہ**۔ فصول اربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس رسالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) **کون** اور مسئلۂ تکلیف پر ایک رسالہ[1]

(۸) "**رباعیات**" رباعیات خیام کی مختصر تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام
محض رباعیات سے ہوئی ہے لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا
ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ اور پنجاب کے مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ
زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخ میں سب سے بہتر نسخہ "بوڈلیئن لائبریری" کا ہے۔ جس
میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہے۔ اور جس نسخہ کا یہ عکس ہے وہ بمقام شیراز لکھا گیا ہے خاتمہ
کی یہ عبارت ہے "شیخ محمود، عشرہ آخر ماہ صفر ۸۶۵ھ مقام شیراز۔"

[1] تصنیفات کا حال تاریخ الحکما اور گنج دانش سے ماخوذ ہے۔

حکیم عمر خیام کا متفرّق کلام فضل و کمال، امام غزالی سے مناظرہ، مذہبی علوم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطعہ فارسی مورّخ اور تذکرہ نویس، اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر ادیب، اصُولی، لُغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سو برس تک اُس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے۔ لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیّل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ البتہ علاوہ رباعیات کے اور کسی قسم کا کلام تذکروں میں درج نہیں ہے۔ صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم ناداری میں یہ بھی گرانمایہ ہے۔

قطعہ

دوشش باعقل در سخن بودم | کشف شد بر دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش | دارم الحق بتو سوالے چند
چیست ایں زندگانی دنیا | گفت خوابیست یاخیالے چند
گفتم ازوے چہ حاصل ست بگو | گفت درد سرو وبالے چند
گفتم ایں نفس کے شود رامم | گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند | گفت گرگ وسگے شغالے چند
گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست | گفت بیہودہ قیل وقالے چند
گفتم اہل زمانہ درچہ فن اند | گفت دربند جمع مالے چند

---

[۱] دیکھو تاریخ الحکماء شہرزوری حالات خیام۔

[۲] خطیرۃ القدس صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۷ھ

حکیم عمر خیام نیشاپوری

مدحت پاشا مرحوم

گفتمش چیست، کد خدائی، گفت	ساعتے عیش و غصہ سالے چند
گفتم اورا مثال دنیا چیست	گفت زالے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست، گفتہ ہائے خیام	گفت پندست حسب حالے چند

۱	یدین لی الدنیا بل السبعة العلی	بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری	۱
۲	اصوم علی الفحشاء جهرًا وخفیة	عفافًا وافطاری بتقدیس خاطری	۲
۳	وکم عصبة ضلت عن الحق فاهتدت	لطرف الهدی من فیضی المتقاطر	۳
۴	فان صراط المستقیم بصائر	نصبن علی وادی العمی کالقناطر	۴
۵	اذ قنعت نفسی بمیسور بلغة	یحصلها بالکد کفی وساعدی	۵
۶	امنت تصاریف الحوادث کلها	فکن یا زمانی موعدی او مساعدی	۶
۷	ولعبنی اتخذت الشعری بین منازلی	وفوق مناط الفرقدین مصاعدی	۷
۸	متی باعدت دنیاک کان مصیبة	فوا عجبا من ذا القریب المباعد	۸

لہ اخبار العلماء باخبار الحکماء علامہ قفطی اور تاریخ الحکماء شہرزوری سے یہ اشعار منقول ہیں۔ یہ دوسری کتاب نایاب ہے قلمی نسخہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے۔

۱۔ میری طبیعت جب جوش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتوں آسمان بلکہ افق اعلیٰ تک کی تدبیر کراتی ہے۔

۲۔ پاک دامنی کی وجہ سے میں ترک معصیت کا روزہ رکھتا ہوں، اور پاکیزگی قلب سے افطار کرتا ہوں۔

۳۔ بہت سی جماعتیں جو راہ راست سے ہٹ گئی تھیں۔ میرے برستے ہوئے فیض سے ہدایت پاگئیں۔

۴۔ راہ راست، مثل ان نشان میل کے ہیں۔ جو وادی ضلالت میں پُل کی طرح قائم کئے گئے ہیں۔

۵۔ جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کرلیتا ہے۔ تو میری ہتیلی اور میرا بازو اُس کو کوشش سے حاصل کرلیتا ہے۔

۶۔ چونکہ میں گردش زمانہ سے بے پرواہوں۔ تو اے زمانہ خواہ مجھے دھمکا یا میری موافقت کر (مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے)

۷۔ میں نے مانا کہ میں گھر میں شعر کہتا ہوں۔ مگر میرا رتبہ فرقدین ستارہ سے بالاتر ہے۔

۸۔ جب دنیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔

۹ اذا کان محصول الحیاۃ منیۃ فستان حالا کل ساع و قاعد

۱۰ رضیت دھراً طویلاً فی لتماس اخ یرعیٰ ودادی اذا ذوخلۃ خانا

۱۱ فکم الفت و کم اجبت غیر اخ وکم تبدلت بالاخوان اخوانا

۱۲ وقلت للنفس لما عز مطلبھا باللہ ما تالفی ما عشت انسانا

فضل و کمال ایشیا۔ اور یورپ میں بو علی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہے وہ مسلم ہے لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے۔ اور یہ دعویٰ اُن مورخوں کا ہے جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالیؒ سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی، اس کے فضل و کمال کی ایک روشن دلیل ہے

امام غزالی سے مناظرہ حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علمأ فقہا کی عامیانہ تقلید سے آزاد رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کرجاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اس بنا پر مذہبی گروہ، خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہم عصروں میں امام غزالی، علمار ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن خیام کے پاس مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے تمام اجزار متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزار قطبین قرار پائے خیام نے سوال سُن کر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں ازحد بخل تھا) یہ معمولی جواب دیا۔ کہ میں نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس النفائس میں لکھا ہے۔ مگر یہ جواب ایک سائل کے

۹۔ جب حیات کا اخیر نتیجہ موت ہے تو پھر کوشش کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

۱۰۔ میں عرصہ تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی اس وقت رعایت کرے جب دوست خیانت کرجاتے ہیں۔

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ میں نے اجنبی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر میں نے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب خاطر خواہ کوئی دوست نہ ملا تو میں نے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب نایاب ہے۔ لہذا تازیست کسی سے دوستی ہی نہ کر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

لہ امام خراسان وعلامۃ الزمان یعلم علم یونان الخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر تاریخ الحکما شہرزوری

واسطے کافی نہ تھا لہٰذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کر کے اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے"۔ اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز ظہر کی اذان ہوگئی۔ اور بحث ہنوز ناتمام تھی لیکن امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہوگئے کہ "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا"۔ افسوس ہے کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تحصیل زبان یونانی بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کئے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس زیادہ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ ان ہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہٰذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن قاضی عبدالرشید[1] بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کئے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں مکرر کیوں آئے ہیں؛ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کر دیئے، دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کئے کہ اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بن جاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی نہ تھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کردی۔ اُس میں کس قدر عبور ہوگا۔

قرأت شہاب[2] الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابوالحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرأت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام آگیا۔ وزیر نے خیام کو آتا ہوا دیکھکر کہا "علی الخبیر سقطنا" (واقف کار آگیا) بعد ازاں مسئلہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرأتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابوالحسن فیصلہ سُن کر فرمانے لگے "کہ حکما، کا کیا ذکر ہے۔ خود قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہوسکتی ہے"۔

قوت حافظہ تاریخ[3] الحکما شہرزوری میں لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی، اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور آیا پوری کتاب زبانی لکھوا دی۔ جب اصل سے

---

[1] اخبار العلما صفحہ ۱۶۲۔ [2] شہرزوری۔ [3] شہرزوری۔

مقابلہ کیا گیا، تو برائے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز

ملک شاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل رصد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملک شاہ میں خیام کو ندیموں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا (حالانکہ ایک خاص واقعہ سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور ہلاکو خاں سے یہ واقعہ بیان کر کے فخریہ کہا[1] تھا کہ "فضل من صد برابر فضل عمر خیام است اما تعظیم علماء درین روزگار نماندہ"۔

علم نجوم

یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکماء یونان میں سے ہر ایک مصطلع نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا۔ مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفاء عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام[2] بھی نجومی تھا لہٰذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عروضی[3] سمرقندی لکھتا ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ کے "کوچہ بردہ فروشاں" میں خواجہ مظفر اسفرازی اور خواجہ امام عمر خیام، امیر ابوسعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الحق عمر خیام نے فرمایا کہ "میری قبر ایسی جگہ بنے گی کہ جس پر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یہ یقین تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہے چنانچہ ۵۳۰ھ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس گذر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لئے اس لئے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستان حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ جب میں

---

[1] شہر زوری و گنج دانش۔ [2] تذکرہ دولت شاہ [3] وکان عالماً بالفرائض فی علم النجوم والحکمۃ وبہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۳۔ [3] نجم الدین احمد بن عمر بن علی نظامی سمرقندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب شاعر، طبیب منجم تھا۔ اور چونکہ عروض میں خاص مہارت تھی لہٰذا عروضی مشہور ہوا۔ سیر و سیاحت کا بڑا شائق تھا اول سلاطین غور کا مداح رہا پھر سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چہار مقالہ یادگار ہے۔ نظامی منیری سمرقندی اور نظامی اثیری نیشاپوری اس کے ہمعصر تھے نظامی گنجوی اس کے بعد ہوئے ہیں جن کا ۵۹۶ھ میں انتقال ہوا ہے۔ انتخاب از مجمع الفصحا۔

گورستان کے بائیں طرف پھرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہے۔ جس پر امرود اور زردآلو کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہے اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہے۔ اُس وقت مجھے یاد آیا کہ بمقام بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کرکے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک وتعالےٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)[1]

عروضی[2] کہتا ہے کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر۔ رئیس مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمرؔ، میرے شکار کھیلنے کے لئے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف وباراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہدیا اور دو دن کے غور وفکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکل کر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے لوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضور مطمئن رہیں ابھی مطلع صاف ہو جائے گا۔ اور پانچ دن تک پُھہار بھی نہیں پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2] صاحب نگارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچنیں علم جملہ محتاجند!	خاصہ آنانکہ صاحب تاجند
ہست در بزم ورزم ووقت شکار	اختیارات حکم شان درکار

خانگی زندگی خاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل وعیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ خاقانی[3] کہتا ہے۔

زیں کلبہ بکلبہ بقا رفت	زاں عالم بود و باز جا رفت
یک عطسہ بداد و روئے بنہفت	صد یرحمک اللّٰہش ملک گفت
آنجاش نکاح بست حورا	چہل سال غرب نشست ایں جا

---

[1] چہار مقالہ نظامی صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ اصفہان [2] نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی ابوریحان بیرونی، حکیم موصلی وغیرہ کے متعدد احکام نقل کئے ہیں جو نجومیوں کے بیان کے مطابق ہوتے ہیں لیکن مذہبًا بقول نظامی یہ حکم قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ احکام نجوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں۔ نجومی کو لازم ہے کہ حکم لکھکر قضا وقدر کے سپرد کردے۔ [3] مثنوی تحفۃ العراقین مطبوعہ آگرہ۔

آنکس کہ چناں عروس بیند   برحق بود از غرب نشنید

موت حکیم[1] عمر خیام ۱۰۱۹ء ۴۱۰ھ میں بمقام نیشا پور پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۱۲۲ء ۵۱۷ھ میں راہی ملک بقا ہوا اور نیشا پور کے گورستان حیرہ میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک[1] سو سات برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک رباعی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدائے غفور الرحیم سے مغفرت چاہتا ہے ؎

(۵۹)

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو   صد سالہ شدم بناز در نعمتِ تو

صد سال بہ امتحاں گنہ خواہم کرد   تا جرم من است بیش یا رحمتِ تو

خیام کی موت کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشفا پڑھ رہا تھا۔ جب وحدت وکثرت کی بحث آئی تو کتاب بند کردی اور طلائی خلال جس کو ہروقت پاس رکھتا تھا۔ اسی ورق پر رکھکر اُٹھا۔ وضو کرکے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللھم تعلم انی عرفتك علی مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاك وسیلتی الیك۔ "اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخش دے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزلِ مقصود پر پہنچ گئی۔

(۶۰)

خیام کہ خیمہائے حکمت می دوخت   در کورۂ غم فتاد و ناگاہ بسوخت

فراشِ اجل طناب عمرش چو برید   دلال قضا برائگانش بفروخت

حکیم عمر خیام کی موت پر عوام وخواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثیئے لکھے اس کی کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثۂ عظیم پر اشکبار ہوکر مرثیہ نہ لکھیں۔ چنانچہ حکیم[2] خاقانی نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا۔ جس کو بطور یادگار ہم بھی درج کرتے ہیں۔

گر بقدرِ سوزشِ دل چشم من بگریستے   بر دل من مرغ و ماہی تن بہ تن بگریستے

انچہ از من شد گر از دستِ سلیماں گم شدے   بر سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

---

[1] چہار مقالہ نظامی [2] کلیات خاقانی۔

مقتدائے حکمت و صدر زمن کز بعد اندو — گر زمیں را چشم بودے ہم زمیں بگریستے

کاش کے! آدم برجعت درمیاں باز آمدے — تا بمرگِ ایں خلف برمرد و زن بگریستے

پیش چشمش مرغ را کشتن کہ یارستے کہ او — گر بدیدے شمع را گردن زدن بگریستے

گوہرے بود او۔ کہ گردونش بنادانی شکست — جوہرے کو تا بریں گوہر شکن بگریستے

آتش و بادار بدانندے کہ از گیتی کہ شد

آتش از غم خوں شدے باد از حزن بگریستے

گورستان حیرہ کی موجودہ حالت

جس زمانہ میں خیام گورستان حیرہ میں دفن ہوا تھا۔ اُس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چمنستان تھا۔ خیام کی قبر پر گلاب کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑھا کرتی تھیں۔ مگر آج اُس کی قبر کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کہاں ہے اور کس طرف ہے؛ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق والیسرائے ہندوستان اپنے سفرنامے میں[1] لکھتے ہیں کہ خیام کی قبر ایک ویران سے باغ میں جس میں کبھی پھولوں کی کیاریاں اور پانی کی نہریں تھیں۔ مگر اب سوائے خس و خاشاک کے اور کچھ نہیں رہا۔ نہ قبر پر کوئی کتبہ ہے جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام افسوس ہے کہ آج کل کے ایرانی عمر خیام کی مشت خاک کی طرف سے ویسے ہی بے پروا ہیں جیسے انیسویں صدی کے اہل لندن "میتھو پیرس[2]" یا "ولیم آف مامس بری[3]" کی خاک کی طرف سے"۔ مسلمانوں نے خیام کے ساتھ، اس کے حیات میں اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ کیا۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن ہم یورپ و امریکہ کی علمی قدر دانی کے شکر گذار ہیں کہ وہ آج بھی خیام کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس کی رباعیات ہزاروں آدمیوں کا دین و ایمان ہے۔ گورستان[4] حیرہ کے گلاب کی قلمیں لاکر باغ میں لگاتے ہیں اور اُس کی تصویر اور

---

[1] خیابان فارس ترجمہ سفرنامہ حالات نیشاپور [2] عہد متوسط کا مشہور مورخ ہے جو ۱۱۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اہسٹوریا میجر اس کی مشہور تصنیف ہے۔ [3] یہ مورخ ۱۰۹۵ء میں پیدا ہوا۔ فراغ تعلیم کے بعد رہبان ہو کر مامس بری کے کلیسا میں مہتمم کتب خانہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی تاریخ انگلستان مشہور ہے جس میں ولیم فاتح سے لے کر ۱۱۴۲ء تک کے واقعات درج ہیں۔" حاشیہ خیابان فارس" [4] ممبران عمر خیام کلب لندن کی توجہ سے اب قبرستان اور قبر کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ اور باغ درست کر دیا گیا ہے۔ یہ باغ شاہ صفی بن شاہ محمد بن طہماسپ کی ملکیت ہے۔

منتخب رباعیات گھڑیوں کی چین میں لٹکا کر دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات موت کیا شے ہے حیات کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہ راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کرسکا اور یہ دونوں عقدے لاینحل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہوسکتا ہے؛ اس کی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ "کچھ نہیں معلوم ہوسکتا ہے"۔

(۶۱)

دل سرحیات را کماہی دانست | در موت ہم اسرار آلہی دانست
امروز کہ باخودی ندانستی ہیچ | فردا کہ زخود روئے چہ خواہی دانست

خیام تو دنیا سے یہ خیال لئے ہوئے چل بسا۔ اور اُس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جان مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ خیام نے جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اس رباعی کے صلے میں بخش دیا۔

(۶۲)

اے سوختۂ سوختنی | اے آتش دوزخ زتو افروختنی
تاکے گوئی کہ بر عمر رحمت کن | حق را تو کنی برحمت آموختنی

بے شک خدا نے خیام کے گناہ معاف کردیئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لے کر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اُس کا یہ قول تھا کہ "من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست"۔

خیام کے حاسد اور دشمن حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی رندی شوخی، اور ظرافت کرجاتا تھا۔ جس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑھو۔

(۶۳)

ابریق مے مرا شکستی ربا | برمن درِ عیش را ببستی ربا
بر خاک بریختی مئے لعل مرا | خاکم بدہن کہ سخت مستی ربا

ان خیالات سے فقہا، اور علمائے ملت اس کے دشمن ہوگئے اور اُنھوں نے عوام کو بہکا دیا ملک میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ فقہائے نے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور خیام کے قتل کی تجویز پختہ ہوگئی۔

۱ے تاریخ العلما جمال الدین قفطی صفحہ ۱۶۳۔

تب خیام وطن کو خیر باد کہکر مکہ معظمہ چلا گیا۔ کیونکہ خدا کے گھر سے بڑھ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر بغداد آیا۔ یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لئے مجبور کیا۔ تب پھر وطن چلا گیا۔ لیکن یہاں بھی چین نہ پایا۔ اور اہل وطن برابر ستاتے رہے؛ چنانچہ رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اُس کا منہ کالا ہو گیا اور گردن کج ہو گئی جب آئینہ دیکھا تو اس ہئیت کذائی کو دیکھکر خوب رویا اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو　　　　وانکس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی　　　　پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

تب خدا نے رحم فرمایا۔ منہ اُجالا ہو گیا۔ اور گردن سیدھی ہو گئی۔ یہ روایت حقیقت میں جاسدوں کی طبع زاد ہے۔ کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہی مناجات، یہ اسلامی خون کا جوش ہے، جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہے، اور دل میں ایمان، اس کا یہی قول ہوگا اور وہ خدا سے اسی طرح سے آمرزش چاہے گا۔ چونکہ شاعر باکمال ہے، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کر کے معافی چاہتا ہے جس کی مزید مثال یہ رباعی ہے ؎

(۶۵)

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن　　　　بر جان و دلِ اسیر من رحمت کن

بر پائے خرابات روِ من بخشائے　　　　بر دستِ پیالہ گیر من رحمت کن

رباعی نمبر ۶۴ کو رباعی نمبر ۶۳ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ محض تذکرہ نویسوں کے حاشیے ہیں۔

الزام زندقہ خیام پر الحاد اور زندقہ کا الزام بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ واقعہ مذکورۂ بالا جو شخص امام موفق کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ ملحد کیونکر ہو سکتا ہے؛ خیام کی شاعری چونکہ عام خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی؛ اس وجہ سے بے دینی کے الزامات اُس پر لگائے گئے لیکن آج دنیا میں کون زندہ ہے، آیا خیام! یا کفر کے فتوے دینے والے!؛ خیام کو ان الزامات سے نہایت صدمہ تھا مگر مجبور تھا چنانچہ خود کہتا ہے۔

(۶۶)

با من تو ہر انچہ از کیں گوئی　　　　پیوستہ مرا ملحد و بے دیں گوئی

من خود منفرم ہرانچہ گوئی ہستم — انصاف بدہ تترا رسد کیں گوئی

خیام کی بادہ نوشی خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول درجہ کا رند شہرانی ہوگا کیونکہ شراب، ساقی اور جام وصراحی کا وہ دل دادہ ہے اور نہایت جوش بیخودی اور بے اختیاری کے عالم میں وہ ان مضامین پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔ لیکن جب تک ظاہری شراب خواری کے لئے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اُس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اُس کو بادہ پرستی کا ملزم نہیں بنا سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں حکیم عمر خیام جیسا اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ ویسا ہی اپنے زمانہ کا ایک نامور اور پاک باز صوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں۔ خاتمہ اس دُعا پر ہے ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حسن صبّاح خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتب دوستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد حسن صباح کا خاص درجہ ہے۔ لہٰذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری پیش کی جاتی ہے

حسنؓ صبّاح، بانیٔ دولتِ اسمٰعیلیہ مشرقیہ

شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہے۔ اور عظمت و جلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتب دوستوں سے بڑھ کر ہے۔ جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ خواجہ حسن کو الپ ارسلان نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب مستقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنا دیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنا دیا تھا۔ خواجہ کی وزارت تاریخ میں ہارون الرشید عباسی و یحییٰ برمکی کے مشابہ ہے۔ اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دے کر معاش سے مطمئن کر دیا تھا۔ جس کی بدولت وہ علمی تحقیقات میں مصروف ہو کر "حکیم" کہلایا بہرحال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام آسمانِ شہرت کے ایسے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں اور درخشاں ہوئے۔ ان کے مقابلے میں حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، وہ محض اس کے فضل و کمال، غیر معمولی دانشمندی خداداد ذہانت، اور عزم بالجزم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔

دیکھنا آپ کھڑے ہوں گے ہم اپنے بل پر　　　غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیسا؟

چنانچہ حسن صباح اپنے ہی بل پر کھڑا ہوا۔ اور اپنی عالی ہمتی سے قلعہ الموت کی چوٹی پر قبضہ کر کے دم لیا۔ اور ایک ایسے خوفناک فرقہ کا موجد ہوا جس کے حالات پڑھ کر آج بھی دل ہل جاتے ہیں۔ یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ امام موفق نیشاپوری کی درس گاہ میں، تین نو عمر عجمی الاصل شخصوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان دوستوں میں سے تیسرا یہی حسن صباح ہے جس کے مختصر حالات ہم لکھتے ہیں۔

لہ فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحدہ قہستان لکھا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

شرقی، "خواف، وصحرا ما بین خواف و زاوہ و سیستان۔ غربی۔ فارس و کرمان کا جنگل۔

شمالی، "اعمال نیشاپور و سبزوار۔　　　جنوبی۔ "اعمال بجستان و بیابان کرمان
(از صور الاقالیم قلمی)

حسن صباح کا نسب نامہ

حسن صباح کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الحمیری۔ خواجہ نظام الملک نے وصایا میں لکھا ہے کہ حسن کا باپ، علی، ایک عیار اور چالاک شخص تھا۔ اور اس کی سکونت رے میں تھی۔ اس زمانے میں رے کا حاکم ابو مسلم (خسر خواجہ نظام الملک) ایک دین دار شخص تھا۔ اس لئے وہ علی سے نفرت رکھتا تھا۔ اور علی، ابو مسلم کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر ابو مسلم کو باور کراتا تھا کہ میں پکے عقائد کا مسلمان ہوں امام موفق نیشاپوری اس عہد میں اہل سنت و جماعت کے امام تھے۔ لہٰذا علی اپنے رفض[1] کی تہمت رفع کرنے کو یہ چال چلا کہ حسن کو تعلیم کے لئے امام صاحب کے حلقۂ درس میں داخل کر دیا[2] اور خود صوفیوں کی طرح گوشہ نشین ہو گیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ملحدانہ، اور کفر و زندقہ کی روائیں بیان کیا کرتا تھا۔ اور اپنے کو عرب مشہور کیا۔ اور کہتا تھا کہ میں صباح حمیری کی اولاد ہوں اور میرا باپ احمد، یمن سے کوفہ میں اور وہاں سے قم اور قم سے رے میں آکر سکونت پذیر ہوا۔ لیکن اصحاب خراسان خصوصاً اہالی طوس کا قول ہے کہ علی اور اس کے اجداد اسی ولایت کے کسی گاؤں کے باشندے تھے۔ اور حسن صباح کی ولادت بھی بمقام قم ہوئی تھی۔

حسن صباح، خواجہ حسن اور عمر خیام کا معاہدہ

اس معاہدہ کا تذکرہ، خواجہ کے ابتدائی حالات میں ہو چکا ہے۔ اس کی نسبت دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ حسن صباح سے علی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ "خواجہ حسن دنیاوی اعزاز میں بہت ترقی کرے گا اور وہ (حسن صباح) دین اور دنیا دونوں میں مرجع خلائق ہوگا"۔ اس لئے حسن صباح نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں معاہدہ کر لیا تھا۔ بہر حال یہ معاہدہ جس بنا پر ہوا ہو لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اس عہد کو سب نے دلی مسرت اور جوش سے قبول کیا۔ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس معاہدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ فراغ تعلیم کے بعد یہ طلبہ مدرسہ سے چلے گئے اور ہر ایک اپنی قسمت آزمائی کرنے لگا۔ خواجہ

---

[1] دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ حسن صباح کے باپ علی کا مذہب اسمٰعیلیہ تھا۔ اور وہ ایک زاہد و عالم شخص تھا۔ البتہ دوران تقریر میں کبھی وہ ایسی باتیں کہہ جاتا تھا۔ جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معتزلہ کے اقوال ہیں۔

[2] حسن صباح سات برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سترہ سال تک گھر میں پڑھتا رہا۔ غالباً اس کے بعد نیشاپور آیا ہے۔

حسن تو چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کرکے عہد الپ ارسلان میں وزیر اعظم ہوگیا۔ اسی زمانے میں حسن صباح خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ خواجہ کا بیان[1] ہے کہ الپ ارسلان کے زمانے میں حسن صباح کو کوئی شخص خراسان میں جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں (سنہ ۴۶۵ھ قاورد کے بعد) بمقام نیشاپور میرے پاس آیا۔ میں نے جہاں تک ممکن تھا حق خدمت ادا کیا، اور اُس کی عزت افزائی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور میرا یہ سلوک حسن بن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ تو اصحابِ تحقیق اور اہل یقین سے ہے، اور خوب جانتا ہے کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے، ممکن ہے کہ اس کی محبت میں پھنس کر تو وعدہ خلافی کرے اور زُمرۂ ینقضون عھد اللہ میں داخل ہو" میں نے کہا کہ" حاشا وکلا، میں نقض معاہدہ نہ کروں گا" تب حسن صباح نے کہا کہ" آپ کی مہربانیاں تو مجھ پر بے انتہا ہیں۔ لیکن شرط معاہدہ یہ نہیں ہے۔ خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو، جاہ و منصب بلکہ میری تمام جائداد کے تم حصہ دار ہو" اس کے بعد میں نے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کردیا۔ اور مغربی کے وقت گذشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کردیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت و اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتمد خاص بن گیا۔ پھر اپنی چالاکی سے تھوڑے زمانے میں سلطان کے مزاج میں دخیل ہوگیا۔ اور اس قدر پیدا کرلیا کہ سلطان مہتم بالشان کاموں میں اُس کے مشورہ پر چلتا تھا"

دولت[2] شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ" حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے ہمدان اور دینور کی حکومت پر نامزد کردیا تھا۔ لیکن حسن کا تو یہ منشاء تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پاکر وہ خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم ہو جائے۔ لہٰذا حکومت ہمدان سے انکار کردیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کرکے اس کو اوج حشم سے گرا دے چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں۔ جس کو خود خواجہ نظام الملک نے کتاب وصایا میں بیان کیا ہے

ایک حسابی غلطی

حلب میں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوتا ہے۔ جس کے برتن بناتے جاتے ہیں۔ سلطان ملک شاہ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کانی مقدار اصفہان پہنچانا چاہیے۔ بازار چھاؤنی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے آگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس

---

[1] وصایا [2] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴۔

آگیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس باربرداری کے اونٹ تھے، یہ بات کہی کہ اگر تم پانچ سو من سنگ رخام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دو چند کرایہ دوں گا" انھوں نے منظور کرلیا۔ لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پانچ پانچ سو من تھا (اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی) چنانچہ ان دونوں نے پانسو من سنگ رخام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کرلیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے۔ چنانچہ وہ شخص مع اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کردیا جائے۔ چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے۔ حسن صباح نے سنا تو کہا کہ "خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہے اور روپیہ کو بے جا طور پر دیدیا اور جو مستحق تھا اس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا" چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر ہوا۔ حسن صباح بھی موجود تھا۔ سلطان مجھے دیکھکر ہنس پڑا۔ اور حسن صباح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو۔ صباح نے کہا کہ "اونٹوں کا بوجھ تین مساوی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں دس ہیں۔ لہذا دس اور تین کا حاصل ضرب تیس ہوا۔ اب جس کے چار اونٹ ہیں اس کے بارہ سہام اور دوسرے کے اٹھارہ سہام ہوئے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہے، باقی رقم فاضل رہی کیونکہ اس میں ان کا ذاتی بوجھ شامل ہے۔ لہذا چھ اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ اس حساب کو سن کر ملک شاہ نے کہا کہ "تم نے مجمل بیان کیا ہے اسی کو تفصیل[ا] سے بیان کرو" تب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت! کل اونٹ دس ہیں اور کل وزن پندرہ[ھا] سو من ہے۔ اس لیئے فی اونٹ ڈیڑھ سو من وزن ہوا، اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا، اس میں سے

نوٹ (صفحہ ماقبل، حسابی قاعدہ سے اس سوال کا حل اس طرح پر ہے۔

۱۰×۳=۳۰ ؛ ۴×۳=۱۲ ، ۶×۳=۱۸ ؛ ۱۸+۱۲=۳۰ ؛ ۳۰÷۳=۱۰ ∴ ۱۲−۱۰=۲ ، ۱۸−۱۰=۸ ؛ ایک ہزار دینار { دوسو دینار ، آٹھ سو دینار

لہ حسابی عمل حسب ذیل ہے۔

کل بوجھ ، اونٹ ، رسدی ، من

۱۵۰۰÷۱۰=۱۵۰ ؛ ۱۵۰×۴=۶۰۰ ، ۱۵۰×۶=۹۰۰ ؛ ۶۰۰−۵۰۰=۱۰۰ ، ۹۰۰−۵۰۰=۴۰۰ ∴ $\frac{1\times1000}{5}=200$ ∴ ۲۰۰×۱=۲۰۰ ، ۲۰۰×۴=۸۰۰ دینار } کل ایک ہزار دینار

اُس کا ذاتی پانسو من اور سرکاری ایک سو من ہے۔ اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا؟ جس میں سے پانسو من اُس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے۔ ہزار دینار پانسو من کا معاوضہ ہے۔ لہٰذا فی سو من دو سو دینار کا حصہ ہوا۔ چنانچہ چار والے کو دو سو اور چھ والے کو آٹھ سو دینار بروئے حساب ملنا چاہیے تھا۔ اور جب کہ انعام دیا گیا ہے تو اس صورت میں وزن کا لحاظ نہیں کیا جائے گا دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیے"۔ جب حسن صباح تقریر کر چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری دل شکنی نہ ہو بات کو مذاق میں ڈال دیا" اور ہنس کر چپ ہو رہا لیکن میں نے سمجھ لیا کہ اس واقعہ کا سلطان کے دل پر کیا اثر پڑا ہے۔

سلطنت کا جمع خرچ

اس واقعہ سے بڑھ کر دوسرا واقعہ یہ[1] ہے کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک یہ آواز پہنچائی کہ سلطان بیس برس سے حکمراں ہے اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ میں نے عرض کیا کہ "خداوند نعمت کی سلطنت کاشغر سے روم اور انطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہے، اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں"۔ لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ "میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت معہ عملہ میرے سپرد کر دیا جائے"۔ چنانچہ ملک شاہ نے امتحاناً حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے بین المیعاد جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لا کر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دے سکا اور حیرت[2] زدہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت! انھیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیوں کر مرتب ہو سکتا ہے"۔ ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔

---

[1] کتاب الوصایا نظام الملک [2] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴ و ۶۵ معہ وصایا۔

[3] دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نے حکمت عملی سے حسن صباح کے یہاں سے رپورٹ منگا کر اُس کے اوراق منتشر کر دیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان کے کسی سوال کا حسن صباح صحیح جواب نہ دے سکا۔

لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے نکلوا دینے پر کفایت کی گئی۔

اس واقعہ کو لکھکر خواجہ نظام الملک کہتا ہے کہ "حسن صباح نے حقیقت میں کمال کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں جمع خرچ مرتب کرلیا۔ مگر چونکہ حسن نے ازراہ حسد ونقض عہد یہ کارروائی کی تھی۔ لہذا خدا کے فضل وکرم سے پیشی حساب کے وقت اس کو خجالت اُٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان سے چلا گیا۔ اگر خدانخواستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست نہ ہوتی، تو پھر مشکلات کا سامنا تھا۔

حسن صباح کی سیر وسیاحت

حسن صباح کا دربار سے ذلت کے ساتھ نکلوا دیا جانا ایک معمولی بات تھی لیکن حسن کے لئے یہ وہ دل گداز اور جاں فرسا صدمہ تھا، جس نے اُس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا تھا۔ خواجہ نظام الملک کے مقابلہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی، لیکن محققین کے نزدیک یہ ناکامی اُس کی آئندہ بلند اقبالی کا عنوان تھا۔ چنانچہ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور ملک شاہ وخواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابوالفضل[۱] کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ ابوالفضل نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا۔ ایک دن بہ سبیل تذکرہ حسن صباح نے کہا کہ "اگر مجھے دو یار موافق مل جاتے۔ تو میں اس ترک (ملک شاہ)، کی سلطنت اور اس دیہاتی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی وزارت کو تہ وبالا کر دیتا"۔ ابوالفضل نے اپنی دانشمندی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور محض اس خیال سے دسترخوان پر ایسی غذائیں آنے لگیں جس سے دل ودماغ کو تقویت پہنچے حسن صباح اپنے نادان دوست کا مطلب سمجھ گیا۔ اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا"۔

اس آوارہ گردی میں اُس کی ملاقات فرقہ اسمٰعیلیہ کے رفیقوں سے ہوئی۔ (جو اس زمانہ میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے)، جنھوں نے اُس کو سمجھایا کہ "خلفائے فاطمیہ مصر اصلی امام ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسمٰعیلیہ ہے"۔ حسن انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (بمقام رے)، عبدالملک بن عطاش سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور جو اپنی جانب سے مذہب اسمٰعیلیہ کی اشاعت کے لئے لوگوں کو واعظ (مشنری)، بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت میں آ گیا۔ چونکہ حسن بن صباح

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہے کہ خواجہ کے رکاب دار نے حسن صباح کے خادم کو ملا کر رجسٹر کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے اس وجہ سے حسن صباح ملک شاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکا [۲] نامہ خسرواں حالات حسن صباح صفحہ ۱۰۵۔

ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہٰذا اُس کو اشاعت مذہب کی عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ "مصر جاکر خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت کرو"۔

حسن صباح مصر میں

چنانچہ ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے اول ہی واقف کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا مہمان رکھا۔ یہاں حسن نے دارالحکمۃ (لاج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے۔ لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار[1] کو ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الجیوش بدر جمالی کی وجہ سے ہوا تھا۔ حسن نزار کا طرف دار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریق ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا ناسخ ہے لہٰذا ابوالقاسم احمد المستعلی امام برحق ہے"۔ جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہے تب امیر نے بحکم مستنصر حسن کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اُسی دن قلعہ کا ایک برج جو نہایت مضبوط تھا گر پڑا۔ اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا۔ آخر الامر امیر نے حسن کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا حسن مجبور تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا تمام مسافر بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مسافر نے پوچھا "آپ کس اطمینان سے بیٹھے ہیں" حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام برحق نے اطلاع دی ہے کہ جہاز نہ ڈوبے گا" تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا۔ اور سمندر کو سکون ہو گیا۔ تو سب نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک ولی اللہ[2] تسلیم کر لیا (حقیقت یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ نے حسن صباح کو ہر جگہ کامیاب بنا دیا)، جب جہاز ساحل شام پر پہنچ گیا تو حسن جہاز سے اُتر آیا۔ اور خشکی کے راستہ سے دیار بکر، جزیرۂ روم، حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔ اور ان تمام بلاد

---

[1] کتاب دلبستان مذاہب و تمدن الاسلام جلد دوم صفحہ ۱۰۰ و کامل ابن اثیر ۱۱۔ جلد ۱۰ ۔ امیر الجیوش کی سختی سے نزار اسمٰعیلیہ بھاگ گیا تھا۔ اہل اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور المصطفٰے لدین اللہ کا لقب دیا لیکن مستنصر کے انتقال پر شاہین شاہ ملقب بہ افضل وزیر المستعلی نے نزار پر فوج کشی کی اور فتحیاب ہو کر نزار کو قتل کر دیا۔ (اور اسی زمانہ سے فرقہ اسمٰعیلیہ میں اختلاف رائے ہو کر دو گروہ پیدا ہو گئے) مصر الحدیث جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

[2] دلبستان مذاہب صفحہ ۳۵۹۔

میں وہ مذہب اسمٰعیلیہ کی دعوت کرتا رہا۔ اور اسی مقام سے رودبار، کوہستان وغیرہ میں اپنے نائب روانہ کئے۔ چنانچہ تین سال کے اندر جب حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی۔ تب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جا کر ٹھہر گیا اور کمال زہد اور پارسائی سے رہنے لگا۔ چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور چونکہ قلعہ کے فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہٰذا انھوں نے بماہ رجب ۴۸۳ھ ۱۰۹۱ء رات کے وقت حسن صباح کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل[1] قبضہ کر لیا جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ الموت[2] (بروزن جبروت) ناحیۂ رودبار[3] میں شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ کسی تیر انداز کا تیر اس کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اس پر منجنیق نصب ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے کسی نے شکار کے لئے عقاب اڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب شکار مار کے بلندی پر جا گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی شکار کے تعاقب میں جب اس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھ کر ایک عالی شان قلعہ تعمیر کرایا۔

اور قلعہ کا نام "آلہ آموت" رکھا۔ (جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا) دیلمی زبان میں آلہ اموت[4] کے معنی آشیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں۔ مصنف[5] نگارستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاقات سے ہے کہ آلہ اموت کے عدد بحساب جمل چار سو تراسی ہوتے ہیں۔ جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے۔ غرضکہ قلعہ کے اندر پہنچ کر حسن صباح نے مہدی علوی قلعہ دار سے کہا کہ "دوسرے[6] شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے، کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا اس قدر زمین جو ایک چرسہ کے اندر آ جائے مجھے دیدو۔ جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کروں گا۔" مہدی نے

[1] ایک روایت یہ ہے کہ بلا ادائے قیمت حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا اور قلعہ دار کو جبری طور پر نکال دیا۔ دوسری روایت آگے درج ہے۔ [2] گنج دانش صفحہ ۷۰۷ [3] صوبہ رودبار میں تقریباً پچاس قلعے ہیں لیکن سب سے زبردست الموت اور میمون ہیں۔ نزہت القلوب حمد اللہ و کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ [4] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ "آلہ اموت" ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جس پر شکاری جانور سدھائے جاتے ہیں۔ کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳ و نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لئے اس کا نام آشیانہ عقاب قرار پایا [5] نگارستان صفحہ ۱۲۳ [6] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴، ۶۵

عقیدت مندی اور محمود نظامی سے اس قدر آزاد تھی کہ بیع میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا۔ لہٰذا حسن صباح کے نام بیع نامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک دھجیاں کاٹ کر اور ایک میں جوڑ کر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اُس کے اندر آگیا۔ قلعہ دار یہ پیمائش دیکھکر حیرت زدہ رہ گیا۔ مگر بیع کے بعد کیا کر سکتا تھا؛ اب حسن کے مریدوں نے مہدی کو قلعہ سے بے دخل کر دیا اور زرثمن کے لئے حسن صباح نے ایک رقعہ اپنے مرید رئیس مظفر کو جو قلعہ گردکوہ کا حاکم تھا لکھ دیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

رئیس مظفر حفظہ اللہ تعالیٰ۔ مبلغ سہ ہزار بہائے قلعہ الموت بہ علوی مہدی رساند علی النبی المصطفیٰ و آلہ السلام حسبنا ونعم الوکیل"۔ چنانچہ مہدی نے رئیس مظفر سے قیمت وصول کر لی، اور قلعہ پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں پینتیس برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اُس کے سات جانشین حکمراں ہوئے چنانچہ ایک سو ستر برس گیارہ مہینے اٹھائیس دن صباحیوں کی مجموعی حکومت رہی جس نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا۔ اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا۔ جب قلعہ الموت پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا تو اُس کا دوست رئیس ابوالفضل اصفہانی ملاقات کے لئے آیا۔ اس وقت حسن نے کہا کہ "فرمائیے حضرت! میں دیوانہ تھا یا آپ ہیں۔ دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا؛ ابوالفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانشمندی کا قائل ہو گیا۔

قلعہ الموت پر فوج کشی

جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لئے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا، تب اُس نے بڑے استقلال اور قابلیت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ خلفائے فاطمیین مصر کا نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں خلفاء کی اطاعت برائے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً۔ غرضکہ حسن صباح نے صوبہ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبہ کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کئے گئے۔ اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پر نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکز ودارالحکومت خوب مستحکم کر لیا۔ اور اس کے گرد عالی شان محلات بنائے، اور باغات لگائے۔ جب

لہ دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلہ۔

خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع[1] ہوئی تو اول خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اُس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ وجلال سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا۔ حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملک شاہ سے کہدینا کہ وہ ہم کو پریشان نہ کرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا پڑے[2] گا۔ ملک شاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سُنے تو دو سال کے واسطے فوج کشی ملتوی کر دی اور ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی امیر ارسلاں سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور تاخت وتاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ[3] میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہو جائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سو سپاہی مدد کے لیے آ گئے جن کو ابو علی نے روانہ کیا تھا۔ اورانھوں نے امیر ارسلاں کی فوج پر شبخون مارا اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا۔ جب اس ہزیمت کی سلطان کو اطلاع ہوئی تو سلطان نے قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھکر حسن صباح نے کہا کہ "امام برحق کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند اقبالی اسی قلعہ پر موقوف ہے۔" اور دوسری تدبیر یہ کی کہ ایک فدائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا جس نے خواجہ[4] کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے پینتیس دن بعد بمقام بغداد سلطان ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حسن صباح نے زہرخورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا، ایسی حالت میں جنگ کیوں کر قائم رہ سکتی تھی۔ الموت سے فوجیں واپس آئیں۔

سلطان ملک شاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق[5] نے اصفہان پر فوج کشی کی ترکان خاتون (بیگم ملک شاہ)، نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کر لی، اور سلطنت برکیارق اور محمود میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا۔

[1] حسن صباح کے استیصال میں غیر معمولی وقفہ ہوا۔ اور سلطان کو ایسے عظیم الشان واقعہ کی اطلاع تک نہیں ہوئی اس کے متعلق حصہ اول صفحہ ۱۱۰ کا نوٹ ملاحظہ ہو۔ [2] ناظرین اس موقعہ پر حصہ اول کا صفحہ ۱۰۸ ملاحظہ فرمائیں جس میں سفارت کی تفصیل [3] گنج دانش صفحہ ۳۱۳ دبستان مذاہب صفحہ ۳۴۳ [4] خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۱۸۶-۱۹۱ پڑھنا چاہیے [5] تفصیل کے لئے دیکھو نوٹ مندرجہ حصہ اول صفحہ ۱۷۰۔

اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں برکیارق اور محمد میں پھر سلطنت کے حصے ہوگئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صباح سے تعارض نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ان خانہ جنگیوں سے حسن نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور قلعہ گرد کوہ، لامسر، رودبار وغیرہ پر جو مشہور قلعے تھے قبضہ کرلیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعت مذہب کرنے لگا۔

مذہب اسمٰعیلیہ باطنیہ کی مختصر تاریخ

فرقۂ اسمٰعیلیہ بھی مذہب شیعہ کی ایک شاخ ہے، جو حضرت امام اسمٰعیل بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہے۔ اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہے کہ (اول) امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ (دوم) امام حسنؓ متوفی ۴۹ھ (سوم) امام حسین شہید کربلا ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی ۹۴ھ (پنجم) امام محمد باقر متوفی ۱۱۷ھ (ششم) امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ۔

امام صاحب موصوف کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسمٰعیل ہوئے۔ چنانچہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہے۔ اور امام موسیٰ کاظم جن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہے ان کو امام نہیں مانتا۔ جب فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا، کہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہوگیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ" امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہے" اور امام محمد بن اسمٰعیل کی نسبت ان کا قول ہے کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکملہ کیا ہے اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابع تام ہیں[1]۔ بہرحال امام محمد بن اسمٰعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی۔ یہ امام محمد[2] مکتوم بن اسمٰعیل۔ جعفر مصدق بن محمد مکتوم۔ اور حبیب بن جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ مستور کے نقیب علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیر و سیاحت میں مصروف تھے۔ الغرض سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد عبیداللہ ملقب بہ مہدی ہیں۔ مہدی کا دارالسلطنت قیروان (مغرب) تھا۔ بعد ازاں جب شہر مہدیہ آباد ہوگیا۔ تو اُس کو دارالحکومت بنایا۔ خلفائے فاطمیین[3] مصر

[1] دبستان مذاہب صفحہ ۲۸۰ [2] کتاب الملل والنحل صفحہ ۸۹ - ۹۰ [3] سلسلۂ امامت حسب ذیل ہے (۱) عبیداللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابوالقاسم محمد ملقب بہ قائم بامراللہ (۳) ابوطاہر اسمٰعیل ملقب بہ منصور باللہ (۴) ابوتمیم معد ملقب بہ معزالدین اللہ (۵) ابومنصور نزار ملقب بہ عزیز باللہ (۶) ابوعلی منصور ملقب بہ حاکم بامراللہ (۷) ابوالحسن علی ملقب (باقی در صفحہ آئندہ)

مہدی کی اولاد ہیں۔ مہدی نے بلاد مغرب میں مذہب اسمٰعیلیہ کی خوب اشاعت کی۔ اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث نبوی کے مطابق یعنی علی راس ثلث مائۃ یطلع الشمس من مغربہا۔ اس عہد کا مجدد اور امام ہے۔ ہندوستان سے لے کر مصر اور مغرب تک یہ فرقہ اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور حقیقت میں یہی اصلی اسمٰعیلیہ ہیں۔ اس فرقہ نے قدیم مذہب اثنا عشری سے سب سے پہلا اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محدود تھی اس کو غیر محدود کر دیا۔۔۔ اور بجائے ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کئے۔ اور اپنے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا۔ مگر محدود نہیں کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہے گا اور سات کی تخصیص اس لئے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصہ سات میں محدود ہے۔ مثلاً آسمان سات ہیں ہفتہ کے دن سات ہیں، مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علیٰ ہذالقیاس دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ امام ظاہر یا مستور سے خالی نہیں رہتا ہے جب امام مستور ہوتا ہے اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہے اس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ نے پولٹیکل سازشوں کو جزو مذہب بنادیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بہ لحاظ تقسیم ہفت گانہ "سبعیہ" کا خطاب دیا ہے۔ اور جس زمانہ میں امام ظاہر ہوتا ہے اس کا نام دور الکشف ہے۔ اور جب امام مستور ہوتا ہے اس کا نام دور الستر ہے حسن صباح نے جب مذہب اسمٰعیلیہ اختیار کیا تو اُس نے اور اُس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی (جس کی تفصیل آگے درج ہے)، حسن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمٰعیلیہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسئلہ وجود ذات باری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل بیکار اور معطل بنادیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ خود اُس میں قدرت ہے۔ بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہے

لے بُت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب مرتب کیا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اُس کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۶۲۷۔

(بقیہ صفحہ ۴۳۹۔ بہ الظاہر لاعزاز دین اللہ۔ امام اول عبید اللہ کے نسب میں بہت اختلاف ہے جس کی تفصیل ابن خلکان وغیرہ میں ہے۔ مغرب میں عبید اللہ کی امامت ۲۹۲ھ میں ہوئی اور ۳۲۲ھ میں بمقام مہدیہ انتقال کیا۔

لے ترجمہ۔ سنہ ۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔ لفظ آفتاب سے بعض نے عبید اللہ مہدی اور بعض نے محمد بن عبید اللہ مہدی کا مراد لیا ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع ہے جو ملکی ضرورت سے وضع ہوئی تھی لے کتاب الملل والنحل دبستان مذاہب حالات المعیلیہ

کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔ یہی حالت جملہ صفات کی ہے جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہو جائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈال دیا کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں اور سب سے اہم باشان یہ مسئلہ ہے کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے (یعنی ظاہر بمنزلہ پوست ہے اور باطن بمنزلہ مغز) اس مسئلہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا اور اسی مسئلہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ قرار پایا۔ احکام شرعی کی جس قدر تاویلیں کی ہیں اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کرو جس سے مصطلحات فقہ کا اندازہ ہوگا۔

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا۔ اور نماز باجماعت، امام معصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا۔ اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہے کہ روزے سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا رہے اور اگر وہ فواحش میں مبتلا ہو تو اُس کو بھی افعال حسنہ سمجھے۔
زکوٰۃ	تزکیہ نفس۔ مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا۔
حج	امام کی زیارت کرنا۔ دوسرا فقیہ کہتا ہے کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع کرنا
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا۔
غسل	تجدید عہد و پیمان۔
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔ اور اُس کا دوست بن جانا۔
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا۔
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنت	عیش پسندی جسموں کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔
دوزخ	محنت۔ جسموں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احتلام	افشاء راز مذہبی۔

لفظ	معنی
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی انا مدینۃ العلم و علی بابھا)
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی و علوی
عالم باطن	عالم ارواح۔ نفوس۔ عقول

اسی طرح ہزاروں مسائل ہیں۔ جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسےٰؑ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مردہ زندہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح[2] حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں بمسئلہ تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا، جس میں شور و شر نہ اٹھے جائز ہے۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہے۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک امام تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہے۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزیل اور باطنی کو تاویل کہتے ہیں۔

فرقہ اسمٰعیلیہ کی تعلیم اور تربیت کے قواعد

امام[3] عبید اللہ مہدی نے قیام سلطنت کے بعد دار السلطنت قیروان میں اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لئے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی۔ جس کی تکمیل الحاکم بامر اللہ نے کی اور اس درس گاہ کا نام "دار الحکمۃ" رکھا۔ جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق فرامش خانہ یا لاج کہنا چاہیئے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر) جمع ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر مذہب کا آدمی اس دار الحکمۃ میں داخل ہو سکتا تھا۔ بلحاظ مراتب تعلیم کے سات درجے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

---

[1] اصطلاحات مذکورہ بالا تذکرۃ الائمہ مصنفہ ملا باقر مرحوم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔

[2] تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۹۰۔ مطبوعہ نول کشور پریس۔

[3] تمدن الاسلام جلد دوم بمقریزی جلد اول دائرۃ المعارف جلد سوم الٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر ای جی براؤن صاحب۔

حسن بن صباح

۱۔ داعی الدعاۃ	نائب امام، صدر انجمن، گرینڈ ماسٹر
۲۔ داعی الکبیر	افسر صوبہ
۳۔ داعی	معلم (جس کا دوسرا نام (حلیبس بھی ہے)
۴۔ رفیق	
۵۔ فدائی	
۶۔ لصیق	دلاسک)، مقلد ناتجربہ کار
۷۔ عوام	

درس میں امام عبید اللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی مناسبت سے سات باب تھے۔ اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہوجاتی تھی۔ کیونکہ مہدی کا منشار اس تعلیم وتربیت سے صرف اس قدر تھا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا استیصال کردیا جائے۔ لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہوگئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھادیئے گئے اور خاص نصاب مقرر ہوا۔ جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفۃ العزیز باللہ ابو منصور نزار بن المعز الدین اللہ معدی وسیع پیمانہ پر ایک شان دار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام "ایوان الکبیر" رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن' اس ایوان میں نماز وخطبہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی معز الدولہ علی بن بویہ ہے۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پاگئی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہا، مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام "مجلس الحکمۃ" تھا۔ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی۔ جس میں خلیفہ بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن ان کے واسطے جامعہ ازہر میں انتظام کیا گیا تھا لیکن خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے ایک فرمان کے ذریعہ سے مجلس الحکمۃ کو شکست کردیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۳۸۸ مطبوعۂ مصر ۱۲۷۰ھ۔

مجالس الدعوۃ

دعوت اوّل

اس درجہ میں داعی (معلم) مدعو کے سامنے قرآن کے مسائل پر شکوک اور شبہات پیدا کرتا ہے اور اس انداز سے تقریر کرتا ہے کہ مدعو کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے اور شبہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مثلاً خدا نے دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا۔ کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے عاجز تھا؟ پھر پوچھتا ہے۔ شیطان، ابلیس، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہاں رہتے ہیں۔ الم، المص، کھیٰعص، حمعسق سے خدا کی کیا غرض ہے شجرۃ الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہے۔ خدا نے آسمان وزمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا۔ مہینوں کی تعداد بارہ کیوں مقرر ہوئی۔ "خلقت حوّاء من ضلع آدم" اس حدیث کے کیا معنی ہیں۔ "الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر" فلاسفہ کے اقوال ہیں اس کی شرح بیان کرو۔ خدا نے ہاتھ و پاؤں میں دس انگلیاں کیوں بنائیں۔ پھر ہر انگلی میں باستثنا رانگشت تین تین جوڑ کیوں ہیں (علیٰ ہذہ القیاس تمام قرآن اور مجموعۂ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک وارد کیے جاتے تھے۔

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں اور وہ جواب کا طالب ہے اس وقت داعی کہتا ہے کہ یہ مسائل شریعت ہیں۔ عجلت کیا ہے۔ جب عہد کرو گے تو سب حل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منھم میثاقاً غلیظا۔" جب مدعو شکک فی المذہب ہو جاتا اس وقت شبہات مذکورۂ بالا کا جواب اسمٰعیلی مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہر بات کو بغیر کسی بحث وحجت کے تسلیم کرے۔

دعوت دوم

اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اس کی حفاظت صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب یہ اعتقاد نفس مدعو میں راسخ ہو جاتا تھا۔

تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم اس درجہ میں مذہب اسمٰعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور سب سے پہلا عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہے مثلاً سبعہ سیارہ، سبعہ سمٰوات، سبع طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام اسمٰعیل بن جعفر صاحب الزماں ہیں امام تاویل قرآنی کے ماہر ہیں اور دعاۃ ان کے وارث ہیں۔

دعوت چہارم اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اس وقت تک سات پیغمبر صاحب شریعت کو منسوخ یا تبدیل کر دیا ہے۔ یہ صاحب وحی تھے جن کا خطاب پیغمبر ناطق (گویا) ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر صامت (خاموش)، بھی تھا جس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبر ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کر دے۔ تفصیل پیغمبران حسب ذیل ہے۔

پیغمبرانِ ناطق	پیغمبرانِ صامت
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علیؑ لغایت اسمٰعیل بن جعفر صادق
۷۔ صاحب الزمان محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق۔	صاحب الزمان پر علم اولین و آخرین ختم ہو گئے ہیں لہذا کسی پیغمبر صامت کی ضرورت نہیں رہی۔

دعوت پنجم اس درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت پیغمبر نے اشاعت دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب یا داعی مقرر کئے تھے۔ تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قید شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہے اور اس میں خاص حکمت باری تعالیٰ کی یہ

---

[1] پیغمبران صامت کو اسمٰعیلیہ وصی بھی کہتے ہیں اور نقیبوں کو پیغمبران صامت سے دوسرے درجہ پر مانتے ہیں۔

تھی کہ بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انصار بھی بارہ تھے۔ اسی طرح ہاتھ کی ہر چار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور ہر انگشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہے۔ اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں ایسے ہی ریڑھ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن کا درجہ بلند ہے لہٰذا یہ اشارہ انبیاء ناطق اور ائمہ کی طرف ہے اور بارہ سے مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ والغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ وہ فنا فی الشیخ کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں،

دعوت ششم اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی۔ اور ہر ظاہر مسئلے کے باطنی معنی بتاتے جاتے تھے۔ افلاطون ارسطو۔ فیثاغورس کا فلسفہ ختم کرایا جاتا تھا۔

دعوت ہفتم اس درجہ میں مسائل الٰہیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ مثلاً ان کا یہ دعویٰ کہ مدبر عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکماء کے اس مقولہ سے ہے کہ۔

"الواحد لا یصدر عنہ الا واحد"

دعوت ہشتم تعلیمات ماسبق کے بعد مدعو کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ وجود اول اور وجود ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے اور تمام کائنات کا وجود علت ثانی سے ہے۔

دعوت نہم دعوت کا یہ اخیر درجہ تھا۔ جس میں علم الطبیعیات مابعد الطبیعۃ، اور الٰہیات کے تمام رموز کا انکشاف کرایا جاتا تھا۔ (کتابوں[1] کے علاوہ ہر قسم کے آلات ہندسہ بھی موجود رہتے تھے)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد داعی، اپنے مدعو سے اخیر حلف لیتا ہے۔ چونکہ یہ حلف بھی ایک نئی چیز ہے لہٰذا اصلی عبارت میں حلف نامہ درج کیا[2] جاتا ہے۔

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲، حالات اسمٰعیلیہ۔

[2] مقریزی جلد اول صفحہ ۳۹۶۔

عربی

جعلت علی نفسك عهد الله وميثاقه و
ذمة رسوله وانبيائه وملائكته وكتبه
ورسوله وما اخذه علی النبيين من عقد و
عهد وميثاق انك تستر جميع ما تسمعه و
سمعته وعلمته وتعلمه وعرفته وتعرفه من
امری وامر المقيم بهذا البلد لصاحب الحق
الامام الذی عرفت اقراری له ونصحی
لمن عقد ذمته وامور اخوانه واصحابه
ولده واهل بيته المطيعين له علی هذا
الدين ومخالصته لهم من الذكور والاناث
والصغار والكبار فلا تظهر من ذلك
شيئا قليلا ولا كثيرا ولا شيئا يدلك عليه
الا ما اطلقت لك ان تتكلم به واطلقه
لك صاحب الامر المقيم بهذا البلد فتعمل
فی ذلك بامرنا ولا تتعداه ولا تزيد عليه"

ترجمہ

میں تجھ سے خدا، اُس کے رسولوں، نبیوں، فرشتوں اور کتابوں
کا عہد و پیمان لیتا ہوں، اور وہ عہد و اقرار بھی جس کو خدا نے خود اپنے
نبیوں سے لیا تھا۔ تجھ کو وہ تمام باتیں مخفی رکھنا ضروری ہیں جن کو تو
سُنے، جانے، دوسروں کو سکھائے خود پہچانے اور دوسروں کو پہنچوائے
یعنی میرا اور اُس شخص کا حال، جو اس شہر میں، امام برحق کی طرف سے
منتظم ہے اور جس کے لئے معاہدہ کیا گیا ہے۔ اور میری اس خیرخواہی کو بھی
تو پوشیدہ رکھے گا جو اقرار لینے والے کی ذات اور اس کے تمام بھائیوں
ساتھیوں، اولاد اور اہل خاندان (جو امور مذہبی میں تابع فرمان ہیں) سے
متعلق ہیں! الغرض خاندان کے تمام ارادت مندوں کے (خواہ چھوٹے ہوں یا
بڑے، مرد ہوں یا عورت) راز چھپانا ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں سے
تجھ کو مطلقاً کچھ نہ ظاہر کرنا چاہیے۔ اور ایسے اشارے کنایہ کے اظہار
کی ممانعت ہے جو باعث افشار راز ہوں۔ مگر ہاں ایسے امور بیان کر سکتے ہو
جن کی خود میں نے یا اس شہر کے صاحب اختیار منتظم نے اجازت دی ہے،
پس تجھ کو ان معاملات میں میرے حکم پر بے کم و کاست عمل کرنا چاہیے
اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی و بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت وجماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کرائے جاتے
ہیں اور ایجاب و قبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

فان فعلت شيئا من ذلك وانت تعلم
انك قد خالفته وانت علی ذكر منه فانت بری
من الله خالق السموات والارض الذی سوی
خلقك والف تركيبك واحسن اليك فی دينك
ودنياك وآخرتك وتبرأ من رسله الاولين

پس اگر امور ممنوعہ میں سے تو نے دیدہ و دانستہ (یعنی باوجود ذاتی
علم کے کہ یہ کام امام کی ہدایتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق
آسمان و زمین (جس نے تیری جسمانی صورت بنائی، اور دین و دنیا و آخرت میں تجھ پر
احسانات فرمائے) اور تمام انبیاء، سابقین و متاخرین، ملائکہ مقربین، و
کروبین، روحانین، آیات کاملہ، سورہ فاتحہ، اور قرآن مجید سے

عربی

والاخرين وملائكة المقربين الكروبين والروحانيين
والكلمات التامات والسبع المثاني والقرآن العظيم
وتبرأ من التوراة والانجيل والزبور والذكر الحكيم
ومن كل دين ارتضاه الله في مقام الدار
الآخرة ومن كل عبد رضي الله عنه وانت خارج
من حزب الله وحزب اولياءه وخذلك الله
خذلانا بينا يعجل لك بذلك النقمة والعقوبة
والمصير الى نار جهنم التي ليس لله فيها رحمة وانت
برئ من حول الله وقوته ملجأ الى حولك نفسك
وقوتك وعليك لعنة الله التي لعن الله بها ابليس
وحرم عليه بها وخلد في النار ان خالفت شيئا
من ذلك ولقيت الله يوم تلقاه وهو عليك غضبان
ولله عليك ان تحج الى البيت الحرام ثلاثين حجة حجا
واجبا ماشيا حافيا لا يقبل الله منك الا لوفاء
بذلك وكل ما تملك في الوقت الذي تخالف فيه
فهو صدقة على الفقراء والمساكين الذين لا رحم
بينك وبينهم لا يأجرك عليه ولا يدخل عليك
بذلك منفعة وكل مملوك لك من ذكر وانثى في
ملكك او تستفيده الى وقت وفاتك ان خالفت
شيئا من ذلك فهم احرار لوجه الله عز وجل وكل امرأة
لك او تتزوجها الى وقت وفاتك ان خالفت شيئا
من ذلك فهن طوالق ثلاثا بتة طلاق الحرج لا مثنوية

ترجمہ

بیزار ہوا۔ اور اسی طرح توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ سے۔ اور اس مقدس
دین متین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لئے پسند فرمایا۔ اور خدا
کے ہر برگزیدہ بندہ سے بیزار ہوا۔ اور خدا اور اولیائے کرام کے گروہ سے خارج
ہوا۔ اور خدا تجھ کو کھلی ہوئی ذلت نصیب کرے، اور اس دنیا میں مصیبت
وتکلیف پہنچائے اور آتش جہنم تک پہنچائے جہاں خدا کی کوئی مہربانی نہیں
ہوتی۔ اور تو نے خدا کی تائید وقوت سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت میں
پناہ لی ہے۔ تجھ پر خدا کی وہ لعنت ہو جو ابلیس کو دی گئی تھی! اور جس کی
وجہ سے وہ جنت سے محروم کیا گیا اور اس کو جہنم کی ابدی سزا بھگتنی پڑی
اگر تو ان میں سے کسی بات کی مخالفت کرے گا تو قیامت کے دن خدا سے
اس طرح ملے گا کہ وہ تجھ پر غضبناک بیٹھا ہوگا اور خدا کی قسم تو یہ بھی مان
لے اگر تو بیت الحرام کے تیس حج پیادہ ننگے پاؤں ادا کرے تب بھی
خدا تیرے حجوں کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ مگر ہاں اس وقت جب کہ
ایفائے عہد کرے۔ جس وقت تو ان باتوں میں کسی بات کی مخالفت
کرے گا تو اس وقت جس قدر مال تیرے پاس ہے وہ تمام اُن فقرا ومساکین کے
لئے خیرات بن جائے گا جن کے اور تیرے درمیان کسی قسم کی کوئی قرابت نہیں
ہے۔ اور اس خیرات کا خدا کے نزدیک کچھ اجر بھی نہیں ہے اور نہ تجھے
کسی قسم کا نفع ہوگا۔ اور تیرے ملک میں اب جس قدر غلام اور لونڈیاں ہوں
یا اپنی موت تک حاصل کرے اگر تو عہد شکنی کرے گا تو وہ سب خدا کی راہ میں
آزاد سمجھی جائیں گی۔ اور تیری جس قدر بیبیاں ہوں یا موت کے وقت تک
نکاح میں آویں وہ سب تین طلاق بائن مغلظہ سے مطلقہ ہو جائیں گی جن
میں نہ رجعت کی اجازت نہ کسی قسم کی حجت۔ نہ تیری مرضی کو کوئی دخل ہوگا
اور جس قدر تیرے پاس مال واسباب وغیرہ ہوگا وہ سب تجھ پر حرام ہوگا۔

عربی	ترجمہ
لك لاخيار ولا رجعة ولا مشيئة وكل ملكان	اور جو ظہار (فقہ کا مشہور مسئلہ ہے) ہوں گے وہ سب لازم بن جائیں گے۔ میں
لك من اهل ومال وغيرهما فهو عليك حرام وكل	تیرے امام اور تیری حجت کی طرف سے حلف دینے والا ہوں اور تو ان دونوں
ظهار فهو لازم لك وانا المتحلف لك ولامامك	(ایک خود اور دوسرا امام) کے لئے حلف لینے والا ہے۔ اگر تو اس حلف
وحجتك وانت الحالف لهما وان نويت وعقدت	اور معاہدہ کے خلاف کچھ اور نیت رکھتا ہے یا کچھ چھپا رکھا ہو تو یہ قسم اول
او اضمرت خلاف ما احلفك عليه احلفك به فهذه	سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لئے ایک قسم کی تجدید و تائید ہوگی۔
اليمين من اولها الى آخرها مجددة عليك لازمة	اور خدا تیری کسی اور بات کو قبول نہ فرمائے گا، مگر اس عہد کا ایفا۔ اور جو
لك لا يقبل الله منك الا الوفاء بها والقيام بما	معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہے۔ اس پہ قیام و استقلال
عاهدت بيني وبينك " قل نعم فيقول نعم "	اب تو "ہاں" کہہ۔ تب وہ (مرید) "ہاں" کہتا ہے۔

حسن صباح اور مذہب اسمٰعیلیہ

قاہرہ میں جو تعلیم ہوتی تھی۔ وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاۃ، تعلیمات مذکورہ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے ۹ کے صرف ۷ ہی درجے قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔

۱۔ داعی الدعاۃ — فضیلت اور تعلیم کا یہ اخیر درجہ تھا۔ داعی الدعاۃ خلفائے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ داعی الدعاۃ کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر تھا۔ اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (فقہا۔ اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا) اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاۃ کی ماتحتی میں بارہ[۱۲] نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جُداگانہ داعی ہوتے تھے۔ ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دارالعلم تھا اور ان کی تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی۔

۲۔ داعی الکبیر — داعی الدعاۃ کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوتے تھے وہ داعی الکبیر کہلاتے تھے

۳۔ داعی — یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو واعظوں (مشنریوں) کی طرح تمام بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ طریقے سے اشاعت مذہب کرتے تھے۔ مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار انہی کی کوشش پر موقوف تھا۔ حسن صباح نے دعاۃ کے واسطے جو قانون بنایا تھا اُس کا خلاصہ[۱] یہ

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۶۲۷۔

۱۔ الرزق ۔ اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہے یا نہیں اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔

۲۔ التانیس ۔ مدعو کی تالیف قلوب، اور رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا۔

۳۔ التدلیس ۔ اکابر دین کی موافقت کرنا۔ تاکہ مدعو کی خواہشات ترقی پذیر ہوں۔

۴۔ التاسیس ۔ تمہید مقدمات ۔ جس کو مدعو تسلیم کرے۔

۵۔ الخلع ۔ استقال اعمال بدینہ۔

۶۔ التاویل ۔ مذہب کے ہر حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی۔

۴۔ رفیق — یہ وہ لوگ تھے جو فضل وکمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور مصاحب وندیم رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔

۵۔ فدائی — یہ وہ لوگ تھے جو آنکھ بند کر کے بلا عذر وحجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ یہی فدائی داعی الدعاۃ کے اصلی مرید اور فوج کے جاں باز سپاہی تھے جو فتوحات ملکی کا باعث ہوئے انہیں کی چھریوں سے محلات کے اندر اور شارع عام پر بڑے مقتدر اور جلیل الشان سلطان، ائمہ، علما، حکمار، اور مشائخ قتل[1] ہوتے تھے۔ ان[2] فدائیوں کے ہاتھ سے جمعہ کے دن، جس طرح مسلمان علمار شہید ہوتے تھے۔ ویسے ہی اتوار کے دن گرجا میں مسیحی درویش (راہب) سلاطین اور امرار بھی قتل ہوتے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فدائیوں کو سپہگری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسلحہ کا طریق استعمال ان کو بتایا جاتا تھا مصیبت برداشت کرنے کے وہ عادی کئے جاتے تھے بھیس بدلنے کا فن اچھی طرح جانتے[3] تھے کیونکہ ہر موقعہ کے لحاظ سے اُن کو خاص روپ بھرنا پڑتا تھا۔ فدائیوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی جاتی تھی۔ اور اُن کے ذہن میں داعی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی الدعاۃ[4] تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا اقتدار اور متصرف ہے۔ جہاں جو چاہتا ہے کر سکتا ہے

[1] قتل کی علت اکثر وہ مزاحمت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کی جاتی تھی۔ اور کبھی فراہمی روپیہ کے لئے امرا قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی اسباب تھے [2] دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۶۲۰۔

[3] لٹریری ہسٹری آف پرشیا تذکرہ حسن صباح [4] دبستان مذاہب۔

اس کے حکم کی تعمیل، گویا خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو فدائی کسی فرض منصبی کے ادا کرنے میں مارا جائے گا وہ درجہ شہادت پاکر داخل جنت ہوگا۔ صاحب[1] نزہت القلوب نے فدائیوں کی شقاوت قلبی اور خوں خواری کی نسبت لکھا ہے کہ ان کو بلی دگربہ، کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپے میں نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ گوشت خواری کی تاثیر سے یہی حال فدائیوں کا تھا۔ کہ حکم پانے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا۔

۶۔ لصیق اور ۷۔ عوام

یہ دونوں ابتدائی درجے تھے۔ جن کی تعلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے۔

حسن صباح کا عام لقب

مذہبی عظمت کی بنا پر کوئی مرید حسن صباح کا نام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ "شیخ الجبل" کہلاتا تھا۔ اور اس کے ندیم ورفیق "سیدنا" کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اور خود حسن صباح نے اپنی منکسر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان وامیر ہوسکتا تھا۔

حشیش کا استعمال اور جنت کی سیر

دنیا میں ہر مذہب کا آدمی، اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہے اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سر اطاعت جھکا دیتا ہے۔ اور آئین طریقت کا یہی سب سے پہلا زریں اصول ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید | کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

اس کے علاوہ مرشد کے تقدس ووقار اور ظاہری شان وشکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہے۔ مگر شیخ کے یہ احکام مذہبی واخلاقی ہوتے ہیں۔ لیکن حسن صباح، ایک ایسا شیخ ہے کہ اس کی خانقاہ سے مُریدوں کو بجز قتل وخوں ریزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہے۔ یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ معلم ردداعی، فدائیوں کو ضرور باور کرادیتا ہوگا کہ شیخ الجبل کا ہر حکم آیت وحدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن محض تلقین وتعلیم سے ہر مرید جان دینے پر تیار ہو جائے، اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ کسی کی جان لینا، اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہٰذا یقین ہوتا ہے کہ حسن صباح کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا

---

[1] صفحہ ۳۴ اخواص گربہ

جس کی وجہ سے فدائی جاں نثاری پر تیار ہو جاتے تھے۔ جہاں تک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گذری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں کیا ہے۔ لیکن یورپ کے مشہور شہر وینس کا نامور سیاح مارکو پولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہے اور سب سے اول، اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی جنت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مارکو پولو کی روایت

۱۲۷۰ء میں جب میں ارمنیہ اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا۔ جہاں قدیم زمانہ میں ایک ملحد رہا کرتا تھا۔ اس لئے اس جگہ کا نام مسکن ملاحدہ پڑ گیا (قلعہ الموت مراد ہے) یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا لہٰذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاءالدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے اور اس نواح کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے۔ اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور نلوں کے ذریعہ سے مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا۔ اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان نازنین عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے باجے بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔ اور دل فریبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے۔ جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ اور قلعہ ایسا زبردست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح نہیں کر سکتی تھی۔ علاءالدین کے دربار میں بارہ سے بیس سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری کا شوق ہوتا جمع رہتے تھے۔ وہ ملحد اُن کو اُس بہشت کا قصہ سُنایا کرتا۔ جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سُلا دیا کرتا۔ اور وہاں سے اٹھا کر باغ میں ڈلوا دیتا تھا۔ جب وہ جاگتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاءالدین کی بہشت کے مانند ہے۔ نازنین عورتیں ان کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتیں۔ اور انھیں یقین آجاتا تھا کہ حقیقت میں وہ داخل بہشت ہیں۔ اس طریقہ سے اُس

---

[۱] ترجمہ سفرنامہ مارکو پولو مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔ [۲] دائرۃ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں وہ تمام سامان مہیا تھے۔ جو عقلاً ہونا چاہیے۔ مثلاً اشیاء بدیعہ جو دل میں جاگزیں ہوں۔ ہر قسم کے پھول، میوہ دار شجر، چشمے، چینی کے برتن، عجمی فرش، بلوری طلائی اور نقرئی چیزیں، یونانی اسباب، حور و غلمان مکلف لباس میں۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

نے سادہ لوح کوہستانیوں کے دل پر یہ نقش جما دیا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اور جب وہ اپنے کسی آدمی کو کسی کام کے لئے روانہ کرتا تو اول اُسے بھنگ سے بیہوش کر کے جنت میں بھیجتا۔ پھر وہ شخص قلعہ میں علاء الدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاء الدین اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آتے ہو۔ وہ جواب دیتا کہ بہشت سے۔ اور وہ بعینہ ایسی ہے جیسا کہ محمد صلعم نے بتائی ہے۔ اس بیان سے اوروں کو بہشت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی۔ جب علاء الدین کو کسی اپنے ہم عصر فرماں روا کا قتل کرنا منظور ہوتا تو وہ ایک جوان کو حکم دیتا کہ جا! فلاں کو قتل کر۔ واپسی پر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا۔ اس کے دو مرید اور تھے۔ جواندر جال کا تماشہ دکھایا کرتے تھے۔ ایک دمشق میں دو سرا کردستان میں رہتا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کر کے علاء الدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کر دیا۔" یورپ کے بعض سیاحوں کے سفرناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ، ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو الف لیلہ کے "الہ دین کے عجیب و چراغ" سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے نظائر خود اس سفرنامہ میں موجود ہیں۔ لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علاء الدین، قلعہ الموت میں، حسن صباح کا چھٹا جانشین ہے جس کا دور حکومت ۶۵۴-۶۵۵ھ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مارکوپولو علاء الدین کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لئے اس نے جنت کو علاء الدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت، یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام "حشاشین"[1] قرار پایا۔ اور شیخ الجبل صاحب الحشیش کہلایا۔ اور غالباً عجم میں، حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہوگا۔ اگر فدائیوں کو جنت کی سیر کرنا مقصود نہ ہوتی تو ایسی منشی بوٹی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔ اور ایک

بقیہ صفحہ ۴۴۴۔ ہر قسم کے باجے۔ یہاں کے قیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سعادت ابدی کے حصول کے لئے فدائی جان دے دیتا تھا۔ پروفیسر براؤن صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔ اور فدائی چار دن سے دس دن تک اس جنت میں رکھے جاتے تھے

[1] حشاشین کا لفظ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپین سانچہ میں ڈھل کر اساسین ہو گیا۔ اور ایک مستقل لغت قرار پایا۔ جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں جو کسی کو گھات سے مار ڈالے۔ یورپ کے مورخوں نے اس فرقہ کو اسلامی نہلسٹ کا خطاب دیا ہے اور نہلسٹ روس کا ایک آزاد گروہ ہے جو سلطنت سے یہ چاہتا ہے کہ انتظامی امور میں رعایا کی بھی آواز سنی جائے۔

دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدائی دوبارہ اُس کے دیکھنے کے آرزومند ہوں گے۔ کیونکہ یہ ایسا خواب نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں۔

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خوبصورت اور قوی ہیکل، تندرست، نوجوان منتخب کرکے فدائیوں میں داخل کرتا تھا۔ اور تعلیم کے بعد یہی فدائی، حسن صباح کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ فدائیوں کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک، لال دستار، سرخ کمر بند، ہاتھ میں تیر یا چھڑی۔ اور کمر میں چھری جب فدائی مکان تبدیل کرتے تھے۔ اس وقت ان کا لباس بھی تبدیل ہوجاتا۔

حسن صباح کی مستقل حکومت اور اشاعت مذہب

یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان ملک شاہ نے اپنی حیات میں قلعہ الموت پر ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء میں فوج کشی کی تھی۔ لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ مہم ناکام رہی اور سلطان کے جانشین خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے۔ اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دس برس کے زمانہ میں حسن صباح کا تمام رودبار، طبس، قہستان، خور، خوسف، زوزن، قائن، تون پر قبضہ ہوگیا۔ اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب

۱؎ سنین الاسلام جلد دوم حالات اسمیلیہ ۔ اسمٰعیلیہ مذہب کے داعیوں نے اس مذہب کی کس طرح اشاعت کی، اس کی نسبت مسٹر ارنلڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مذہب کے داعی طرح طرح کے بھیس بدلتے تھے جس میں اکثر صوفی اور تاجر ہوتے تھے اور یہ مختلف ملکوں میں روانہ کئے جاتے تھے۔ جاہلوں کو شعبدے دکھاتے جاتے تھے۔ اور اس کا نام معجزہ تھا۔ اور بہل باتوں کا نام تصوف کا راز تھا۔ خدا پرستوں کے سامنے یہ داعی نیکی اور تقدس کی مجسم تصویر بن جاتے تھے۔ جس زمانے میں لکھا کہ لوگ نہایت شوق سے کسی امام کے منتظر ہیں اور کوئی نجات دینے والا پیدا ہونے والا ہے تو مسلمانوں کو امام مہدی یہودیوں کو مسیح، عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں۔ شیعوں میں بیٹھکر اسمٰعیلی اپنے آپ کو مذہب شیعی کا پُرجوش معتقد ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کے خلاف اصحاب ثلثہ پر تبرا کرتے ہیں یہودیوں کے سامنے مسلمان اور عیسائیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح عیسوی مذہب کے اصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اصول ظاہر میں سب اشارات و علامات ہیں۔ لیکن جو ادق معنی ان میں مخفی ہیں ان کا مطلب صرف اسمٰعیلہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہو سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں آئے تو مذہب کی صورت ایسی تبدیل کردی کہ ہندو اس کو قبول کریں۔ حضرت علی کو بشن کا دسواں اوتار بتایا جو یورپ سے آئے گا (قلعہ الموت مراد ہے) ایک پران لکھا۔ اور داماچاریوں کے انداز پر بھجن لکھے۔ جن میں رانا درمعنوں کی ایسی باتیں نہیں کہ ہندوں کو مذہب اسمٰعیلیہ قبول کرنے کی نوبت ملی

کو بھی خوب ترقی دی جب سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اُس[1] نے عام رعایا اور علماء کی شکایت پر ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ع) میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے۔ سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ بہت بڑھ گیا اور اُس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ "یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ باطنیہ کا شکار ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امراء عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور خود[2] سلطان نے ارکان سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ "وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں" خواجہ نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہٰذا اُس نے اپنے تمام دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی چھری سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھیڑ چھاڑ سے اصفہان وخراسان وغیرہ میں بکثرت چھری بند فدائی پھیل گئے۔ اور مسلمان قتل ہونے لگے۔ قلعہ وسکوہ (قریب شہر ابہر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مسلمانان شہر ابہر کو بہت تکلیف دیتے تھے چنانچہ اُن کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج کشی کی، اور آٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اُس کے بھائی سلطان[3] محمد کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی۔ ۴۹۸ھ میں باطنیہ نے طرثیث (اعمال بیہق) سے نکل کر خراسان، ماوراءالنہر، اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ نواح رے میں لوٹ لیا۔ اور پھر اطراف رے میں لوٹ مچا دی اس تاخت وتاراج میں بہ تعداد کثیر مسلمان مارے گئے اور اُن کا مال واسباب اور مواشی سب لے گئے۔ جب[4] زیادہ شورش بڑھی تو ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ع) میں خود سلطان محمد نے قلعہ "شاہ دِز" پر فوج کشی کی۔ یہ قلعہ اصفہان کے قریب تھا۔ اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام سے بنوایا تھا۔ اس قلعہ پر باطنیوں کا قبضہ گویا دارالسلطنت کا قبضہ تھا احمد بن عبدالملک بن عطاش طبیب باطنی حاکم قلعہ تھا۔ احمد اگرچہ جاہل اور علم وفضل سے عاری تھا۔ لیکن حسن صباح نے یہ کہہ کر قلعہ کا حاکم بنایا تھا کہ "تم میرے استاد عبدالملک کے بیٹے ہو تمہارا حق فائق ہے" اور اس قلعہ کو حسن صباح نے خوب مستحکم کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح کر لیا۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے کہا کہ "تم نے تو یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری عظمت اور شوکت

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹۔ جلد ۱۰ [2] کامل اثیر صفحہ ۱۱۲ [3] کامل اثیر صفحہ ۱۳۷۔ جلد ۱۰۔

[4] کامل اثیر صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲۔ جلد ۱۰

اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے۔ لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوتی۔ احمدؔ نے جواب دیا کہ نہیں! صحیح ہوئی۔ لیکن نہ بر طریقِ حکومت اما بر طریقِ فضیحت، سلطان ہنس کر چُپ ہو رہا۔ پھر بیل پر سوار کرا کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا۔ پھر اس کی کھال کھچوائی اور اس طریقہ پر احمد کا خاتمہ ہوا۔ سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین و مددگار تھا۔ اور سلطان کو در پردہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور ابو نصر احمد بن خواجہ نظام الملک کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ۵۰۳ھ/۱۱۰۹ء میں قلعہ الموتؔ[2] پر فوج روانہ ہوئی۔ لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار خود وزیر احمد تھا۔ لیکن ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں یہ سپہ سالاری امیر نوشتگین شیر گیر (صاحب آیہ و سادہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ اور ایک سال تک برابر محاصرہ رہا[3]۔ قلعہ میں کمی رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور حسن صباح نے بچوں اور عورتوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے، مگر درخواست نامنظور رہوئی۔ لیکن قضا و قدر نے فتح اور شکست سے پہلے، سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حسن صباح کے قبضہ میں رہ گیا۔ تاریخ آل سلجوق[4] میں لکھا ہے کہ امیر درگزینی نے جو حسن صباح سے ملا ہوا تھا۔ امیر شیر گیر کے لشکر کو پریشان کر دیا، اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فوج کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر پر حملہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لے کر قلعہ میں واپس گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء میں سلطان سنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سب بھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر ایک جرار لشکر لے کر قلعہ الموت پر چلا۔ ظاہر ہے کہ حسن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اُس کے سپاہی تو چور اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہٰذا حسن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اور دستۂ خنجر کے اوپر حسن صباح کا ایک خط بندھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا۔ ہاں! اے سلطان سنجر بہ پرہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور بنو دے دستے کہ خنجرے بر زمین

---

[1] صفحہ ۳۹ دولت شاہ سمرقندی [2] کامل اثیر صفحہ ۱۶۸ [3] کامل اثیر صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶ جلد ۱۰

[4] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر [5] گنج دانش صفحہ ۱۴ نقرہ سنجر۔ و کتاب دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلیہ۔

سخت فرد نبرد۔ بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد"۔ اس میں شک نہیں کہ حسن صباح نے سنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دھمکا کر چھوڑ دیا۔ ورنہ لبقول حسن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چبھو دینا آسان تھا۔ اس کارروائی کے ساتھ صبح کو حسن صباح کا قاصد پہنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ لہٰذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا۔ اور انؔ معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی اور سلطانی فوج چند منزل چل کر دارالسلطنت کو واپس آگئی۔

(۱) اسمٰعیلیہ فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خرید کرے (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے"۔

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ صوبہ رودبار، قہستان، شام اور سواحل روم تک زائد از پچاس قلعے باطنیوں کے قبضہ میں تھے جو سب مستحکم اور کارآمد تھے جس میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بالکل فضول تھی۔ کیونکہ یہاں کمر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی۔ تیسری شرط البتہ سخت تھی۔ لیکن اب اس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی۔ اب حسن صباح کی توجہ شام اور یمنؔ کی طرف تھی۔

موت

ان کامیابیوں کے بعد بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء حسن صباح کا انتقال ہو گیا۔ اور پینتیس برس تک قلعہ الموت پر حکمراں رہا۔ اس وقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حسن صباح کے ذاتی حالات

حسن صباح کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم، منجم، منہدس محاسب اور ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا، صوفیوں کی طرح شب و روز ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نہ کرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ پینتیس برس میں صرف دو مرتبہ اُس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا

لہ نامہ خسرواں صفحہ ۱۰۰ احالات حسن صباح ؎ شام کے تفصیلی حالات کامل اثیر اور یمن کے واقعات عمارہ یمنی کی تاریخ میں دیکھنا چاہیے یہ تاریخ مع ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے ؎ گنج دانش صفحہ ۴۷۔ دلبستان مذاہب، زینۃ المجالس مجدی کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ و مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ ذکر الموت ۱۲۔

اور قلعہ سے تو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا اس کی مذہبی تصنیفات میں (۱) "روشنی روز و تاریکی شب" (۲) ایک مختصر مجموعہ موسومہ اکرام ہے۔ اول کتاب کے خلاصے دلبستان مذاہب وغیرہ میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں۔ جن کا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال والمساحۃ (۲) کتاب الکرہ (۳) کتاب العمل بذات الحلق

عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا۔ جیسا خود پابند شرع تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور اُف تک نہ کی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اُسی وقت اخراج کا حکم دیا اور باوجود معزز سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب نہ ہوا اسی کا اثر تھا کہ جس مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو مقبولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک نہ کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اُس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جاتیں۔ حسن صباح کو یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی اور صوفیانہ ریاضت اس کا باعث تھی"۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مکاری جعل سازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب ہوئی"۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور پھر ان میں بھی "حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ" کے ناز و کرشمے، اور باغ جنت کی دل فریبیاں سب پر مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حسب ذیل قلعوں پر قبضہ کیا (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ دژ۔ (اصفہان) (۵) دسکوہ (متصل ابہر) (۶) خالنجان (اصفہان سے پانچ فرسخ ہے (۷) قلعہ استون آوند (شہر رے اور آمل کے مابین) (۸) آردہن (۹) قلعہ الناظر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱) قلعہ خلاد خاں (مابین فارس اور خوزستان) یہ وہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے، جن کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہے جن کے ناموں کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین

حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمراں ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ اُمید یہ شخص[1] قلعہ الموت کا قلعدار اور حسن صباح کا رفیق تھا۔ حسن صباح نے ۵۱۸ھ ۱۱۲۴ء میں انتقال کے وقت خود اپنا جانشین بنایا۔ ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار۔ اس عہد میں بھی فدائیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنھوں نے شہر گیلان میں امامت کا دعوی کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ "دعوی امامت سے باز آو"۔ اُس کے جواب میں ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جس کو پڑھ کر کیا بزرگ غضبناک ہوگیا، اور امام صاحب کو گرفتار کرا کے آگ میں زندہ جلادیا۔ سلجوقیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔ چودہ برس، دو مہینہ بیس دن حکومت کر کے ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ اُمید کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوں ریزی جاری رہی۔ چوبیس برس، آٹھ مہینے آٹھ دن حکومت کر کے ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ء میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد حسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہوگیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، لہٰذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرماں روا تسلیم کیا۔ اس حکمراں کے نسب میں اختلاف ہے۔ مگر اس کا دعوی ہے کہ میں نزار بن مستنصر باللہ علوی کی نسل میں ہوں۔ حسن وسعت خیالات، اور چالاکی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے "علی ذکرۃ السلام" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء کو سب سے پہلے دربار عام کر کے حسن نے اپنی امامت کا دعوی کیا۔ اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ "صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں"۔ چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرۃ السلام

---

[1] قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات، نامہ خسرواں، سنین الاسلام، گنج دانش، نگارستان، دبستان مذاہب اور روضۃ الصفا سے ماخوذ ہیں۔

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علمار اسلام نے ملاحدہ[1] قرار دیا۔ چار برس حکومت کرکے اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے قلعہ لامسر میں ۵۵۹ھ/۱۱۶۲ء میں مارا گیا۔

(۴) محمد ثانی بن حسن

حکمراں ہوتے ہی، اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل، اور خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کرا دیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا اس کے عہد کا واقعہ ہے کہ امام فخر الدین رازی، وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ "خلا فالا سمعیلیہ لعنہم اللہ وخذلهم اللہ جب یہ خبر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقہ درس میں آکر شامل ہوا، اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضر باش رہا، ایک دن موقعہ پاکر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھدیا۔ امام صاحب نے خوف زدہ ہوکر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ "سیدنا محمد بن حسن، بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ لیکن آپ جیسے عدیم النظیر فاضل سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا۔ دوسری التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں"۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا قلعہ میں جانا غیر ممکن ہے، لیکن آئندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمھارے خلاف کچھ نہ کہوں گا"۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گلے سے خنجر ہٹالیا، اور کہا کہ "تین سو مثقال طلا، اور دو یمنی چادر میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے اور آئندہ بھی اسی قدر رقم ابو الفضل کی معرفت ملا کرے گا، پھر حجرے سے نکل کر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد امام صاحب کا یہ دستور ہوگیا کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو صرف اس قدر فرماتے کہ خلا فالا سمعیلہ امام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہوگیا کہ وہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہیں اور حکمراں الموت سے ساز رکھتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ زندہ بچ گئے۔ مگر بات یہ ہے کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ "وہ امام صاحب کو خوف زدہ کردے" قتل کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے۔

اگر دشمن نسازد با تو اے دوست — تو مے باید کہ با دشمن بسازی

---

[1] علمائے اسلام نے رد ملاحدہ میں نہایت نادر کتابیں لکھی ہیں، خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات المستظہری، حجۃ الحق، کتاب الدرج، کتاب القسطاس اور ایک رسالہ (بطور سوال و جواب، قابل ملاحظہ ہیں [2] نگارستان صفحہ ۲۳۲۔

وگرنہ ایک دو روزی صبر فرمائے　　نہ او ماند نہ تو، نے فخر رازی

اس کے عہد میں شام کے اسمعیلیوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی ماتحتی میں جداگانہ کام شروع ہوا۔ جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا میں مذہب اسمعیلہ کی خوب ترقی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کو عیاش اور کمزور سمجھ کر زہر دیدیا۔ چھیالیس برس حکمراں رہا۔

(۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث اپنے باپ کے انتقال پر ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء میں حکمراں ہوا۔ اور مذہب اسمعیلہ ترک کر کے شریعت اسلامیہ کا پیرو ہو گیا۔ اور اپنے سچے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام تصنیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ اور بیوی کو حج کے لئے روانہ کیا، امیر المومنین ناصر باللہ عباسی نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم، فرماں روائے خوارزم کے علم سے آگے کر دیا، اور جس راستہ سے یہ قافلہ گذرا وہاں کے حکمراں نے بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا۔ تاریخ میں "یہ جلال الدین نومسلم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کارروائی سے دنیائے اسلام کو تو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دے کر ختم کر دیا۔ گیارہ برس حکمراں رہا۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء میں بعمر ۹ سال حکمراں ہوا، اور رفیقوں کی مدد سے مذہب باطنیہ ازسرنو جاری کیا گیا۔ علاء الدین کو کم سنی میں مالیخولیا ہو گیا، اس وجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن باوجود سعی بلیغ فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت، وشوکت حاصل نہ ہوئی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے پینتیس[۳۵] برس، ایک مہینہ حکمراں رہا، اور ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں حسن ماژندرانی نے قتل کر دیا۔

(۷) رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین باپ کے بعد ۶۵۳ھ میں حکمراں ہوا۔ حسن ماژندرانی کو مع اس کی اولاد کے قتل کرا دیا، اور حسن کی نعش کو جلا دیا۔ ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں منقو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور قلعہ کا تمام ذخیرہ جو حسن صباح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا (قلعہ کے اندر سرکہ اور

مشہد کے حوض بھی بھرے ہوئے ملے جس کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا۔ مگر ان کا ذائقہ نہیں بگڑا تھا جس کو لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے، جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے۔ خواجہ نصیرالدین طوسی کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سالِ عرب چو شش صد و پنجاہ و چار بود ۔۔۔ یک شنبہ روز۔ اول ذیقعدہ بامداد

خورشاہ بادشاہ سماعیلیاں ز تخت ۔۔۔ برخواست پیشِ تخت ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں[1] نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکھتر برس کے بعد خاتمہ کر دیا اور تقریباً سو قلعے باطنیوں کے برباد کر دیئے، اور بارہ ہزار باطنی قتل کیے گئے۔ اسی طرح شام و مصر میں سلطان ملک الظاہر بیبرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا استیصال کر دیا اور چھری بند فدائیوں سے ملک میں امن و امان ہو گیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہو گیا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گم نامی کی حالت میں تھے۔ قلعہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ جا بجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام کرتے رہے چنانچہ فی زمانہ یہی اسمعیلہ مذہب بلاد فارس، سواحل نہر سندھ، شام، حلب، میں موجود ہے اور دمشق میں ایک محلہ ہے جو "حارۃ الحشاشین" کے نام سے مشہور ہے (ان کے عقائد میں عجمیوں سے بہت اختلاف ہے) ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہز ہائنس سر آغا خاں صاحب بالقابہ ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خورشاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشہ درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسمٰعیلیہ کی شاخوں اور مشاہیر مقتولین کی مختصر فہرست معلوم ہو گی۔

---

[1] خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے روساء کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو باطنیوں کے ظلم و ستم سے بچا دیں اور ان کا استیصال کر دیں۔ چنانچہ تاتاری فوج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک معزز مغل کو کسی باطنی نے قتل کر دیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ناظرین اس موقعہ پر حصۂ اول کے صفحہ ۴۰ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو خواجہ نصیرالدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہائے اسمٰعیلیہ جنھوں نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر شمار	نام	مختصر کیفیت
۱	اسمٰعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کا مقلد ہے۔ لہٰذا اس کا عام لقب اسمٰعیلی قرار پایا۔ اور یہی اصلی نام ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں، جو اپنے داعیوں کے نام سے یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے شہرت پذیر ہیں۔
۲	بابکی	بابک ایک عجمی تھا۔ جس نے ۲۰۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں بمقام آذربائیجان خروج کیا تھا۔ اور اصفہان وہمدان میں ایک جماعت اُس کی مقلد ہو گئی تھی۔ بابک نے اپنے جدید مذہب کا نام "خرم دین" رکھا تھا۔ اس وجہ سے بابکیہ فرقہ، خرمیہ بھی کہلاتا تھا۔ ماں بہن۔ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا اس لئے اس کا ایک نام حرمیہ بھی ہے۔
۳	محمرہ	یہ فرقہ بابک کی تقلید میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا۔ مگر صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہے۔
۴	مبارکی	مبارک، امام محمد بن اسمٰعیل کا ایک حجازی غلام تھا۔ جس نے اوّل کوفہ میں مذہب اسمٰعیلیہ پھیلایا۔ اور یہ کوفی، مبارکی مشہور ہوئے۔ ورنہ حقیقت میں مبارک کے تمام پیرو قرامطہ کہلاتے تھے۔
۵	قرمطی	فرقہ اسمعیلہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہے۔ قرمط کے لغتِ عرب میں متعدد معنی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ باریک اور گنجان خط کو قرمط کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا مقولہ ہے کہ فرّج ما بین السطور وقرمط بین الحروف۔ یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہٰذا اس کے پیرو قرمطی اور قرمطویہ کہلائے۔ عبداللہ بن میموں قداح اہوازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک پُرجوش

نمبر	نام	تفصیل
		داعی نامزد ہوا۔
۶	میمونی	عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا مقلد فرقہ میمونی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبدہ باز، ساحر اور ماہر طلسمات تھا۔ اس وجہ سے کوہستان، خراسان، اصفہان اور رے، میں اُس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمٰعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبداللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا۔ عبداللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمٰعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمٰعیلیہ میں عبداللہ کا درجہ حسن صباح سے بہت زیادہ ہے۔
۷	خلفی	خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف، عبداللہ بن میمون کا نائب تھا۔ اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، مازندان میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہٰذا اسمٰعیلی عقائد کا ان پر جلد اثر ہوگیا۔ خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث، یہ بھی بڑا فاضل تھا۔ جس نے ۲۰۲ھ میں فلسفیانہ اُصول پر مذہب اسمٰعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے۔ غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلایا۔ اور غیاث کے خلیفہ ابو حاتم نے نیشاپور، رے، طبرستان، آذربائیجان میں خوب ترقی کی۔
۸	برقعی	۲۵۵ھ میں محمد بن علی برقعی نے بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان، بصرہ، پر قبضہ کرکے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کرلیا ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ یہ نام نواح بصرہ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کا بیٹا علی بن محمد بھی قتل ہوا۔ اس کے عقائد میں مزدک، اور بابک کے اصول بھی شامل تھے۔
۹	جنابی	ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی۔ قرمطی نے احسا، قطیف، بحرین میں اشاعت مذہب کی ۳۰۱ھ/۹۱۳-۱۴ء میں قتل ہوا۔ اس کے وعظ کی ابتدا ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں ہوئی تھی۔ طاہر ابو سعید کا بیٹا تھا ۳۱۷ھ میں جس نے عین حج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت و تاراج کیا۔ چاہ زمزم، اور حرم کعبہ نعشوں سے بھر گیا۔ حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے قلم عاجز ہے۔ یہی طاہر ہے جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کرکے لے گیا تھا اور ۱۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لے کر خلیفہ مطیع اللہ عباسی کو واپس دیا۔ اور اپنی

		جگہ دوبارہ نصب ہوا۔ جو آج تک قائم ہے۔
۱۰	مہدوی	امام ابو محمد عبید اللہ مغربی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس نام کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جس کا عہد حکومت ۵۵۶ھ لغایتہ ۵۵۹ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علماء اسلام نے فرقہ اسمٰعیلیہ کا نام ملاحدہ رکھا (اس کا مفرد ملحد ہے) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان بھی باقی نہیں رہے تھے۔ نماز، روزہ وغیرہ سب کی معافی مل گئی تھی۔
۱۲-۱۹	حسنی	حسن صباح کے عہد میں یہ فرقہ حسنی[۱۲] (منسوب بہ حسن صباح) تعلیمی[۱۳] (یہ نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ بغیر امام کی تعلیم کے خدا شناسی محال ہے) باطنی[۱۴] (ہر باطن کا ایک ظاہر ہے) فدائی[۱۵] (فدائیوں کے اعتبار سے) حشاشین[۱۶] (بھنگڑ، بھنگ نوش) کے نام سے مشہور تھا منجملہ ان کے نمبر ۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق۔ عرب و عجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہے۔ مگر خاص شہرت حسن صباح کے زمانے سے ہوئی ہے۔ چونکہ حسن اور اس کے جانشین امام نزار فاطمی کے داعی تھے۔ لہذا یہ فرقہ نزاریہ[۱۷] بھی کہلاتا ہے۔ اور حسن صباح کے نام اور قبیلہ کی مناسبت سے صباحیہ[۱۸] اور حمیریہ[۱۹] بھی کہتے ہیں۔
۲۰	بیضیہ	ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بیضیہ کہلاتا ہے۔ اور بعض شہروں میں فدائی جیسا کہ سفرنامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہے۔ ملک شام میں احمد بن عبداللہ میموں اور محمد بن احمد میموں کے بعد ایک شخص ذکرویہ ملقب بہ صاحب الخال ابن مہرویہ پیدا ہوا۔ عرب کے قبائل میں اس کا بہت زور رہا ۲۹۴ھ/۹۰۶ء میں قتل ہوا۔ بعد ازاں یحییٰ بن ذکرویہ اور ابوالقاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل ڈال دی تھی اور سب سے اول قلعہ بانیاس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ جس کی تفصیل کامل اثیر وغیرہ میں موجود ہے۔
۲۱	قرامطہ یمن	تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر صنعا میں علی بن فضل یمنی نے مذہب اسمٰعیلیہ کی بنیاد ڈالی۔ شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیا اور یمن میں قرامطہ کے نام سے یہ فرقہ

مشہور ہوا (تفصیل کے لئے تاریخ عمارہ یمنی مطبوعہ لندن معہ ترجمہ انگریزی دیکھنا چاہیئے)

مختصر فہرست مشاہیر اسلام

جو حسن صبّاح اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں فدائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء	خواجہ حسن نظام الملک وزیر ملکشاہ سلجوقی	ابو طاہر حارث	
۲	۴۸۹ھ ۱۰۹۵ء	ابو مسلم حاکم رے	خداداد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاہ پوش	ابراہیم دماوندی	٠
۴	ایضاً	امیر اثر ملک شاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر کجش	ابراہیم دماوندی	
۶	۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء	امیر ارغش غلام ملک شاہ	عبدالرحمٰن خراسانی	بمقام رے قتل کیا۔ اسی طرح امیر یوسف ندیم طغرل بیگ کو قتل کیا تھا
۷	۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء	ہادی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
۸	ایضاً	ابوالفتح دہستانی وزیر برکیارق	غلام رومی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرزمین ملک شاہی	ابراہیم خراسانی	
۱۰	ایضاً	عبدالرحمٰن السمیرمی وزیر السلطان برکیارق	+	
۱۱	ایضاً	امیر برسق ندیم طغرل بیگ	+	
۱۲	۴۹۱ھ ۱۰۹۷ء	سکندر صوفی قزوینی	رفیق قہستانی	
۱۳	ایضاً	ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی	ابوالفتح سنجر	
۱۴	ایضاً	سنقر چہ والی دہستان	محمد دہستانی	

لہ یہ فہرست سیاست نامہ باب ۴۶ اور دیگر مذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۵	سنہ ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء	ابوالقاسم کرخی	حسن دماوندی	
۱۶	ایضاً	ابوالفرج قراتگین	+	
۱۷	ایضاً	ابوعبید مستوفی	رستم دماوندی	
۱۸	ایضاً	اتابک مودود حاکم دیاربکر	+	
۱۹	ایضاً	ابوجعفر شاطبی رازی	محمود دماوندی	
۲۰	سنہ ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء	امیر بلکابک سرمز اصفہانی		یہ قتل خاص سلطان محمد کے محل میں ہوا
۲۱	ایضاً	قاضی عبداللہ اصفہانی	ابوالعباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	سنہ ۴۹۹ھ / ۱۱۰۵ء	قاضی ابوالعلا صاعد بن ابومحمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا
۲۴	سنہ ۵۰۰ھ / ۱۱۰۶ء	وزیر فخر الملک ابوالمظفر خواجہ نظام الملک طوسی	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	سنہ ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء	کمال ابوطالب سمیرمی وزیر سلطان محمود		بمقام ہمدان قتل کیا
۲۶	سنہ ۵۱۹ھ / ۱۱۲۵ء	قاضی ابوسعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی	+	بمقام ہمدان قتل کیا
۲۷	سنہ ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء	قسیم الدولہ آق سنقر		نماز جمعہ میں قتل کیا
۲۸	سنہ ۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء	معین الملک ابونصر احمد بن فضل وزیر سلطان سنجر		اس وزیر نے عام طور پر باطنیہ کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔
۲۹	سنہ ۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء	عبداللطیف بن الخجندی میر الشافعیہ اصفہانی		
۳۰	سنہ ۵۲۴ھ / ۱۱۳۰ء	الامر باحکام اللہ ابوعلی بن مستعلی صاحب مصر		
۳۱	سنہ ۵۲۶ھ / ۱۱۳۱ء	امام ابوہاشم فاطمی		زندہ جلا دیا
۳۲	ایضاً	قاضی ابوسعید ہروی	محمد دراری عمر دامغانی	
۳۳	سنہ ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء	حسن گرگانی	ابومنصور ابراہیم خیرآبادی	
۳۴	سنہ ۵۵۸ھ / ۱۱۳۳ء	سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان	ابو عبداللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراغہ	ابوعبیدہ و محمد دہستانی	
۳۶	ایضاً	جناب شمس تبریزی	ابوسعید قائنی ابوالحسن قرماتی	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۳۷	۵۲۹ھ / ۱۱۳۵ء	خلیفہ المسترشد باللہ عباسی		۱۴- فدائیوں نے مل کر کام تمام کیا
۳۸	ایضاً	حسن بن ابو القاسم کرخی مفتی شہر قزوین	محمد کرخی سلیمان قزوینی	
۳۹	۵۳۲ھ / ۱۱۳۷ء	داؤد بن سلطان سنجر		
۴۰	۵۳۳ھ / ۱۱۳۸ء	قاضی قہستانی	ابراہیم دامغانی	قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے قتل کا فتوے لکھا کرتے تھے۔
۴۱	ایضاً	قاضی تفلیس دار السلطنت جارجیہ	ایضاً	
۴۲	۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	قاضی ہمدان	اسمٰعیل خوارزمی	
۴۳	۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	عین الدولہ خوارزم شاہ		
۴۴	۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء	امیر ناصر الدولہ بن مہلہل	حسین کرمانی	
۴۵	۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء	امیر کرشاشپ والی کرمان		
۴۶	۴۳۸ھ / ۱۱۴۳ء	داؤد بن سلطان محمود بن محمد سلجوقی		
۴۷	۵۴۰ھ / ۱۱۴۵ء	آق سنقر غلام سلطان سنجر		سلطان سنجر کا دوسرا غلام جوہر بھی کسی باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جس کے قصاص میں امیر عباس حاکم رَے غلام جوہر نے ہزاروں باطنی قتل کرا دیتے اور ان کے سروں کا منارہ بنایا جس پر مؤذن اذاں دیتا تھا۔
۴۸	۵۹۶ھ / ۱۱۹۹ء	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی خوش نصیبی سے بچ گیا۔ لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض ملوک افرنج بھی قتل ہوئے

یہ فہرست تاریخ کامل اثیر۔ تاریخ آل سلجوق۔ گنج دانش۔ اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

دولتِ سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ طغرل بیگ کی فتوحات

سلجوقی سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی سے عزیزانہ مراسم، الپ ارسلان کا عہدِ حکومت

ترک و تاتار

ترکستان اور بلادِ چین کے مابین، جو عظیم الشان "درہ کوہ" جس کی مسافت ہر طرف سے ایک مہینہ کی راہ تھی، واقع ہے، وہی ترکی اقوام کا قیام گاہ تھا اور سوائے خالق اکبر کے اُن کی مردم شماری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ان اقوام کے اسباب زندگی بھی اُسی جگہ مہیا تھے۔ کیونکہ اُن کی عام غذا، جانوراں صحرائی، اور پرندوں کا گوشت اور بکریوں کا دودھ تھا کبھی کبھی غلہ بھی مل جاتا تھا، سواریوں کے لئے مضبوط گھوڑے موجود تھے جن کے لئے چراگاہوں میں گھاس بافراط تھی بھیڑ اور بکریوں کے بالوں سے لباس اور خیمے بناتے تھے۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ اور قدرت نے اپنی فیاضی سے عورتوں کو بھی ان صفات میں ممتاز کیا تھا۔ ان اسباب نے ترکوں کو ایک خوفناک اور جنگ جو قوم بنا دیا تھا۔ اگرچہ اصلی پیشہ جنگ وجدال تھا۔ مگر تفریحاً قافلوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ غُز (غوز، غوزی، یوز) خطا، اور تاتاری ترک بھی اسی گروہ سے ہیں۔ مگر ان میں بھی تاتاری سب سے ممتاز ہیں۔ چین کے سیراب و پرفضا میدان، ہندوستان کے زرخیز صوبے، ایشیائے کوچک کے خوش نما وادیاں، شمالی یورپ کے پہاڑی اور ویران ملک، اور ایران کے بعض حصے، تاتاریوں کے جولاں گاہ تھے۔ یہ ٹڈی دل جس میدان میں چھا جاتا وہاں کے خشک و ترکی صفائی کر دیتا تھا۔ اور سلاطین ان کے حملہ کا نام سن کر بدحواس ہو جاتے تھے۔ جس کی تاریخ شاہد ہے چنانچہ مغل بھی اسی نسل سے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جس وقت مغل ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں نیم وحشیانہ حالت میں تھے اس وقت ترک عربوں کے میل جول سے تہذیب کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے۔

لہ ابن خلدون حالات دولت سلجوقیہ۔ تاریخ اسلام رائٹ آنریبل سید امیر علی خلافت قائم بامر اللہ تاریخ ایران مالکم صاحب حالات سلجوق۔

بہرحال[1] مسلمانوں نے اپنی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں اُن ترکی اقوام کو بلاد ماوراالنہر سے نکال دیا تھا۔ صرف ترکستان، کاشغر، شاش، اور فرغانہ ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا۔ جس کا وہ سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ملوک ترکستان کی حالت زوال پذیر ہوئی تو یہ بادیہ نشین اقوام درہ کوہ سے نکل کر بلاد ترکستان میں آباد ہوگئیں جس کی ابتدا ۱۲۷۰ھ سے ہوتی ہے۔ تاتاری اقوام میں سب سے زبردست سلاجقہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا تعلق آل سلجوق سے ہے لہذا سلجوق اعظم کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے (عربی تاریخوں میں سلجوقی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں)

دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ

دشت قبچاق[2] کا نامور سردار بیگو خاں (بیغو خاں) ایک خود مختار حکمراں تھا۔ اور اُس کی فوج کا سپہ سالار دقاق (تقاق) المخاطب بہ "تمر بالیغ" تھا (اس لفظ کے معنی سخت کمان کے ہیں۔ جو دقاق کی بہادری اور غیر معمولی جسارت پر دلالت کرتے ہیں) فن سپہ گری کے علاوہ، دقاق عقل و رائے، تدبیر و سیاست اور امانت و دیانت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے بیگو خاں کو نہایت عزیز تھا چنانچہ اسی زمانہ میں دقاق کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سلجوق[3] رکھا گیا اور یہی مولود سعید سلجوق اعظم ہو کر خاندان سلجوقیہ کا بانی قرار پایا۔ چنانچہ دقاق اور بیگو خاں کے سایہ عاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی۔ جب سلجوق جوان ہوگیا اُس وقت دقاق کا انتقال ہوا۔ اور بیگو خاں نے سیاشی (سپہ سالاری) کا درجہ دے کر سلجوق کا مرتبہ بڑھا دیا قومی سرداری اور فوجی اثر سے، سلجوق نے اپنی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور بیگو خاں پر بھی حاوی ہوگیا۔ تب امرائے سلطنت حاسد ہوگئے۔ اور شکایتوں کا بازار گرم ہوگیا۔ اور ایک خاص واقعہ یہ ہوا کہ محل سرائے میں ایک دن سلجوق، مسند شاہی کے قریب جہاں بیگمات۔ اور شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا۔ یہ نشست خاتون کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے کہا کہ "یہ لڑکا بہت چل نکلا ہے۔ اس عمر میں تو یہ حال ہے آگے چل کر خدا جانے کیا ہوگا" ، بیگو خاں پر اس واقعہ کا اثر ہوا۔ اور سلجوق کو اوج حشم سے گرانا چاہا۔ جب سلجوق کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھی ہوشیار ہوگیا۔ اور سو سوار، پندرہ سو اونٹ،

---

[1] ابن خلدون عہد سلجوق [2] روضۃ الصفا۔ حالات سلجوق۔ ابوالفدا صفحہ ۱۱۱ جلد اول الوافی جلد اول صفحہ ۲۵۸۔ زینۃ المجالس مجدی صفحہ ۲۲۲ نامہ خسرواں طبقہ سلجوقیان صفحہ ۴۸

[3] ترکی لہجہ سلیک اور سلچوک ہے۔ اور عرب سلجوق کہتے ہیں۔ نامہ خسروان عہد سلجوقیاں۔

اور پچاس ہزار بکریاں لے کر سمرقند کو روانہ ہوا اور نواح جنؒد میں پہنچ کر خیمے لگا دیئے۔ یہاں اس قبیلے کے اور گروہ بھی آ گئے۔ اور ایک چھوٹی سی حکومت قائمؒ ہو گئی اور تائید غیبی سے سلجوق معہ اپنے توابعین کے مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ خاندان سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمانؒ سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک زبردست مجدد اور حامی بن گیا۔ جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ بیغو، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا۔ لیکن سلجوق نے ادائے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار بیغو سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف و جوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بن گیا۔ جبؒ سلجوق کی طاقت بڑھ گئی تو اُس نے اپنا صدر مقام "نور بخارا"ؒ قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کر کے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چارؒ بیٹے۔ اسرائیل، میکائیل، یونسؒ موسٰیؒ ارسلان ملقب بہ پیغو کلاں تھے۔ چنانچہ میکائیل، ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی ۔ (۱۰۷ برس کی عمر میں)، ایک تاتاری کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور بمقام جند دفن ہوا۔ سلجوق اور میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ داود (پسران میکائیل)، قوم کے سردار ہوئے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی۔ جس زمانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس وقت

لہ جند ترکستان کا مشہور اور بڑا شہر ہے صفحہ ۱۴۱، جلد ۳ معجم البلدان ٭ الفخری کی روایت ہے کہ سلجوق نے اپنی عالی ہمتی، فیاضی، دانشمندی سے اکابر قوم کو اپنا ہمدرد بنا لیا تھا۔ اس وجہ سے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کر دے۔ چنانچہ بیگو خاں نے اقرار کیا تھا کہ میں عنقریب اس کا انتظام کروں گا جس کو تم دیکھ لو گی۔ چنانچہ سلجوق کو جب یہ اشارہ معلوم ہوا تو وہ معہ اپنے قبائل کے جند کو چلا گیا۔" الفخری صفحہ ۲۶۱

٭ مسٹر آرنلڈ صاحب دعوت اسلام میں لکھتے ہیں کہ ایل خانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے ان میں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو ۹۵۶ء میں کرغیز کے پہاڑی میدانوں سے اُتر کر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا۔ اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا۔ اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جس کی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔" دعوت اسلام صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ آگرہ ٭ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵ ٭ نور بخارا۔ بخارا سے تین میل کے فاصلہ پر شارع عام پر ایک مشہور گاؤں ہے اور کوہستانی ہے جہاں بزرگان دین کے مزار ہیں موسم سرما میں نور بخارا، اور موسم گرما میں صغد و سمرقند صدر مقام رہتا تھا صفحہ ۳۲۵ جلد ۸ معجم ٭ کامل اثیر جلد صفحہ ۱۶۳۔ بعض تاریخوں میں نیال کا نام بھی لکھا ہے۔

دنیائے اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع وعظیم الشان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگیں تھی اس وقت مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ خلفائے فاطمیین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب زیبا نہ تھا۔ اسپین، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہو چکا تھا۔ شام کا شمالی حصہ اور الجزیرہ، سرکش عربوں کے قبضہ میں تھا۔ جن میں سے بعض شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے۔ دولت ایران آل بویہ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اور بغداد کا امیر المومنین بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ جس کی مذہبی عظمت کو آل بویہ کے خیالات تشیع نے ضعیف کر دیا تھا۔ ایسی پُرآشوب زمانے میں اسلام کی مذہبی اور سیاسی کمزوری رفع کرنے کے لئے ایک زبردست طاقت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ خدا نے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ مسٹر لین پول[1] ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ "اسلام قبول کرتے ہی ان کندہ ناتراش اور خانہ بدوش وحشیوں کی (جو شہری زندگی سے بالکل بے خبر تھے) کایا پلٹ ہو گئی۔ یہ سلجوقی مسلمانوں کی مُردہ سلطنت میں روح پھونکنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فی الواقع اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، الجزیرہ، شام، ایشیائے کوچک سے گذر گئے۔ جو مقابلہ پر آیا اُس کو برباد کر دیا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرۂ روم تک، کل ملک ایک فرماں روا کی حکومت میں آگیا روز کی خانہ جنگیاں بند ہوئیں۔ اور سلطنت کے منتشر عنصر ایک قالب میں جمع ہو گئے۔ رومیوں کی پیش قدمی کا انسداد ہو گیا۔ نئی ترکی نسل میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا۔ یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں مہتم بالشان درجہ ملا ہے۔"

طغرل بیگ کی فتوحات ابتداً[2] میں طغرل بیگ نے علی تگین خاں (ایلک خاں) حاکم ماوراء النہر اور قدر خاں حاکم ترکستان سے ربط ضبط بڑھایا۔ لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہٰذا جنگ کی نوبت آئی۔ اور طغرل بیگ کامیاب ہوا۔ اور چغری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔ اور سلطنت روم میں مذہبی لڑائیوں میں مصروف ہوا۔ والی طوس سے یہ پہلی غلطی ہوئی کہ اس نے چغری بیگ کو طوس سے گذرنے دیا۔ جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچیں تو ۴۲۰ھ ۱۰۲۹ء

---

[1] تاریخ سلاطین اسلام۔ تذکرہ آل سلجوق مطبوعہ لندن۔

[2] تفصیل کے لئے روضۃ الصفا۔ کامل اثیر۔ اور صور الاقالیم خروج سلجوقیاں دیکھنا چاہیے۔

میں اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لئے ایک سردار کو طلب کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو غزنیں روانہ کیا۔ جب اسرائیل دربار سلطانی میں پیش ہوا تو عزت کے ساتھ بٹھایا گیا۔ اثنائے کلام میں سلطان نے پوچھا کہ "اگر مجھے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو تم اپنے قبیلہ سے کس قدر سوار لا سکتے ہو؟" اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر نکال کر سلطان کو دیا اور عرض کیا کہ "اگر یہ تیر ہمارے خیل میں بھیج دیجئے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔" اسی طرح دوبارہ اور سہ بارہ سوال کے ہر جواب پر اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب اس پر بھی محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے کمان سامنے رکھدی اور عرض کیا کہ "اس کے ذریعہ سے دو لاکھ بہادر صحرائی جرگوں سے جمع ہو جائیں گے۔ سلطان محمود سلجوقیوں کی کثرت سے مرعوب ہو گیا اور اسرائیل کو قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان[1] کے جہاد میں مصروف تھا تو سلجوقیوں کی ایک بڑی جماعت کر غیز کو عبور کر کے ماوراء النہر میں آباد ہو گئی۔ اور سلطان نے یہ بڑی غلطی کی کہ معمولی شرائط پر خراج لے کر اُن کو آباد رہنے دیا۔ اور اُن کی خواہش کے مطابق جیحون سے عبور کرنے کی اجازت بھی دیدی اور وہ اطراف خراسان میں آباد ہو گئے۔ اور ابو سہل احمد بن حسن حمدونی حاکم خراسان نے چراگاہ "دندانقان" کا زرخیز میدان اُن کو دیدیا۔ ارسلان[2] جاذب (والی طوس) نے اس حکم سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ "ایسے خطرناک مسلح گروہ کو جو تعداد میں کثیر ہیں، خراسان میں داخلہ کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے۔ اور دوسرا مشورہ[3] یہ دیا تھا کہ "آل سلجوق اور اُس کی جماعت جیحون میں غرق کر دی جائے۔ یا اُن کے انگوٹھے کٹوا دیئے جائیں تاکہ وہ تلوار زنی اور نیزہ بازی نہ کر سکیں۔" لیکن سلطان محمود نے اس کو ظالمانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ اور سلجوقی گروہ جیحون سے گزر کر شہر نسا، ابیورد، اور طوس میں پھیل گیا۔ ۴۲۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان مسعود

---

[1] تاریخ سلاطین اسلام۔ تذکرہ آل سلجوق مطبوعہ لندن۔

[2] ارسلان جاذب، سلطان محمود کے زمانہ میں طوس اور نیشاپور کا حاکم تھا۔ اور دربار محمود غزنوی میں اعلیٰ درجہ کے امراء میں شامل تھا اور سلطان کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا نیشاپور کی سڑک پر جہاں سے طوس اور ہرات وغیرہ کو سڑک گھومی ہے ایک رباط سنگی تعمیر کی کہ جس کی نظیر نہیں ہے! ارسلان کی قبر بھی اسی رباط میں ہے اور قبر کے چاروں طرف حسب ذیل کتبہ ہے کل ملک سیفوت کل ناس سیموت لیس للانسان حیاۃ۔ سبحان الملک الحی الذی لا یموت = دولت شاہ صفحہ ۹۔ [3] ابن خلکان حالات طغرل بیگ۔

تخت نشین ہوا سلطان محمود کی حیات تک تو سلجوقیوں کا زور کم رہا۔ لیکن دور مسعودی میں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے تمام ملک میں عام بغاوت کر دی، دونوں طرف سے مقابلے ہوتے رہے اور بالآخر نیشاپور اور خراسان کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا اس جنگ میں طرفین کا عظیم الشان نقصان ہوا اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر چوتھی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف و جوانب میں عمال مقرر کر کے طغرل بیگ نے ملک کا از سر نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چوتیسویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دار السلطنت رے قرار دیا اور چغری بیگ نے مرو کو دار الحکومت بنایا۔ لیکن یہ محض انتظاماً تھا۔ کیونکہ بڑے بھائی کے مقابلہ میں چغری بیگ حکمران بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور چغری بیگ نے امیر المومنین القائم بامر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست[۲] دی کہ "خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع اور ہوا خواہ خاندان رسالت ہے اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہے۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمود نے بلا جرم و قصور گرفتار کر کے قلعہ کالنجر میں قید کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنیں میں قید ہیں۔ سلطان محمود کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصالح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ تب مشاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم اُن کی حمایت کریں اس لئے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی۔ لیکن باقبال امیر المومنین ہماری فتح ہوئی۔ جس کے شکریہ میں ہم نے عدل و انصاف کو پھیلا دیا ہے۔ اور ظلم و ستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ آرزو ہے کہ ہماری حکومت امیر المومنین کے زیر فرمان ہو اور حکومت کا طرز آئین اسلام کے مطابق ہو" ابو اسحاق فقاعی سفیر نے جب یہ درخواست امیر المومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل[۳] بیگ کو "رکن الدین" کا خطاب دیا اور خلعت روانہ کیا اور بلاد مفتوحہ[۴] کی سند حکومت بھی عطا کی

---

[۱] سلطان مسعود اور طغرل بیگ کی لڑائیوں کے حالات تفصیل سے تاریخ بیہقی میں دیکھنا چاہیے ۴۲۹ھ ۱۰۳۸ء میں نیشاپور اور ۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء میں خراسان فتح ہوا۔ اس کے بعد ہرات اور مرو پر قبضہ ہوا۔ الوافی صفحہ ۳۶۰ [۲] صور الاقالیم عہد سلجوقیہ۔ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل بیگ [۳] ابن خلدون حالات طغرل بیگ خلافۃ قائم بامر اللہ۔ [۴] یہ کارروائی مذہبی حیثیت سے تھی ورنہ بلاد مفتوحہ کی سند عطا کرنے کا خلیفہ کو کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔

جلال الدولہ ملک شاہ سلجوقی

نادرشاہ ایرانی

چنانچہ سند اور خلعت ملنے پر طغرل بیگ نے جشن منایا۔ اور دس ہزار دینار۔ جواہرات، قیمتی کپڑے اور چند مشک نافہ خلیفہ کے حضور میں روانہ کئے۔ علاوہ اس کے ارکین دولت کو پانچ ہزار دینار، اور وزیر کو دو ہزار دینار بھیجے۔ اور ھبتہ اللہ بن محمل الماموتی سفیر خلیفہ کو بھی انعام دے کر اعزاز سے رخصت کیا

طغرل بیگ کی ملکی تقسیم۔ عراق اور عرب پر قبضہ، ممالک روم پر حملہ، خلافت بغداد سے عزیزانہ تعلقات

فتوحات سے مطمئن ہو کر ۱۲۲۴ھ میں طغرل بیگ نے انتظام سلطنت کی غرض سے بلاد مفتوحہ کو اس طرح پر تقسیم کیا کہ۔

۱	جیحون سے نیشاپور تک	چغری بیگ دادو
۲	کوہستان، ہمدان	ابراہیم بن نیال
۳	بست، ہرات، سیستان، بوشنج	ابو علی حسن بن موسی ارسلاں
۴	کرمان، تون، طبس	قادردین چغری بیگ
۵	آذربائیجان، ابہر، زنجان	یاقوتی بن چغری بیگ
۶	جرجان، دامغان	قتلمش بن موسی ارسلاں

اس کے علاوہ صوبہ عراقِ عجم کو اپنے قبضہ میں رکھا اور نیابت میں اپنے سب سے لائق بھتیجے الپ ارسلان بن چغری بیگ کو دے دیا اور اسی تقسیم کے مطابق ملکی انتظام شروع ہو گیا۔

عراقِ عجم کی فتوحات سے فارغ ہو کر سلطان ۱۰۵۱ع/۴۴۳ھ میں رے کو واپس آیا اور چند روز ٹھہر کر بغداد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلی۔ اور خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ۱۰۵۴ع/۴۴۵ھ میں شیراز میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف وجوانب کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی امیر ابوالاسوار والی جنزہ[2]، اور قریش بن بدران، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔ بعد ازاں سلطان نے آرمینیہ ہو کر ملازکرد کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہذا قرب وجوار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر اردن روم تک چلا گیا سلطان کی جولاں گاہ جارجیا اور

---

[1] آل سلجوق اصفہانی۔ ولٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن۔ [2] جنزہ۔ صوبہ اران کا بڑا شہر ہے جو شروان اور آذربائیجان کے مابین واقع ہے۔ اس شہر میں نامور علماء گذرے ہیں صفحہ ۱۵۱ جلد ۳۔ معجم البلدان۔

آئیبریا تک تھی۔ اور ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں ابراہیم بن نیال سلجوقی ممالک روم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا، غرضکہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ لیکن شدت سرما سے مجبور ہو کر رے میں واپس آیا۔ کچھ عرصہ تک قیام کر کے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا یہ ارادہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بے دخل کر دے لہٰذا حلوان کو روانہ ہوا لیکن اس زمانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امرائے دیالمہ[1] کے مظالم سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۴۴۷ھ (مطابق دسمبر ۱۰۵۵ء) سلطان داخل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الرؤسا وزیر اعظم، اہل مناصب قاضی القضاۃ اور ذوی رتبہ امراء نے استقبال کیا۔ دونوں وزیر بڑے تپاک سے ملے۔ سلطان کے خیمے لب دجلہ نصب کیے گئے اور فوج کی کثرت سے بغداد کی گلیاں بھر گئیں۔ جامع بغداد میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ بروز پنجشنبہ ۱۱ محرم ۴۴۸ھ (مطابق ۱۲ مارچ ۱۰۵۶ء) امیر المومنین قائم بامر اللہ نے دربار عام کیا۔ عمید الملک معہ ارکان دولت، خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے اور اسی دربار میں خدیجہ المخاطب بارسلان خاتون، دختر چغری بیگ کا خلیفہ سے نکاح ہوا۔ وزیر اعظم نے خطبہ پڑھا۔ اور شرائط ایجاب و قبول کے پورے ہوئے۔ اس رشتے سے عمید الملک کی یہ غرض تھی کہ طغرل بیگ کی عزت افزائی ہو۔ اور دربار خلافت سے سلطان کے عزیزانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اس زمانہ میں قلمش بن اسرائیل صوبہ موصل اور دیار بکر کا حکمراں تھا۔ اس پر ارسلان بساسیری[2]، قریش بن بدران العقیلی

---

[1] اس زمانہ میں بغداد پر شاہان دیلم کی حکومت تھی اور خلیفہ انھیں کے زیر اثر تھا جن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود اُن کے قائم مقام ہو گئے۔ [2] بساسیری" ارسلان نام ابو الحرث کنیت یہ ایک سوداگر کا غلام تھا۔ یہ سوداگر شہر بسا کا رہنے والا تھا جس کو عربی میں فسا کہتے ہیں۔ بساسیری خلاف قیاس نسبت ہے جس کو اہل فارس نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ سوداگر مذکور سے بہاؤ الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے خرید کیا۔ اور غلاموں میں شامل کر کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی۔ چنانچہ ارسلان سیاست اور آداب لشکر کشی میں بے نظیر ثابت ہوا۔ جلال الدولہ اور اس کے بیٹے ملک رحیم کے زمانہ میں یہ بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر کے بغداد سے قلعہ عانہ میں (نہر فرات کے کنارے) بھیج دیا۔ اور وزیر علی بن حسین بن محمد رئیس الرؤسا کو قتل کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا۔ اس کے قتل کا یہ سبب ہے کہ وہ مذہب سنت و جماعت میں راسخ العقیدہ تھا۔ اور وزیر عمید الملک کندری کا دباؤ (بقیہ صفحہ آئندہ)

اور نور الدولہ دبیس بن علی مزید آسدی نے متفق ہوکر حملہ کر دیا۔ اور بمقام سنجار لڑائی ہوئی۔ قتلمش شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلمش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہوکر موصل پہنچا۔ بساسیری تو فرار ہوگیا اور نور الدولہ، اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی اسی جگہ سلطان کا بھتیجہ یاقوتی بن چغری بیگ بھی معہ فوج آکر مل گیا جس کی وجہ سے سلطان کی شان و شوکت اور بڑھ گئی۔ ملک پر پورا سکہ بیٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلمش کو پریشان کیا تھا۔ اور بساسیری سے ساز کر گئے تھے۔ لہٰذا اس قصور میں سلطان نے واپسی کے وقت سنجار پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی رؤسا سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے۔ لیکن پھر قتلمش کی سفارش پر امن وامان کا اعلان کر دیا گیا۔ جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہؒ نے ملاقات کے واسطے پچیسویں ذیقعدہ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے وسیع پیمانہ پر ملاقات کا سامان کیا گیا۔ سلطان معہ ارکان دولت باب الرقہ تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا جس کو امیر المومنین نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیر المومنین کی سواری کا تھا)، اور دہلیز صحن السلام اور حصن الاسلام (ایوان خلافت) پر پہنچ کر پیادہ ہوگیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ، سلطان کے جلو میں تھے۔ جب یہ شاندار جلوس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کر کے محل کے اندر لے گئے متعدد درجے طے کرنے پر نظر آیا کہ امیر المومنین حجاب کے پردوں میں روپوش ہیں جس جگہ تخت بچھا ہوا تھا اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ در و دیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا۔ جب سلطان متر اشرف کے قریب پہنچ گیا تو پردہ اُٹھا دیا گیا اور برائے العین، امیر المومنین کی زیارت نصیب ہوئی۔ خلافت مآب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا)۔ کندھے پر چادر پڑی ہوئی تھی اور عصا ہاتھ میں تھا۔ (یہ دونوں چیزیں رسالت مآب کی تھیں) سلطان طغرل بیگ، خلیفہ کے حضور میں پہنچ کر مؤدب کھڑا کیا گیا۔ سلام اور زمیں بوسی کی رسم کے بعد سلطان کو کرسی

بقیہ صفحہ ۴۶۶ ۔ بڑا مخالف تھا۔ چنانچہ علی نے کرنح کے شیعوں پر حملہ کر دیا اور اُن کے سبز علم اکھاڑ کر پھینک دیے اور بجائے ان کے سیاہ علم نصب کر دیئے اور اذان میں کلمہ حی علی خیر العمل کے مقابلہ میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کر دیا۔ اصحاب ثلثہ کی مدح باآواز بلند قصہ خوانوں کی طرح گلی کوچوں میں پڑھنے لگے، اور مستنصر علوی کا خطبہ پڑھوایا۔ بغداد کے ناحیہ باب ازج میں دار بساسیری ایک مشہور محلہ ہے۔ بغداد میں ایک سال چار مہینہ تک اس کا شور شر قائم رہا جس کا نام تاریخ میں فتنہ بساسیری ہے یہ واقعات ۴۵۰ھ سے متعلق ہیں۔ از ابن خلدون مرآۃ البلدان ناصری ۴۵۰ھ تاریخ آل سلجوق اصفہانی اور کامل اثیر سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

پہ بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بچھی ہوئی تھی) محمد بن منصور کندری ترجمان ہوا
دکیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی) معمولی بات چیت کے بعد رئیس الرؤسا نے خلافت مآب کی طرف
سے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین، تمھاری کوششوں کے بے حد مشکور ہیں۔ اور
تمھاری جاں نثاری کے مداح ہیں۔ امیر المومنین کو تمھاری حاضری سے بہت مسرت ہوئی اور امیر المومنین
تم کو کل بلاد کی حکومت عطا فرماتے ہیں۔ جس کا حکمران اللہ جل شانہ نے ان کو بنایا ہے۔ اور مخلوق کے
مراعات اور اُن کے معاملات تمھارے سپرد کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے
ڈرتے رہو۔ اور امیر المومنین کے احسانات کو انعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلانے۔
ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت کی اصلاح میں بجان و دل ساعی رہو۔ تقریر ختم ہونے کے بعد سلطان
کو ایک دوسرے درجہ میں لے گئے۔ اور وہاں سات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا۔ سر پر تاج
رکھا گیا گلے میں طوق اور ہاتھ میں کنگن پہنایا گیا۔ پھر تاج کے اوپر مشک میں ڈوبا ہوا ایک زرتار عمامہ
باندھا گیا۔ گلے میں مرصع تلوار حائل کی گئی۔ جب عربی اور عجمی طریقہ پر سلطان خلعت پہن چکا تو پھر
خلیفہ کے روبرو کرسی پر لا کر بٹھا دیا۔ سلطان نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں دوبارہ زمیں بوس ہونا
چاہا مگر چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا۔ لہٰذا اس رسم سے معافی دی گئی۔ خلیفہ نے مصافحہ
کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سلطان نے بعد مصافحہ ہاتھ چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ دست بوسی کے بعد خلیفہ
نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی۔ جو دوسری طرف گلے میں حائل کی گئی خلیفہ
نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج دعمامہ بخشا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور
مغرب کا مالک ہوا۔ اور اس کو عرب و عجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پڑھ کر
سنایا۔ جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُس پر کاربند ہونے کی ہدایت کی۔ ان رسوم کے
بعد ملاقات ختم ہو گئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ ۴۵۰ھ میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم
نیال سے بمقام ہمدان وارے نیارے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب وہ گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان
نے قتل کا حکم دے دیا۔ اور اُس کے شور و شر سے ہمیشہ کے لئے فرصت مل گئی۔ موقعہ پاکر ارسلان
بساسیری نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر کے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصافہ اور جامع
منصور میں پڑھوایا۔ اور علاوہ بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی۔ اذان میں کلمہ

حی علی خیر العمل" کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد سے نکال کر قلعہ حدیثہ خاں (متصل عانہ کنارہ نہر فرات) میں بھیج دیا۔ بغداد و قصر خلافت لوٹ لیا۔ متنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامراللہ پر جب یہ مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو اُس نے نہایت درد انگیز خط لکھکر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اس وقت اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی امانت کو فورًا بغداد پہنچا۔ سلطان کی آمد سُن کر بساسیری معہ اہل وعیال فرار ہوگیا۔ اور چوبیسویں ذیقعدہ ۴۵۱ھ میں خلیفہ بھی بغداد پہنچ گیا بمقام نہروان خود سلطان نے استقبال کیا۔ اور دست بوس ہوکر سلامتی کی مبارک باد دی اور معذرت کی کہ میں ابراہیم سے برسرپیکار تھا۔ اس وجہ سے حاضری میں وقفہ ہوا۔ خلیفہ نے دعا دی اور ایک تلوار طغرل کے گلے میں حمائل کرکے کہا کہ "میرے پاس اس وقت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے" خلیفہ کی واپسی کے بعد سلطان نے خمارتگین کی سپہ سالاری میں اول کوفہ کو فوج روانہ کی اور بعد میں خود بھی روانہ ہوگیا۔ یہاں بساسیری غارت گری میں مصروف تھا۔ شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بساسیری کو میدان جنگ میں تیر لگا جس سے زخمی ہوکر گھوڑے سے گرا کمشتگین نامی ایک سوار نے سر کاٹ کر وزیر عمید الملک کندری کے روبرو پیش کیا۔ اور وزیر نے یہ تحفہ سلطان کے نذر کیا۔ چنانچہ سلطان نے نامۂ فتح کے ہمراہ سر بھی بغداد روانہ کردیا۔ وہاں خلیفہ کے حکم سے باب النوبی پر آویزاں کردیا گیا۔ اس انتظام سے فارغ ہوکر سلطان واسط کو چلا گیا۔ اور مہینہ صفر ۴۵۲ھ میں بغداد واپس آیا۔ خلیفہ نے محل "روشن التاج" میں دعوت کی۔ جس میں علاوہ سلطان کے تمام اُمرائے دولت سلجوقیہ بھی مدعو تھے۔ بعد ازاں ربیع الآخر میں دوسری دعوت ہوئی یہ نہایت پرتکلف تھی۔ سلطان نے جب خلیفہ کو احسانات سے گراں بار کرلیا تو

۱؎ صاحب نگارستان لکھتا ہے کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب صفی الدین ابوالعلا کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھدو کہ "آپ مطمئن رہیں۔ میں عنقریب معہ فوج کے آتا ہوں" چنانچہ صفی الدین نے صرف یہ آیت لکھکر بھیج دی۔ ارجع الیھم فلناتینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون۔ (ترجمہ) سورۂ نمل۔ (اے سرگروہ ایلچیاں جنھوں نے تم کو بھیجا ہے) اُن ہی کے پاس پھر لوٹ جاؤ اور اب ہم ایسے لشکر گراں پر چڑھائی کریں گے۔ جن کا اُن سے مقابلہ نہ ہوسکے گا۔ اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل وخوار کرکے نکال باہر کریں تو سہی" اس جواب کو سن کر سلطان بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آیہ کریمہ کا مطلب ہے۔ انتخاب آثار الوزرا۔ سیف الدین۔

۴۵۲ھ ۱۰۶۰ء میں ابو سعد قاضی رے کی معرفت خلیفہ کے حضور میں یہ درخواست کی کہ اپنی بیٹی سیدہ کا مجھ سے عقد کردیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وہ سلطان کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم رہے تو تین لاکھ دینِ مہر اور اعمال واسط طلب کرنا؛ چنانچہ تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث و مباحثہ کے بعد، عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسط کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان، خلیفہ کی امید سے بہت زیادہ خدمت گذاری کرے گا۔ لہٰذا مہر کے مسئلہ میں خاموشی بہتر ہے۔" عمید الملک کی تقریر سن کر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جا کر عرض کیا کہ۔ درخواست شادی منظور ہوگئی ہے۔ یہ مژدہ سن کر سلطان نے عمید الملک، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن کامرو۔ اور دیگر سرداران دیلم کو معہ ارسلان خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، بے شمار جواہرات، اور لونڈی غلام، ہدیتہً روانہ کئے۔ جب یہ سفارت نہروان کے قریب پہنچی تو۔ مجدالوزرا ابوالفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہؓ سلطان کی درخواست سن کر برافروختہ ہوگیا۔ چہرہ پر پسینہ آگیا اور عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ جب خلیفہ نے کچھ نہ سُنا اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب عمید الملک خفا ہو کر نہروان کو چلا گیا اور سیاہ لباس اُتار ڈالا خلیفہ کی طرف سے ابو منصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصالحت کے لئے بھیجے گئے اور عمید الملک کو واپس لائے۔ دوبارہ گفتگو ہونے پر خلیفہ نے مجبوراً عمید الملک کی رائے پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا، لیکن اس کے قبل جو کارروائی ہوئی تھی وہ عمید الملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابوالمنصور کو لکھا کہ "جناب من! خلیفہ قائم بامراللہ نے میری کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا۔ میں نے خلیفہ کی حفاظت میں اپنے ایک بھائی کو قربان کردیا اور اس قدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہوگیا۔ اس پر بھی میری درخواست نامنظور کی جاتی ہے۔" اور اُسی حالت عتاب میں عمید الملک کے نام

لہ خلیفہ نے بگڑ کر عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ "نحنُ بنو العباس، خیر الناس فینا الامامۃ والنا ما متہ الی یوم القیامۃ من تمسک بنا رشد وھدی۔ ومن ناوانا ضل وغوی۔ از آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۹۔

حکم بھیجا کہ خلیفہ کے قبضہ میں صرف اس قدر جاگیر رہنے دو۔ جو القادر باللہ کے نام تھی۔ باقی کل جاگیر ضبط کرکے شامل خالصہ کرو" جب یہ مراسلہ خلیفہ کی نظر سے گذرا۔ تو مجبوراً سلطان کی درخواست منظور کرلی۔ اور خلیفہ نے عمید الملک کو وکیل بنایا۔ وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ، اور شیخ ابوالمنصور کے دستخط ہوئے۔ اور سردار ابوالغنائم بن المحلبان کی معیت میں عمید الملک کو بمقام تبریز روانہ کیا۔ اور اسی جگہ بروز شنبہ بماہ محرم ۴۵۵ھ (۱۵ر جنوری ۱۰۶۳ء) وکالتاً نکاح ہوگیا۔ سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ ابوالغنائم کو بغداد واپس کیا۔ اور خلیفہ کے حضور میں تمیں غلام تیس ترکی کنیزیں روانہ کیں۔ غلام گھوڑوں پر سوار تھے۔ جن کی زین اور لگام مرصع بہ جواہر تھیں۔ اور دس ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دس ہزار دینار اپنی بیوی سیدہ کے لئے روانہ کئے اور ایک مالا موتیوں کا جس میں تیس دانے تھے۔ ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا۔ جب سلطانی قافلہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العراقین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کئے۔ محرم ۴۵۵ھ میں سلطان آرمینہ سے سیدہ خاتون کے رخصت کرانے کے لئے بغداد آیا۔ وزیر فخرالدولہ بن جہیر نے بمقام نفس[1] بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھیرایا۔ چونکہ عقد وکالتاً بمقام تبریز ہوا تھا۔ لہذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب ادا ہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دلہن بنا کر ایک تخت زرنگار پر بٹھایا جس کے سامنے پہنچ کر سلطان کو زمین بوس ہونا پڑا۔ لیکن دلہن کے چہرہ سے نقاب اٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا جس پر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ مہینہ صفر کا ہے۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا۔ سلطان نے ارسلان خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک "جام خسروانی" اور فرجیہ (ایک قسم کا لباس، جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابوعلی بن ملک ابی کالیجار، ہزار اسپ، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن بدر بن مہلہل، امرائے دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان معہ سیدہ کے رے کو روانہ ہوگیا۔

---

[1] نفس۔ بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفا تفریحاً جایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۲، جلد ۸، معجم البلدان۔

اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہٰذا تبدیل آب وہوا کے لئے رود بار کے پہاڑی قلعہ[1] میں چلا گیا۔ مگر یہ جگہ مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ نکسیر میں مبتلا ہوا۔ اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا اور تاریخ ۸ رمضان المبارک ۴۵۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۰۶۳ء جمعہ کے دن انتقال کیا۔ طغرل بیگ نے ستر برس کی عمر پائی۔ اور چھبیس برس حکومت کی۔ شعراء نے مرثیے لکھے۔ چنانچہ کسی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے۔

خاک رے بس غریب دشمن بود ورنہ اور اچہ وقت مردن بود

اور مقبرہ چغری بیگ میں بمقام مروسود دفن ہوا۔ آل سلجوق میں یہ نہایت نیک بادشاہ ہوا ہے

سیرت طغرل بیگ

طغرل[2] بیگ کے مزاج میں حلم وکرم بہت تھا۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہیں ہوئی خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ دوشنبہ او پنجشنبہ کو روزہ رکھتا اور آئین قدیم کے مطابق یک شنبہ اور چہارشنبہ کو فیصلہ مقدمات کے لئے کچہری کیا کرتا تھا۔ خیرات اور صدقات برابر جاری رکھتا۔ عیب پوشی اس کا خاص جوہر تھا۔ پرتکلف لباس کا شائق نہ تھا۔ ہمیشہ سفید اور سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو"۔ طغرل بیگ فوجی حیثیت سے ایک سپاہی تھا۔ اور جامع صفات سردار بھی۔ جنگ کے موقعہ پہ اگرچہ اس کا مزاج آگ بگولا ہوتا تھا۔ مگر کوئی وحشیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا۔ اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی، نرمی اور فیاضی کا برتاؤ رکھا اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ اسلام کا زبردست حامی اور مربی تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہان دیالمہ نے خلفاء عباسیہ کی عظمت وشان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم وفضل کا بھی قدردان تھا۔ طغرل بیگ کا تمام دور حکومت عدل وانصاف میں ممتاز ہے۔ اور فی الحقیقت وہ سلجوقیوں میں ایک دانشمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت آ گیا تو کہنے[3] لگا کہ بیماری کی حالت میں میری وہی مثل ہے۔ کہ جب اون کاٹنے کے لئے بھیڑ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، تو وہ سمجھتی ہے کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لئے خوب اتھ پاؤں ٹپکتی ہے۔ اور جب رسی کھول دی جاتی ہے تو خوش ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح

---

[1] ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ طغرل بیگ نے موضع طاجرشت میں انتقال کیا [2] کامل ابن اثیر حالات طغرل بیگ [3] تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل۔

جب اس کو ذبح کے واسطے کتے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ اُون تراش کر چھوڑ دیں گے، اس لئے چُپ پڑی رہتی ہے، اور گلے پر چھری چل جاتی ہے۔ جب سلطان کے انتقال کی بغداد میں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے خاص مجلس عزا مرتب کی اور بزرگان بغداد آکر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ اگرچہ سپاہی منش بادشاہ تھا۔ لیکن علم دوست اور شعر و سخن کا بھی شائق تھا۔ عمادی شہریاری اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عمادی کے ذیل کے اشعار مدح سلطان میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں۔ جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

اے زلف درخت سپہر واختر	وے روے دلمت بہشت وکوثر
جز روح ایں مگس نہ شاید	آں جا کہ لب تو گشت شکر
سلطان سپہر قدر طغرل	کز قبہ دانشست برتر
خاکِ در اوست چرخ اعظم	عُشر کف اوست بحر اخضر
روزے کہ بلوح جاں نویسد	منشور اجل زبان خنجر
شمشیر ز خون تازہ سازد	بیماری مرگ را مزور
در آتش رزم پائے کوہاں	ے آید مرگ چوں سمندر
بند در محنت بدست نصرت	برگردن روزگار زیور
یک قوم چو کاسہ داغ بر دل	یک قوم چو کوزہ دست بر سر

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خالص مذہبی جوش تھا۔ اور مذہب کا ادب ہر موقعہ پر قائم رکھتا تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۴۲۹ھ میں جب شہر نیشاپور پر قبضہ کیا۔ تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مال غنیمت سے مالامال ہو جائے گا۔ چنانچہ چغری بیگ اور تمام فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ شہر الحرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے۔ میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ یہ میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن عین عید کے دن پھر اجازت مانگی۔ تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم بامراللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اس میں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کئے جاویں۔ اور خلیفۃ المسلمین

کی اطاعت فرض ہے" اس جواب پر چغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خودکشی پر آمادہ ہوگیا۔ تب مجبور ہوکر رعایائے نیشاپور سے چالیس ہزار دینار نقد دلوا دیئے۔ کہ وہ فوج کو تقسیم کردیئے جائیں۔ اور ابوبکر طوسی سفیر خلیفہ کو تیرہ پارچہ کا خلعت دے کر رخصت کیا۔

عضد الدولہ الپ ارسلان کا عہد سلطنت

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے جیحون سے نیشاپور تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی چغری بیگ داؤد کے سپرد کردیا تھا۔ اور چغری بیگ نے مرو کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ چنانچہ[ؔ] بمقام بلخ بتاریخ ۱۸ رجب یوم دوشنبہ ۴۵۱ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۰۵۹ء چغری بیگ نے بھی ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے الپ ارسلان۔ یاقوتی۔ قاورد (قاروت بیگ)، اور سلیمان موجود تھے۔ لیکن سلطان طغرل بیگ نے اپنے اطاعت شعار، بہادر اور عزیز بھتیجے ابوشجاع محمد ملقب بہ الپ ارسلان (دلاور شیر) کو بھائی کا جانشین کرکے صوبہ خراسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپ ارسلان سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا۔ لیکن چغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھاوج (والدہ سلیمان) سے عقد کرلیا تھا۔ اور یہ بیگم سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی لہذا الپ ارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے وقت اپنے دوسرے بھتیجے سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہی تاج و تخت کا مالک ہوگا (طغرل بیگ لاولد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید الملک کندری وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپ ارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا مالک ہو۔ چنانچہ بمقام "رے" سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپ ارسلان کا طرف دار تھا اُن کو یہ امر نہایت ناگوار ہوا۔ چنانچہ باغیان "ارغصن" اور اردم، مشاہیر سرداران سلجوقیہ، قزوین کو روانہ ہوئے۔ اور یہاں الپ ارسلان کا خطبہ پڑھوایا۔ بالآخر الپ ارسلان بلاشرکت غیرے سلجوقی تاج و تخت کا مالک ہوا۔ جس کے عہد سلطنت کی ابتداء محرم ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء سے ہوتی ہے۔[ؔ]

ؔ ابوالفدا۔ جلد ثانی صفحہ ۱۸۹۔ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۔ سمرجان ملکم عہد سلجوقیہ۔

ؔ ابن خلدون و کامل اثیر تخت نشینی الپ ارسلان۔

خواجہ نظام الملکؒ کی مستقل وزارت، عہد الپ ارسلان کی بغاوت اور ملکی فتوحات، الپ ارسلان کی موت، اور سلطان ملک شاہ کی تخت نشینی، خواجہ نظام الملک کے مہتمم بالشان کارنامے اور مختلف حالات و واقعات

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت

خواجہؒ حسن (نظام الملک) کے ابتدائی حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد سلطنت میں خواجہ دارالسلطنت غزنی کے کسی محکمہ میں نوکر تھا۔ پھر ابوعلی احمد بن شاذان والی بلخ کا کاتب ہوگیا۔ اور جب خراسان پر طغرل بیگ کا قبضہ ہوگیا۔ تو چغری بیگ کے دربار میں بمقام مرو حاضر ہوا۔ لیکن یہ نہیں تحقیق ہوا کہ خواجہ حسن کس سنہ میں آیا ہے۔ لیکن قرینہؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فرخ زاد یا ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں آیا ہے۔ کیونکہ الپ ارسلاں نے (بحالت شاہزادگی) فرخ زاد کو خراسان کی سب سے اخیر لڑائی میں شکست دی ہے۔ اور ۴۵۱ھ میں جب سلطان ابراہیم تخت نشیں ہوا ہے۔ تو اس نے چغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اس وقت جو ملک ہے وہ بدستور اس پر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ دوسرے پر فوج کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے پر ملک میں امن و امان ہوگیا۔ اور اس سال سے گویا سلجوقی خراسان کے مستقل بادشاہ ہوئے۔[۲] چونکہ خواجہ حسن، الپ ارسلان کے ولیعہدی کے زمانہ سے اس کا کاتب، مشیر، اور مصاحب تھا۔ اور الپ ارسلاں خود بھی خواجہ کی امانت و دیانت اور رائے و تدبیر سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابوعلی شاذان (وزیر چغری بیگ داؤد) نے الپ ارسلاں سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپ ارسلاں نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطانؒ طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلاں نہایت بیکسی اور بے بسی کے عالم میں تھا۔ کیونکہ اس

---

[۱] دیکھو حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۵ لغایت ۲۶ [۲] فرخ زاد اور ابراہیم کا عہد ۴۴۳ھ لغایت ہے۔

[۳] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۰، [۴] تاریخ آل سلجوق اصفہانی جلوس عضدالدولہ الپ ارسلاں

کے چچازاد اور علاتی بھائی (جو دوسری ماں سے ہو) تاج وتخت کے دعوے دار تھے۔عمید الملک کندری جو چچا کا وزیر اور سب سے معزز رکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرف دار تھا۔اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ بمقام رے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ بہ حیثیت ولی عہد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہے۔اور اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا ہے۔یہ واقعات الپ ارسلان کے پیش نظر تھے۔اب بجز خواجہ حسن کے اور کوئی مدبر ایسا نہ تھا۔جو الپ ارسلان کی مصیبت کے وقت کام آتا۔اور خواجہ کے لئے اس سے بہتر کوئی موقعہ اظہار خیر خواہی اور قابلیت کا نہ تھا۔چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپ ارسلان کا مددگار بن گیا۔اور اُن کی تمام چالوں کو غارت کرویا۔سلیمان ایک ناتجربہ کار شہزادہ تھا۔اور ملک میں اس کے ساتھ عام ہمدردی بھی نہ تھی۔ایسی حالت میں اکیلا عمید الملک کیا کرسکتا تھا؟ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو وہ بھی الپ ارسلان کا طرف دار بن گیا اور خطبہ میں الپ ارسلان کا نام شامل کرکے اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔مگر الپ ارسلان ان باتوں سے خوش نہ ہوا۔اور مشترکہ سلطنت کو وہ پسند نہیں کرتا تھا۔

رے پر فوج کشی

خواجہ حسن کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے سلیمان پر فوج کشی کی۔جب فوجیں رے میں داخل ہوگئیں۔تو خواجہ حسن کی خوش بیانی اور حسن تدبیر سے تمام شہر نے اطاعت قبول کرلی۔عمید الملک نے حاضر ہوکر نذر پیش کی۔اور سلیمان کی طرف سے جو خدشہ تھا وہ بالکل جاتا رہا۔

قتلمش پر فوج کشی

خواجہ حسن رے کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ پرچہ نگاروں نے اطلاع دی کہ شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان سلجوقی نے قلعہ کردکوہ[1] سے نکل کر ملک پر تاخت وتاراج کرنا شروع کردیا ہے اور رے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا۔جب فوجیں دامغان پہنچ گئیں تو جوش برادرانہ سے مجبور ہوکر الپ ارسلان نے قتلمش کو یہ پیام بھیجا کہ "تم اپنے ارادہ سے باز آؤ" قتلمش نے اس پیام پر کچھ توجہ نہ کی اور رے کے علاقہ میں لوٹ مچادی۔اور وادی الملح کو پانی سے بھر دیا جس سے یہ مقام ناقابل گذر ہوگیا۔الپ ارسلان پریشان ہوا۔خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے تمہارے واسطے ایسی فوج بھرتی کی ہے جس کے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۰ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی ص۲۳ کردکوہ۔دیکھو نوٹ صفحہ ۴۳۵ و ۴۳۶ حصہ اول کتاب ہذا۔

تیر کبھی خطا نہیں کرتے ہیں (خواجہ کی غرض خراسان کے اُن علماء و زہاد سے ہے جن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے) اور یہ فوج تمہاری سب سے بہتر اعوان و انصار ہیں۔" یہ کہکر خود اسلحہ زیب تن کئے اور الپ ارسلاں کے ہمراہ روانہ ہوا۔۔۔ سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور معہ فوج کے صحیح و سالم نکل گیا۔ قتلمش نے سامنے آکر لڑنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ ارسلاں فتحیاب ہوا۔ سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دے دیا۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قید ہوئے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دے کر آزاد کر دیا۔ جب میدان کارزار کا مطلع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلمش[1] کی نعش ملی۔ سلطان کو اپنے بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑھ کے دفن کرادیا موت میں اختلاف ہے۔ کامل اثیر کی روایت ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر مر گیا۔ اور مصنف نگارستان نے لکھا ہے کہ گھوڑے سے گرا۔ سر ایک پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ بہرحال جو سبب ہوا الپ ارسلاں کامیاب ہوا۔ اور اس فتح سے اُس کا شہرہ روم تک ہو گیا۔ اور اخیر محرم ۴۵۶ھ ۱۰۶۳ء میں رے کو واپس آگیا۔ عمید الملک نے فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستور الوزراء (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب لشکر وادی الملح پہنچا۔ تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ غالبًا اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور کامیابی حاصل کی اس نمایاں فتح سے الپ ارسلاں خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمید الملک نے خواجہ حسن سے بھی ایک دوستانہ ملاقات کی اور پانسو دینار بطور نذر پیش کئے۔ جب عمید الملک واپس گیا تو فوج حاضر خدمت ہوئی۔ سلطان اس کارروائی سے مشکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورہ سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرورود بھیج دیا جہاں وہ ایک سال قید رہا۔ اور اسی حالت میں بتاریخ ۱۶ سولہ ذی الحجہ کو ۴۵۶ھ کو

---

[1] شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلاں بن سلجوق۔ الپ ارسلاں کا چچازاد بھائی تھا۔ اور یہی قتلمش شاہان قونیہ، انقرا، سیواس، توقات، انگوریہ، الملطیہ، قیساریہ، اماسیہ، تنکسار وغیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اس کو فتوحات روم پر روانہ کیا تھا۔ جہاں اس نے حکومت قائم کر لی تھی۔ نجوم میں خاص مہارت تھی۔ چنانچہ زائچہ سے معلوم کر لیا تھا کہ میں اس لڑائی میں کامیاب نہ ہوں گا۔ ابوالفدا جلد ثانی۔

قتل[1] کردیا گیا۔ یہی وہ تاریخ ہے۔ جس دن خواجہ حقیقت میں الپ ارسلاں کا مستقل وزیر ہوا۔ کیونکہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا اب ہم خواجہ حسن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے[2]۔

عیسائی مقبوضات پر قبضہ اور شہر آدنی کی فتح

تملش کی لڑائی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان مہینہ ربیع الاول ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں بقصد جہاد ؔ رے سے آذربائیجان کو روانہ ہوا۔ جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغد کین ملاقات کو حاضر ہوا۔ یہ ایک ترکمان سردار تھا۔ جو بلاد روم سے خوب واقف تھا۔ اور جس کو جہاد سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ لہٰذا سلطان امیر مذکور اور اُس کی فوج کو ہمراہ لے کر پہاڑی گھاٹیاں طے کرتا ہوا نقچوان تک پہنچا۔ اور نہر ارس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کرائیں۔ خوی، سلماس (آذربائیجان) کی رعایا نے ہنوز اطاعت نہیں کی تھی۔ لہٰذا ان کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عمید خراسان کی حکمت عملی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آگئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہوگئی۔ اور اطراف و جوانب کے حکمران بھی (معہ فوج) شوق جہاد میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں اور کشتیاں جمع ہوگئیں تو سلطان بلاد کرج[3] کو روانہ ہوا۔ اور شاہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دوسرے قلعہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ جس میں رومیوں کا بڑا مجمع تھا۔ چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعدار قتل کر دیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ مریمانی[4] کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں۔ اور سرسبز باغات بھی تھے۔ چنانچہ یہ بھی فتح ہوگیا اور خود عیسائیوں نے

---

[1] عمید الملک کندری کے حالات حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۱۶۱ میں دیکھو۔ اور صفحہ ۶۳ (تحت حالات عمید الملک) بجائے ۴۵۵ھ کے ۴۵۶ھ اور بجائے ۴۵۶ھ کے ۴۵۷ھ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ عمید الملک اخیر محرم ۴۵۶ھ میں قید ہوا اور ایک سال بعد قتل کیا گیا[2] فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶[3] تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بیگ کا پہلا وزیر ابوالقاسم علی بن عبداللہ جوینی۔ اور دوسرا رئیس الرؤسا ابوعبداللہ حسین بن علی بن میکائیل۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابومحمد حسن بن محمد دہستانی۔ چوتھا وزیر عمید الملک کندری، پانچواں خواجہ حسن طوسی، کامل اثیر صفحہ ۱۸۱ جلد ۹[4] کرج۔ عیسائیوں کا ایک خاص گروہ جس کی سکونت جبال القبق میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا۔ جس کی حکومت تفلیس تک تھی۔ اور ان کے شہر کا نام بھی کرج تھا صفحہ ۲۲۱۔ جلد معجم البلدان

خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اُس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ سرحدی مقام ہے اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب رکھنا چاہیے چنانچہ یہ قلعہ امیر فتحوان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ[1] مریم نشین[2] میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور قسیسین، اور عیسائی بادشاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی فصیل زبردست پتھروں کی تھی، جس میں قلعی اور لوہے سے ٹیپ کرادی گئی تھی۔ ایک بڑی نہر بھی جاری تھی۔ چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کر کے لڑائی چھیڑ دی اور دن رات جاری رہی۔ جب قلعہ فتح نہ ہوا تو سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قبضہ کر لیا۔ خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے۔ کچھ عیسائی مسلمان ہو گئے اور اکثر قتل ہوئے۔ اس فتح سے الپ ارسلان بہت خوش ہوا۔ اور ملک شاہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ جہاں وہ مصروف جنگ تھا، راستہ میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار کرتا ہوا چلا گیا۔ جب سلطان الپ ارسلان، مع ملک شاہ وغیرہ شہر تسیبذ میں پہنچا تو یہاں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے۔ مگر آخر میں خدا نے فتح یاب کیا۔ یہاں سے شہر اعال لال کی طرف بڑھے۔ یہ شہر شرقاً و غرباً ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ اور شمالاً و جنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی۔ بظاہر یہ بھی ناقابل فتح تھا۔ مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دے کر تباہ و برباد کیا تھا۔ لہذا سلطان نے اُس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ واقعہ رجب ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء کا ہے۔ یہاں سے ناحیہ قرس۔ اور ڈسل وردمہ اور لوزہ میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی۔ پھر شہر آنی کی طرف کوچ کیا۔ بقدر تین چوتھائی یہ شہر نہر ارس کے کنارہ پر آباد تھا۔ اور نہایت مستحکم تھا۔ اور چوتھائی حصہ میں ایک دوسری نہر تھی۔ جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو بہائے جاتا تھا۔ اس شہر میں پانسو سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی۔ چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب فتح کی طرف سے ناامیدی ہوئی۔ تب الپ ارسلان نے اینٹ کا

---

[1] قلعہ و شہر دونوں ایک نام سے موسوم ہیں۔ یہ بڑا شہر ہے۔ تفلیس اور خلاط کے مابین ہے صفحہ ۵، جلد ۵ معجم البلدان

[2] غالباً یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں رومن کیتھولک فرقہ کے عیسائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہوگی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

[3] انتخاب از کامل اثیر۔ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۔ و فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

ایک برج بنوایا اور اُس پر منجنیق نصب کی۔ اور تپھر برسائے گئے۔ دیوار میں سوراخ ہوگیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے یہ فضل کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بلا سبب[ل] گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے بے شمار عیسائی قتل و گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جا سکے کہ مقتولوں سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا۔ جس کے جواب میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اُس کو دعائے خیر سے یاد کیا۔ امیر کُرجی نے صلح کرلی اور جزیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان معہ فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمان کی بغاوت اور فتح قلعہ استخر۔ وبہن وژ (اشیراز)۔

بردسیر ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا بانی اردشیر بابکان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ جب سے اسلامی قبضہ رہا بعد ازاں ۴۴۳ھ بمطابق ۱۰۵۱ء میں قاوردین چغر بیگ نے فتح کرکے بطور ایک ماتحت صوبہ کے اسیر جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ الپ[ل] ارسلاں کے زمانہ میں قرار ارسلاں جو قاورد کا پوتا تھا یہاں حکمراں تھا ۴۶۵ھ بمطابق ۱۰۶۶ء میں قرار ارسلاں نے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرار ارسلاں کو بہکا کر سلطان کا خطبہ بند کردیا تھا۔ یہ خبر سُن کر خواجہ نظام الملک اور الپ ارسلاں دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرار ارسلاں کو شکست ہوئی۔ قرار ارسلاں حاضر ہوکر قدم بوس ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے بہ سبب رشتہ داری قرار ارسلاں کا قصور معاف کردیا۔ اور اُس کی بیٹیوں کی شادی کے لئے ایک ایک لاکھ دینار مرحمت کئے۔ اور کرمان سے معہ خواجہ کے استخر روانہ[ل] ہوا۔ اور قلعہ استخر[ل] کو فتح کیا۔ بعد ازاں سلطان نے خواجہ نظام الملک کو قلعہ بہن[ل] وژ کی فتح کے لئے روانہ کیا

[ل] خواجہ نظام الملک نے اس واقعہ کو وصایا میں خود لکھا ہے۔ لہٰذا اس موقعہ پر صفحہ ۲۰ حصہ دوم کتاب ہذا دیکھنا چاہئے۔

[ل] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۲ و ۲۲۳ جلد دوم۔ [ل] استخر تاریخ میں قلعہ اران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ جمشید کا تعمیر کردہ ہے۔ اور قلعہ شکستہ (جمشید کا دوسرا قلعہ) سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فتح قلعہ کے بعد قلعہ دار نے نہایت بیش قیمت تحائف نذر کئے۔ منجملہ ان کے ایک پیالہ فیروزہ کا تھا جس میں مشک بھر کر نذر کیا تھا۔ اس پیالہ پر جمشید کا نام کندہ تھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت قدیم اور مستحکم تھا۔ عضد الدولہ دیلمی نے ۳۶۶ھ بمطابق ۹۷۶ء میں اس قلعہ پر ایک بڑا تالاب بنایا تھا۔ اور چہل ستون قائم کرکے اُس کی چھت پاٹ دی تھی (بقایا در صفحہ آئندہ)

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیر قلعہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔ اور محاصرہ کے سولھویں دن فتح ہوگیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم ودینار اور کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان بھی خواجہ سے اسی جگہ آکر ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ قیصر رومانوس

خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں، سلطان الپ ارسلان نے جو فتوحات کیں، ان میں سب سے مہتم بالشان رومانوس چہارم قیصر روم کا معرکہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۶۲ھ / ۱۰۶۹ء میں سلطان[1] دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مرداق نے نذر پیش کی اور اطاعت کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کر کے داخل حلب ہوا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ آخر میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفائے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔ سلطان خلعت اور سند حکومت دے کر آذربائیجان کو روانہ ہوگیا۔ اس مابین میں قیصر رومانوس

بقیہ صفحہ ۴۸۰ : تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔ یہ تالاب نہایت عمیق تھا۔ اور آب باراں سے پُر ہوتا تھا جس کے کھنڈر ہنوز باقی ہیں۔ اور چوڑائی اس تالاب کی تقریبًا ایک سو چوالیس گز شرعی ہے۔ اس کے عمق کا اندازہ نہیں ہے۔ لیکن تالاب کے اندر ستّرہ ستون ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اگر ایک سال تک روزانہ ہزار آدمی پانی پئیں تب ایک ستون خالی ہوگا۔ اس سے گہرائی کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس تعمیر کی بدولت کہا جاتا ہے کہ "عضدالدولہ دریائے درمیان کوہ دکوہ درمیان دریا نہاد"۔ ۵ پہن دژ۔ فارس کے قلعوں میں یہ قلعہ بھی نہایت قدیم تھا جس کو شاہ پور ذوالاکتاف کے بھائی مسمٰی پہن نے تعمیر کیا تھا۔ جو اب قلعہ بندر کے نام سے مشہور ہے۔ اور شیراز سے ڈیڑھ میل کی مسافت پر جانب مشرق واقع تھا۔ اس قلعہ کو جس کے اب کھنڈر باقی ہیں، شیراز کی آبادی سے قبل ملوک عجم نے تعمیر کیا تھا۔ جب شیرویہ نے اپنے باپ پرویز اور بھائی بھتیجوں کو جن کی تعداد سترہ تھی ایک ہی دن میں قتل کردیا۔ تب یزدجرد اپنی دایہ کے ہمراہ بنابر پرورش وحفاظت اس قلعہ میں بھیج دیا گیا تھا۔ چنانچہ یزدجرد بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اس قلعہ کو اپنا ایک محفوظ خزانہ بنالیا تھا، نوشیرواں کا تاج اور دیگر قیمتی اشیا اسی قلعہ میں محفوظ تھیں۔ جس کا بڑا ذخیرہ عضدالدولہ دیلمی کے ہاتھ آیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر کہ جو قلعہ کا وسط ہے۔ ایک عمیق چاہ ہے جس کا قطر چودہ گز اور جس کا موجودہ عمق سو گز ہے۔ مرزا فرصت شیرازی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ کنواں بے آب ہے۔ اور فاحشہ عورتیں جو واجب القتل ہوتی ہیں وہ اس کنوئیں میں گرادی جاتی ہیں۔ علاوہ اس کے دو کنوئیں اور بھی ہیں مگر وہ چھوٹے ہیں۔

[1] ابن خلدون فتوحات الپ ارسلان

ڈائی جنس رومنس) نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور بتاریخ ۱۹ ار نومبر ۱۰۶۹ء (صفر ۴۶۲ھ) شہر بنج پر پہنچ کر اہل شہر کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمراں حلب) اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی۔ قیصر بنج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گرما اور کمی رسد سے فوج ہلاک ہونے لگی تو واپس چلا گیا۔ لیکن ۱۰۷۰ء ۴۶۳ھ میں قسطنطنیہ سے چل کر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اس وقت قیصر کے ہمراہ روس اور فرانس وغیرہ کے شاہ ہمرکاب تھے اور دو لاکھ فوج تھی۔ جس میں رومی، فرانسیسی، روسی۔ کرجی، یونانی ارمنی، انجازی، کفچاقی، غزی، اور چرکسی سپاہی شامل تھے۔ اس مرتبہ قیصر کا یہ ارادہ تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جاثلیق کو سپرد کی جائے۔ تمام مسجدیں دیر و کلیسا کر دی جائیں۔ چنانچہ اس جاہ و حشم کے ساتھ آ کر صوبہ خلاط پر دھاوا کر کے قلعہ ملازکرد کا محاصرہ کر لیا (یہ قلعہ شہر ارض روم اور جبیل داں کے مابین واقع ہے) جب عیسائیوں کی آمد کی متواتر خبریں سلطان الپ ارسلاں تک پہنچیں۔ اس وقت وہ شہر خوئی (مضافات آذربائجان) میں مقیم تھا۔ اس خبر کو سن کر غصہ سے تھرا گیا۔ کیونکہ دشمن سر پہ تھا۔ اور بوجہ بعد مسافت نہ تو دارالسلطنت سے فوج آ سکتی تھی۔ ورنہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک وقت یہ بھی تھی کہ بلا مقابلہ واپس جانے میں دیار اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ لہذا مصلحتاً خواجہ نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل و عیال، مال و اسباب کو لے کر تبریز روانہ ہو جائے

لہ رومانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارمانوس کے نام سے مشہور ہے فوج یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا۔ جس کو ملکہ قسطنطنیہ یوڈیشیا نے اپنی مصلحتوں سے شوہر بنا کر تاج و تخت کا مالک بنا دیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ۔ اور میدان کارزار میں روم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو ہفتہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات نکلا تھا۔ گبن امپائر۔ جلد ۶۔ عہد اسلام۔

ےہ مسٹر گبن، ملطی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار تسلیم کی ہے لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے سے دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۲۰۱ کتاب نداہب فتوحات الاسلامیہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۲۸ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۰ ھہ مختصر الدول ملطی میں شہر خویخ لکھا ہے ٦ہ روضۃ الصفا حالات الپ ارسلاں۔

نے عرض کیا کہ میں قدیم خدمت گزار ہوں ہمراہ رکاب چلوں گا" سلطان نے فرمایا کہ "گو تم میری نظر سے دور ہو گئے۔ لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا یہی کافی ہے" چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا۔ اور سلطان بہ نفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لئے تیار ہوا اس وقت سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے میرے بہادر سپاہیو اگرچہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہے۔ لیکن ہم کو صبر اور شکر کے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے۔ اگر فتحیاب ہوتے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہے ورنہ شہادت نصیب ہوگی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہوگا"۔ چنانچہ سلطان نے ایک دستہ فوج کا توکلت علی اللہ آگے بڑھایا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو تعداد میں بیس ہزار تھی مقابلہ میں روسی فوج لپسا ہوئی اور خود شاہ روس جو فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا۔ جب سلطان کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان اور ناک کٹوا کر زندہ چھوڑ دیا[1]۔ اور یہی سزا کافی سمجھی۔ اور خواجہ نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار مذکور کے ناک اور کان بھی بھیج دیئے اور لکھا کہ "بطور تحفہ یہ بغداد بھیج دیئے جائیں" اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہاتھ میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علماء اپنی پُر جوش رجز خوانی سے سپاہیوں کو اُبھار رہے تھے۔ سلطانی فوج کا افسر صنداق ترکی تھا۔ چنانچہ سلطان کو بروز سہ شنبہ بتاریخ ۱۴ ذلیقعدہ ۴۶۳ھ مطابق جولائی ۱۰۷۱ء یہ فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذلیقعدہ یوم چہار شنبہ کو قیصر خلاط پر بڑھا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام کی مدد کرے گا۔ لیکن قیصر کی کثرت فوج اور منجنیقوں[2] کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ اور ڈر کر امان چاہی اور شہر کو سپرد کر دیا۔ اس پر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور بہتیروں کو قتل کر دیا یہ حالت دیکھ کر پنجشنبہ کے دن صبح کے وقت الپ ارسلان ملاز کرد کے قریب پہنچ گیا۔ اور[3] نہر کے کنارے موضع کو لونکو میں کیمپ قائم کیا۔ قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسنخ کے فاصلہ پر بمقام زہرہ مقیم تھیں (یہ مقام خلاط اور ملاز کرد کے درمیان ہے) یہاں سے سلطان الپ ارسلان نے

---

[1] فتوحات الاسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۸ [2] قیصر کے ہمراہ متعدد منجنیقیں تھیں لیکن ایک سب سے بڑی تھی جس میں آٹھ درجہ تھے اور جس میں بارہ سو سپاہی بیٹھ کر پتھر برساتے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیل کھینچ کر لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۸۔ [3] گنج دانش نقرہ الپ ارسلان

پھر سلطان ... ایک فریق ...
تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچ گیا ۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور لحظہ لحظہ
جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدت پیاس سے تڑپنے لگے کیونکہ نہر پر قیصر نے قبضہ
ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا ۔ یہ مصیبت دیکھکر سلطان گھوڑے سے اُترا دستار
ڈالی اور پٹکا کمر سے کھول کر خاک پر سر بسجود ہو گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ "اے مسبب
میرے گناہوں کا آج مواخذہ نہ کر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز بندہ سے جو تیرے نیک
متکفل ہے مت پھیر ۔ اور ہوا کا رخ دشمن کی طرف پھیر دے ۔ سلطان کے ساتھ فوج بھی
تھی ۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور سے

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

ہوا کا پھرنا تھا کہ سلطان معہ فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا ۔ تلواریں
کل فوج سپہ سالار اعظم ساوتگین کے ماتحتی میں تھی ۔ اول میدان قیصر کے ہاتھ رہا او
کی فوج کو شکست نصیب ہوئی ۔ لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلی
قیصر کو چھوڑ کر چل دیے ۔ الپ ارسلان نے موقعہ کو غنیمت سمجھکر رومیوں پر ایک آخری
میدان جیت لیا ۔ مورخ گبن لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی ۔ او
گرفتار ہوئے اس کا ذکر ہی فضول ہے بہر حال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا ۔ اور ا
کامیاب ہوا ۔ جب رومیوں کی فوج منتشر ہو گئی تو رومانوس اپنی مختصر فوج کے ساتھ
آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر گیا ۔ اور ایک سوار نے اُسے گرفتار کر لیا ۔ جس سوار نے قیصر کو
کا نام شادی تھا ۔ اور یہ ایک پستہ قامت اور کریہ المنظر شخص تھا ۔ جس کی نسبت تاریخ[1]
میں لکھا ہے کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا تھا ۔ لیکن
افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی رہنے دو ممکن ہے کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے ۔ چنانچہ
پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ گرفتاری کے بعد قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا ۔

[1] تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام الشقت لکھا ہے صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ بمبئی ۔

قیصر کے پاس سفیر بھیجا۔ اس سفارت سے سلطان کا یہ مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی خیالات سے آگاہی ہو جائے گی۔ چنانچہ سفیر نے قیصر سے جا کر عرض کیا کہ اگرچہ رومی فوج کثیر ہے لیکن خوب سوچ لو کہ "جس کے مقابلہ کو آتے ہو اُس کے غزوات ظاہر ہیں لہذا صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور اگر لڑنا مقصود ہے تو سلطان بھی اس ارادہ میں مستقل ہیں۔ بحالت صلح امان دی جائے گی اور ممالک مقبوضہ روم میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہو گی" قیصر نے اس سفارت کو بہ نظر حقارت دیکھا اور صلیب پر ہاتھ رکھکر روح القدس کی قسم کھائی۔ اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتھیار نہ ڈال دے اور رومی فوج میں شامل نہ ہو اور دار السلطنت رے ہمارے سپرد نہ کر دیا جائے اُس وقت تک درخواست صلح منظور نہیں ہو سکتی ہے۔ اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا۔ اور فوج کو تیاری کا حکم دے دیا یہ جواب سُن کر سلطان کو بھی غصہ آ گیا اور وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ امام "ابو نصر محمد بن عبد الملک بخاری حنفی" لشکر کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ آج لڑائی ملتوی رہے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں۔ کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ جب تمام ممالک اسلام میں منبر پر خطیب یہ دعا کر رہے ہوں گے کہ "اللھم انصر جیوش المسلمین" اور خاص و عام آمین کہہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور جمعہ کو صبح سے فوج میں غیر معمولی تیاریاں ہوتیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کر دیا کہ "جو شخص جانا چاہتا ہے وہ اسی وقت لشکر سے چلا جائے۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ ہو" اور سلطان نے لباس شاہی اُتار کر ایک سفید قبا پہنی جو مشک اور عنبر سے معطر تھی دیکھی گویا کفن تھا، کمان کاندھے سے لٹکائی، گرز ہاتھ میں لیا، اور تلوار گلے میں حمائل کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اُس کی دم میں گرہ لگا دی جس کی کل فوج نے تقلید کی اور فوج کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہن کر لڑنے کو نکلا ہے تو تمام سپاہی جوش میں اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان

---

[۱] سرجان ملکم صاحب فتوحات الپ ارسلان۔ [۲] اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۴۴۔ مراج الملوک طرطوشی [۳] اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دُمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدانِ جنگ میں یہ طوالت باعث تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ لگا دی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔

[۴] مختصر الدول صفحہ ۳۲۲۔

نے الپ ارسلان کے حضور میں پیش کیا ۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا ۔ لیکن جب اس نے رومی قیدیوں کے چیخنے چلانے کی آواز سنی اور بی ۔ سی لیا ٹس نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا ۔ اپنے آقا کو پہچانا اور قدم بوس ہوا ۔ تب سلطان کو یقین ہوا ۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق قیصر بادشاہ کے سامنے زمیں بوس ہوا ۔ اور آداب بجالایا ۔ الپ ارسلان نے حالت غصہ میں اٹھ کر قیصر کا غرور توڑنے کے لئے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھدیا ۔ گبن اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ اس میں کچھ شبہ ہے ۔ لیکن ابن خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے قیصر کے تین کوڑے مارے اور کہا کہ " میں نے صلح کا پیام دیا تھا ۔ جس کو تو نے نہ مانا اور آخر یہ نتیجہ دیکھا " ۔ رومانوس نے شرم سے سر نچا کر کے عرض کیا کہ " اب مجھے زجر و توبیخ سے معاف رکھئے اور جو آپ کو کرنا ہے وہ کیجئے " ۔ لیکن اس فوری کارروائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا چنانچہ مورخ گبن لکھتا ہے کہ سلطان نے قیصر کو زمین سے اٹھایا اور اس سے شیک ہینڈ (مصافحہ) کیا اور یہ یقین دلایا کہ تمہاری عزت اور تمہاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائے گی " ۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اتارا اور اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا ۔ اور روزانہ دو مرتبہ قیصر سلطان سے آکر ملتا تھا ۔ آٹھ دن کے بعد سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں ، اور ان نالائق سرداروں پر نفریں کی جو قیصر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو وہ بھی سمجھائیں ۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں ۔ اس نے کہا اگر تو ظالم ہے تو میری زندگی ختم کر دے ۔ اور اگر تو متکبر ہے تو اپنی گاڑی سے کھچوا اور پا بجولاں اپنے دارالسلطنت تک لے جا ۔ اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہے تو تاوان لے کر چھوڑ دے " ۔ اور خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ " اگر تو قصاب ہے تو ذبح کر ڈال اور اگر سوداگر ہے تو بیچ ڈال ۔ اور اگر بادشاہ ہے تو بخش دے " ۔ بہر حال نتیجہ دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے ۔ اس سوال و جواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ؟ ارمانوس نے

لہ اسلامی مورخین کے علاوہ معتبر عیسائی تاریخوں میں بھی یہ روایت ہے دیکھو مختصر الدول ملطی صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ بیروت ۔

ٹہ کتاب الوصایا صفحہ ۲۰۲ ۔ کتاب ہذا ۔

جواب دیا کہ میں تجھ کو درے لگاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل اور احسان مندی کے خلاف تھا۔ تاہم سلطان نے نہایت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا۔ اور قیصر کو آزاد کر دیا[1]۔ اور جس قدر رومی افسر اور بطریق قید میں تھے ان کو بھی رہا کر کے خلعت اور انعام عطا کئے۔ الپ ارسلان کا یہ شریفانہ برتاؤ دیکھکر قیصر نے سلطان سے اقرار کیا کہ وہ سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار دیا کرے گا۔ اور دس لاکھ دینار بطور تاوان جنگ ادا کرے گا۔ اور کسی ایک شاہزادی کا ترکی شاہزادے سے عقد کر دے گا۔ اور ضرورت کے وقت رومی لشکر سلطان کی مدد کے لئے پہنچا کرے گا اور پچاس برس کے لئے یہ عہدنامہ لکھا گیا۔ تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت مرحمت فرما کر رومانوس کو بعد معانقہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ رخصت کیا اور تین میل تک بطور مشایعت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی (قلعہ دوقیہ) پر پہنچا۔ تو اُس کو اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر میخائیل ہفتم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور کل رعایا رومانوس کی فرماں برداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام رومانوس سے ناراض تھے۔ یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جس پر مسیح کا عتاب ہو وہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ تاہم رومانوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق بمشکل تمام دو لاکھ دینار اور ایک طبق جواہرات سے بھرا ہوا جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی اجمع کر کے سلطان کی خدمت میں روانہ کئے۔ اور شرعی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان رومانوس کی راستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں معلوم ہوا کہ رومانوس کو اُس کی نمک حرام رعایا نے اندھا کر کے قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا روانگی ملتوی رہی۔ اس فتح کے بعد الپ ارسلان رے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی تھیں وہ سب قلعہ رے میں داخل کی گئیں۔ اور قلعدار کو اُن کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور امیر المومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کئے گئے۔ جس کے جواب میں تمام ملکوں سے مبارکباد کے خطوط آئے۔

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ قیصر کا جواب سنکر سلطان نے حکم دیا کہ ذلیل شخص کا قتل کرنا تو فضول ہے۔ لشکر میں منادی کر کے نیلام کیا جاوے۔ چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ہوا تب آزاد کر دیا۔ سراج الملوک طرطوسی صفحہ ۱۰۴ ؁ گبن صفحہ ۲۰۷ جلد ۶ عہد سلجوقیہ۔ و کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۲ ؁ روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

شعراء نے قصائد پڑھے۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں، مال غنیمت کا یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین زرہ اور سدس) دینار (۱۳ر ۳ پائی، میں بارہ خود فروخت ہوتے تھے اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال و دولت سے گراں بار ہو گیا تھا۔ مورخین کا قول ہے کہ یہ فتح عہد اسلام کی فتوحات سے مشابہ ہے۔ اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔

اس لڑائی کے بعد سلطان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے چچا زاد بھائی سلیمان بن قتلمش کے سپرد کر دی۔ جو بعد میں ایک مدبر حکمراں اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا۔ جس نے جلد ہی اپنی اقلیم سلطنت کو جانب شمال ہلسپانٹ تک اور جانب مغرب بحیرۂ روم تک بڑھا لیا۔ اور قیصر کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ سلیمان نے نائس (صوبہ بانھینیا)، کو اپنا دارالحکومت بنایا جو جنگ صلیبی تک مستقر رہا۔ اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو قونیہ (اکونیم)، کو صدر مقام بنایا۔ اور یہ حصۂ ملک تاتاریوں کے تاخت و تاراج تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ اور ۷۰۰ھ میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیئے۔

بغاوت فضلویہ شبانکارہ فتوحات روم سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان اور خواجہ نظام الملک رے کو واپس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف رہے لیکن فضلویہ کی بغاوت کی شہرت سن کر اس کی سرکوبی کے لیے ۴۶۴ھ میں پھر فارس کی طرف روانہ ہوئے فضلویہ کا مختصر حال یہ ہے کہ فضل[۳] بن حسن ملقب بہ فضلویہ حکمراناں شبانکارہ[۴] کی نسل سے تھا۔ اور الپ ارسلان

---

[۱] تاریخ اسلام رائٹ آنریبل امیر علی صاحب باقاعدہ صفحہ ۳۱۲ (باب ہفتم)، [۲] حدود اربعہ سلطنت قونیہ کے یہ ہیں۔ جانب مغرب بحر روم و خلیج قسطنطنیہ و بحر القرم جانب جنوب بلاد شام و جزیرہ جانب مشرق ارمینیہ جانب شمال بلاد کرج و بحر القرم۔ یہ حصہ ایشیائے کوچک کہلاتا ہے حاشیہ مختصر الدول صفحہ ۳۰۹ [۳] کامل ابن اثیر۔ جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۔ کتاب الوصایا۔ دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۳۱۵۔ مرآت البلدان ناصری صفحہ ۴۳۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۳۲۔ جلد دوم [۴] شبانکارہ فارس کے اس حصہ کا نام ہے جو شیراز کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایج تھا۔ قاضی عضد الدین بن عبدالرحمٰن ایجی۔ شیخ قطب الدین محمد ایجی۔ سلطان الدین ایجی (استاد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علماء اسی خاک سے ہیں بکر ابن شبانکارہ کا سلسلہ نسب اردشیر بابک تک پہنچتا ہے۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گلہ بان تھے۔ لہذا شبانکارہ کہلائے۔ فضل کا باپ حسن فخر الدولہ دیلمی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن اس خاندان میں فضل بن حسن ملقب بہ فضلویہ سب سے زیادہ مشہور ہے

کی سفارش سے سلطان طغرل بیگ نے ۴۴۸ھ ۱۰۵۶ء میں بلاد فارس کا ٹھیکہ دیدیا تھا فضلویہ نے صوبہ فارس کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ خود داراب میں رہتا تھا۔ اور شیراز میں اُس کا نائب حکومت کرتا تھا۔ جب الپ ارسلان روم کی مہم میں مصروف ہوا تو میدان خالی پاکر فضلویہ نے بغاوت شروع کی اور ادائے خراج سے انکار کیا۔ تب خواجہ نظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی چونکہ فضلویہ میں سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ تبر جہرم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قصبہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہے۔ اور بہ لحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہے۔ اس واقعہ کو خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہے۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک رات رہا۔ اور صبح کو یکایک قلعہ سے الامان کی صدا بلند ہوئی اور فضلویہ نے خراج دینا منظور کرلیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے قلعدار نے کیونکر اطاعت قبول کرلی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام تالاب اور حوض خشک ہوگئے تھے۔ اس سے محصورین اماں کے طالب ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ خواجہ نظام الملک کی نیک نیتی اور زہد و پارسائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہوگیا اور بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۰۷۱ء یوم پنج شنبہ محرم ۴۶۴ھ یہ فتح نصیب ہوئی ایک عیسائی مؤرخ[1] نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ رائے لکھی ہے کہ "خواجہ حسن نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنون حرب سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ بلکہ جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مناجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور اپنی عبادت اور خداپرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب رائے ہے جس سے یوروپ کی دہریت اور لامذہبی ٹپکتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یوروپ کو دشمن کے مقابلہ میں صرف اپنے آلات حرب اور فنون جنگ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور علماء مذہب کا گرجوں میں خدا سے دعا مانگنا ایک فضول کام ہے۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت اور اُس کی قواعد دانی بالکل بے کار ہے۔ اور ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خاں مرحوم والی دولت خداداد افغانستان تو اس قاعدے کے بالکل خلاف تھے۔ ان کا یہ قول مشہور ہے کہ "ایں رقص در میدان بکار نیاید" بہرحال ہم کو مورخ مذکور کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ خواجہ حسن نظام الملک جس طرح عقل رائے اور سیاست

---

[1] سرجان ملکم صاحب حالات خواجہ نظام الملک۔

میں ایک بے نظیر شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکر کشی سے بھی واقف تھا۔ وہ جیسا مدبر وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی خدا پرست سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہے تو اس پر یہ بدگمانی کرنا کہ وہ فن حرب سے ماہر نہیں ہے اور اپنے فرائض سے ناواقف ہے محض ایک نادانی کا خیال ہے۔ قلعہ تبر جھرم ایک عجیب و غریب طرز کا قلعہ ہے۔ لہٰذا اس کا نقشہ اور فرہنگ پیش کی جاتی ہے۔ جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حصے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ نقشہ میں جو ہندسے دیئے ہوئے ہیں اس کے مطابق فرہنگ میں دیکھنا چاہیے۔

فرہنگ نقشہ قلعہ تبر جھرم منقول از کتاب مرأت البلدان ناصری رقم زدہ باقر خاں۔ پسر عبدالمبین خاں مرحوم اصفہانی

۱ ۔ چوٹی کوہ جھرم۔ جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

۲ ۔ سنگری۔

۳ ۔ فاصلہ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ۔

۴ ۔ قیام گاہ نصر اللہ خاں باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵ ۔ اس حصہ قلعہ کا نام "وہ مردہ" ہے۔ اور یہی مقام توپ خانہ ہے۔

۶ ۔ میدانی حصہ

۷ ۔ برج فضل علی باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ بسنہ ۱۲۹۷ھ (جدید) یہ مقام قلعہ کا دروازہ ہے۔ جس کو رگ اول کہتے ہیں۔

۸ ۔ برج عالم بیں۔ تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس مقام پر پہاڑ کی چوڑائی ربع فرسخ ہے۔

۹ ۔ قلعہ تبر قدیم عہد نظام الملک۔ جس میں فضلویہ مقیم تھا۔

۱۰ ۔ راستہ بالائے قلعہ۔ اس مقام تک ذریعہ چاہ واژدنہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے بذریعہ طناب (۳۰ گز) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں۔ صرف ایک آدمی کے جانے کا راستہ ہے۔ یہ رگ دوم ہے۔

۱۱۔ یہاں گودام ہے اور کسی قدر پانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ رگِ سوم ہے۔
۱۲۔ بُرج نصراللہ خاں بہارلو (جدید)
۱۳۔ چشمہ الجمع۔
۱۴۔ چشمہ کیسلہ۔
۱۵۔ موقعہ توپ۔
۱۶۔ چشمۂ رانہانہ۔
۱۷۔ چاہ واڑونہ۔ یعنی رستہ قلعہ۔ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہے۔
۱۸۔ راستہ "دہ مردہ" اس رستہ سے توپیں لے جاتے ہیں۔ یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہے۔
۱۹۔ چشمۂ آب دل سیاہاں۔ یہ چشمہ پہاڑ کے نیچے ہے۔ اور پہاڑی سوتوں سے پانی ٹپک کر حوضوں میں جمع ہوتا ہے۔ اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوتھائی فرسنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ سیڑھیوں کا ہے جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں۔

نوٹ:۔ قلعہ کے قدیم اور جدید حصہ پر متعدد برج ہیں اور ہر برج ایک جداگانہ نام سے موسوم ہے۔ دولت ایران کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر نوجوان بطور چوکی پولیس کے متعین ہیں۔

مقتل سلطان الپ ارسلان

قیصر رومانوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اپنی عالی حوصلگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندانِ سلجوقیہ[1] کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہے اُس پر بھی قبضہ ہو جائے۔ چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار لے کر دارالسلطنت سے نکلا اور دریائے جیحون پر ایک پل باندھا۔ اور تقریباً بیس دن میں جیحون کے پار ہو گیا۔ سلطان کا قصد تھا کہ شمس الملک تگین خان بن تمغاج خاں والی ماوراءالنہر پر حملہ کرے۔ چنانچہ جیحون سے اتر کر پہلا مقام "فربر"[2] پر ہوا۔ اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام "برزم" تھا (جو نہر جیحون کے کنارہ واقع تھا) حملہ کیا گیا۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ فتح نہیں ہوا جب سلطان الپ ارسلان نے دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں اُلجھا رہوں گا تو اصلی مہم جاتی رہے گی۔ لہٰذا یوسف خوارزمی محافظ قلعہ کو بتاریخ چھٹی ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ یوسف نے سر دربار سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی۔ اور غصہ کی حالت میں حکم دیا کہ "اس کو چومیخہ کر کے قتل کردو" یہ سن کر یوسف اور برہم ہوا سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مخنث کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کئے جاتے ہیں؟" یہ سخت جواب سن کر الپ ارسلان آپے سے باہر ہو گیا اور کمان میں سہ چوبہ تیر جوڑ کر یوسف کو نشانہ بنایا۔ الپ ارسلان ایسا قادر انداز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ لیکن یوسف پر وار خالی گیا اور ایک تیر بھی نشانہ پر نہ لگا۔ تب سلطان تخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے۔ لیکن گوشہ دامن تخت کے پایہ سے اُلجھا اور سلطان منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس قدر موقع پا کر یوسف نے الپ ارسلان کو ایک ایسی چھری ماری جس کے صدمہ سے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا ؎

بشوید چو از جان خود دست پاک　　زند کارد بر خواجہ کمتر غلام

سعد الدولہ گوہر آئین جو سلطان کے سرہانے کھڑا ہوا تھا اُس نے یوسف کو گرفتار کر لیا۔ جامع فراش نیشاپوری نے ایک میخ کوب یوسف کے سر پر مارا جس کے صدمہ سے اُس کی روح پرواز کر گئی۔ بعد ازاں دیگر درباریوں نے یوسف کے ٹکڑے کر دیئے اور زخمی سلطان کو درباری خیمہ سے

---

[1] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۴۔ کامل اثیر و ابن خلدون۔ وفات الپ ارسلان۔ و تقویم ابوالفدا صفحہ ۲۳۱

[2] فربر۔ جیحون کے شرقی جانب ہے۔ اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہے۔

ایک دوسرے خیمہ میں اُٹھائے گئے۔ زخم کے صدمہ سے بروز شنبہ دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ ۲۴ نومبر ۱۰۷۲ء سلطان کا انتقال ہوگیا۔ نو برس۔ دو مہینہ۔ دس یوم مستقل سلطنت کرکے چالیس برس کے سن میں انتقال کیا۔ اور مرو کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا (الپ ارسلان بروز جمعہ بتاریخ ۲ محرم ۴۲۵ھ پیدا ہوا تھا) قبر کے تعویذ پر حسب ذیل فارسی شعر کندہ ہے۔[۱]

سر الپ ارسلاں دیدی زرفعت رفت برگردوں   بمرو آ۔ تا بخاک اندر سر الپ ارسلاں بینی

مصنف تاریخ الوافی نے اس مضمون کو عربی میں اس طرح پر نظم کیا ہے۔[۲]

یا من رأی البارسلان علیٰ فلکٍ   سام من المجد قد ضیعت کواکبہ

تعال وانظر فلم یبق سوی حجرٍ   ھذا التراب فقد نلت مواکبہ

اور انگریزی تاریخوں میں اسی شعر کا ترجمہ نثر میں لکھا ہوا ہے۔ جس وقت باشندگان ماوراء النہر نے سُنا کہ الپ ارسلاں دو لاکھ فوج لے کر آرہا ہے تو تمام ملک میں ہل چل پڑگئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ ان کا حامی و مددگار ہو۔ چنانچہ اُن کی دعا مستجاب ہوئی اور سلطان آگے نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہوکر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا: کہ مجھ پر جو کچھ گذرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی دو نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر حقارت سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔[۳] آج دو مرتبہ نفس امارہ نے سرکشی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر

---

[۱] تاریخ پروفیسر براؤن صاحب [۲] کتاب الوافی جلد اول۔ صفحہ ۳۰۲۔ مذکورہ بالا فارسی شعر پروفیسر براؤن صاحب کی تاریخ میں درج ہے اور تاریخ گنج دانش میں یہ شعر لکھا ہے۔

بالائے چرخ دیدی الپ ارسلاں بقدر   در مرو بیں کنوں کہ بزیر تراب شد

[۳] اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب   دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ در خلق بدبیں مباش   دگر آنکہ در خویش خود بیں مباش

[۴] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۰۰

کامل اسیر جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۵، ۲۶

جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بھروسہ کیا حالانکہ ایک ہزار جان دار (غلامان خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے اُن کو منع کیا کہ وہ یوسف کو نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اور اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں ؟

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملک شاہ کے سر پہ تاج سلطنت رکھا اور اس کی رفاقت کا تمام سرداروں سے حلف لیا۔ اور ملک شاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہے۔ اور اپنے دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں یہ وصیت کی کہ اُس کو پانچ لاکھ دینار دے دینا۔ اور قاروت بیگ بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کرنا اور کسی قدر نقدی کے لئے بھی ہدایت کی۔ اور اُمرائے دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم کی تعمیل نہ ہو تو تم تلوار سے کام لینا۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان الپ ارسلان

سلطان الپ ارسلان ایک نہایت فیاض اور عادل بادشاہ تھا۔ کسی کی شکایت کبھی نہیں سنتا تھا۔ جس کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے اپنے ایک ذاتی واقعہ سے کی ہے[1]۔ حدود سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور بہ لحاظ رقبہ حکومت لوگ اس کو "سلطان عالم" کہتے تھے۔ خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گذار تھا۔ اور بے حد صدقات کا دینے والا۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار دینار خیرات کرتا تھا۔ دفتر میں ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقرا اور مساکین کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے خالص مال گذاری کے علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جرمانہ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو مرتبہ خراج وصول کیا جاتا تھا۔ اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر اعظم کی فتوحات اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ سنا کرتا تھا۔ علاوہ باطنی اوصاف کے نہایت خوبصورت۔ وجیہہ اور طاقتور تھا۔ مذہب اسلام کا ایک زبردست حامی تھا۔ اور مذہبی توہین کو ایک منٹ کے لئے بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایفائے عہد میں ضرب المثل تھا۔

---

[1] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۲۴۵

خلیفہ قائم بامراللہ کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ بغداد جا سکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جس سے علم کا فیض عام ہوگیا۔ باشندگانِ[1] فارس کا یہ قول صحیح ہے۔ کہ "جن وحشی تاتاریوں سے ہم کو اندیشہ تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ اُن کے آنے سے ملک کی قسمت کھل گئی"۔ لیکن الپ ارسلاں کو جہاں خدا نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ الپ ارسلاں کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی حکمت عملیاں تھیں۔ داڑھی[2] بہت[3] لانبی تھی۔ چنانچہ طاقیہ (ایک قسم کی لانبی ٹوپی) کی چوٹی سے نیچے تک[4] داڑھی کی مقدار دو گز ہوتی تھی (از کلہ کلاہش تا پائیں بجسبہ) اور چوگاں بازی (پولو) کی حالت میں[4] داڑھی میں تین گرہ لگا لیتا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے کسی دیہاتی کی پگڑی چھین لی۔ جب وہ فریادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہو کر سامنے آیا اُسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نعش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جب سامنے آتے تھے۔ تو اُس کی ہیبت اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہ سو ماتحت حکمراں تھے۔ دستر[4] خوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کارزار اور شکارگاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے باورچی خانہ میں روزانہ فقرا اور مساکین کے لئے پچاس بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی جاتی تھی اُس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور شان دار[3] ہو۔ کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ یہ آثار عالی ہمتی اور وفور نعمت پر زمانہ آیندہ میں دلالت کرتے رہیں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر شان دار عمارت بنوائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۵۹ھ میں جب سلطان الپ ارسلاں کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبہ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے تو اُس نے ابو سعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر پر ایک قبہ اور ایک مدرسہ تیار کرایا جائے۔ چنانچہ کام جاری ہوا۔ اور عمارت بن کر تیار ہوگئی۔ رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی۔ ابو جعفر مسعود نے جو اتفاق سے

---

[1] سرجان، مالکم صاحب [2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰ [3] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۲۶۶

[4] تاریخ تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیرۃ الپ ارسلاں۔

اس موقعہ پر آنکلا تھا۔ امام صاحب کی مدح میں یہ برجستہ اشعار پڑھے جو اسی وقت قبہ پر لکھدیئے گئے۔

الم تر ان العلم کان مبددا فجمعہ ھذا المُغیّب فی اللحد
کذلک کانت ھذہ الارض میتۃ فانشرھا فعل العمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مُردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابوسعد کی کوشش نے دوبارہ زندہ کر دیا۔ ابن بطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا۔ جس کے ساتھ مسافر خانہ بھی قائم تھا اور مسافروں کو کھانا ملا کرتا تھا۔

سلطان الپ ارسلاں کی عملداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ مثل نعل اسپ داس کی شکل قریب قریب کا لرکے تھی، کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان اور عیسائیوں میں فرق امتیاز باقی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔ اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولی عہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ جس کو شمس العلماء مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہے۔

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا کہ تو میں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کی اقبال مندی کے ہیں کیا کب اقبال منداُن کو کہنا ہے زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُن کے جب تک
جہاں ہو کمربستہ ساتھ اُن کے جب تک

جہاں جائیں وہ سرخ رو ہو کے آئیں ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں۔
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں نہ اُکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو

۱؎ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۲۲۔ اشعار بادنیٰ تغیر درج ہیں۔ ۲؎ گنج دانش صفحہ ۲۰۹

ولی عہد کی جب کہ باتیں سُنیں یہ ۔۔۔ ہنسا سُن کے فرزانہ دُور بیں یہ
کہا جان عم گپ ہے گو دل نشیں یہ ۔۔۔ مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ

حوادث سے بن گذارا نہیں یہاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یہاں

الخ (مسدس حالی)

سلطان طغرل بیگ کی طرح، اگرچہ سپاہی تھا، لیکن شعراء کا قدردان تھا۔ فتوحات کے موقعہ پر شعرا رمبارکباد میں قصائد پڑھتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ عبہری غزنوی[1]، دربار کا شاعر تھا جس کے ذیل کے اشعار بطور یادگار لکھے جاتے ہیں۔

بگردوں برین برشد بہ فخر مملکت ایراں ۔۔۔ کہ گسترد از برش سایۂ خجستہ رائت سلطاں
خداوند جہاں، الپ رسلاں سلطان دیں پرور ۔۔۔ کہ با عدلش نماید جور یکسر عدل نوشرواں
خداوندی و رازیبد کہ چوں تیغش شود پیدا ۔۔۔ اگر کوہے بود دشمن بخاک اندر شود پنہاں
خداوندے کہ در سود و زیاں خوشنودی و خشمش ۔۔۔ یکے ہولیست بے اُندہ یکے درویست بے درماں
نگہ کن تا بدیں لشکر کہ طاغی گشت امرش را ۔۔۔ چہ کرداں شاہ دریادل بادل بدعت طغیاں
بہول رعد و گشت با دو چشم ابر آزاری ۔۔۔ بزور پیل و سہم شیر و مکر گرگ پُر دستاں
قوی چوں سدا سکندر سیہ دل چوں شب تارے ۔۔۔ ہمہ آشفتہ چوں دریا ہمہ بے حصر چوں باراں
بیک حملہ کہ سلطاں کرد ہم چوں شیر بر آہو ۔۔۔ ز خون خصم دریا شد بیک ساعت ہمہ میداں
چو سہم رائتت بنید معادی زود بگریزد ۔۔۔ چو اہرمین کہ بگریزد ز سہم آیت فرقاں
بچونین فتح فرخندہ کہ وادت ایزد داور ۔۔۔ تو شادی کن کہ دشمن گشت زار و خستہ و پژماں

تو بار شادمانی باش تا دشمن خورد اُندہ
تو جفت تندرستی باش تا دشمن بود نالاں

---

[1] مجمع الفصحا، صفحہ ۳۴۲۔ عبدالمجید نام، عبہری، تخلص، غزنیں کا باشندہ، ایک نامور حکیم اور فاضل تھا۔ ملک شاہ کا بھی مداح رہا ہے۔ حکیم سنائی ادیب صابر، اور سوزنی اس کے جلیس و ندیم تھے۔ "عبہری کے علاوہ، زہیرالدین، اسیرالدین، مجیرالدین بیلقانی، کمال الدین نخجوانی، تمام نور نیشاپوری۔ ذوالفقار، سید عضدالدین علوی بھی اسی دربار کے شاعر تھے (از دولت شاہ سمرقندی)

سلطان الپ ارسلاں نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کیے[1]

سلیمان بن داؤد چغری بیگ	بلخ
امیر انیا بخ بن بیغو	ماژندراں
ارسلاں ارغو برادر الپ ارسلاں	خوارزم
ارسلاں شاہ۔ پسر الپ ارسلاں	مرو
الیاس	چغانیہ (صغانیاں)
مسعود بن ارطاس	تخارستان
مودود بن ارطاس	ولایت لبشور (لواح بادغیس) واسفراز

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملک شاہ۔ تتش۔ تکش۔ ارغون۔ ارسلاں شاہ۔ ایاز۔ بوری برس۔ چند بیٹیاں بھی تھیں۔ جن میں سے سارہ۔ و عائشہ۔ صفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملک شاہ سلطان الپ ارسلاں کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء میں جلال الدولہ، ابوالفتح، ملک شاہ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ملک شاہ کے اور بھائی بھی موجود تھے۔ مگر چونکہ ملک شاہ سب میں بڑا اور قابل تھا۔ لہٰذا[2] ۴۵۸ھ میں خواجہ نظام الملک کے مشورہ سے الپ ارسلاں نے اپنا ولی عہد کیا تھا۔ اور رسم ولی عہدی بڑی دھوم سے مرغزار النگ رادکان (طوس) میں ادا ہوئی تھی۔ اور اس دن الپ ارسلاں کے جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ جب ملک شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا۔ اور مرصع تخت پر جو خاص اس تقریب کے لیے بنوایا گیا تھا۔ ملک شاہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا۔ اور عرصہ تک نصیحتیں کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمرا۔ اور عزیزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کر لی۔

چونکہ الپ ارسلاں نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا۔ اور ماوراءالنہر پر حملہ کی تیاریاں تھیں لہٰذا

---

[1] صورالاقالیم تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ وکامل اثیر صفحہ ۱۰ جلد ۱۰ و تقویم ابوالضیا صفحہ ۲۳۱۔

[2] کامل اثیر صفحہ ۱۷ و ۲۴۔ جلد ۱۰۔ وزینۃ المجالس صفحہ ۱۲۳۔ روضۃ الصفا صفحہ ۸۲۔

فوج کثیر ہم رکاب تھی۔ لیکن ملک شاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ جانا اور معہ فوج کے تین دن میں جیحون سے اُتر کر براہ خراسان نیشا پور پہنچا۔ ایام تعزیت کے ختم ہونے پر جس قدر ممالک تابع فرمان تھے ان کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بغداد حرمین شریفین، اور بیت المقدس میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ قاوردبیگ[1] اور خواجہ کی حکمت عملی

ملک شاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا۔ اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۶۵ھ[1،۲،۳] میں سلطان کا چچا قاوردبیگ، تاج و تخت کا دعوے دار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا۔ خاندان میں قاوردبیگ سے بزرگ، اور با اثر کوئی باقی نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمام اراکین سلطنت اور سرداران فوج قاورد سے رشوت لے چکے تھے۔ اور آئندہ کے لئے خاص مراعات کے اُمیدوار کئے گئے تھے۔ اب ملک شاہ کا رفیق اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہاء الدولہ منصور بن دبیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں قوم کرد کے جاں باز سپاہی تھے۔ چنانچہ سلطان و وزیر بھی مدافعت کے لئے تیار ہو کر نیشا پور سے روانہ ہو گئے۔ اور ۴ر شعبان کو ہمدان کے قریب، میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تین شبانہ روز خوں ریز جنگ رہی۔ اور ملک شاہ فتحیاب ہوا۔ قاوردبیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا۔ سلطان نے معافی نہیں دی۔ فتح کے بعد فوجی سردار مبارک باد کے لئے حاضر ہوئے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی مشاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا[۲] اور قاوردبیگ کو مصلحت ملکی سے مار ڈالا۔ ملک میں امن و امان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قاوردبیگ کے خاندان میں رہنے دی۔ اور اس کارگزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور اتابک کا خطاب دے کر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا، اور امراء عرب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ سپہ سالار اعظم سادتگین کو علاوہ جاگیر و منصب کے عماد الدولہ کا خطاب دے کر علم و نقارہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اطمینان

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۳۰ جلد ۱۰۔ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۶ [2] ابن خلدون تخت نشینی ملک شاہ [3] اس موقعہ پر حصہ اول کا صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴۲ دیکھنا چاہیے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

سے سلطنت کرنے لگا، کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلاں کے انتقال پر بلخ میں حکمراں ہوگیا تھا۔ وہ بھی فوت ہوگیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق عہد ملک شاہ سے ہے۔

خواجہ نظام الملک نے قاورد بیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صائب الرائے ہونے کی ایک کامل شہادت ہے۔ لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کس درجہ عقیل اور مدبر وزیر تھا۔

خواجہ کی رائے فوج کی تخفیف پر

۴۷۳ھ؁ میں بماہ شعبان، سلطان ملک شاہ نے بمقام رے کل فوج کا جائزہ لیا۔ اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دیا۔ خواجہ نے عرض کیا کہ یہ "سپاہی ہیں، کاتب، تاجر، اور خیاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں۔ بجز سپہ گری اُن کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے ضرور ہے کہ کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارت گری کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے اور امنِ عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔ لہٰذا ان کا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے"۔ لیکن ملک شاہ نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار، جوانوں کا نام کاٹ دیا۔ چنانچہ یہ گروہ تکش برادر ملک شاہ سے مل گیا، اور ان باغیوں کی مدد سے تکش نے بوشنج، مرورود، مرو، شاہجہاں ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور فتح نیشاپور کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن تکش کے حملہ سے پہلے نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے۔ سلطان کی خبر سن کر تکش قلعہ ترمذ میں پناہ گیر ہوگیا۔ اور اخیر میں صلح ہوگئی۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا۔

ملک شاہ کو رومیوں کی قید سے چھڑانا

ملک شاہ[۲] کے تخت نشین ہونے کے بعد، جب قیصر روم نے خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔

---

[۱] کامل اثیر صفحہ ۴۰ جلد ۱۰ و سیاست نامہ باب ۴۰۔

[۲] نامہ خسروان صفحہ ۷۵۔ نگارستان صفحہ ۱۷۱۔ روضۃ الصفا بحوالہ تاریخ گزیدہ۔

لیکن ملک شاہ کی شان وشوکت سے متاثر ہو کر قیصر صلح کا خواستگار تھا۔ اور شرائط صلح کے لئے سفیروں کی آمد و رفت جاری تھی۔ چنانچہ ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ سلطان ملک شاہ چند سواروں کو ہمراہ لے کر شکار کے لئے نکل گیا اور رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب ولحاظ نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا۔ تاکہ افشا راز نہ ہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے چند سوار لشکر سے باہر روانہ کئے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس آ گیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جا کر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔ اور مسئلہ صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثنار کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی فوج کے گرفتار ہوتے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی خبر نہیں ہے۔ نہ لشکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہر حال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی پیش ہوئے خواجہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علیحدہ ہو کر گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں اُن کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہو کر رومیوں کی حد سے دور نکل آیا۔ تب گھوڑے سے اُتر کے ملک شاہ سے معذرت کی اور عرض کیا کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملک شاہ کی واپسی پر بڑی خوشی منائی گئی۔ جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل وفراست کی بڑی تعریف کی اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

حکیم گفت کہ تقدیر سابق است ولے — بہ ہیچ حال تو تدبیر خود فرو مگذار
کہ اگر موافق حکم قضا ست تدبیرت — بہ کام دل رسی از کار خویش برخوردار
وگر مخالف آں ست داردت معذور — کسے کہ دارد از انوار عدل استظہار

جیحون کے ملاحوں کا ایک خاص واقعہ

خواجہ نظام الملک کو یہ ہمیشہ مدنظر رہا۔ کہ ملک شاہ کی شان و شوکت کی داستان صفحات تاریخ میں باقی رہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ۴۸۱ھ میں جب سلیمان خاں حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ اور مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیحون کے ملاحوں کو (جن کی کشتیاں کرایہ کی گئی تھیں، بجائے

نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہنڈی (حکم خزانہ) جاری کی کہ وہ ملاحوں کو یہ رقم خزانہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملک شاہ سے شکایت کی۔ تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہ ہوں گے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملک شاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحاں جیحوں کی اجرت خزانہ انطاکیہ سے دلائی گئی تھی۔ سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا۔ خواجہ کی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ "اب میرے حکم سے آپ ان ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دے کر رخصت کر دیجئے۔"

سفیر روم کی واپسی کاشغر سے

واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ روایت ہے کہ ۴۸۲ھ ۱۰۸۹ء میں ملک شاہ نے احمد خاں بن خضر خاں حاکم ماوراء النہر پر اصفہان سے فوج کشی کی۔ روم کا سفیر اس وقت سالانہ خراج لے کر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک اس مہم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچ کر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہو جائے۔ کہ قیصر روم کا سفیر خراج لے کر باب کاشغر تک آیا تھا۔

فیوڈل سسٹم کا اجراء

اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں اُن کا یہ اُصول تھا کہ ملک میں جو با اثر امراء سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد معین تھی) لے کر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک ترقی کر گیا تھا۔ کہ بڑے جاگیر دار بطور خود اپنے علاقہ کو شکمی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جس کے خود پابند تھے۔ لیکن براہ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اُصول کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ طریقہ یونان، رومۃ الکبریٰ اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اُصولِ سیاست سے یہ انتظام غیر منتظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلطنت کا باعث ہوتے تھے جس کی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہٰذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیر المومنین فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیر داری کے قدیم قانون پر عمل نہیں

---

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۵۵۔ روضۃ الصفا جلد چہارم سلاطین سلجوق [2] کامل اثیر صفحہ ۵۸ جلد ۱۰

کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفائے عباسیہ اور دیگر سلاطین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا۔ جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گذشتہ خوں ریزیوں اور خانہ جنگیوں سے ملک ویران ہو گیا تھا۔ اور ہر صوبہ کا پورا خراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو توڑ کر جاگیرداری کا از سرِ نو انتظام کیا[1]۔ اور اس عمل درآمد سے ملک آباد ہو گیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہو گئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لئے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا۔ اور فوج کے سردار اکثر قبچاقی اور تاتاری غلام ہوا کرتے تھے۔ جن پر بادشاہ کا عزیزوں سے زیادہ اعتبار تھا۔ اور اُن سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا۔ اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے۔ لہٰذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ ایسی جاگیریں فارس، مسقط، اور شام کا حصہ منقسم تھا۔ جن کے محاصل سے جاگیردار فائدہ اُٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ موسم بہار میں اس قسم کی تمام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ البتہ بشرط ضرورت آ سکتی تھی[2]۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر فی زمانہ متروک ہے۔ اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہے۔ مگر اُس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا۔ جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں یہی آئین تھا۔ جو خواجہ کی یادگار تھا۔

ائمہ اشعریہ پر لعن اور اس کا انسداد

خواجہ نظام الملک کے اخلاق و عادات کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دور حکومت میں وزیر عمید الملک کندری نے تمام ممالک محروسہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ خطبہ میں روافض پر لعن کی جائے۔ اس کے بعد یہی حکم اشاعرہ کی نسبت بھی جاری کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۴۴۶ھ میں امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری حافظ ابوبکر بیہقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علماء بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرمین شریفین میں چار سو قاضی حنفی اور شافعی مذہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ روافض اور اشاعرہ[4] پر جو لعن کی جاتی ہے وہ بند کی جائے۔

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد سوم حالات نظام الملک [2] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۵ [3] دیباچہ حیات صلاح الدین نوشتہ مسٹر لین پول صاحب [4] امام ابوالحسن علی اشعری پر دیکھو نوٹ صفحہ ۱۴۳ حصہ اول۔

عمید الملک کے اس حکم سے جو فتنہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن وطعن ہوئے تھے۔

۱۔ خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہے۔

۲۔ خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو ثواب ملے۔

۳۔ خدا کو پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے۔

۴۔ میزان (ترازو) حق ہے اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دے گا۔

یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل[1] ہیں۔ اس کے علاوہ ذات، صفات، اور افعال الٰہی کے مسائل ہیں جس کا اجمالی بیان امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات[2] الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو سہل بن الموفق۔ رے کے ایک رئیس تھے جو فیاضی اور اخلاق میں ضرب المثل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اور شوافع و احناف کے علماء وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابو سہل فرقہ اشعریہ میں داخل تھے۔ اور مذہبی معلومات بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ابو سہل وزیر السلطنت ہونے والے ہیں۔ جب عمید الملک نے سُنا تو پریشان ہو گیا اور یہ تدبیر کی کہ طغرل بیگ سے فرقہ مبتدعہ پر لعن کی اجازت حاصل کی اور اسی زمرے میں اشعریہ کو بھی داخل کر دیا۔ اور علماء اشاعرہ کو درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے روک دیا۔ اور بعض معتزلین کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے، اپنا موید بنا لیا اور سلطان کو علماء شافعیہ سے عموماً اور اشعریہ سے خصوصاً بدظن کر دیا۔ اور جمعہ کے دن علانیہ توہین و تذلیل ہونے لگی جس طرح بعض بنی اُمیہ کے عہد میں سر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توہین ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ابو سہل اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے اُٹھے۔ اور فوج سے امداد چاہی۔ مگر وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ سلطان تک رسائی ہو سکی۔ مجبوراً تمام ملک کے علماء کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر عمید الملک نے بالزام بغاوت (بمنظوری سلطان)، ابو سہل رئیس الفراتی، امام قشیری اور امام الحرمین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ ابو سہل تو اجراء حکم سے پہلے، رے سے چلے گئے۔ اور امام الحرمین بھی کرمان ہو کر حجاز کو تشریف

---

[1] علم الکلام صفحہ ۵۶ [2] طبقات جلد ثانی تذکرہ علی بن اسمٰعیل از صفحہ ۲۷۰ لغایۃ ۲۷۱۔

لے گئے۔ لیکن امام قشیری اور رئیس الفراتی گرفتار ہو گئے اور قلعہ قہندز (کہن دز) میں قید کر دیئے گئے۔ قید میں کچھ اوپر ایک مہینہ گذرا تھا کہ ابو سہل نے ناصیہ باخرز سے ایک جنگ جو جماعت فراہم کر کے قہندز پر حملہ کا قصد کیا اور قلعدار سے قیدیوں کو مانگا۔ اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ مقابلہ میں قلعدار زخمی ہو گیا اور رئیس الفراتی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کر کے ابو سہل کی گرفتاری کا حکم حاصل کیا۔ اور بمقام رے آکر گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسباب وجائداد کو ضبط کر کے نیلام کیا۔ اور ابو سہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا استیصال کیا۔ اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہا کی بد دعاؤں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علمائے کے فتوے واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابل تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ع میں حسب ذیل فتویٰ لکھا تھا۔

استفتاء

ا۔ ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن وطعن کرتا ہے۔ اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟

جواب

اصحاب حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوالحسن اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے۔ جو اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے اُصول دیانات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھکر مخالفین اہل سنت کی خوب تردید کی ہے۔ معتزلہ، روافض، خوارج کے لئے وہ ایک برہنہ شمشیر تھے۔ جس نے ان پر لعن وطعن کیا۔ یا سب وشتم سے پیش آیا اس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن وطعن کیا۔ کتبہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری۔" اور امام صاحب کے دستخط کے بعد علما ذیل...

محمد بن علی الخبازی، شیخ ابو محمد جوینی، عبداللہ بن یوسف، ابوالفتح شاشی، علی بن احمد جوینی، ناصر العمری، احمد بن محمد ایوبی، علی بن محمد ایوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابو عثمان الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن، ابی الحسن ملقابادی۔

ان کے علاوہ عبدالجبار اسفرائنی نے بزبان فارسی یہ عبارت لکھی "این ابوالحسن اشعری آں امام ست کہ خداوند عزوجل ایں آیت در شان وے فرستاد "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ"۔ و مصطفی علیہ السلام دراں وقت بجدوے اشارت کرد با ابو موسی اشعری فقال ہم قوم ہذا"۔

کتبہ عبدالجبار علی بن محمد اسفرائنی"

۲۔ اسی مضمون کا دوسرا استفتا، علماء بغداد سے حاصل کیا گیا۔ جس کا یہ جواب ہے۔

"جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہوا۔ امیر وقت کو اس کی تادیب لازم ہے۔ تاکہ خود اس کو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتکاب کی جرات نہ ہو۔"

"کتبہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ الدامغانی الحنفی"

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل نے اپنے دستخط ثبت کئے۔

شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیروز آبادی، محمد بن احمد شافعی معروف بفخر الاسلام شاشی، ابو الخطاب بن الحلولی، ابو عبداللہ قیروانی، سعد المہنی، ابو الوفا ابن عقیل حنبلی، ابو منصور الرزاز، ابو الفرج اسفرائنی، ابو الحسن بن الخل، ابو الحسن علی بن الحسین ترلزی حنفی، ابو الخیر قزوینی، عمر بن احمد الحطیبی زنجانی۔

چنانچہ یہ استفتاء زمانہ دراز تک قائم رہا۔ اور علماء مابعد کی بھی وہی رائے قائم رہی جو علماء مذکورۂ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطاب و القاب

خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب و خطابات حسب ذیل ہے۔

"وزیر کبیر، خواجہ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک اتابک، ابو علی حسن رضی امیر المومنین" اور اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر — چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا۔ لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ — سلطان ملک شاہ بزمانہ ولی عہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملک شاہ تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج الحضرتین — دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد میں خواجہ وزیر السلطنت رہا ہے۔ لہذا تاج الحضرتین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین — یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علماء و فقہاء کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک — شہرت عام کی بناء پر یہ خطاب، خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور و معروف ہے سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابو محمد حسن بن محمد دہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابو نصر محمد بن منصور کندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔

اور کُندری کے قتل کے بعد الپ ارسلان نے جب خواجہ کو وزیر اعظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ اور خواجہ بالعموم اسی خطاب سے تمام عالم میں روشناس ہے ۔ یہ خطاب اس درجہ معزز قرار پاگیا ہے کہ ایران و ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے قابل ترین وزرا کو نظام الملک کا خطاب دیا ہے ۔ گویا یہ خطاب وزیر کے فضل وکمال اور جامعیت کا ایک گراں بہا اور مرصع تمغہ ہے ۔

۶ ۔ اتابک ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر ۔ جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن کو مالک بنادیا ۔ اس وقت خلعت وزارت کے ساتھ اتابک کا خطاب مرحمت کیا ۔ جس کے معنے بزرگ اور اتالیق کے ہیں ۔ اور یہ ترکی زبان کا لفظ ہے ؛

۷ ۔ رضی امیر المومنین ۴۷۵ھ ۱۰۸۲ء میں خلیفۃ المقتدی بامر اللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیر المومنین کا خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا ۔ اس پر نقش تھا کہ "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیر المومنین" اور بقول خواجہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتدائے دولت اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو نہیں ملا تھا ؛

عرب اور عجم میں جس قدر چھوٹی یا بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں اُن کے فرماں روا خلافت عباسیہ سے خطاب اور خلعت حاصل کرنے کو سب سے بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربار خلافت سے خطاب مرحمت نہ ہو ملک کی نظروں میں وہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی عظمت کا اثر تھا ۔ ورنہ خلفا خود ان حکمرانوں کے ماتحت تھے ۔

مہر وزارت خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا ۔ "الحمد للہ علی نعمہ"

خواجہ کی جاگیر سلطان الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ نظام الملک کو طوس[1] کا ضلع جاگیر میں دے دیا تھا ۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا ۔ اس لئے خواجہ کو

---

[1] طوس کی مفصل تاریخ حصہ اول میں لکھی گئی ہے ۔ اور صفحہ ۸۰ پر ایک طولانی حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیئے طوس کے قریہ زادک میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا ۔ جس میں سال کے حساب سے بارہ دروازے تھے ۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا ۔ چنانچہ یہ برج خواجہ کے کمال ریاضی دانی کا نتیجہ تھا ۔ خواجہ کی مدح اور موت کے متعلق یہ اشعار بھی یادگار ہیں ۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لئے جلب[1]۔ آبگینہ، حبس، اسیاکبود، یاقوتی، سلطان میدان، پل خاتون، صغد علیہ اور رادکان، جیسی مشہور و معروف مرغزار موجود تھے۔ چنانچہ رادکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعوی ہے کہ غوطہ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان، اور مرج شدان دیہ دنیا کی چار جنت ہیں، کے بعد رادکان کا درجہ ہے الپ ارسلان نے یہاں شاندار عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملک شاہ بھی معہ ترکان خاتون کے اکثر رادکان میں رہا کرتا تھا۔

قومس جاگیر کا دوسرا ضلع قومس (کومس) تھا۔ قومس جبل طبرستان سے ملحق ہے۔ جس میں دامغان[2] اور بسطام جیسے عظیم الشان پرگنے واقع ہیں۔ چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جنگ قاورد کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دیدیا تھا۔ ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی معارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریب اور خاص کارگزاریوں کے موقعہ پر انعام ملا کرتے تھے۔

قطارت نافعہ خواجہ نظام الملک نے اپنی اُنتیس سالہ عہد وزارت میں صیغہ رفاہ عام (پبلک ورکس) کو بڑی ترقی دی تھی۔ سلطنت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانہ پر کام جاری رہتا تھا۔ لیکن بحیثیت وزیر اعظم، اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس مد میں لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے۔ ممالک محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرائے، رباط، مساجد، اور شفاخانے بنوائے تھے۔ اور یہی حال تعمیر مدارس

مدح

زاول اندر طوس کردند آں سہ کس را اختیار ، آں یکے عالم، دوم شاعر، سدیگر شاں وزیر
در براعت، در فصاحت، در وزارت برگذشت ، از نظام الملک و غزالی و فردوسی نصیر

مادۂ وفات

ہفتہم از ماہ ذی الحجہ، دو شنبہ، وقت شام ، سال ہجرت ششصد و ہفتاد و دو ناقص ز نظم
خواجہ عالم نصیر الدین طوسی از قضا ، نقل کرد از خطۂ بغداد تا دار السلام

[1] صور الاقالیم حالات طوس نسخہ قلمی [2] دامغان۔ رے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بسطام ہے۔ یہ دونوں مقامات بمنزلہ چھوٹے شہروں کے ہیں، اور خوب آباد ہیں۔ خصوصاً بسطام تجارت کی منڈی ہے موجودہ آبادی ۹۰۰ نو سو مکانات کی ہے جس میں ماژندرانی، خراسانی، اور ترکمانی قبائل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں یہ بات ہے کہ کوئی بسطامی مرض عشق میں مبتلا نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی سودا زدہ عاشق بادیہ پیمائی کرتا ہوا، یہاں آجائے تو پانی کا ایک گلاس اس کے عشق کو زائل کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص درد چشم میں بھی (باقی در صفحہ آئندہ)

کا تھا (تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہے)، چنانچہ بغداد کی سرائے نظامیہ، اور نیشا پور کا شفا خانہ نظامیہ بہت مشہور ہے، حجاز کا راستہ اول نہایت خطرناک اور سنگلاخ تھا۔ جس کو خواجہ نے قافلوں کی لذر کے لائق بنادیا۔ اور حرمین شریفین میں محض حجاج اور زائروں کے قیام کے لئے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لئے اوقاف جاری کردیئے[۵۵]۔

دیوان الانشاء سلاطین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہل کاروں کی جو تقسیم کی تھی اس میں سب سے بڑا عہدہ وزارت کا تھا۔ چنانچہ عہد اسلام میں بھی بادنیٰ تغیر یہ عہدہ قائم رکھا گیا جو صدر اسلام اور عہد بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا خلافت بنی عباس میں انتہائے عروج پر پہنچ گیا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں پر تقسیم کردیا تھا۔

اول وزارت تفویض[۵۶] یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کرکے تمام سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک بنادیتا تھا۔ چنانچہ برامکہ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے:

دوسری وزارت تنفیذ تھی اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام وقوانین کا اجراکرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور یہ وزیر، سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا۔ جس کو اعلیٰ عہدہ داروں کے عزل ونصب اور انتظام سلطنت میں کسی قسم کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ بہرحال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب عملہ ہوتا تھا۔ جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر مد میں ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا۔ جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہل کار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشاء تھا۔ جو زمانہ حال میں سکرٹریٹ آفس کے نام سے تبدیل ہوگیا ہے۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں بحیثیت وزیر اعظم چھ معتمد (سکرٹری)، علاوہ اُن کے نائبوں کے تھے جس کی تفصیل یہ[۵۷] ہے۔

۱۔ کمال الدولہ، ابوالرضی، فضل اللہ بن محمد — صاحب دیوان الانشاء والطغرا

۲۔ سید الروٴسا، ابوالمحاسن محمد بن کمال الدولہ — نائب دیوان الانشاء والطغرا۔

بقیہ ۵۵۔ مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ شاپور ذوالاکتاف کا تعمیر کردہ قلعہ موجود ہے۔ ہوا معتدل ہے باغات کی کثرت ہے میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہے۔ سرائے اور حمام بھی موجود ہیں بازار میں روس کا مال تجارت بکثرت موجود رہتا ہے، امام محمد بن جعفر صادقؑ کے مزار پر سنگ لرزاں کا ایک منارہ، پچیس گز کا طولانی موجود ہے جو عجائبات سے ہے صفحہ ۱۳۔ گنج دانش و مرآۃ البلدان صفحہ ۲۰۹

۵۵ طبقات اکبری جلد سوم حالات نظام الملک ۱۲ ۵۶ احکام السلطانیہ صفحہ ۲۱۔ ۵۷ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۶ لغایۃ

۳۔ شرف الملک، ابوسعد، محمد بن منصور بن محمد	صاحب دیوان الزمام والاستیفار
۴۔ استاد ابو غالب البراوستانی	نائب دیوان الزمام والاستیفار
۵۔ مجد الملک، ابوالفضل سعد بن محمد البلاسانی	مستوفی الممالک
۶۔ ابن بہمن یار فارسی ملقب بہ عمید الدولہ	کاتب
۷۔ مجیر الدولہ۔ ابوالفتح علی بن حسین لاردستانی	کاتب الرسائل
۸۔ سدید الملک ابوالمعالی المفضل بن عبدالرزاق بن عمر	عارض الجند
۹۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز	منتظم خزانہ و ناظر حرم (وپرائیویٹ سکریٹری ترکان خاتون)

عہدہ داران مذکورۂ بالا اپنے اپنے فن میں انتخاب تھے۔ جن کی سوانح عمری لکھنے کا یہ موقعہ نہیں ہے، البتہ اُن کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہے، تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات دفتر کا ناظرین کو علم ہو جائے۔

انشار و مراسلات

دنیا کی تمام قوموں کو علم انشار کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہے اور عرب و عجم کی شیفتگی تو غیر معمولی تھی۔ یہ فن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہا ہے، چنانچہ عربی ادیبوں نے فصاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اُس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفار اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشار پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے، جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے دیوان الانشار اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہو گیا تھا۔ جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب

جو شخص علم انشار میں عدیم النظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا۔ خلفار اور سلاطین اسلام کے عہد میں کتابت کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقیعات کاتب خود ہی لکھتا، اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا، اور مہر شاہی کے بعد اجرا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور رازداری اور انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

طغرا

سلطان کی شان و شوکت کے لئے جس طرح پر تاج، تخت، علم و رایت، طبل و طنبور، سکہ،

خطبہ، مُہر، طراز (نشان و مارک) مختص علامتیں ہیں، یا خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے لئے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح طغرا بھی سلطنت کا ایک اہم باشان مارکہ ہے، جو فرامین، مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ طغرا میں بادشاہ کا نام معہ القاب و خطاب بخط جلی لکھا جاتا تھا اور طغرا نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ طغرا نویس کا تعلق بھی دفتر انشاء سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان الانشا کا نام بھی۔ دیوان الطغرا رکھدیا گیا تھا۔ اور یہ طغرا شاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا۔ سلطان کو پھر دست خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ سلطان ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملک شاہ کا نامور وزیر فخر الکتاب ابو اسمٰعیل حسین بن علی اصفہانی متوفی $\frac{۵۱۵}{۱۱۲۱}$ھ، کتابت طغرا کا موجد ہے۔ اور یہی پہلا شخص ہے، جو طغرائی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفاء کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لئے اُن کی کارگذاری نگرانی سے مستثنیٰ تھی، اور خود خلفاء کی ذاتی جاگیر بھی نہ تھی، جس کے لئے مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گذر اوقات ہوتی تھی لیکن جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا مدار ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا۔ اور پھر ہر صیغہ میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی۔ سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام سلطنت کے لئے ضروری سمجھے گئے اُس میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجۂ اعلیٰ میں ہے، جس عہدہ دار کے ہاتھ میں سلطان کی ذاتی املاک اور آراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا۔ وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا۔ اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج (خراج میں مال گذاری، آب پاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس، چنگی، ٹکسال کی آمدنی شامل تھی، کہلاتا تھا۔ اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا اُس کا نام دیوان الزمام تھا، جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے۔

دیوان الاستیفاء دیوان الخراج کی جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہے، اُس کا عمل درآمد خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا، لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر

تھا وہ دیوان الاستیفاء کہلاتا تھا، اور مستوفی اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح میں مہتمم دفتر محاسبی اور اکاؤنٹنٹ جنرل کہلاتا ہے، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔

دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہے، جس کے بانی امیرالمومنین فاروق اعظمؓ ہیں، ابتداً اس دفتر کا نام صرف دیوان تھا، لیکن بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوجوں کا باضابطہ انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہے جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ جو افسر فوج کا جائزہ لیا کرتا تھا اس کا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار اعظم کے بعد عارض کا درجہ تھا فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہے، یہ نہایت قدیم طریقہ ہے۔ چنانچہ سلاطین یونان اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے۔ جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہ ہی طریقہ صدر اسلام سے اخیر تک قائم رہا سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ سلطان طغرل بیگ اور الپ ارسلان جنگ کے موقعہ پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔

لطیفہ خلیفہ المعتمد عباسی کے فوجی صیغہ کا نامور منتظم، عمرو بن لیث، ایک دن فوج کا جائزہ لے رہا تھا کہ عارض نے ایک سوار کو پیش کیا جس کا گھوڑا ازحد لاغر اور کمزور تھا۔ عمرو نے سوار سے کہا، "تم کو گھوڑے کا جو صرفہ ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی جورو کو کھلا کر اُس کو فربہ بنا رہے ہو۔ اور گھوڑے کو وُبلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تمھاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہے" سوار نے جواب دیا "حضور عالی! اگر میں جائزہ میں اپنی بیوی کو پیش کرتا تو اس میں شک نہیں ہے کہ اُسے دیکھ کر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ بتاتے اور پاس کر دیتے" عمرو سوار کا یہ برجستہ جواب سُن کر ہنس دیا اور اُسی وقت انعام دے کر حکم دیا کہ اب دوسرا گھوڑا خرید لو۔

خزانہ خزانچی، یا مہتمم خزانہ، یہ منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہے۔ خلفاء اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور "خازندار" کہلاتے تھے[1]۔

[1] جملہ عہدوں کی صراحت مقدمہ ابن خلدون، آثار الاول فی ترتیب الدول۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی، اور احکام السلطانیہ میں ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر

علوم و فنون کی اشاعت صیغۂ تعلیم کی اولیات

اسلامی علوم و فنون کی تدوین اور اشاعت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کے دوسرے تاجدار ابو جعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ تخت نشینی کو ابھی سات ہی سال ہوئے ہیں کہ ۱۴۳ھ میں اسلامی علوم کی تدوین شروع ہو گئی۔ قیصر روم سے یونانی کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر علمائے اسلام یونانی علوم کے شوق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ بیت الحکمۃ میں یونان، ایران، اور ہندوستان سے ہر مذہب و ملت کے علماء و حکماء آ کر داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُمڈا چلا آتا ہے۔ تصنیفات کے ساتھ باقاعدہ تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے اور ترقی کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ المنصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہے۔ یہ وہ عہد سعادت ہے جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس ذوق اور شغف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تین صدیوں میں دنیائے اسلام ائمہ، مجتہدین اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جوہر کامل ہو کر نکلا، جس کی نظیر نو سو برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے یہی وہ دور اولیں کے علماء تھے، جن میں سے ہر ایک کی ذات پر "زندہ کالج" کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن سخت تعجب ہے کہ ہنوز دار الخلافت کی چار دیواری میں کسی دار العلوم (کالج) اور مدرسہ (سکول) کی شاندار عمارت نظر نہیں آتی ہے منصور عباسی نے قصر الذہب قصر الخلد، قبۃ الخضراء اور بغداد کی زیب و زینت کے لیے دو کروڑ درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے۔ مگر موازنہ (بجٹ) میں عمارت مدارس کے لیے ایک پائی کی رقم منظور نہیں کی گئی۔ اور یہ حالت نہ صرف بغداد کی ہے بلکہ تمام دنیائے اسلام اس صفت میں مشترک ہے۔ یہ تاریکی اخیر ۳۰۰ھ چوتھی صدی ہجری تک قائم تھی کہ یکایک ساحل مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ اور طلبائے علوم یہ شعر پڑھتے ہوئے بڑھے۔

دُور سے اُمید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینی آئی ہے

اور خدا کا شکر بجا لائے کہ الحاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء میں ایک شان دار مدرسہ دار الخلافت مصر میں بنایا۔ یہ سب سے پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لئے قائم ہوا اس مدرسہ کا سنگ بنیاد ایسی ساعت سعید میں رکھا گیا تھا کہ وہ سلاطین اور اُمراء دولت کے لئے چراغ ہدایت بن گیا۔ چنانچہ نیشاپور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاد ابوبکر فورک[۲] کے لئے تعمیر ہوا۔ جنھوں نے ۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد اسی شہر میں دوسرا مدرسہ بیہقیہ قائم ہوا۔ جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفرائنی تھے۔ افسوس ہے کہ بیہقیہ کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن شیخ ابو محمد عبداللہ جوینی اور امام الحرمین جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ بھی مصری درس گاہ کے بعد قائم ہوا ہے اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابو محمد عبداللہ سے پڑھیں۔ اور ان کے انتقال پر ۴۳۸ھ / ۱۰۴۶ء میں داخل مدرسہ بیہقیہ ہوئے اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ ہے۔[۵] پھر ۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنین میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصہ اس پر صرف کر دیا اور مصارف کے لئے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھ کر امیر نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا[۳]۔ اور سعیدیہ نام رکھا۔ چوتھا مدرسہ علامہ ابواسحق اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء کے لئے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو علوی اپنے سفرنامہ[۴] میں لکھتا ہے کہ "روز شنبہ یازدہم شوال ۴۳۷ھ / ۱۰۴۶ء در نیشاپور شدم، چہار شنبہ آخریں ماہ کسوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود براد چغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار سراجان وانرا عمارت می کردند" چھٹا مدرسہ ابوسعد اسمٰعیل بن علی بن المثنیٰ استرآبادی صوفی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مورخین نے "امہات المدارس" کا خطاب دیا ہے۔ لیکن عراق عرب اور عجم ہنوز خواجہ نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی

---

[۱] حسن المحاضرہ۔ جلد دوم صفحہ ۱۶۸۔ ذکر الحوادث الغریبہ [۲] ابن خلکان جلد اول حالات ابن فورک [۳] حسن المحاضرہ۔ صفحہ ۱۵۶ [۴] سفرنامہ خسرو حالات نیشاپور [۵] انسائیکلو پیڈیا برطانیہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا مدرسہ وہ تھا جس کو مامون الرشید نے بزمانہ ولیعہدی خراسان میں قائم کیا تھا۔ لیکن اس کی تصدیق عربی، فارسی تاریخوں سے نہیں ہوتی ہے۔

آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی نبیادیں پڑیں۔ سب سے اول ہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

نظامیہ کا موقعہ

آج دنیا میں نظامیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا سب سے اول اس کا موقعہ و محل لکھنا ضرور ہے کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا۔ اور اس غرض کے لئے چند سطروں بطور تمہید کافی ہیں۔ خلیفہ منصور عباسی نے جب دار الخلافت کی تعمیر کا قصد کیا۔ تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی جانب مغرب و مشرق عمدہ قطعات آراضی کی تلاش کی۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام "کرخ" تھا۔ یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا۔ اور مشرقی حصہ میں "ساباط" کو انتخاب کیا۔ یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا۔ جہاں نوشیروانِ عادل نے ایک باغ لگایا تھا۔ اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصل کیا کرتا تھا۔ لہذا یہ مقام "باغ داد" کے نام سے مشہور تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی نبیاد ڈالی۔ اور شہر کو بشکل دائرہ بنایا۔ اور مرکز میں ایوان خلافت تعمیر کیا۔ اور دریائے دجلہ (دادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کردیا۔ ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی۔ اور شہر پناہ میں چار دروازے نصب کئے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ باب الکوفہ۔ باب خراسان۔ باب البصرہ۔ باب الشام۔ اور ایک دروازے سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا۔ نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور باغات میں پانی آتا تھا۔ اور مختلف مقامات پر عبور کے لئے ایک سو چھپن پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے۔ اور نہروں میں نہر علیٰ خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھی۔ اب اس نہر کے آثار المسعودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے بعد جب خلیفہ مہدی کا زمانہ آیا۔ تو اُس نے دار الخلافت کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کر دیا۔ اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید و مامون الرشید نے بھی اسی حصہ کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ مشرقی حصہ جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور "رصافہ" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ عہد ہارون الرشید میں بغداد کا طول ۱۲ میل اور عرض ۱۰½ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ بیس لاکھ۔ خلیفہ المعتصم نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دار الخلافت کو بغداد

---

[1] نزہۃ العباد فی مدینہ بغداد۔ پروفیسر غیولین۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۰۰ء و نزہت القلوب حمد اللہ متوفی ذکر بغداد۔ المعجم جلد ۲ تذکرہ بغداد۔

سے سامرہ[1] منتقل کردیا۔ اور خلیفہ المعتضد نے بغداد پسند کیا، گویا اکسٹھ برس کے بعد آب رفتہ بجو آمد۔ بعد ازاں خلیفہ مستظہر باللہ (۴۸۷ھ ۵۱۲ھ) نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فصیل کو از سر نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم کئے۔ چنانچہ پہلا دروازہ دجلہ کے سرے پر تھا۔ جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا باب الصفریہ تیسرا باب الحلبہ۔ چوتھا باب البصلیہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب آبادی غیر معمولی ہو گئی تو اندرون شہر میں باب المراتب[2] اور باب الازج وغیرہ اور دروازے بڑھائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقعہ آسانی سے معلوم ہو جائے گا جس کا ذکر عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ابن جبیر کی شہادت

یہ نامور سیاح[3] مہینہ صفر ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء میں بغداد پہنچا ہے اور لکھتا ہے کہ بغداد میں تیس مدرسے ہیں۔ اور سب شرقی حصہ میں ہیں۔ ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نادر محلات سے بہتر ہے اور سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے۔

ابن بطوطہ کی تصدیق

ابن بطوطہ[4] ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے حالات میں لکھتا ہے کہ بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی ترتیب کی آبادی ہے اور بازار بکثرت ہیں اور سب سے بڑا بازار سوق[5] الثلاثا ر ہے۔ جس میں ہر ہر چیز کا کارخانہ جدا ہے اور اس بازار کے وسط میں نظامیہ ہے۔ جس کی عمارت حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے نظامیہ

---

[1] "سامرا" اصلی نام سُرّمن رائی تھا۔ بکثرت استعمال سے سامرا ہو گیا۔ بغداد اور تکریت کے مابین دجلہ کے شرقی کنارہ پر ہے۔ اور بغداد سے ۶۰ میل کا فاصلہ ہے۔ المعجم جلد ۳

[2] تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب المراتب میں تھے۔ اور یہ گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الازج بھی بہت بڑا محلہ تھا۔ جس میں مثل شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصلیہ کی آبادی جنوب اور مشرق میں تھی اور شرقی حصہ باب کلواذی سے متصل تھا۔ المعجم جلد اول

[3] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲۔

[4] سفرنامہ ابن بطوطہ حالات بغداد [5] سوق الثلاثار۔ اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (منگل) کو بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے۔ جب منصور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خریدے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا۔

کے اخیر میں مدرسہ مستنصریہ[1] ہے۔

مصنف خلافت بغداد کی رائے

مدرسہ نظامیہ کے موقعہ کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ یہ کہ مسٹر لی، اسٹرینج صاحب، اپنی کتاب "خلافت بغداد" میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ کالج باب الازج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا جو شہر پناہ کے باب البصلیہ سے قریب تھا، اور اُس سڑک پر تھا، جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی کے کنارے کنارے چلی گئی تھی۔ سوق نظامیہ" ان اطراف میں ایک بہت بڑا گذرگاہ عام تھا جو شارع (ایک مشہور محلہ کا نام ہے) سے ملحق واقع ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کالج دجلہ کے کنارہ رہا ہوگا:

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہے۔ اور اسلامی جغرافیوں کے بالکل مطابق ہے نظامیہ فی الحقیقت دجلہ کے کنارے تھا جس کی صراحت آگے ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن نامور سیاح ہندوستان کی تحقیقات

حافظ صاحب[2] تحریر فرماتے ہیں کہ "مدرسہ نظامیہ بغداد کے اُس حصہ میں تھا۔ جس کو مورخین نے رصافہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج کل اس کو بغداد لو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست بُرد نے نظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیامیٹ کیا ہے کہ اب اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ نظامیہ تھا اب وہاں کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ نظامیہ ہی سے مختص نہیں۔ مدرسہ مستنصریہ جو خلیفہ المستنصر باللہ کی یادگار اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کسٹم ہاؤس (ریٹ،

---

[1] "مستنصریہ" خلیفہ المستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں دجلہ کے کنارہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی تمام خلفاء عباسیہ میں بجز مستنصریہ کے اور کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہا، شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لئے مقرر ہوئے۔ کتب خانہ شاہی سے ۱۶۰ اونٹوں پر لاد کر کتابیں مدرسہ بھیجی گئیں۔ طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار وظیفہ تھا۔ ساڑھے ۴ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر وقف تھی۔ ایوان مدرسہ میں ایک عجیب اور بیش قیمت گھڑی رکھی تھی جس کو علی بن تغلب بعلبکی نے بنایا تھا۔ انتخاب از رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲، ۲۰۔

[2] حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ سفر کو روانہ ہوتے ہیں تو کانپور میں وقت رخصت میں نے عرض کیا تھا کہ بغداد پہنچ کر نظامیہ کے موقعہ محل کی تحقیقات ضرور کیجئے گا چنانچہ واپسی سفر پر حافظ صاحب نے ۱۸ ستمبر ۱۹۰۸ء کو ازمیر سے خط لکھا جس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

چنگی، سائر کا دفتر) کا آفس بنا ہوا ہے اور طالب العلموں کی جگہ کلرک اُس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو "کرخ" یعنی بغداد کہنہ میں ہے۔ خلفائے عباسیہ میں سے کسی کی عمارت کا نام ونشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہونے کو تھا کہ حضرت سلطان المعظم کے نسبتی بھائی کاظم پاشا نے صرف کثیر سے اس کی مرمت کرادی۔ غالباً یہ اثر اُن پسندیدہ خدمات کا ہے جو زبیدہ خاتون کی طرف سے مکہ معظمہ اور عرفات کے درمیان زائرین بیت الحرام کی آسائش کے واسطے نہر کے متعلق عمل میں آئی تھیں۔

پروفیسر نپولین کی تحقیقات

پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد[1] میں لکھتے ہیں کہ "سنۃ ۵۰۰ اُبنی نظام الملک مدرسہ عالیۃ سماھا بالنظامیہ ومن آثارھا الموجودہ الان دوائر الجمرک (کسٹم ہاؤس)

الغرض اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ، بغداد کے سب سے آباد مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ اور موقعہ کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات، اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے اور خواجہ نظام الملک نے خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان وشوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم وفنون کو مٹا دیا اسی طرح اس عظیم الشان بیت العلوم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا پروفیسر نپولین کی تحقیقات کے مطابق اُس کے آثار کا سلسلہ کسٹم ہاؤس سے جا کر مل جاتا ہے۔

اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہے۔

از نقش ونگارے در و دیوار شکستہ — آثار پدیداست صنادید عجم را

تعمیر مدرسہ نظامیہ

خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور فقیہ اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء وصوفیہ سے بھری رہتی تھی ایسا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح وبہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم وتربیت ہے۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی بیت العلوم (یونیورسٹی)، کے محال ہے۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درس گاہ

---

[1] نزہۃ الصادنی مدینۃ بغداد صفحہ ۱۱ مطبوعہ بیروت۔

بنانے کا قصد کیا تھا۔ اور اس[1] ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشا پوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینۃ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں، جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ خواجہ نے کہا بہت خوب، آپ ضرور بنایئے چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لئے اپنے وکلا کو اسی وقت حکم دے دیا۔ اور شیخ نے دجلہ کے کنارے ایک خولصبورت قطعہ اراضی خرید کیا اور بروز منگل[2] مہینہ ذیقعدہ سنہ ۴۵۰ھ مطابق ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۰۶۵ء مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور پورے دو سال کی مدت میں[3] بماہ ذیقعدہ سنہ ۴۵۹ھ ستمبر سنہ ۱۰۶۶ء، عمارت مدرسہ بن کر مکمل ہوگئی شیخ ابو سعد نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام نقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کئے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دیہات مصارف کے لئے وقف کئے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کر دی گئی[4] عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن سنہ ۵۰۴ھ ۱۱۱۰ء میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی[5]۔

خزانۃ الکتب نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خزانۃ الکتب (لائبریری) کے لئے خاص تھا اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نادر اور بیش قیمت کتابیں داخل کردی تھیں۔ افتتاح کے بعد علامہ ذکریا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ علامہ کے حالات[6] میں لکھا ہے کہ آپ ایک عیش پسند اور نفیس مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب کے جلسوں میں رہا کرتے تھے۔ لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی کی حالت دیکھی۔ اور شکایت کو صحیح پایا صبح کو تنخواہ میں دو چند اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا۔ ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدردانی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے تائب ہوگیا۔ علامہ تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفرائنی مہتمم مقرر ہوئے۔

طبقات[7] الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیتا تھا۔ باوجود اس کے کتب خانہ

---

[1] سراج الملوک صفحہ ۱۴۰،۱۴۱ [2] تونیقات صفحہ ۲۲۹ [3] حسن المحاضرہ [4] سفرنامہ ابن جبیر [5] نامہ خسرواں صفحہ ۵۶۔
[6] طبقات الکبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ حالات عبدالسلام مغربی [7] طبقات جلد ۴ صفحہ ۲۹۔

مکمل نہیں تھا اور اس کمی کو خلیفہ الناصر الدین اللہ نے پورا کر دیا ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں خلیفہ مذکور نے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں[۱]۔ ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء میں کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی۔ اور انیٹیں تک جل کر راکھ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا یہ اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں۔ خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوتا تھا تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جاکر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا[۲]۔

نظامیہ کے اطراف و جوانب

اول تو نظامیہ کا موقعہ قدرتی طور پر دل کش تھا۔ لیکن اُس کی زیب و زینت کے لئے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ مدرسہ کے قریب اپنی سکونت کے لئے ایک حویلی بنائی تھی۔ جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جمال الملک، اور مؤید الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے[۳]۔ جس کی وجہ سے مدرسہ کی نگرانی بھی خوب ہوتی تھی، اور مدرسہ کے زریں متن پر یہ سنہرے حاشیے اور بھی غضب ڈھاتے تھے۔

نظامیہ کی وسعت

افسوس ہے کسی تاریخ میں ہماری نظر سے یہ نہیں گذرا کہ جس آراضی پر نظامیہ تھا۔ اس کا رقبہ کس قدر تھا۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت جیسی عظیم الشان تھی اُسی قدر وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جس دن علامہ درس کے لئے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلباء کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر مجمع تھا، یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ انحطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیئے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابل غور ہے کہ وہ کس قدر ہوگا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے لمبے چوڑے تھے۔ جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا تاریخ[۴] کامل میں اردشیر بن منصور واعظ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ان کے حلقہ وعظ میں ایک دن بڑا مجمع ہوا۔ تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پیمائش کی جائے۔ چنانچہ پیمائش کی گئی تو حلقہ ۵، اگز طول اور ۱۲۰ گز عرض کا تھا۔ جو سامعین سے بھرا پڑا تھا اور یہ مجلس وعظ ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر منعقد

---

[۱] کامل اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۴۴ [۲] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۰ [۳] واقعات ۴۸۶ھ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۰ و تاریخ آل سلجوق صفحہ ۸۰، ۸۶ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶ [۵] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۸۰۔

ہوا کرتی تھی۔ اس پیمایش سے جو ایک حصۂ عمارت کی ہے۔ نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہو گیا۔ تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ ۔ستمبر ۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ، خلفائے عباسیہ کا دار الخلافۃ، علم و فضل کا زمانہ، اور جشن کا دن، جہاں اس قدر سامان جمع ہوں، اس جلسہ کی شان و شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھینچ سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں، سارا بغداد اُمنڈ آیا تھا۔ اور جو ارباب فضل و کمال تھے، ان کا تو حقیقت میں گھر ہی تھا۔ ادائے مراسم کے لئے علامہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو اس عہد میں شیخ الشیوخ اور اُستاد کل کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہ مدرسہ کی طرف آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک لڑکے نے شیخ کو مخاطب کر کے کہا، "یا شیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر آراضی مغصوبہ پر ہوئی ہے، شیخ راستہ سے پلٹ گئے، اور روپوش ہو گئے۔۔ حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عبد الملک ابو منصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور شائقین کا ہجوم ہے اور درس کا ہونا بھی لازمی ہے لہذا مناسب ہے کہ ابو نصر بن صباغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں" چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے ابو نصر مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہو گیا۔

نظامیہ کا عملہ مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کار بار کے لئے اسی قدر عملہ کی ضرورت تھی۔ جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ادنٰے درجہ کے کس قدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہے لیکن طبقہ اعلیٰ کے عہدہ دار حسب ذیل تھے۔

۱- متولی متولی کا منصب، آج کل اصطلاح میں سکریٹری کا درجہ رکھتا ہے۔ متولی ہمیشہ مدرسہ میں رہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ خدمت مستقل تھی۔ مگر بعض اوقات مدرس اعظم (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدر اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔

لہ ابن خلدون و حسن المحاضرہ لہ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۳۲۔

۲- شیوخ فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم وفن میں یگانۂ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا، اُس کی ذات کے لیے ایسی عزت تھی کہ جس سے بڑھکر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرں) کے لیے جاری تھا، ویسی ہی سختی سے نائبوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل وکمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا (اس کی تصدیق حالات علماء سے ہوگی)، مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیا ہراسی، یہ نائب تھے۔ جن کا درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے آخر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ بیش قرار تھی۔

۳- خازن کتب خانہ کا مہتمم، (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ مشاہیر علماء ممتاز رہے۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

۴- مُعید اکثر اوقات یہ خدمت قابل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی۔ جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لئے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہوتا کہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں۔

۵- مفتی فتویٰ نویسی کے لئے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

۶- واعظ جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت اور فیض رسانی کے لئے بھی مستقل واعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کہا کرتا تھا۔

۷- ناظر وقف نظامیہ بغداد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہے)، کے لئے جس قدر جائداد وقف تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لئے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقف کہلاتا تھا۔ خواجہ ابو نصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے علماء کام کرتے تھے۔

نظامیہ کے سالانہ مصارف | اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا لکھا ہے اور یہ وہ رقم ہے جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جاگیر سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا۔ اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہرحال صیغۂ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا کر گذرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملک شاہ سے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملک شاہ سے کہا گیا کہ[1] "اس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہو سکتی ہے، جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے۔ جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کئے دیتا ہے۔" جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ "پیارے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک جرار لشکر مرتب ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں پر آپ زر کثیر لٹا رہے ہیں۔ ان سے کیا کام نکل سکتا ہے"؟ ملک شاہ کا یہ سوال سن کر خواجہ آب دیدہ ہو گیا۔ اور کہا کہ "جان پدر"! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی۔ لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آوے۔ اس پر خدائے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں منہمک رہتے ہو۔ نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے ممالک فتح کرنے کے لئے تم جو فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو، اُن کی تلواریں دو گز کی ہوں گی، اور اُن کے تیر تین سو قدم سے زیادہ

---

[1] سراج الملوک طرطوشی میں سات لاکھ کی رقم لکھی ہے، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہے۔

[2] رؤسا اور امراء جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت ۴۹۴ھ میں تمام جائداد وقف کر دی کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ ۲ اعلام صفحہ ۸۲۔

نہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں، ان کی دعاؤں کے تیر فرش سے عرش تک جائیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہوگا وہ تمھاری فوجیں نہیں کرسکتی ہیں" فرزانہ وزیر کا یہ جواب سُن کر ملک شاہ بہت رویا۔ اور کہا کہ پیارے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو تیار کرو"

کامیاب طلبہ مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ "مختلف اوقات میں نظامیہ سے چھ ہزار طلبہ ہر درجے کے کامیاب ہو کر نکلے۔ جن میں امرا، اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے"[۱]

ہمارے خیال میں یہ تعداد نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اور اس پر اضافہ کثیر کی گنجائش ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نظامیہ کے عہد میں، وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ ورنہ اسمائے رجال سے آج فیصلہ ہو جاتا کہ زائد از تین صدیوں میں کس قدر ارباب کمال، مدرسہ نظامیہ سے فیضیاب ہوتے۔ غالباً اس غلطی سے متاثر ہو کر جامعہ ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ **ازہری**، اور ہمارے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نوجوان علیگ، اور دارالعلوم ندوۃ العلمار کے متعلم ندوی، اور ممالک یورپ کے تعلیم یافتہ اکسن (منسوب بہ اکسفورڈ) وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت اچھا ہے، اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو اس کی تقلید کرنا چاہیے۔ کہ زمانہ آئندہ کے مورخین کو شمار و تخمینہ میں ہماری طرح مصیبت نہ اُٹھانا پڑے۔

بہر حال اگر ہم مسٹر گبن کی رائے کو صحیح تسلیم کریں کہ نظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طلبہ پیدا کیے تو بھی نظامیہ کے فخر و مباحات کے لئے کافی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب ہوگا۔

نظامیہ کے نتائج اور اولیات نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علمار، ماوراء النہر کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک بزم ماتم منعقد کی۔ جب لوگوں نے اس اظہارِ غم کے وجوہ دریافت کیے تو انھوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہے جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصول علم کے لئے وظیفہ مقرر ہو گیا تو وہ ہر کس و ناکس کا حصہ ہو گیا۔ اب رذیل آدمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیث العلم حاصل نہ کرے گا"

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظامیہ کے اجرار سے علمار میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اور سلاطین و امرار میں مقابلہ کی تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تقلید میں مصر، شام،

---

[۱] روضتین صفحہ ۲۵ وطبقات الشافعیہ۔

اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہو گیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہوتے تک تمام دنیائے اسلام میں (باستثنائے اندلس) علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علماء جو مسجدوں، خانقاہوں، اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظر عام پر آ گئے۔ اور ہر مدرسہ کے لئے ارباب علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈھ کر نکال لئے گئے۔

نظامیہ[1] سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لئے وظیفہ متقرر کیا اور ان کو خرید کتب اور فراہمی سامان خورد و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لئے نظامیہ کا تعلیم یافتہ سب سے بڑھ کر قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن واقعات مذکورہ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد نیشاپور میں مدرسے قائم ہوئے۔ لہٰذا اولیت کا فخر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آ سکتا ہے۔ اور نہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہا کے لئے مدرسہ بنایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نظامیہ ایسے اعلےٰ پیمانہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام پچھلی یادگاروں کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا سرتاج بن گیا۔ اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ اور محققین — یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے علماء آتے تھے۔ اور مدرسہ کے مہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے۔ کتب تاریخ و طبقات میں ایسے لوگوں کا جا بجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ — مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا۔ بلکہ ہر شیخ اپنے متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا۔ اور اس کے ذیل میں تمام علمی نکات حل کر دیتا تھا۔ یورپ میں ایک کتاب "درس نظامیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی ایک صاحب نے درس نظامیہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد سے منزلوں

---

[1] حسن المحاضرہ و سراج الملوک ۱۲

دور ہیں ۔ درس نظامیہ" یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرمایۂ ناز ہے اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے :

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ، چشم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے ۔ اسی طرح لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے ۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور و معروف علامہ تھے ۔ جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے ۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے عہد سے آج تک جس قدر عالم ہوئے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اس پر فخر کرتا ہے ۔ مدرسہ نظامیہ کی طرح درس نظامیہ کی بھی ایک مستقل تاریخ ہے ۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے ۔

نظامیہ کی عمر مدرسہ نظامیہ وسط آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک قائم رہا ۔ اور اس تین سو اسی برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کئے وہ اس کے اعزاز، شہرت، اور بقائے دوام کے لئے کافی ہے ۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی آخر چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنھوں نے مدرسہ کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی ۔ قابلیت اور فضل و کمال کے جانچ کے لئے یہی ایک نام کافی ہے ۔ "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علماء کی فہرست

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ابن خلکان، کامل اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن مشاہیر علما کا تذکرہ ہے ۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے ۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی نہ تھا شائقین اصل کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں ۔ غالب حصہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہے اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ و ترمیم کا کام لیا گیا ہے ۔

شیوخ ۔ ۱ رسم افتتاح کے بعد سے امام[1] ابو نصر عبد السید بن محمد بن عبد الواحد بن احمد بن جعفر المعروف بہ ابن الصباغ ۔ صاحب الشامل و الکامل ۔ جو مشہور فقیہ و محدث تھے ۔ مدرسہ میں درس دیتے رہے ۔ لیکن ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد کی خاص کوشش سے

---

[1] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۳۰۱ جلد اول ۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان اور طبقات الشافعیہ میں بصراحت ہیں ۔

بعد تحقیقات و رفع شک شیخ ابواسحٰق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کرلی اور پورے بیس دن کے بعد ابونصر اپنی خدمت سے علیحدہ کیے گئے۔

۲ | شیخ جمال الدین ابواسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی ' سنیچر کے دن ذی الحجہ ۴۵۹ھ / ۱۰۶۷ء کو مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور سبق شروع ہوگیا۔ اور عرصہ تک علمی خدمت میں مصروف رہے۔ پھر دوبارہ ۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء میں مدرس مقرر ہوئے اور اسی سال میں انتقال فرمایا۔ رسم تعزیت میں تین دن کے لئے خواجہ موید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کردیا۔ جب نظام الملک نے سُنا تو بیٹے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک نظامیہ کو بند رکھنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ! کیا علمی قدردانی تھی۔

۳-۴ | علامہ کے انتقال پر عبدالرحمٰن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بہ ابوسعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہو گئے۔ اور امام ابونصر صباغ دوبارہ مدرس مقرر ہوئے اور ۴۰۰ھ / ۱۰۰۵ء تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

۵ | علی بن المظفر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی الحسینی 'المعروف ابوالقاسم بن ابی یعلی دبوسی" فقہ، اصول، لغت، نحو، نظر، جدل، میں امام مانے گئے ہیں۔ ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء سے ۴۸۲ھ / ۱۰۸۹ء تک مدرس رہے۔

۶-۷ | امام ابوعبداللہ الحسین بن علی طبری۔ اور قاضی ابومحمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن عبدالواحد فارسی شیرازی، حسن اتفاق سے ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں داخل مدرسہ ہوئے، منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں استاذ ایک ایک دن درس دیا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ طبری نے ۴۹۵ھ / ۱۱۰۱ء میں اور قاضی ابومحمد نے ۵۰۰ھ / ۱۱۰۶ء میں انتقال کیا۔

۸ | امام محمد بن محمد بن احمد حجۃ الاسلام ابوحامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء سے ۴۸۸ھ / ۱۰۹۵ء تک نظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرمین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جاکر معتکف ہو گئے۔[1]

۹ | ابوالفتوح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجدالدین علامہ غزالی کے چھوٹے بھائی

[1] امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس وتدریس لے کر موقعہ ملتا تھا چنانچہ جذب الٰہی نے یکایک کسنیا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ امام صاحب نے یہ حالات نہایت تفصیل سے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھے ہیں

مشہور صوفی، واعظ، متوفی ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء۔

۱۰	شمس الاسلام، ابوالحسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عمادالدین المعروف بہ کیا الہراسی فقیہہ۔ (غزالی ثانی)، متوفی ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء
۱۱	فخرالاسلام ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر شاشی المعروف بالمستظہری متوفی ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء
۱۲	ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی المعروف بہ فصیحی استرآبادی متوفی ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء
۱۳	ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، بڑے متبحر مدرس تھے۔ نماز صبح سے عشا تک درس دیا کرتے تھے۔ غزالی، شاشی اور کیا ہراسی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا، متوفی ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء
۱۴	امام ابوالفتح اسعد بن ابومیہنی دو مرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء لغایت ۵۱۳ھ / ۱۱۱۹ء دوبارہ ۵۱۷ھ / ۱۱۲۳ء متوفی ۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء۔
۱۵	الحسن بن سلمان بن عبداللہ نہروانی متوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء۔
۱۶	عبدالرحمٰن بن الحسین بن محمد طبری المعروف بہ ابومحمد متوفی ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء
۱۷	شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء
۱۸	عبدالرزاق بن عبداللہ بن علی بن اسحٰق طوسی، برادرزادہ خواجہ نظام الملک عرصہ تک مدرس رہا۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہوگیا متوفی ۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء
۱۹	محمد بن عبداللطیف بن ثابت بن الحسن بن علی ابوبکر المہلبی متوفی ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء
۲۰	شیخ ابوالنجیب سہروردی، صوفی، زاہد، فقیہہ، متوفی ۵۶۳ھ / ۱۱۶۹ء
۲۱	ابوطالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء
۲۲	مجدالدین ابوالقاسم محمود بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عراقی ۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ء
۲۳	محمدالدین یحییٰ بن الربیع بن سلیمان بن حراز بن سلیمان العدوی العمری ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء
۲۴	قاضی ابوزکریا بن القاسم بن المفرج قاضی تکریت متوفی ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء
۲۵	محمد بن واثق بن علی بن الفضل بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء
۲۶	عبداللہ بن ابی الوفار محمد بن الحسن متوفی ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء
۲۷	محمود بن احمد بن محمود ابوالمناقب زنجانی متوفی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء

مُعید - ۲ | ۱ | الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مُہینی)

۲ | عبداللہ بن یوسف بن عبدالقادر آذربائیجانی

۳ | احمد بن یحییٰ بن عبدالباقی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عبدالرحمٰن ابوالفضل زہری بغدادی المعروف بابن شقران (صوفی، واعظ) متوفی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۵ء

۴ | السدید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ السلامی فقیہ متوفی ۵۰۴ھ / ۱۱۰۸ء

۵ | علی بن ابی المکارم بن فتیان - ابوالقاسم دمشقی متوفی ۵۷۹ھ / ۱۱۸۳ء

۶ | احمد بن عمر بن الحسن کردی - ابوالعباس المعروف بالوجیہ متوفی ۵۹۱ھ / ۱۱۹۵ء

۷ | منصور بن الحسن بن منصور - امام ابوالمکارم زنجانی متوفی ۵۹۷ھ / ۱۲۰۰ء

۸ | ابوالحسن علی بن علی بن سعادت فقیہ متوفی ۵۹۰ھ / ۱۲۰۱ء

۹ | ابوحامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد الملقب عمادالدین فقیہ متوفی ۶۰۸ھ / ۱۲۱۱ء

مفتی - ۳ | ۱ | شیخ رضی الدین ابوداؤد سلیمان بن المظفر شافعی

واعظ - ۴ | ۱ | احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابوبکر الفورکی، امام ابوبکر بن فورک کے نواسہ تھے. نیشاپور سے بغداد آکر سکونت اختیار کرلی تھی. خدمت وعظ کے علاوہ اشعری علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء

۲ | امام ابونصر بن استاد ابوالقاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا ۴۶۹ھ / ۱۰۷۶ء میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کہا - چونکہ امام صاحب اشعری تھے لہٰذا حنابلہ سے جنگ ہوگئی اور سوق نظامیہ میں بڑی خونریزی ہوئی، اس جنگ وجدال میں ایک فریق علامہ ابواسحٰق شیرازی بھی تھے (کامل جلد ۱۰ صفحہ ۴۲)

۳ | اردشیر بن منصور ابوالحسین واعظ عبادی مروزی - یہ بڑے فصیح البیان واعظ تھے - علامہ غزالی اور مشاہیر صوفیہ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے. تاریخ کامل میں صرف ایک مجلس وعظ کا بیان ہے جو جمادی الاول ۴۸۶ھ / ۱۰۹۳ء میں ہوئی تھی -

۴ | ابومنصور محمد بن محمد بن محمد بن سعد بن عبداللہ البردی فقیہ متوفی ۵۶۷ھ / ۱۱۷۱ء

۵ | احمد بن اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن العباس قزوینی طالقانی. یہ بڑے زبردست واعظ تھے. جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے دریافت کرتے اور حسب خواہش سامعین بیان فرماتے

جس کتاب اور تفسیر کی فرمائش کی جاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا۔ حافظہ غیر معمولی پایا تھا۔ متوفی ۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہوا کرتا تھا ابن جُبیرؔ نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی اور شیخ رضی الدین قزوینی امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہے، چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا حال معلوم ہو گا۔

میں[1] پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس وعظ میں شریک ہوا۔ یہ شخص علوم دین میں اس نواح کے علماء سے مشہور اور ممتاز ہے۔ پانچویں صفر ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑھا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھکر بڑی خوش لحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑھکر اور علوم و فنون میں مثل تفسیر و حدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم و ابرو سے کسی طرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا بعض نے تحریری سوال پیش کئے۔ ان سب کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہر ایک کا جواب لکھکر حوالے کیا۔ یہ مجلس نہایت خیر و برکت کی تھی متحمل سے متحمل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصًا اختتام کے وقت تو لوگ بے قرار ہو گئے۔ آنکھوں سے مینہ برسانے لگے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا اکثر نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس وعظ میں خوب رقت ہوتی اور لوگ توبہ و استغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین واعظ کے سامنے اپنی گردن جُھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہاتھ سے پیشانی کے کسی قدر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اُس کے واسطے دعائے خیر کرتا) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔

ناظر وقف۔ ۵	۱	خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک
	۲	الحسن بن سعد بن الحسن الخونجی (نائب ابو نصر۔)

---

[1] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۱۵۱

۳ | محمد بن عبداللطیف بن محمد بن عبداللطیف الجُنْدی۔

۴ | محمد بن علی بن ابونصر احمد بن نظام الملک۔

۵ | عبدالودود بن محمد بن المبارک بن علی۔ (مُعید) متوفی ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء

۶ | عبدالرحیم بن محمد بن محمد بن لبیس، ابوالرضا سبط ابوالقاسم بن فضلان (معید) متوفی ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء

متولی۔ ۶ | ابو سعد عبدالرحمٰن، اصول، فقہ، خلاف میں زبردست عالم تھے۔ بعد وفات شیخ ابواسحٰق مدرس مقرر ہوئے۔ اور ۴۷۶ھ میں معزول ہو گئے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک ابو سعد سے ناراض تھا۔ لیکن ابو صباغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے، مگر ابو سعد سے فقہا بھی خوش نہ تھے۔ متوفی ۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء

محققین مدرسہ نظامیہ۔ ۱ | ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان۔ بن محمد الکلبی۔

۲ | یاقوت، مہذب الدین، مشہور شاعر، متوفی ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء

۳ | علامہ خطیب تبریزی۔ مصنف شرح حماسہ، متنبی، معلقات، وابی تمام۔ چونکہ علامہ نامور ادیب تھے۔ لہٰذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ متوفی ۵۰۲ھ / ۱۱۰۹ء۔

۴ | قاضی بہاؤالدین بن شداد، چار سال تک مُعید رہے پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں چلے گئے۔ اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ جو چھپ گئی ہے اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسہ دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کئے وہ سب نظامیہ کہلائے۔ اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں اُمرا و رؤسا کے مدارس موجود تھے۔ لیکن ہم اُن کے تاریخی حالات سے بحث نہ کریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی۔ جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کالج) تھے۔ اور خواجہ

نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ، اجرائے نظامیہ بغداد ہے۔ یہی نظامیہ تھا۔ جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے، اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت، اور شان دار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے، اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں، تو اُن کا پہلا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے قومی کالج، مدرستہ العلوم، علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچا دیں۔ یہی یونیورسٹی انشاء اللہ ان کی سود و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہو گی۔ بہ سبیل تذکرہ یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسئلہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرستہ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے۔ نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) نظامیہ نیشاپور

صوبہ خراسان کا نیشاپور مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دار العلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا گھر تھا۔ اس شہر کے علماء کا حصر و شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چونکہ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو دار السلطنۃ بنایا تھا۔ اس لئے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہٰذا امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب حرمین سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لئے ایک شان دار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین، مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دوسرے درجہ پر تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہو گا کہ علامہ امام غزالی طوسی، جیسے فخر روزگار عالم، اسی مدرسہ کے ایک نامور طالب علم تھے۔ مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں۔

لے طبقات صفحہ ۲۴۹ جلد ۳۔

۱- عبدالملک[1] بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن عبداللہ بن حیویہ جوینی المعروف با مام الحرمین ابوالمعالی، متوفی سنہ ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء۔

۲- عبدالواحد بن عبدالکریم بن ہوازن مدرس و واعظ متوفی ۴۹۴ھ ۱۱۰۱ء

۳- حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی، دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں خاص ایک اپنا مدرسہ جاری کیا[2]۔ متوفی ۵۰۵ھ ۱۱۱۱ء

۴- مسعود بن احمد بن محمد بن المظفر الخوانی متوفی ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ء

۵- ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف بہ قطب الدین نیشاپوری متوفی ۵۸۶ھ ۱۱۹۱ء

(۲) نظامیہ اصفہان

عراق عجم میں، اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم اور طبیب مشہور ہیں۔ لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں رہی ہے جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دارالسلطنت تھا۔ اور اس میں نہایت شان دار عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ خصوصًا قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدرسے بھی بکثرت تھے مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ نیشاپور کے بعد تھا۔ مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

۱- محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی متوفی ۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء

۲- ابوسعید احمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس الشافعیہ متوفی ۵۳۱ھ ۱۱۳۶ء

۳- الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن یحیٰی بن وشاب لورکانی المعروف شیخ فخرالدین ابوالمعانی متوفی ۵۵۹ھ

---

[1] امام الحرمین کے تفصیلی حالات حصہ اول کتاب ہذا میں درج ہیں۔

[2] شمس الاسلام کیا ہراسی کے انتقال پر نظام الدین احمد بن نظام الملک نے امام صاحب کو نظامیہ بغداد کے لئے طلب کیا تھا۔ مگر امام صاحب نے معذرت کی اور طوس سے نہ گئے۔ یہ مراسلت مجموعہ خطوط امام صاحب میں تفصیل سے درج ہے دیکھو فضائل الانام من رسائل حجۃ الاسلام صفحہ ۴۹ و ۵۰

(۳) نظامیہ مرو

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مرو شاہجان، اور مرو شاہجہاں کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی خونریزیاں ہوئیں، اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیز سے مالامال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں ابتداءً دارالسلطنت رہا پھر سلطان سنجر سلجوقی نے دارالسلطنت بنایا۔ مرو بھی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر ابوالفتح المہینی مشہور ہیں۔

(۴) نظامیہ خورستان

خوزستان مشہور صوبہ ہے۔ جس کے حدود عراق عرب، کردستان، اور فارس سے متصل ہیں تستر، اہواز، عسکر مکرم، اس کے مشہور شہر ہیں اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں۔ معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے۔ اور اس کے مدرسوں میں یوسف دمشقی متوفی ۵۶۳ھ / ۱۱۶۷ء کا نام مشہور ہے۔

(۵) نظامیہ موصل

موصل، اسلامی شہر ہے۔ اور لب دجلہ آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر پناہ ضرب المثل ہے، اور جزیرہ کے شہروں میں سب سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں۔

احمد بن نصر بن الحسین ابوالعباس آنباری معروف بہ شمس الدنبلی متوفی ۵۹۸ھ / ۱۲۰۱ء

۔ ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہرزوری متوفی ۵۸۶ھ / ۱۱۹۰ء

۔ محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکت بن الحسین ابوالمعالی (معید) متوفی ۶۲۱ھ / ۱۲۲۴ء

---

(۶) نظامیہ جزیرہ ابن عمر

شہر موصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفر نامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لئے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سب باشندے ارباب فضل وکمال ہیں۔ بہر حال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ میں گم نامی کی حالت میں پڑا تھا۔ لیکن خواجہ نظام الملک کی علمی فیاضی سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین[1] نے لکھا ہے کہ آج کل یہ مدرسہ رضی کے نام سے مشہور ہے" اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوتے۔

(۷) نظامیہ آمُل

آمل، مازندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت[2] آملہ کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سیر گاہ سلاطینِ ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے۔ جہاں قافلے ٹھہرتے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ کے مدرس" ہبتہ اللہ بن سعد بن طاہر الرویانی متوفی ۵۲۴ھ مشہور ہیں۔

(۸) نظامیہ بصرہ

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا نمبر ہے۔ خاص اسلامی شہر ہے جو فاروق اعظم کے عہد میں آباد ہوا۔ کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا۔ بصرہ کے نحوی، امام فن اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اور جب انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے بہ نظر استعجاب لکھا ہے کہ امام جامع مسجد، جمعہ کا خطبہ غلط پڑھ رہا تھا۔ گویا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں جہالت چھا گئی تھی۔ اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی۔ روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت، وسعت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی۔ اور یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوام کے مزار متصل واقع تھا۔ معتصم باللہ

---

[1] المعجم حالات جزیرہ ابن عمر۔ [2] روضتین صفحہ ۷۵ [3] گنج دانش

کے اخیر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا، اور اُس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہو گیا۔ فخرالاسلام شاشی کے داماد، اور علامہ ابواسحٰق شیرازی کے شاگرد محمد بن قیان بن حامد بن الطیب ابوالفضل انباری عرصہ تک مدرس رہے ہیں جنھوں نے ۵۰۳ھ ۱۱۰۹ء میں وفات پائی۔

(۹) نظامیہ ہرات

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا۔ تو مدرسہ کے لئے محمد بن علی بن حامد فقیہ کو غزنین سے طلب کیا۔ تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبوراً وزیر اعظم کے حکم سے علامہ کو ہرات جانا پڑا اور وہیں ۴۹۵ھ ۱۱۰۱ء میں انتقال کیا۔

(۱۰) نظامیہ بلخ

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہے۔ منوچہر بن ایرج بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ آتش کدہ نوبہار اسی جگہ تھا جس کے متولی برامکہ تھے۔ عہد سلجوقیہ میں بہت آباد تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر سلجوقی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور رہا۔ اور صدیوں تک قائم رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبداللہ بن طاہر بن محمد بن شہفور اسفرائنی متوفی ۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء

عبداللہ بن عمر بن محمد بن الحسین بن علی، ابوالقاسم بن الظریف بلخی۔

عمر بن احمد بن اللیث الطالقانی ابو حفص متوفی ۵۳۶ھ ۱۱۴۱ء

(۱۱) نظامیہ طوس

صورالاقالیم تاریخ خراسان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے سب سے اول ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اُس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہے۔ اس مدرسہ

کے تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے :
افسوس ہے کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ عراق عرب، عجم، شام۔ بیت المقدس، دیاربکر وغیرہ میں کوئی ایسا شہر نہ تھا، جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نہ بنایا ہو۔ لیکن مورخین کی کوتاہ قلمی سے آج ہم صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو ہم نے طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں۔
تم الکتاب۔ بحمد اللہ وفضلہ وعونہ وحسن توفیقہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحبہ وسلم۔

تمام شد

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزم کُردی ہم میں تھا بدوی حمیّت ہم میں تھی

تذکرہ ملک شاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہو گئی۔ وزارت سے جس قدر سلطنت کا تعلق تھا، اُس کا بھی مجمل و مفصل بیان ہو چکا۔ لیکن ملک شاہ "رائل ہیروز آف اسلام" (نامور فرماں روایان اسلام) میں عمومًا اور طبقۂ سلاجقہ میں خصوصًا ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور سلاجقۂ عراق میں تو "واسطۃ العقد" کا تمغہ خاص اُسی کے لئے ہے۔ لہٰذا مختصر پیمانہ پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے، اور مفصل تذکرہ کے لئے ناظرین کو ہماری "تاریخ آل سلجوق" کا انتظار کرنا چاہیے۔ جس کا ایک معتدبہ حصّہ لکھا جا چکا ہے۔

نسب نامہ، ولادت، تعلیم و تربیت، تخت نشینی

ملک شاہ، سلطان الپ ارسلان، سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا، اور جغری بیگ داؤد کا پوتا ہے۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا ملک شاہ کی ذات پر خاتمہ ہو گیا۔ یہ نخر خاندان بتاریخ ۱۹ رجمادی الاول ۴۴۷ھ (جولائی ۱۰۵۵ء) پیدا ہوا[1]۔ اور الپ ارسلان کے سایۂ عاطفت اور خواجہ نظام الملک کی اتالیقی میں تربیت پذیر ہوا۔ مشاہیر علما اس کے معلم رہے۔ تاریخ[2] میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی، نظم و نثر پر قادر تھا اور شعر و سخن سے خاص دلچسپی رکھتا[3] تھا۔ اور باوجود کم عمری حُسن ظاہری کی طرح صفات باطنی میں بھی ممتاز تھا۔ عقل و فراست کے ساتھ متانت پائی جاتی تھی۔

---

[1] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۶۔ [2] نامۂ دانشوران ناصری صفحہ ۷، تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن۔ [3] ملک شاہ کی یہ رباعی تذکروں میں درج ہے۔ جس سے انداز کلام معلوم ہوگا ع لوسہ زدہ یار دوش بردیدہ من ؛ و اور رفت از و بماند تر دیدہ من ؛

ملک شاہ ہنوز ہژدہ سالہ نوجوان تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا، نوعمری میں سریر سلطنت نے پاؤں چومے، اور چتر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا۔ دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ (نومبر ۱۰۷۲ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی۔ اور تخت نشینی کے بعد[1] سلطان العادل، جلال الدولہ، ابو الفتح، ملک شاہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے سند حکومت کے ساتھ "یمین امیر المومنین" کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، بیت المقدس، بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ملک میں سکہ جاری ہوا۔

حدود سلطنت

ملک[2] شاہ کے زمانہ میں معین السلطنت خواجہ نظام الملک کی بدولت سلطنت کو فوق الغایت ترقی ہوئی۔ ماوراء النہر سے یمن تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک سلجوقی پھریرہ اُڑتا تھا بسلطنت روم باج گزار تھی۔ قیصر تین لاکھ دینار نذرانہ اور تیس ہزار جزیہ سالانہ ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کی ٹکسال کے طلائی و نقرئی سکے نیشا پور اور اصفہان کے بازاروں میں چلتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ خلفاء متقدمین کے بعد اسلام میں دولت سلجوقیہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔

بغاوت وفتوحات

تخت نشینی کے بعد، سلطان کے چچا قاورد بیگ نے بغاوت کی اور شکست کھائی۔ ۴۷۳ھ میں حقیقی بھائی تکش برسر مقابلہ ہوا، اور ذلت اٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ ۴۸۲ھ میں سلیمان خاں، خاقان سمرقند نے سرکشی کی جس کے لئے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ اور نتیجہ کی تصویر ملک الشعراء امیر معزی نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خدائے ہرچہ دہد بندہ را ز فتح و ظفر	بدین پاک دہد یا بہ عقل یا بہ ہنر
بہ بیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و بغرب	ہزار گونہ دلیل است و صد ہزار اثر
چو ز آب جیحوں بگذشت روزگار نبرد	کشید تا بسمرقند رایت و لشکر
کشادہ کرد سمرقند را بروز نخست	بچشم عدل سوئے خاص و عام کرد نظر
چو دید خصم کہ وادند شہر و آمد شاہ	گرفت راہ حصار و ز شاہ کرد حذر
ز بہر او سپہے بر حصار گرد شدند	ہمہ سپہر تن و خاک صبر و کوہ جگر

---

[1] آل سلجوق حالات ملک شاہ [2] آل سلجوق و کامل اثیر ابن خلکان۔

سپاہ خویش پراگندہ کرد گرد حصار	روانہ گشت زہر سو مبارزے دیگر
غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چوں باراں	سناں نیزہ چو برق و تیرہ چوں تندر
فرو گرفتہ حصارے کہ گر کنم صفتش	دراں صفت سخنم بگزرد زوہم و فکر
چنانش کرد کہ بینندہ گفتی اے عجبا	مگر بزلزلہ شد ایں حصار زیر و زبر
ہم از حصار کشیدند شاں بحضرت شاہ	چنانکہ اہل گنہ را کشند در محشر
ہمہ ز کردہ پشیماں شدند و در مثل است	کسے کہ بد کند آخر ز بد کشد کیفر

اگر کشادن روم و عرب عجائب بود
کنوں کشادن چین و چگل عجائب تر

جب[1] سلیماں خاں گرفتار ہو کر سامنے آیا تو اسپ سلطانی کا غاشیہ اس کے کندھوں پر رکھا گیا۔ اور سریرِ افراسیاب (نام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب دوڑتا ہوا آیا۔ پھر سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ یہ سلیمان کی سرکشی کی انتہائی سزا تھی۔ ورنہ فتح ممالک کے بعد تاج بخشی ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ جیسا کہ قیصر روم اور دیگر خواقین و سرداران عرب کے ساتھ کیا گیا۔ ملک شاہ کے عہد میں بغاوتیں کمتر اور فتوحات اکثر ہوئیں۔ امیر[2] برسق کی سپہ سالاری میں روم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا۔ تاج الدولہ[3] تتش دبرادر سلطان)، نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب، فامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا۔ سعداللہ گوہر آئین نے زبید و عدن اور بلادِ یمن کو فتح کیا۔ مصر و بلاد مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی۔ اب ان فتوحات کو نقشہ میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کاشغر سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد الخزر تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔

ملکی دورہ

ملک شاہ کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ جس کی تفصیل رسالہ ملک[4] شاہی میں ہے، روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ "سلطان نے انطاکیہ سے حبند ماوراء النہر تک دو مرتبہ دورہ کیا"۔ اور گبن صاحب لکھتے ہیں کہ "ملک شاہ نے ملک کے اُس حصہ میں جس پر کیخسرو اور خلفاء

---

[1] آل سلجوق صفحہ ۵۲ و ۵۳ [2] آل سلجوق صفحہ ۶۵ و ۶۶ [3] ابن خلدون [4] یہ ملک شاہ کا سفرنامہ ہے۔ جو خود اُس نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں آتے ہیں۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لنڈن میں ہے۔

حکمراں تھے ۔ بارہ مرتبہ دورہ کیا۔ لیکن سر جان مالکم صاحب کی رائے کے مطابق، اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باج گذار اور زیر اثر تھے ۔ اور اگر وہ شامل کئے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہے ۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رائے صحیح ہے ۔ سلطان نے صرف عراقِ عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا ۔ ۴۶۷ھ / ۱۰۷۹ء میں کرمان کا سفر کیا ۔ اور تین مرتبہ دار السلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے ۔

۱۔ اول[1] مرتبہ چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ (مارچ ۱۰۸۷ء) کو داخل بغداد ہوا ۔ وزیر السلطنت ابو شجاع نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا ۔ داخلہ کے تیسرے دن، سلطان نے حلبہ (شرقی بغداد میں باب الازج کے قریب ایک بڑا محلہ ہے) میں پولو (چوگان بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کئے ۔ اور ۱۰ محرم ۴۸۰ھ (اپریل ۱۰۸۷ء کو) قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت و رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کئے گئے ۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و کنگن مرصع مرحمت ہوا ۔ اور دو تلواریں گلے میں حمائل کی گئیں ۔ جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجالایا اور سُدّۂ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا ۔ اسی[2] زمانہ میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہؒ کے مزارات کی بھی زیارت کی ۔ فاتحہ پڑھا ۔ فقراء اور مساکین کو صدقات دیئے گئے ۔ اور مہینہ صفر ۴۸۰ھ / ۱۰۸۷ء میں خراسان کو واپس گیا ۔

۲۔ دوسری مرتبہ بتاریخ ۲۸ رمضان ۴۸۴ھ (اکتوبر ۱۰۹۱ء) پھر آیا ۔ اور ۱۸[3] ذیقعدہ مدیوم پنجشنبہ (یکم جنوری ۱۰۹۲ء) کو جامع سلطان کی نبیاد ڈالی ۔ بہرام منجم نے سمت قبلہ قائم کی ۔ اور محفل میلاد بڑی دھوم سے کی گئی ۔ شعراء نے قصائد پڑھے ۔ خواجہ نظام الملک دونوں مرتبہ ہمراہ تھا ۔

تیسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ (۲۸ اکتوبر ۱۰۹۲ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک داخل بغداد ہوا ۔ اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا ۔

فوج شاہی

مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتالیس ہزار لکھی ہے اور نامہ خسرواں کی روایت ہے کہ دار السلطنت میں ہر وقت پچاس ہزار سوار موجود

---

[1] ابن خلکان جلد اول حالات ملک شاہ [2] آل سلجوق صفحہ ۷۰، کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۰ [3] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۴۰ و ۲۹ ۔

رہتے تھے۔ غالباً انگریزی مورخوں نے ایسی ہی روایات پر قیاس کرلیا کہ فوجی قوت صرف اسی قدر تھی۔

ہر سلطنت میں دار السلطنت کے علاوہ تمام صوبوں اور سرحد کی چھاونیوں میں فوج رہا کرتی ہے۔ اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو اُس کے پاس صرف چھیالیس سینتالیس ہزار سوار ہوں یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھی، مگر باوجود اس کمی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہوں گے۔ اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی فوج مہیا ہو جاتی تھی۔ اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جنس کا نرخ ارزاں رہتا تھا جس سے محکمہ کمسریٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خراج سلطنت تمام سلطنت کی کس قدر آمدنی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر سلطانؒ کی ذاتی جاگیر کی آمدنی اکیس[۲] ہزار تومان زر کنی اور بیس[۳] ہزار دینار صرف خاص تھا۔

صیغۂ رفاہ عام ملک شاہ کو رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا از حد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفاخانہ سرائیں، مدارس موجود تھے۔

زراعت و تجارت ترقی زراعت[۴] کے لئے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لئے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرائیں موجود تھیں پُل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔

امن وامان سلطانؒ[۵] کا عہد دولت نہایت پر امن تھا۔ ماوراء النہر سے اقصائے شام تک قافلے بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکا دُکا مسافروں کی تھی۔ خوش حالی رفاہیت، اور امن وامان میں ملک شاہ کا عہد حکومت رومی، اور عربی حکومتوں سے کم نہ تھا۔

معافی چنگی ترقی تجارت[۶] کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی چنگی معاف کر دی تھی اور یہ محصول اس عہد میں مکوس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب اور علم خط کی ترقی آل سلجوق[۷] کے ابتدائی دور میں دفتر عربی زبان میں تھا لیکن وزیر

---

[۱] ابن خلکان حالات ملک شاہ [۲] نگارستان [۳] ایضاً [۴] ابن خلکان و کامل [۵] سر اسپین رائٹ آنریبل سید امیر علی

[۶] کامل اثیر ابن خلکان [۷] دولت شاہ سمرقندی۔

عمید الملک کندری نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کو بڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملک شاہ خود شاعر تھا لہذا مشاہیر شعراء کا دربار میں مجمع رہتا تھا اور ادبی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امراء و وزراء کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفتر انشاء کی ملازمت کے لئے خوش نویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور رقاع میں اُستادی کا درجہ[1] رکھتا تھا۔ یہ عنوان نہایت وسیع ہے جس کی تفصیل تاریخ آل سلجوق میں ہے۔ لیکن تاہم ابوالمعالی نحاس اور امیر معزی کے چند منتخب اشعار جو سلطان کی مدح میں ہیں نذر ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ابوالمعالی نحاس

جسم او رالطف روح اور افعل نفس — نفس او را فعل عقل و عقل او رالورِ دیں
طبع او باد ست وجودش آب و ایں غالب برآں — حلم او طین ست و خشمش نار و آں غالب برایں
گر شگفت است ایں کہ مستولی شود بر باد آب — ایں شگفتی نہ کہ آید نار در فرمان طیں
آتشے کاندر ازل مر خاک را سجدہ نہ کرد — پیش خاک اکنوں ہمی مالد بخاک اندر جبیں
علم روحانیست اخلاق تو بے تعلیم کس — اے عجب در جسم تو روح است یا روح الامیں
آسماں فیروزہ گوں شد تا نگیں سازی او — چوں نگیں سازی ز چیزے کت بود زیر نگیں

امیر معزی

خسرو عادل ملک شاہ آنخداوندے کہ ہست — زیر رائے و رایت او شرق و غرب و خیو شر
از مدار چرخ و حکم زہرہ و بہرام و تیر — وز مسیر ہرمز و کیوان و سیر ماہ و خور
شانزدہ چیز تو باقی باد تا گیہاں بود — باتو باد آں شانزدہ ہم در سفر ہم در حضر
ملک[۱] و دین[۲] و تخت[۳] و بخت[۴] و کاخ[۵] و مہر[۶] و تیغ[۷] و جام[۸] — عز[۹] و جاہ[۱۰] و عمر[۱۱] و مال[۱۲] و نام[۱۳] و کام[۱۴] و فخر[۱۵] و فر[۱۶]

اصلاح رصد ملک شاہ[2] نے سنہ فارسی یزد جردی میں اصلاح کی اور سنہ جلالی ملک شاہی جاری کیا۔ جس کی مفصل تاریخ عمر خیام کے حالات میں تحریر ہے۔ بارہ مہینوں کے جدید نام یہ تھے۔ ماہ[۱] نو، نو[۲] بہار، گرما[۳] فزا، روز[۴] افزوں، جہاں[۵] تاب، جہاں[۶] آرا، مہر[۷] کاں، خزاں[۸]، سرما[۹] فزا، شب[۱۰] افروز

---

[1] تذکرہ خوشنویسان مولانا غلام محمد ہفت قلمی دہلوی [2] ناسخ التواریخ جلد اول صفحہ ۹۰۔

آتش آفروز، سال افزوں۔

ذاتی شوق

ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا شوق تھا روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ ایران وتوران کی شکارگاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی نہیں ہے، جہاں ملک شاہ کے نعل اسپ کے نشانات نہ ہوں" شکار کا ایک باضابطہ رجسٹر تھا جس میں روزانہ شکار کی تعداد درج ہوا کرتی تھی۔ مصنف راحت الصدور نے خود اس رجسٹر کو دیکھا جس کا نام "شکار نامہ" تھا۔ اور یہ رجسٹر مشہور شاعر ابوطاہر خاتونی مصنف مناقب الشعراء کا لکھا ہوا تھا؛ ملک شاہ نے عمر بھر میں دس ہزار سر شکار کئے۔ جو کمال تیراندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار محض شوقیہ اور بلا ضرورت ہوا کرتا تھا۔ لہذا ملک شاہ نے خوف خدا سے دور کر یہ قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یادگار

تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں سلطان کا قیام تھا کہ حج کے واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی بہ نظر حصول ثواب قافلہ کی مشایعت میں چلا اور چند منزلوں تک برابر چلا گیا راستہ میں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں اور کھروں سے بطور یادگار ایک مینار بنایا جائے۔ چنانچہ واقصہ سے بڑھ کر قرعار کے نزدیک منارہ بنایا گیا۔ اور اس کا نام "منارۃ القرون" رکھا گیا۔ مصنف تاریخ آل سلجوق نے لکھا ہے کہ یہ منارہ ہمارے زمانہ میں (۶۲۳ھ / ۱۲۲۶ء) موجود ہے۔ لیکن سفرنامہ ابن جبیر اور ابن بطوطہ میں بھی واقعات سفر مدینہ منورہ اور نجف اشرف میں اس منارہ کا ذکر ہے۔ لیکن ان سیاحوں کو کسی نے اس منارہ کے تاریخی حالات نہیں بتائے۔ اسی قسم کا دوسرا منارہ ترکستان میں تھا، جس کا موقعہ نہیں معلوم ہوا

مجالست علماء وشعراء

سلطنت کے کاموں سے جب فرصت ملتی تو جلسہ احباب میں بیٹھتا، یا علماء

؎ تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن صاحب ؎ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کوفہ سے وادی الغدیب گیا وہاں سبیعہ پہنچا پھر سبعیہ سے واقصہ گیا اور اسی جگہ مینار بنایا گیا کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہوتے یہ سب مشہور منزلیں ہیں چنانچہ واقصہ سے کوفہ تین دن کی راہ ہے، اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کتب جغرافیہ میں اس کا نام واقصۃ الحزن بھی ہے۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ اینٹوں کا منارہ ہے اور عمود کی شکل ہے۔ منارہ میں چو پہل اور ہشت پہل خاتم بندی کی ہوتی ہے رتمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں اور دور سے سیاہی (خارپشت) کی پنچھ کی طرح چمکتا ہے۔

وشعراء کا مجمع ہوتا۔ ہر ایک سے اُسی کے مذاق کے مطابق گفتگو کیا کرتا۔ علماء کی سفارشات ہمیشہ منظور ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی خیال سے خلیفہ المقتدی نے ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء میں شیخ ابو اسحٰق کو دربار میں بھیجا اور شیخ نے ابو الفتح بن اللیث عمید عراق کی بہت سی شکایتیں کیں۔ چنانچہ شیخ کی مرضی کے مطابق حکم دے دیا[1]۔ اور امام الحرمین کے ساتھ جو واقعہ گذرا، اس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔

حج خانہ کعبہ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں بڑی شان وشوکت سے حج کے لئے روانہ ہوا۔ اور چونکہ براہ کوفہ گیا تھا لہٰذا اسبعیہ (وادی السباع) سے چل کر واقصہ میں ایک کنواں بنوایا۔ نزہت القلوب میں چاہ تودن[3] لکھا ہے۔ یہ کنواں پندرہ گز مربع میں ہے۔ جس کا عمق چار سو گز ہے اور بالکل سنگ لاخ زمین پر بنایا گیا ہے۔ اور یہی مورخ لکھتا ہے کہ زبیدہ خاتون کے بعد ملک شاہ سلجوقی نے مکہ معظمہ کے راستہ میں تالاب اور حوض بنائے تھے، تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے راستہ میں جس قدر مشکلات تھیں وہ سب ملک شاہ نے حل کردی تھیں۔ حجاج کے قیام کے واسطے سرائیں بنوائی گئیں۔ اور چاہات آب نوشی پر خاص توجہ کی گئی۔ امیر الحرمین (شریف مکہ) نے ہر حاجی پر سات دینار زر سرخ ٹکس مقرر کیا تھا۔ وہ سلطان نے موقوف کردیا۔ اور اس معاوضہ میں امیر الحرمین کو جاگیر دیدی[1]۔

تعمیرات سلطان کو محلات، اور قلعہ جات بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دارالسلطنت اصفہان کو اعلیٰ درجہ کی عمارات سے آراستہ کردیا تھا۔ اور قلعہ تبرک اور دژکوہ اس کی یادگار ہیں۔ سلطان نے بڑے شہروں کے گرد فصیل بھی بنوائی تھی۔ اور قدیم قلعے جو منہدم یا مرمت طلب ہوگئے تھے۔ اُن کی ہمیشہ تجدید ہوا کرتی تھی۔ جغرافیہ گنج دانش میں جا بجا اس کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح باغات لگانے کا بھی شوق تھا۔ اور اصفہان کے باغات بہت مشہور ہیں۔

ملکی نظم ونسق ایک مہذب اور متمدن سلطنت کا جیسا عمدہ انتظام ہونا چاہیے وہ موجود تھا۔ اور یہ تمام انتظامات خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کے سپرد تھے جس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دیوانی عدالتیں اور سیاسی محکمے فقہاء اور قضاۃ کے ہاتھ میں تھے

---

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲ [2] گنج دانش صفحہ ۱۲ [3] نزہت القلوب تذکرہ منازل نجف اشرف [4] تودن ملک شاہ کا ایک مشہور غلام تھا۔ غالباً اس کی نگرانی میں یہ چاہ تیار ہوا ہوگا۔ اور اسی نسبت سے چاہ تودن مشہور ہوا [5] روضۃ الصفا تذکرہ ملک شاہ۔

اور مالی انتظام خواجہ نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ اور فوجی صیغہ میں عموماً ترک تھے جو سلطان کے رشتہ دار تھے یا معتبر غلام۔

خانگی زندگی ملک شاہ کی پہلی شادی، الپ ارسلاں نے اپنی حیات میں (جنگ قیصر کے بعد) کی تھی جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان اعظم نے مہد ہمایوں کا ڈولہ بڑی شان و شکوہ سے نیشاپور روانہ کیا تھا۔ اور جب دلہن داخل شہر ہوتی ہے تو تمام شہر آراستہ کیا گیا تھا ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک نادر تحفہ ترکستان کا تھا۔ مشک، عنبر، عود، کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کی جاتی تھیں۔ دوسرا عقد ۴۷۱ھ[1] میں ترکان خاتون[2] سے خود سلطان نے کیا تھا۔ یہ سب سے معزز اور مقتدر بیگم تھی۔ اور ملکی انتظام میں دخیل تھی۔ محمود اس کا بیٹا تھا۔ تیسرا عقد زبیدہ[3] سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یاقوتی بن داؤد کی بیٹی تھی۔ برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک، اسی کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتا تھا۔ اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی۔ یہی بنائے مخاصمت[4] تھی۔ جس نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے خانہ جنگی کا باعث[5] ہوئے۔ ملک شاہ نے قیصر روم "الکسس کامنی نس" کی حسینہ و جمیلہ دختر سے شادی کا پیام دیا۔ اور باج گذار قیصر اس رشتہ کو مسرت سے منظور کر لیتا۔ مگر سلطان کی قبل از وقت موت نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو روک دیا[6]۔ "لیکن مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شہزادی نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا"۔ محققین کے نزدیک یہ رائے صداقت سے دور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ و پیام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے لئے اور کیا عزت ہو سکتی تھی۔ ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے رے کی ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنانے آئی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھ کر بولی کہ حضور مجھ ایسی حسین عورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال و حرام میں صرف ایک کلمہ ہی کا تو فرق ہے۔ اس برجستہ جواب پر سلطان نے عقد کر لیا۔

---

[1] دیکھو لوٹ صفحہ ۱۴۹۔ ترکان خاتون [2] کامل اثیر [3] دیکھو صفحہ ۱۴۹-۱۵۲ [4] دیکھو لوٹ مندرجہ صفحہ ۱۵۱

[6] تاریخ ہر اسین رائٹ آنریبل سید امیر علی۔

محبت اولاد سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی۔ جب شاہزادہ داود کا انتقال ہوا، تو فرطِ غم سے تجہیز و تکفین ملتوی کر دی۔ جب نعش متعفن ہوگئی تو امراء نے دفن کی۔ اور سلطان کو ہلاکت سے بچایا۔ جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط ہوا۔[1]

خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری سب سے اول ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۴۶۴ھ/۱۰۷۲ء میں[2] الپ ارسلان نے اپنی دختر صفری خاتون کا عقد المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء میں ملک شاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد المقتدی سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت اور ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف مزاجی معدلت گستری، اور نصفت شعاری، ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ اور اس کا عام لقب سلطان العادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت، رشتہ دار اور اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس واقعہ کو بہ نظر استحسان دیکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی تکش باغی ہو کر مقابلہ کو آرہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مشہد امام علی بن موسی رضا آگیا۔ سلطان، نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔ ملک شاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ "اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا اس کو فتحیاب[3] کرے۔

۲۔ ایک[4] مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں نے ایک فربہ گائے کو لاوارث سمجھ کر ذبح کیا، اور کباب بنائے۔ یہ گائے ایک بیوہ عورت کی تھی۔ اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی۔ جب اُس نے یہ حال سُنا تو وہ بدحواس ہوگئی اور صبح کو زندرود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر آکھڑی ہوئی۔ جب سلطان سامنے آیا تو نہایت بیباکی سے بولی کہ اے الپ ارسلان کے بیٹے! "میرا انصاف نہر کے پُل پر کرے گا یا پل صراط پر، جو جگہ پسند ہو انتخاب کر لے"

---

۱ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ ۲ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۴۴-۴۱ ۳ شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کتاب ہذا حصہ اول صفحہ ۱۵۴

۴ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۰، ۵ زینۃ المجالس صفحہ ۱۳۳۔

سلطان گھوڑے سے اُتر پڑا اور کہا پُل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ کل حال سُن کر بیوہ عورت کو ستر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اُس نے کہا کہ میں راضی ہوں تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳) کسی امیر[1] کے غلام نے ایک غریب حبشی سے تربوز چھین کر اپنے آقا کو نذر کیا۔ حبشی نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر تربوز برآمد ہوا۔ سلطان نے حال پوچھا تو امیر نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے۔ سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہٰذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہے، اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں۔ چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچھتر روپیہ) دے کر حبشی کو رضامند کیا اور غلامی سے نجات پائی۔

زندہ دلی ملک شاہ ایک زندہ دل اور باذوق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کہ اردلی کے سواروں سے الگ ہو کر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شدت سے بھوکا تھا۔ لہٰذا کھانے کی فکر میں ایک کاشت کار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں[2] میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

سلطان:۔ میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کر دیا ہے، تم میری دعوت کر سکتے ہو۔

کاشتکار:۔ ہاں جناب! میرے پاس روٹیاں تو ضرور ہیں، مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں۔

سلطان:۔ میں تیرا مہمان ہوں، فضول بک بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

کاشت کار:۔ سبحان اللہ! فضول گو وہی ہے جو زبردستی کا مہمان ہو۔

سلطان:۔ میرا چاقو لے جاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔

کاشتکار:۔ حضرت معاف کیجئے۔ یہ مرصع دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھائیے وہ روٹیوں کی قیمت میں لے لے گا۔

سلطان:۔ میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کر و اور کھانا لاؤ۔

کاشت کار:۔ میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ آپ تشریف لے جائیں میں دعوت سے

---

[1] ابن خلکان حالات ملک شاہ [2] زینۃ المجالس صفحہ ۲۵۹۔

مجبور ہوں۔

یہ جواب سُن کر ملک شاہ روانہ ہوگیا۔ جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشت کار دوڑا اور رکاب پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ معافی کا خواست گار ہوں۔ مجھے مذاق کی عادت ہے۔ تشریف لے چلیئے چنانچہ سلطان واپس آیا۔ کاشت کار نے فوراً ایک بکری ذبح کر کے کباب لگائے اور اچھی طرح سے کھانا کھلایا۔ اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب ہنسایا۔ اس عرصہ میں اردلی کے سوار آگئے۔ سلطان روانہ ہوا۔ اور کاشت کار ہل جوتنے لگا۔ وقت رخصت سلطان نے کہا کہ دارالسلطنت میں حاضر ہونا۔ کاشت کار نے عرض کیا کہ مہمان سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا شعار نہیں ہے۔ سلطان کو یہ جواب پسند آیا۔ اور وہی گاؤں جس کا وہ کاشت کار تھا جاگیر میں دے دیا۔[1]

علمی شرافت ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفا کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیم نہ دی جائے۔ چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنا پر نامنظور کر دیا۔ جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ دینور کے ایک کاشت کار نے خواجہ نظام الملک کو رضامند کر کے سلطان سے سفارش کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دے دی جائے۔ سلطان خواجہ پر غضب ناک ہوا اور کہا کہ "مجھے تمہاری سفید ڈاڑھی اور خدمات قدیمانہ کا ادب مانع ہو اور نہ آج تمھاری رسوائی میں کچھ شبہ نہ تھا۔ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آئندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لے کر نااہلوں کو حصول علم کی اجازت دیدی"۔

آخری ایام ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال، نہایت افسردگی میں گذرے، خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی، اور تاج الملک کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور دفتر انشا کے بھی قدیم عمال میں ردو بدل کیا گیا۔ چنانچہ یہ انقلاب سزاوار نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم ۴۸۶ھ / ۱۰۹۳ء میں تاج الملک بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور ہوا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی مخالفت پیدا ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابوالفضل جعفر کو ولی عہد کرنا چاہتا تھا۔ اور خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد

---

[1] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۸۰۔ اور تاریخوں میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

کرکے جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ[1] خلیفہ کی معزولی کے لئے ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد ۳ شوال ۴۸۵ھ (۲۶ نومبر ۱۰۹۲ء) کو شکار کے لئے روانہ ہوا۔ نہر دجیل (مابین تکریت و بغداد) کے کنارے شکار کھیل رہا تھا۔ کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن گورخر شکار کیا تھا۔ اُس کے کباب خوب شوق سے کھائے۔ گرانی معدہ سے بخار آگیا اور نہایت شدت ہوئی، تب بغداد آیا۔ اطباء نے فصد لی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور واپسی کے دوسرے دن ۱۵ شوال ۴۸۵ھ (۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء) کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۝"

چوں برکہ ہائے دشت عرب داں تو حالِ خلق　　وقتی ز آب پُر شود و لو بتے تہی

ایں برکہ حیات مسلم، تہی شود　　از آب زندگانی و از فر فرہی

دیر ست دزد و مرگ نباشد ازاں گریز　　فرخندہ نیک نامی وخوش وقت آگہی

ترکان خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی سے نعش اصفہان روانہ کر دی۔ سلطان کا ذاتی اسباب، قصرِ خلافت میں بھیج دیا۔ اور امراء کو انعامات دے کر حکم دیا کہ شاہزادہ محمود کی جانشینی کی کوشش کی جائے۔ ملک شاہ اصفہان کے مدرسہ اعظم میں دفن کیا گیا۔ اور برکیارق و محمود میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ لیکن ترکان خاتون نے ٹور کر ملک کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا۔ مگر برکیارق کی قسمت چمکی، اور ۴۸۶ھ ۱۰۹۲ء میں سات سال کی عمر میں محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔

ملک شاہ نے بیس سال تک حکمرانی کی۔ اور کچھ اوپر ۳۸ سال زندہ رہا۔ خلیفہ المقتدیٰ نے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۶۱ حصہ اول [2] خلفائے عباسیہ میں سے بعض کا تذکرہ نظام الملک میں ہے ایک شاعر نے تمام خلفاء کے نام نظم کر دیئے ہیں لہٰذا وہ نظم بطور یادگار درج کی جاتی ہے۔

از بنی عباس سی و ہفت بودند ے امام　　کز سنان و تیغ شاں شد سینۂ اعدا فگار

بود سفاح، انگہے منصور و مہدی وعقب　　ہادی و ہارون، امین مامون امام کامگار

معتصم، انگاہ واثق بعد ازو متوکل است　　منتصر، پس، مستعین بودست معتز پیشکار

مہتدی و معتمد پس معتضد، پس مکتفی　　مقتدر پس قاہر و راضی امام کامگار

متقی، مستکفی وانگہ مطیع و طائع است　　قادر و قائم، پس از وے مقتدی شد آشکار

نے اظہار ماتم نہیں کیا۔ اور نہ کوئی رسم تعزیت عمل میں آئی لیکن باستثناء بغداد اور تمام ملک نے ملک شاہ کا ماتم کیا۔ اور عرصہ تک مدارس و مساجد میں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی رہی۔ اور شعراء نے دل گداز مرثیئے لکھے ؎

وزیدی اے صبا برہم زروے گلہاے رعنارا　　شکستی ناں میاں شاخِ گلِ نورستۂ مارا

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حسب ذیل طبقات پر تقسیم تھی۔

نام طبقہ	ایام سلطنت یوم ماہ سال	تعداد حکمراں	ابتدا و انتہا	مختصر کیفیت
طبقہ عراق	۱۵-۹-۱۶۱	۱۴	۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء لغایۃ ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء	یہ طبقہ سلاجقہ اعظم کہلاتا تھا جس پر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمراں ہوا۔
طبقہ کرماں	۰-۰-۱۵۰	۹	۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء لغایۃ ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء	عمادالدین قرا ارسلان قاورد بیگ بن چغری بیگ داود اس کا بانی تھا۔
طبقہ روم	۰-۰-۲۳۲	۱۴	۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء لغایۃ ۷۰۲ھ / ۱۳۰۲ء	یہ سلطنت ایشائے کوچک میں قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق اعظم نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں تتش بن الپ ارسلاں اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمراں تھا۔ مگر یہ حکمراں درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ اعظم کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔

بقیہ صفحہ ۵۵۰:

بعد ازو مستظہر و مسترشد ست و راشد است　　مقتفی، مستنجد انگش شیر گردوں شد شکار
مستضی و ناصر و ظاہر دگر مستنصر ست　　وآخرین قوم مستعصم، بحکم کامگار

خاتمہ

اے خدا! تیرا شکر و احسان ہے کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو خانۂ قلمدان میں دم لینے کا موقعہ ملا۔ میری ذات کے لئے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ لیکن ناظرین البرامکہ سے عفو قصور کا طالب ہوں، جن کو "نظام الملک" کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۰۷ء تک چار سو صفحات چھپ کر مسودہ کتاب ختم ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ریاست بھوپال کے ایک بڑے پرگنہ کی تحصیل داری پر میرا تقرر ہوا۔ چنانچہ عامل پرگنہ ہو کر تاریخ اسلام کی جگہ کاغذات پٹواری، وصول مال گذاری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوج داری، دیوانی) سے کام پڑا۔ تاہم راتوں کو جاگ کر یہ کتاب ختم کی گئی۔ اور ان دنوں تاریخ آل سلجوق، حیات رشید اعظم (ہارون الرشید عباسی)، اور ایک قدیم سفرنامہ (اصل معہ ترجمہ وحواشی) کی ترتیب و تالیف میں مصروف ہوں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارحم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول کرے، آمین!

یوم دوشنبہ، ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ
مطابق ۳؍ جنوری ۱۹۱۰ء و ۲
اسفندار ۳۲ جلالی ملک شاہی
قلعہ بیگم گنج (سیواس) بھوپال (سنٹرل انڈیا)

خاکسار
محمد عبدالرزاق ابن منشی الٰہی بخش
صاحب مرحوم رمال و منجم ہند کانپوری

فہرست کتب جن سے کتاب نظام الملک طوسی ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی سنہ ۴۸۵ھ مطبوعہ پیرس دارالسلطنت فرانس سنہ ۱۸۹۶ء
۲	دستور الوزراء (وصایا)	خواجہ نظام الملک طوسی۔ نسخہ قلمی عہد قدیم
۳	احکام السلطانیہ والولایات الدینیہ	امام ابوالحسن علی ماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۸ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	وزیر ملک سعید متوفی سنہ ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	حسن بن عبداللہ عباسی متوفی سنہ ۷۰۸ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۶	معید النعم و مبید النقم	تاج الدین عبدالوہاب سبکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک المالک فی تدبیر الممالک	شہاب الدین احمد مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ امام ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی
۸	فتوح البلدان	بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۹ھ
۹	سراج الملوک	ابوبکر محمد طرطوشی۔ مالکی۔ اندلسی متوفی سنہ ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
۱۰	تاریخ السلجوقیین فی العراق	امام عماد الدین محمد بن محمد بن حامد اصفہانی متوفی سنہ ۵۹۷ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۱۱	الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ	محمد بن علی بن طباطبا المعروف بہ ابن الطقطقی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ
۱۲	المعارف	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۰ھ
۱۳	مروج الذہب و معادن الجوہر	قطب الدین ابوالحسن علی بن حسین مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۴	تاریخ ملوک الارض	حمزہ بن الحسن اصفہانی (چوتھی صدی ہجری) مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۸۶ء
۱۵	کامل	ابوالحسن علی المعروف بابن الاثیر جزری متوفی سنہ ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۶	کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین	شہاب الدین مقدسی شافعی المعروف بابن شامہ متوفی سنہ ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۷ھ
		علامہ غزی فوریوس ابوالفرج بن ہارون الطبیب

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۷	مختصر الدول	الملطی معروف بابن العبری متوفی سنہ ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۹۰ء
۱۸	ابن خلدون	ولی الدین ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون مغربی متوفی سنہ ۸۰۶ھ ۱۴۰۳ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۱۹	کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المعروف بالمقریزی متوفی سنہ ۸۴۵ھ ۱۴۴۱ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۷۰ھ
۲۰	الاعلام بیت اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد حنفی نہروانی دسویں صدی ہجری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۲۱	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ
۲۲	حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ	״ ״ ״ ״ سنہ ۱۳۲۱ھ
۲۳	تاریخ الحکماء	شہرزوری قلمی ۔ کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ ۔
۲۴	اخبار العلماء باخبار الحکماء ۔	وزیر جمال الدین قفطی ۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۶ھ
۲۵	ابو الفدا	سلطان ملک المؤید ۔ عماد الدین اسمٰعیل مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ
۲۶	دول الاسلامیہ	۔ سید احمد بن زینی دحلان متوفی سنہ ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۷ھ
۲۷	فتوحات الاسلامیہ	سید احمد بن زینی دحلان متوفی سنہ ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۲۸	بلوغ الارب فی احوال العرب	آلوسی زادہ سید محمود شکر آفندی بغداد سنہ ۱۳۱۴ھ
۲۹	صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب	نوفل آفندی ۔ طرابلسی مطبوعہ بیروت
۳۰	الوافی فی المسألۃ الشرقیہ (جلد اول)	امین بن ابراہیم شمیل ۔ لبنانی (۱۸۹۷ء تک بقید حیات تھا) مطبوعہ اسکندریہ سنہ ۱۲۹۲ھ
۳۱	الخطط التوفیقیہ	علی پاشا مبارک متوفی سنہ ۱۳۱۱ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۵ھ یہ کتاب مقریزی کا ذیل ہے ۔
۳۲	اخبار الدول والآثار الاول	ابو العباس بن احمد قرمانی مطبوعہ بغداد سنہ ۱۲۸۲ھ
۳۳	آثار الادہار (تراجم)	سلیم جبرئیل خوری ۔ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۷۷ء
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	بشرح نمبر ۱۸
۳۵	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	کاتب چلپی مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۱ھ
۳۶	اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع	ایڈورڈ بن کرنیلیوس فانڈیک مطبوعہ الہلال مصر سنہ ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء
		ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی سنہ ۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۷	ملل ونحل	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۴ھ
۳۸	الفصل فی الملل	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری متوفی سنہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ء
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	ایم ہاؤتسما۔ ایک فرنگ عالم ہے جس نے تاریخ آلِ سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لنڈن چھپوایا ہے۔ اُس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۰ء
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	
۴۱	خلافت بغداد	ٹی۔ اسٹرینج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا	پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۶ھ
۴۴	المعجم	فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصاف	شرف الدین عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان
۴۶	صور الاقالیم (تاریخ خراسان)	ابوزید احمد بن سہل بلخی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	فضل اللہ بن ابوالخیر رشیدی مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۳۶ء
۴۸	روضۃ الصفا	میرخوند مورخ۔ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ جلد چہارم
۴۹	تاریخ بیہقی	ابوالفضل بیہقی۔ مطبوعہ کلکتہ۔ سنہ ۱۸۶۲ء
۵۰	طبقات ناصری	منہاج الدین سراج مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
۵۱	نگارستان	قاضی احمد بن محمد دہستانی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۵ھ
۵۲	آئین اکبری	علامہ ابوالفضل مطبوعہ دہلی سنہ ۱۲۷۲ھ جس کو آنریبل سر سید احمد خاں بہادر مرحوم نے اپنی اُڈیٹری سے شائع کیا تھا۔
۵۳	ہفت اقلیم (تذکرہ)	امین رازی لکھنؤ
۵۴	نامہ خسرواں	جلال الدین مرزا مطبوعہ بمبئی
۵۵	زینت المجالس	مجد الدین محمد حسین مجدی۔ مطبوعہ اصفہان سنہ ۱۳۱۳ھ
۵۶	ناسخ التواریخ	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر متوفی طہران سنہ ۱۳۰۶ھ
۵۷	کسریٰ نامہ	مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۳۲۱ھ
۵۸	تاریخ ہند	جان مارشمین مترجمہ مولوی عبد الرحیم صاحب گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۹	تاریخ ایران	سرجان ملکم۔ مطبوعہ بمبئی
۶۰	فارس نامہ ناصری	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
۶۱	جامع التواریخ	مولوی فقیر محمد۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء
۶۲	قلائد الجواہر فی احوال الجواہر	ملا محمد عباس شروانی مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۱ھ
۶۳	دبستان مذاہب اردستانی	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۹ء (ذوالفقار)
۶۴	دعوت اسلام	ٹی ڈبلیو آرنالڈ صاحب سابق پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ۔ ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	آنریبل الفنسٹن صاحب مطبوعہ سوسائٹی علی گڑھ ۱۸۶۶ء
۶۶	تمدن عرب	مترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۸ء
۶۷	معجم البلدان	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ / ۱۲۲۸ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ
۶۸	تقویم البلدان	سلطان ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل بن ملک الافضل نورالدین علی صاحب حماۃ المعروف بابو الفداء دمشقی متوفی ۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء
۶۹	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۷۰	خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب	عمر بن الوردی الملقب بہ زین الدین متوفی ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء مطبوعہ مصر ۱۲۹۲ھ
۷۱	المرآۃ الوضیۃ فی الکرۃ الارضیۃ	کرنیلیوس فانڈیک امریکانی متوفی ۱۸۹۵ء مطبوعہ بمبئی
۷۲	نزہت القلوب (تاریخ)	حمداللہ مستوفی قزوینی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ
۷۳	گنج دانش	محمد تقی خاں حکیم مطبوعہ اصفہان ۱۳۰۵ھ
۷۴	جام جم	شاہزادہ فرہاد میرزا مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۲ھ
۷۵	مرآۃ البلدان ناصری	صنیع الدولہ محمد حسن خاں مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ
۷۶	ہسٹوریکل ہینڈ اٹلس	مرتبہ ڈاکٹر رچرڈ اینڈری جرمنی مطبوعہ جرمن ۱۸۸۶ء
۷۷	سفرنامہ ناصر خسرو	حکیم ناصر خسرو علوی بلخی متوفی ۴۸۱ھ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ء
۷۸	رحلہ محمد بن جبیر اندلسی	ابو الحسن محمد بن احمد جبیر متوفی ۶۱۴ھ / ۱۲۱۸ء مترجمہ حافظ احمد علی شوق۔ مہتمم کتب خانہ ریاست رام پور
۷۹	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب بشمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی ۷۷۹ھ / ۱۳۷۷ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۰	آثار العجم	میرزا محمد نصیر فرصت شیرازی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۴ھ
۸۱	سفرنامہ پروفیسر ویمبری	مترجمۂ دفتر پیسہ اخبار لاہور سنہ ۱۹۰۳ء
۸۲	خیابان فارس	ترجمہ سفرنامہ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق والیسرائے ہند مترجمہ مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے اڈیٹر دکن ریویو مطبوعہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۰۰ء
۸۳	دفیات الاعیان	قاضی ابوالعباس احمد بن خلکان برمکی متوفی سنہ ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء
۸۴	فوات الوفیات	صلاح الدین محمد شاکر حلبی متوفی سنہ ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	قاضی تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ
۸۶	عیون الانبار فی طبقات الاطبار	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متوفی سنہ ۶۶۸ھ / ۱۲۶۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۷	کتاب الاتحاف بحب الاشراف	شیخ عبداللہ شبرادی متوفی سنہ ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء مصر سنہ ۱۳۱۶ھ
۸۸	الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور	مصنفہ سیدہ زینب مصری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۲ھ
۸۹	دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر	سید محمد مرتضیٰ خاں صاحب نبیرۂ والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم
۹۰	تذکرۃ الائمہ	ملا محمد باقر۔ قلمی سنہ ۱۰۹۶ھ
۹۱	آثار الوزرار	حاجی سیف الدین عقیلی قلمی۔ موجودہ پبلک اورینٹل لائبریری پٹنہ۔
۹۲	دولت شاہ سمرقندی	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۵ھ
۹۲	آتشکدہ	حاجی لطف علی بیگ آذر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۷ھ
۹۴	تذکرۃ الاولیا	مولانا فریدالدین عطارؒ مطبوعہ لاہور سنہ ۱۸۹۱ء
۹۵	نفحات الانس	مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۹ء
۹۶	مراۃ الخیال	شیر خاں لودی۔ کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحار	ہدایت۔ طہران۔ سنہ ۱۲۹۵ھ
۹۸	نامہ دانشوران ناصری	مرزا ابوالفضل ساوجی، مرزا حسن طالقانیؒ ملا عبدالوہاب قزوینی، ملا محمد مہدی۔ طہران سنہ ۱۲۹۶ھ
۹۹	سلسلۃ الذہب	مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ قلمی
۱۰۰	کشف المحجوب	مولانا علی بن عثمان ہجویری مطبوعہ لاہور
۱۰۱	تہذیب الاخلاق	ابن مسکویہ۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۲	کتاب الذریعہ مکارم الشریعۃ	راغب اصفہانی۔ متوفی ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء مصر ۱۳۰۸ھ
۱۰۳	التبر المسبوک فی نصائح الملوک	امام غزالی۔ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ
۱۰۴	اخلاق جلالی	ملا جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۳ء
۱۰۵	منتخبات سعید	حافظ محمد سعید۔ مطبوعہ قدیم لکھنؤ
۱۰۶	عقد الفرید	ابن عبد ربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ/۹۳۹ء مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدنیا والدین	ابو الحسن الماوردی متوفی ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ
۱۰۸	الصادح والباغم	سید شریف نظام الدین ہباری متوفی ۵۰۴ھ/۱۱۰۹ء مطبوعہ بیروت ۱۸۸۷ء
۱۰۹	المستطرف فی کل فن مستظرف	شہاب الدین احمد متوفی ۸۵۰ھ/۱۴۴۶ء مصر ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	شیخ محمد بہاء الدین بن حسین عاملی متوفی ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء
۱۱۱	کتاب المخلاۃ	. . . . مطبوعہ ۱۳۱۷ھ
۱۱۲	چہار مقالہ (طبیعیات)	نظامی عروضی سمرقندی مطبوعہ طہران ۱۳۰۵ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	مرتبہ پروفیسر راس، ہیرن الین۔ لندن و نسخہ جات مطبوعہ بمبئی و کلکتہ۔
۱۱۴	تحفۃ العراقین	خاقانی۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۵ء
۱۱۵	دیوان لامعی	حکیم لامعی جرجانی۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۶ھ
۱۱۶	کشاف اصطلاحات الفنون	شیخ محمد علی تھانوی (۱۱۵۸ھ) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) ۱۸۶۲ء
۱۱۷	دائرۃ المعارف	پطرس۔ بستانی متوفی ۱۸۸۳ء مطبوعہ بیروت ۱۸۷۶-۸۸ء مختلف جلدیں۔
۱۱۸	انسائیکلو پیڈیا برطانیکا	مطبوعہ لندن ۱۹۰۰ء
۱۱۹	انسائیکلو پیڈیا پاپولر	لندن ۱۹۰۳ء
۱۲۰	فرہنگ انجمن آرائے ناصری	مطبوعہ طہران ۱۲۸۸ھ
۱۲۱	فضائل الانام	مجموعہ خطوط امام غزالیؒ مطبوعہ آگرہ ۱۳۱۰ھ
۱۲۲	شواہد النقیبہ فی اثبات الکعبیہ	مطبوعہ بمبئی ۱۸۲۷ء
۱۲۳	التوفیقات الالہامیہ	محمد مختار پاشا مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۱۲۴	تقویم ابو الضیار	مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۰ھ ماخذ تصویر سلطان ملکشاہ
۱۲۵	متفرقات	اخبارات، علمی رسائل۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی نام ملیں گے جو فہرست ہذا میں درج نہیں ہیں۔

اسلامی اور تاریخی کتابیں

تاریخ اسلام مکمل تین حصوں میں۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔

پہلا حصہ عہد رسالت مآب سے لے کر خلافت راشدہ تک صفحات ۵۹۲

دوسرا حصہ۔ عہد بنی امیہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر تک صفحات ۶۷۲

تیسرا حصہ۔ بنو امیہ اندلس، دولت صفاریہ۔ سلجوقیہ عثمانیہ اور مغولانان چنگیزی اور خوارزم شاہیہ تک

صفحات ۶۰۸ = بڑا سائز۔ مجلد۔ قیمت فی حصہ بارہ روپیہ۔ مکمل چھتیس روپیہ۔

البرامکہ مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری

عالم اسلام کے نامور وزراء خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی کے عروج و زوال کی عبرت انگیز داستان۔

بڑا سائز۔ مجلد صفحات ۵۰۰ قیمت بارہ روپیہ۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی

ایک عظیم الشان فقیہہ ایک عدیم النظیر متکلم۔ ایک محیر العقول مصنف، ایک بے باک سیاست داں کے تاج و تخت سے لے کر جیل کی دیواروں تک کے حالات زندگی اور مولانا کا گوہر بار قلم۔

بڑا سائز مجلد صفحات ۵۶۰۔ قیمت بارہ روپیہ۔

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب۔ مصنفہ ڈاکٹر فرانسس برنیر۔ ترجمہ خلیفہ محمد حسین

۱۶۵۶ء سے لے کر ۱۶۶۸ء تک عہد اورنگ زیب کے بارہ سالہ حالات کا عظیم الشان سفرنامہ۔ داراشکوہ۔ شجاع اور مراد کی جنگوں کے چشم دید حالات۔ غرض یہ ایک مستند سیاسی و تاریخی دستاویز بھی ہے۔ اور صحیفہ عبرت بھی۔ بڑا سائز۔ مجلد۔ صفحات ۶۱۲ قیمت بارہ روپے

آئینہ حقیقت نما۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہندو اور مغربی مورخین گذشتہ دو صدی سے تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر ہندوستان پر مسلم فاتحین کے حالات کو مکروہ انداز میں پیش کر رہے تھے۔ مولانا مرحوم کے محققانہ قلم نے مسلمان حکمرانوں کے صحیح اور مستند حالات مرتب کر کے پیش کئے ہیں۔ جن کو پڑھ کر آپ کی تاریخی معلومات میں حیرت انگیز

اضافہ ہوگا۔ بڑا سائز۔ مجلد صفحات ۷۰۸ قیمت بارہ روپے۔

صحابیات: مصنفہ نیاز فتح پوری

رسول اللہ صلعم کے ازواج مطہرات بناتِ طیبات، اور جلیل القدر خواتینِ اسلام کے حالاتِ زندگی، جن کی روحانی عظمت، جن کی شجاعت و دیانت، جن کی اخلاقی بلندی و الطاف پسندی، جن کی ہمدردی و فیاضی، جن کا زہد و تقویٰ اور جن کی علمی خدمات آج بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہیں، اور جن کی قابلِ تقلید زندگی ہر دخترِ اسلام کے لئے شمع ہدایت ہے۔

بڑی سائز مجلد، صفحات ۲۷۲، قیمت چھ روپے

کتاب زندگی: مصنفہ حضرت امام بخاریؒ۔ مترجمہ عبدالقدوس ہاشمی۔

یہ عظیم کتاب حضرت امام بخاریؒ کی اپنی روایت کردہ اخلاقی احادیث و آثار کا وہ بیش بہا مجموعہ ہے جسے صحیح معنوں میں کتابِ زندگی کہنا چاہیئے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں پیغمبر اسلام کی ہدایات نمایاں دکھائی دیتی ہیں اور آپ کو اس کتاب میں وہ مقدس گروہ نظر آتا ہے جس نے عرب کے ریگستانوں سے اٹھ کر سارے جہان کو انسانیت کا درس دیا تھا۔

اس لادینی اور اخلاقی بے راہ روی کے زمانہ میں اس کتاب کا مطالعہ ذہنی تربیت اور عادات و اخلاق کی اصلاح کا موجب ہوگا۔ ہر مرد اور عورت کے لئے اس اہم کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

بڑی سائز مجلد، صفحات ۲۷۲۔ قیمت آٹھ روپے

سفینۃ الاولیاء: مصنفہ شہزادہ داراشکوہ

مشاہیر اولیاء کرام کا روح پرور تذکرہ اس اہم کتاب کا مطالعہ جہاں تاریخ کا مطالعہ ہے۔ وہاں روح کی تسکین اور سکون قلب کا موجب ہے۔ بڑی سائز۔ مجلد صفحات ۲۷۲۔ قیمت چھ روپے بارہ آنے

زیرِ طبع کتابیں: سفرنامہ ابن بطوطہ۔ مآثرِ عالمگیری۔ عالمگیرنامہ۔ تاریخ ابن خلدون۔ تذکرہ حضرت امام ابن تیمیہ۔ حضرت علی تاریخ کی روشنی میں۔ حضرت امیر معاویہ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔

ملنے کا پتہ

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈیمی

بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی ۲

نظام

یعنی الپ ارسلان اور ملک شا

خواجہ بزرگ تاج الحضرتین

مف

پہ

مولوی محمد عبا

نف

بلا